شاہراہِ آزادی

ڈیا ایکٹ ۱۹۳۵

س منظر، عوامل اور تجزیہ

ستخ
243

وحید احمد

Marfat.com

245.2
1062

شاہراہِ آزادی

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵

پس منظر، عوامل اور تجزیہ

وحید احمد
پی ایچ ڈی (کینٹب)

قائد اعظم اکادمی
۱۹۹۰

Marfat.com

۳۲۰.۵۴۵
58822

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب شاہراہ آزادی
مصنف ڈاکٹر وحید احمد
مترجم ذاکر اعجاز
ناشر قائد اعظم اکادمی
۲۹۷، ایم اے جناح روڈ کراچی
طبع اول دسمبر ۱۹۹۰ء
اردو کمپوزنگ شعیب پیکجز، کراچی
طابع سعد پبلیکیشنز، کراچی

ISBN-969-413-050-6

قیمت

پاکستان میں اعلیٰ ایڈیشن : ۲۰۰ روپے
عام ایڈیشن : ۱۲۵ روپے
بیرون ملک : ۱۶ ڈالر (امریکی)
۹ پونڈ (اسٹرلنگ)

اس کتاب میں جن خیالات، نظریات، توضیحات اور تشریحات سے کام لیا گیا ہے، وہ خالصتاً مصنف کے انداز فکر کا نتیجہ ہیں۔ قائد اعظم اکادمی یا کوئی اور ادارہ اس کا ذمہ دار نہیں۔

Marfat.com

1062

فہرست

گزارشات ۷
پیش لفظ ۱۱
مقدمہ ۱۴
حرف آغاز ۱۹
اختصارات ۲۳
۱۔ پس منظر ۲۷
۲۔ لارڈ ارون ۶۸
۳۔ والیان ریاست اور کل ہند وفاق کا تصور ۱۱۵
۴۔ گول میز کانفرنس ۱۵۵
۵۔ فرقہ وارانہ مسئلہ ۲۰۲
۶۔ اصلاحات پارلیمنٹ میں ۲۶۹
۷۔ قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء ایک سیاسی تجزیہ ۳۲۴

Marfat.com

اختتامیہ ۳۳۹

ضمیمہ جات

(I) وائسرائے اِرون کا نوٹ ۳۵۹

(II) نہایت خفیہ یادداشت مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء ۳۶۷

(III) برطانوی سیاستدانوں کے مشترکہ خط کا متن ۳۷۵

سوانحی اشاریہ ۳۷۸

منتخب کتابیات ۳۹۶

اشاریہ ۴۱۱

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشات

میری کتاب Road To Indian Freedom کی تحقیق و تصنیف کا کام ۱۹۶۹ء میں تکمیل کو پہنچا تھا لیکن اس کی اشاعت ۱۹۷۹ء میں ممکن ہو سکی۔ ان دس سال کے دوران متعدد واقعات کے علاوہ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ بھی وقوع پذیر ہوا اور شاید یہی وہ عوامل تھے جو اس کتاب کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بنے رہے۔ یہاں مجھے یہ بات بھی بصد افسوس لکھنا پڑ رہی ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی میں میرے محترم استاد ڈاکٹر پرسیول اسپیرز جن کے زیر نگرانی میں نے یہ مقالہ لکھا تھا اور جنہوں نے اس کتاب کے لئے تعارفی کلمات بھی تحریر کئے تھے دسمبر ۱۹۸۱ء میں انتقال کر گئے۔ تقریباً اسی وقت میرے دوسرے محترم استاد گورنمنٹ کالج کے پروفیسر، ڈاکٹر عبدالحمید بھی رخصت ہو گئے۔ مجھے ان مایہ ناز شخصیات سے ابھی اور بہت علمی استفادہ کرنا تھا مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ بہرحال ان کے تعارفی کلمات کتاب میں شامل ہیں جو میرے لئے ایک اعزاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب تقریباً دس سال کے بعد ہی اس کتاب کا اردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے اردو ترجمہ کی اشاعت کا فیصلہ قطعی طور پر ڈاکٹر وحید قریشی کا ذاتی تھا جب وہ چند سال قبل مقتدرہ قومی زبان کے اسلام آباد میں صدر تھے۔ انہوں نے ترجمہ کی ذمہ داری جناب ذاکر اعجاز کے سپرد کی جنہوں نے بڑی مہارت سے اس تاریخی مواد کو انگریزی سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ ترجمہ کی سلاست اور روانی سے بالکل یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ کتاب بنیادی طور پر اردو زبان میں ہی لکھی گئی ہو۔ مقتدرہ قومی زبان بعض وجوہ کی بنیاد پر اس کتاب کو طبع نہ کر سکا اور اس نے یہ ذمہ داری قائد اعظم اکادمی کے سپرد کر دی۔

اس کتاب کے انداز تحریر اور تاریخی مواد پر تبصرے کی مجھے چنداں ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو قارئین کے سامنے ہے۔ مجھے صرف تین باتیں اس کتاب کے متعلق یہاں کہنا

Marfat.com

ہیں۔ اولاً یہ کہ پاکستان میں تحریک آزادی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ کتاب اس لحاظ سے کسی قدر مختلف ہے کہ اس میں محض ہندوستان کی مسلم امہ اور اس کے رہنماؤں کی کارکردگی درج نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان تمام عوامل سے بحث کی گئی ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء جیسی ضخیم اور اہم قانونی دستاویز کی تکمیل میں محرک رہے ہیں۔ اس طرح قاری پر از خود مجموعی طور پر اس دور کی وہ سیاسی اور دستوری تاریخ واضح ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ تھا۔

دوئم یہ کہ یہ ایکٹ ہمہ گیریت رکھتا ہے۔ تاریخ اور سیاسیات کے طالب علم کے لئے خواہ وہ کسی بھی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ نے ایک اہم مقام حاصل کرلیا ہے۔ جبکہ اس کی ہمہ گیریت کا احساس ان لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں تھا جو اس وقت اس کی تشکیل میں کوشاں تھے۔ آج ہم جب ہندوستان کے اور خود پاکستان کے متعدد دساتیر کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں سے اکثر کی دفعات ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی ترمیم و تنسیخ شدہ کاپی نظر آتی ہیں۔

پاکستان اور بھارت کے دساتیر میں صوبائی حکومتیں۔ مجالس شوریٰ، گورنر کا تقرر اور اس کے اختیارات، ہنگامی حالات سے نمٹنے کی دفعات، سول سروس وغیرہ تقریباً سب پر ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا ملمع چڑھا ہوا ہے اور اکثر یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان ممالک میں صدر بھی تقریباً وہی گورنر جنرل ہے جس کا کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں ذکر موجود ہے۔

بالآخر سیاست کا ایک طالب علم یہی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ موجودہ جمہوری دور میں صرف تین دساتیر کی حکمرانی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور پھر یہی ۱۹۳۵ء کا ایکٹ۔ قارئین کو یہ معلوم کرکے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ براعظم افریقہ کے نائیجیریا جیسے ایک دور دراز ملک کی مختلف جامعات میں سیاسیات کے نصاب میں اس ایکٹ کا مفصل مطالعہ شامل ہے حالانکہ وہاں لوگ ہندو پاکستان کے موجودہ دور کی تاریخ سے کسی حد تک واقف نہیں ہیں۔

مجھے جو تیسری بات کہنا ہے وہ تاریخی مآخذ کے متعلق ہے۔ تاریخ نویسی میں حرف آخر کا دعویٰ غیر حقیقی ہے۔ تاریخ کی کسی کتاب کی حیثیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا

Marfat.com

ہے کہ وہ کن مآخذ پر مبنی ہے۔ اس کتاب کو لکھے آج بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ اور اس دوران مزید بہت کچھ تاریخی مواد پڑھنے اور دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے مگر مجموعی طور پر میں نے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ان واقعات کو جن کے متعلق اس کتاب میں بحث کی گئی ہے کسی اور طریقہ سے ترتیب دیا جائے۔ بہرحال میں نے اس کتاب میں وہ ریکارڈ جو اب پاکستان میں موجود ہے مثلاً آل انڈیا مسلم لیگ پیپرز اور قائد اعظم پیپرز استعمال نہیں کئے ہیں۔ بھارت میں بھی کثیر تعداد میں جو دستاویزات و ریکارڈ موجود ہے اس کی بھی اس کتاب میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً یہ بات اب بھی جواب طلب ہے کہ ہندو قیادت کیوں اس بات پر اڑی رہی کہ مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت میں جس چیز کے طالب ہیں وہ انہیں نہ دی جائے اور یہ کہ ہندو رہنما اس حقیقت سے کیوں اس قدر نا آشنا تھے کہ ان کے انکار سے کیا نتائج بر آمد ہوں گے، علاوہ ازیں نہرو رپورٹ کے متعلق ڈاکٹر مونجے، پنڈت مالویہ اور ان کی ہندو مہا سبھا جماعت یا مہا تما گاندھی کی خود اندرونی کہانی کیا ہے۔

اس وقت میں قائد اعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کے وسطی دور ۳۵ - ۱۹۲۳ء کے موضوع پر ایک کتاب مرتب کر رہا ہوں جو خدا کے فضل سے کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ اپنی اس نئی کاوش کو بطور مآخذ کے وسعت دوں اور اس موضوع پر ایک بنیادی دستاویز بنا دوں۔ بہرحال جب یہ کتاب منظر عام پر آئے گی تو قارئین اس کا خود فیصلہ کر سکیں گے کہ میں اپنی اس کاوش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

میں قائد اعظم اکادمی کے بورڈ آف ایڈیٹرز، ایگزیکٹو کمیٹی اور بورڈ آف گورنرز کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے اتفاق رائے سے پیش نظر کتاب کو اکادمی کی جانب سے طبع کرنے کی اجازت دی۔ مزید بر آں میں قائد اعظم اکادمی کے سینئر ریسرچ فیلو خواجہ رضی حیدر، ریسرچ اسسٹنٹ جناب مہر الاسلام اور پبلیکیشن اسسٹنٹ جناب ظفر اللہ خان کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے بڑی محنت اور مہارت سے مسودہ کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور طباعت کو معیاری بنانے میں اہم خدمات انجام دیں۔ امید ہے کہ قارئین

Marfat.com

اور بالخصوص سیاسیات کے طالب علم جو اردو زبان میں تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اس کتاب کو معلومات افزاء پائیں گے۔

قائداعظم اکادمی
کراچی

وحید احمد
۱۸ نومبر ۱۹۹۰ء

Marfat.com

پیش لفظ

یہ مقالہ قلمبند کئے جانے کے بعد مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ میں بھارت اور پاکستان کی ستمبر ۱۹۶۵ء اور نومبر و دسمبر ۱۹۷۱ء کی دونوں جنگوں کے دوران برطانیہ میں مقیم تھا اور اس طرح ان جنگوں پر انگریزوں اور وہاں سکونت پزیر پاکستانیوں کا رد عمل خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کی خبروں کو برطانیہ کے ٹیلی وژن ریڈیو اور اخبارات سب نے نمایاں مقام دیا اور ان میں پاکستانیوں کو حق بجانب قرار دینے کا رجحان غالب رہا۔ اس زمانے میں پاکستانیوں نے جس مکمل اتحاد کا ثبوت دیا وہ برصغیر کی تقسیم سے قبل قیام پاکستان کے لئے ان کے عزم صمیم کی یاد دلاتا تھا۔ اس کے برعکس ۱۹۷۱ء وہ سال تھا جب پاکستانیوں کی سیاسی تذلیل کے لئے ان پر پاکی باشی، کی پھبتی کسی گئی اور پھر انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ پاکستانیوں میں اتحاد اور یقین محکم کی جگہ نفاق اور بدگمانی نے لے لی۔ مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج پر ہندوستانیوں نے اچانک دھاوا بول دیا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دئے جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آگیا۔ پاکستان دولت مشترکہ سے الگ ہوگیا اور شدید قسم کے نفسیاتی، سیاسی اور اقتصادی بحران کا شکار ہوگیا۔

مشرقی پاکستان کے احیاء کے لئے ایک مایوسانہ کوشش کرنے کی غرض سے بیرسٹر علی محمد عباس (۱) کی قیادت میں مشرقی پاکستان کے دانشوروں کے ایک گروپ کا اجلاس ایک زیر زمین فلیٹ میں ہوتا ہے جو ٹاوی اسٹاک اسکوئر میں واقع ہے۔ اس کا نام انہوں نے پاکستان ہاؤس رکھا ہے۔ اتفاقاً یہیں گاندھی کا مجسمہ بھی ایستادہ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور ہندوؤں کا تسلط قبول کرنے پر پاکستان میں بھیک مانگتے ہوئے

(۱) بیرسٹر علی محمد عباس۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

Marfat.com

مرجانے کو ترجیح دیں گے۔ بہت کم لوگ ان کے دعوے کو سنجیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن چالیس سال قبل اس سے بھی کم لوگ چودھری رحمت علی کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

ان حالیہ واقعات نے پاکستانیوں اور پاکستان کے باہر کے لوگوں میں یہ شکوک پیدا کردئے ہیں کہ آیا پاکستان کے قیام کا کوئی جواز بھی تھا یا نہیں۔ یہ مقالہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتا کیونکہ یہ بجائے خود تحریک پاکستان کی تاریخ نہیں ہے۔ لیکن قاری اس میں ان دشواریوں کا مطالعہ کرسکتا ہے جو ہندوستان کے لئے آئین مرتب کرنے کے سلسلے میں پیش آئیں اور جن میں سب سے بڑی دشواری فرقہ وارانہ مسئلہ تھی۔ آنے والے برسوں میں یہ دشواری شدت اختیار کرگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان لوگوں کو مادر ہند کے ٹکڑے کردینے پڑے جو اس کے لئے قطعی آمادہ نہ تھے۔ بلاشبہ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ میں اٹلی کی حکومت اور ہندوستان میں وائسرائے کی حیثیت سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا دور ہندوستان کی آزادی واتحاد کے لئے بہترین قوت تھی۔ اس کے بعد سے ربع صدی تک ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی نوعیت آزادی سے پہلے کی ہندو مسلم نزاع کی توسیع کے سوا کچھ نہیں تھی۔ صرف وقت ہی ثابت کرسکتا ہے کہ آیا یہ بنیاد تبدیل ہوگئی ہے یا نہیں اور مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے ہندو بھارت کے ساتھ خیر سگالی کا ایک نیا دور شروع کیا ہے۔ یا کشمیریوں کی طرح وہ بھی دام تزویر میں پھنس گئے ہیں۔

یہ کتاب تقریباً اسی شکل میں شائع ہو رہی ہے جس میں اسے ایک تحقیقی مقالے کی حیثیت سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے جامعہ کیمبرج کو جون ۱۹۶۹ء میں پیش کیا گیا تھا۔ میں اپنے دوست اور کیمبرج میں اپنے رفیق کار ڈاکٹر جی ایم ڈچ فیلڈ (جو اب کینٹر بری کی جامعہ کینٹ میں تاریخ کے استاد ہیں) کے مفید مشوروں کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔ مجھ پر ڈاکٹر پر سیول اسپیر کے متعدد احسانات پر یہ احسان مستزاد ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھنا منظور فرمالیا۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کے ایک ممتاز ماہر ہونے کے علاوہ اس دور میں زیادہ تر ہندوستان ہی میں مقیم رہے جس کا جائزہ اس کتاب میں لیا گیا ہے اور ان میں سے بہت

Marfat.com

سے واقعات کے چشم دید گواہ ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں۔ میں راجہ ایف ایم ماجد کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کی نگرانی کی۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۲

وحید احمد
۱۲ کیمروز ایوینیو
اہج ویر
مڈلسیکس
یو کے

Marfat.com

مقدمہ

قانون ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کی تشکیل کا یہ مطالعہ اصلی اسناد و شواہد کے ایک کثیر سرمائے کے غائر جائزے پر مبنی ہے اور ڈاکٹر وحید احمد ان میں سے بعض اسناد تک رسائی حاصل کرنے والے پہلے محقق ہیں۔ مآخذ کا یہ ذخیرہ نہ صرف اپنی مقدار کے لحاظ سے بلکہ اس توازن کے لحاظ سے بھی جو متعلقہ دور کی مختلف پالیسی ساز قوتوں کے درمیان قائم کیا گیا ہے نمایاں حیثیت رکھتا ہے چنانچہ اس میں ہیلی فیکس کے کاغذات کا موازنہ برکن ہیڈ وتیج وڈ بین، ریڈنگ اور بالڈون کے کاغذات سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح سر سیموئیل ہور (بعد میں لارڈ ٹیمپل وڈ) کے کاغذات کا موازنہ لارڈ ولنگلڈن اور سر تیج بہادر سپرو کے کاغذات سے اور لن لتھ گو کے کاغذات کا موازنہ زیٹ لینڈ کے کاغذات سے کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر احمد نے اصلی مواد کے اس سرمائے سے کام لینے میں بے حد کاوش کی ہے اور اعلیٰ تجزیاتی صلاحیت اور صحیح، بے لوث قوت فیصلہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کام میں واقعیت پسندی اور غیر جانبداری کا غیر معمولی ثبوت دیا ہے جس کی بدولت ان کی رائے خلوص کی بے اعتدالی اور مجاہدانہ جوش سے متاثر نہیں ہونے پائی ان کی یہ تصنیف اصل مآخذ کے پس منظر میں زیر بحث قانون کی تشکیل و ترتیب کے پیچیدہ اور گوناگوں عمل کا سنجیدہ اور بے لاگ مطالعہ ہے اور تاریخ کے اس دور کا مطالعہ کرنے والا کوئی طالب علم اسے نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد اس قسم کے مطالعے کو ہندوستان اور پاکستان کی عصری صورت حال سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ مستقبل میں دونوں ملکوں کی آئینی نشو و نما انہی خطوط پر ہوئی جو اس قانون میں متعین کئے گئے تھے یہ سچ ہے کہ اس میں پاکستان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی لیکن اس کے قیام کی طرف ایک اشارہ ضرور موجود تھا کیونکہ اس میں فرقہ وار طریقہ انتخاب

Marfat.com

اور فرقہ وار حقوق کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پنجاب اور بنگال کے لئے بطور پاسنگ "Weightage" اضافی نشستوں کی رعایت ان دونوں صوبوں کے لئے اہم اور شاید پنجاب کے لئے تباہ کن نتائج کی حامل تھی۔ مزید بر آں قانون میں یہ تسلیم کر لیا گیا تھا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ اصول ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں نقش ہو گیا تھا کہ صرف ذمہ دار پارلیمانی حکومت ہی جدید جمہوریت کی قابل احترام صورت ہے۔ یہی وہ ایقان تھا جس کی بدولت ہندوستان میں سیاسی گلو خلاصی کا احساس پیدا ہوا لیکن جو پاکستان میں قابل عمل ثابت نہیں ہوا۔ ہندوستان کے آئین کو سمجھنے کے لئے ۱۹۳۵ء کے قانون سے واقفیت ضروری ہے اور اسی طرح پاکستان کے ابتدائی سیاسی مسائل کو سمجھنے کے لئے بھی اس سے آگاہ ہونا ضروری ہے نیز یہ قانون اس مشکل کا ثبوت فراہم کرتا ہے جو پورے غیر منقسم ہندوستان میں کامل سیاسی اتفاق رائے تک پہنچنے کی راہ میں حائل رہی۔ ایک بالادست طاقت کے ساتھ جس کی گرفت اب بھی مضبوط تھی چھ سال کے طویل مذاکرات اور بحثوں کے بعد بھی مسلمانوں، کانگریس کے بائیں بازو، والیان ریاست کی طرف سے اور ادھر برطانیہ میں مختلف مفادات کے حامل عناصر اور کنزرویٹو پارٹی کے دائیں بازو کی طرف سے مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس مشکل کو مان لینا چاہئے لیکن جن لوگوں نے آئرلینڈ کے نسبتاً چھوٹے سے مسئلے کے حل کی دشواریوں کا مشاہدہ کیا ہے ان کے لئے ہندوستانیوں کو ان کی فرقہ بندی پر مورد الزام ٹھہرانا چنداں آسان نہیں جیسا کہ اس دور میں کیا گیا تھا۔ یہ قانون جہاں اس امر کی مثال تھا کہ مذاکرات کے ذریعے اور رضامندی کی بنیاد پر کیا کچھ کیا جا سکتا ہے وہاں صورت حال میں مضمر مشکلات اور مستقبل کے خطرات کے خلاف انتباہ بھی تھا۔

یہ قانون دو قوتوں کے تعامل کا نتیجہ تھا۔ ان میں ایک قوت تو ہندوستان کے قومی شعور کا طوفان خیز دریا تھا (جو جلد ہی دو شاخوں میں بٹنے والا تھا) اور دوسری قوت برطانیہ کی طرف سے کیا جانے والا عہد اور مفادات کا حامل عنصر۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے (بجز کنزرویٹو دائیں بازو کے) یہ قانون اس صدی کے تیسرے عشرے کے آخری برسوں میں اس کے اندر پیدا ہونے والے اس احساس کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانی قوم پرستی ایک ایسی قوت ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسی قوت جس کے ساتھ تصادم سے بچنے کے لئے برطانیہ کو

Marfat.com

اس سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے ورنہ وہ اسے اشتعال کے عالم میں ملک بدر کر دے گی۔ یہ قانون ہندوستانیوں کی متوازن رائے کا تعاون حاصل کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش تھی تاکہ ایک پائیدار آئین نافذ کیا جاسکے اور مستحکم صورت حال پیدا کی جاسکے۔ برطانیہ کی طرف سے ترغیب دینے والا سب سے ممتاز مدبر لارڈ ہیلی فیکس (سابق لارڈ ارون) تھا اور پختہ کار منتظم سر سیموئیل ہور (جو بعد میں لارڈ ٹمپل وڈ کے خطاب سے نوازا گیا)۔ ہندوستان کی طرف سے ان کے مدمقابل سر تیج بہادر سپرو اور کانگریس کے اعتدال پسند سیاست دان تھے جو زبان بند رکھنے پر مجبور تھے۔ یہ پچاس سال تک کے لئے ہندوستان کے مسئلے کے تصفیئے کا ایک شاندار منصوبہ تھا جس کی بنیاد پر ایک قدامت پسند ہندوستان انجام کار مستعمرہ کے نام سے آزاد ہو جاتا۔ یہ پٹ یا لارڈ ڈرھم کی تجاویز کے پائے کا منصوبہ ثابت ہوتا بشرطیکہ اس کے تصور پر بھی ان تجاویز کی طرح بھرپور عملدر آمد ہوتا۔ لیکن کچھ مشکلات ایسی تھیں کہ وہ تعاون و استحکام کے لئے کسی مدبر کے لائحہ عمل کی بجائے آزادی کے لئے کسی ماہر قانون دان کے نشان راہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

ان میں سے بعض مشکلات سے مفر نہیں تھا۔ مثلاً دنیا میں برطانیہ کی روبہ انحطاط قوت، اس کی روزافزوں متزلزل ہونے والی بین الاقوامی صورت حال، قوم پرستی کا ابھرتا ہوا عالمگیر جذبہ جس کی وجہ سے کسی ایک ملک میں یک طرفہ جابرانہ کارروائی زیادہ خطرناک ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری مشکلات بھی زبردست تھیں یعنی کانگریس کے بائیں بازو میں راست اقدام کا بڑھتا ہوا رجحان جس کی قیادت سبھاش بوس کے ہاتھ میں تھی اور جس کے خلاف گاندھی کو اپنی سیاسی زندگی بچانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ مسلمانوں کے خدشات اور والیان ریاست کی نافہمی جن کی حوصلہ افزائی برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دانوں کا گروپ اپنی تنگ نظری کی بناء پر کر رہا تھا، برطانیہ میں اس گروپ اور مختلف مفادات کے حامل عناصر نے ہندوستان کے بارے میں سیاسی پالیسی مرتب کرنے والوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کنزرویٹو پارٹی میں اس ہٹ دھرم گروپ کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی جو دارالعوام کی رائے شماری سے ظاہر ہوتی تھی، ایک مرتبہ تو پارٹی کی کانفرنس میں اسے تقریباً اکثریت حاصل ہو گئی تھی۔ اس پیچیدہ پس منظر میں ڈاکٹر احمد نے دونوں جانب اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوششوں

Marfat.com

کو مطالعہ کیا ہے، پہلے برطانوی اور ہندوستانی کیمپوں کے اندر الگ الگ اور پھر ان دونوں کیمپوں کے مابین، جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا کانگریس مسلمانوں پر گرفت قائم نہ رکھ سکی۔ مسلمان نہ تو اس کے اعتدال پسند عنصر کے قابو میں تھے اور نہ انتہا پسند عنصر کے اور سپرو وفاق کے سوال پر ابتدائی مرحلے میں کامیابی کے بعد والیان ریاست پر اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکے۔ برطانیہ کی طرف ہٹ دھرم گروپ در پردہ اور برملا دونوں طرح سے پریشان کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جانبین کیمپوں کے اندر کسی نہ کسی شکل میں اتفاق رائے ہو گیا تو انہیں ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتہ ناممکن نظر آیا۔ اس طرح جب یہ قانون بنا تو اپنی وسعت اور ماہرانہ تسوید کے باوجود اس کی حیثیت اس بچے کی سی تھی جو مردہ پیدا ہوا ہو۔ اس نے مسئلے کی حدیں تو متعین کر دیں مگر اسے حل نہ کر پایا۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ ایک قدامت پسند خود مختار ہندوستان کا ڈھانچہ جو والیان ریاست اور زمینداروں کے سہارے کھڑا کیا گیا ہو ان کی فطری کمزوریوں کے باوصف نیز عوام کے قوم پرستانہ اور انتہا پسندانہ طوفان کے مقابلے میں زیادہ عرصے تک کام کرنے کے قابل ہوتا۔ بہت سے لوگ والیان ریاست کی طرح مزید مہلت کے طلبگار تھے تاکہ جو مجموعی سمجھوتہ طے پانے والا تھا وہ لوگوں کے لئے کافی حد تک قابل قبول ہو سکے۔

ڈاکٹر احمد نے ۱۹۲۹ء کے مستعمراتی حیثیت کے وعدے کے اعلان سے ۱۹۳۵ء میں قانون کی منظوری تک چھ سالہ مذاکرات کی کئی اہم خصوصیات کا انکشاف کیا ہے۔ میرے نزدیک ان میں پہلی خصوصیت لارڈ ہیلی فیکس کا غلبہ تھا جو وائسرائے کی حیثیت سے اس نے اپنے دور حکومت کے آخر میں حاصل کر لیا تھا۔ اس مرحلے پر نہ صرف اس نے تن تنہا حکومت ہند کے امور انجام دئے بلکہ لیبر کابینہ میں اس درجہ اثر و رسوخ حاصل کر لیا کہ وہ خود کو جاری کی جانے والی ہدایات حکومت برطانیہ کے لئے خود مرتب کر رہا تھا۔ دوسرے سیموئیل ہور کی فنی مہارت تھی جسے ایک طرف وطن میں سازشوں کا اور دوسری طرف ہندوستان میں کانگریس کی مخالفت کا سامنا تھا اور جسے بوڑھے وائسرائے لارڈ ولنگڈن کی طرف سے برائے نام مدد مل رہی تھی۔ شاید اسے اس مدد کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ تیسری خصوصیت سپرو کا حسن تدبر تھا جس کا مظاہرہ اس نے والیان ریاست پر قابو پانے اور بعد میں لندن کے ارباب اقتدار

Marfat.com

سیاست پر مرکزی ذمہ داری کے لئے دباؤ ڈالنے میں کیا۔ یہ ماہرانہ سیاست کاری نہ صرف ۱۹۰۹ء کے مارلے منٹو اصلاحات میں جداگانہ طریقہ انتخاب کو منظور کرانے میں امیر علی کے تدبر کی یاد تازہ کرتی تھی بلکہ اس پر سبقت لے گئی تھی۔ چوتھی خصوصیت ہٹ دھرم سیاست دانوں کی کامیابی تھی۔ انہوں نے ترمیم و تعویق کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اصلاحات میں پیش رفت کے آخری مراحل کی نہ صرف اہمیت گھٹادی بلکہ ان میں بے حد تاخیر پیدا کردی۔

لیکن جہاں اس قانون کے بارے میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے ہندوستان میں ایک قدامت پسندانہ خود مختار حکومت کے قیام کا اصل مقصد پورا نہیں ہوسکا وہاں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو کیا نتائج بر آمد ہوتے؟ اگر سرے سے کوئی قانون ہی نہ بنتا یا صرف کم سے کم تبدیلیوں کی کوئی اسکیم وضع کی جاتی تو برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان بہت پہلے تعطل پیدا ہوجاتا اور غالباً تشدد آمیز محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوجاتا جس کے نتیجے میں ایک بڑے خون خرابے اور تباہی کے بعد انگریزوں کو ہندوستان سے رخصت ہونا پڑتا۔ اگر ۱۹۱۹ء کے امرتسر کے المیے کے نتیجے میں برطانوی سامراج کا خاتمہ ناگزیر ہوگیا تھا تو ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۵ء تک کے سیاسی عمل میں جو اگرچہ ہندی برطانوی راج قائم کرنے میں ناکام رہا، کم از کم دوستانہ ماحول میں جدائی اور بعد میں مفید تعاون یقینی ہوگیا۔ ڈزرائیلی نے ایک مرتبہ کہا تھا "سیاست میں کم وبیش ہر چیز بری ثابت ہوتی ہے۔" یہی بات دوسرے لفظوں میں یوں کہی جاسکتی ہے کہ سیاست میں بہت کم چیزیں اتنی اچھی یا بری ہوتی ہیں جتنی کہ وہ بادی النظر میں معلوم ہوتی ہیں۔ ہر کامیابی میں ناکامی کا عنصر اور ہر ناکامی میں کامیابی کا عنصر ہوتا ہے۔

کیمبرج
۳ اپریل ۱۹۷۲

پرسیول اسپیر (۲)
(PERCIVAL SPEAR)

(۲) پرسیول اسپیر دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

Marfat.com

حرف آغاز

آئندہ صفحات میں جن واقعات پر بحث کی گئی ہے ان کا تعلق عہد جدید کی تاریخ سے ہے۔ یہ ہم میں سے کثیر التعداد لوگوں کی زندگی میں رونما ہوئے ہیں۔ جن میں سے کچھ عینی شاہد اور کچھ ایسے ہیں جنھوں نے ان کی تشکیل میں حصہ لیا ہے۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کی تاریخ لکھنا گزشتہ نسلوں کے عہد میں رونما ہونے والے واقعات کی روداد قلمبند کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ بعض اعتبارات سے یہ بات درست ہے۔ انسانی تعلقات کو پڑھ کر سمجھنے کی نسبت ان کے تعامل کو بچشم خود دیکھ کر بہتر طور سے سمجھا جاسکتا ہے؟ مثلاً ۱۹۱۹ء کے جلیانوالہ باغ کے قتل عام کا حال پڑھ کر ہندوستانیوں کی نئی نسل پر دہشت طاری ہو جائے گی لیکن جو لوگ اس دور میں بقید حیات تھے صرف وہی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کے شامل نہ کئے جانے سے ان میں غم وغصے کی جو لہر دوڑ گئی تھی وہ آٹھ سال قبل امرتسر کے قتل عام سے بھڑکنے والے جذبہ اشتعال سے زیادہ شدید تھی۔ اس کے سوا عصر حاضر کے مورخ کا کام کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ خود عصری واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ تاریخ نگاری میں جذبات سے بالاتر اور معروضیت پسند ہونے کی خواہ کتنی ہی کوشش کرے اس کی تحریر تعصبات اور ترجیحات کی مثالوں سے مبرا نہیں ہوسکتی۔ عصر حاضر کے مورخ کو ایک متضاد صورت حال کا سامنا ہے۔ اس کی راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ حائل ہے کہ اسے کافی ماخذی مواد ستیاب نہیں جبکہ اس مواد کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ قدیم اور وسطانی عہد سے متعلق تقریباً سارا مواد چھانٹ کر معینہ مقدار میں علیحدہ کردیا گیا ہے۔ اور مطالعے کے لئے دستیاب ہے۔ اس لئے ان ادوار کے مورخین کا کام آسان ہوگیا ہے۔ لیکن جدید اور عصری تاریخ کا مطالعہ اس سے مختلف ہے۔ اس دور سے متعلق مواد پوری دنیا میں بکھرا ہوا ہے۔ طباعت، فلم بندی، مختصر نویسی اور ٹائپ کاری

Marfat.com

کی تکنیک کے ذریعے تحریر وتقریر میں کہی جانے والی ہر اہم بات محفوظ کرلی گئی ہے اور بہت سے اہم واقعات کی فلمیں تیار کرلی گئی ہیں۔ کسی ایک فرد کے لئے اتنے سارے مواد کو جذب کرنا محال ہے۔ دوسری طرف حکومت کے ادارے اور وہ افراد جن کی تحویل میں ایسی اہم دستاویزات ہیں جن سے واقعات پر گراں قدر روشنی پڑتی ہو ان دستاویزات کو فراہم کرنے سے گریز کرتے ہیں تاوقتیکہ کافی وقت نہ گزر جائے۔ لہٰذا پڑھنے والے کو کثیر مقدار میں مواد تو میسر آسکتا ہے۔ لیکن کئی انتہائی اہم دستاویزات جن کے ذریعے حقیقت تک رسائی ممکن ہو اس کی دسترس میں نہیں ہوتیں۔

یہ مقالہ سپرد قلم کرنے میں میں نے ممکن الحصول مواد تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ تاہم یہ جن مآخذ پر مبنی ہے وہ اس موضوع سے متعلق مواد کے موجودہ ذخیرے کا عشر عشیر بھی نہیں۔ کتاب کے آخر میں شامل کتابیات میں ان تصانیف اور دستاویزات کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ جن سے اس تحقیقی کام میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر کتابی شکل میں بہت کم مواد میسر ہے کیونکہ دستاویزات اور نجی کاغذات عام مطالعے کے لئے حال ہی میں منظر عام پر آئے ہیں۔ اخبارات اور سرکاری مطبوعات میں بلاشبہ معلومات کا وافر ذخیرہ موجود ہے لیکن حقیقت کے قریب پہنچنے میں میرے لئے جو مواد بے انتہا ممد و معاون ثابت ہوا وہ نجی کاغذات تھے۔ چودھری ظفر اللہ خان اور پروفیسر رش بروک ولیمز نے (۳) نے مجھے طویل گفتگو کا موقعہ مرحمت فرمایا اور مجھے ایسی گراں قدر معلومات سے مستفید فرمایا جو دستاویزات کے سرمائے سے میسر نہیں آسکتی تھیں۔ پروفیسر رش بروک ولیمز نے مجھے قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کا ذاتی نسخہ عنایت فرمایا جس کے حاشیوں میں انہوں نے پینسل سے جگہ جگہ اپنی رائے قلمبند کی ہے۔ مجھے اس موضوع پر سرجارج شوسٹر (SCHUSTER) اور سر گلبرٹ لیتھ ویٹ سے بھی تبادلہ خیال کا موقعہ ملا۔

خوش قسمتی سے میں نے جنوری ۱۹۶۸ء میں تحدید کاری کی تیس سالہ مدت میں متعلق ضابطہ وجود میں آنے سے پہلے ہی نجی کاغذات کے کئی مجموعوں تک رسائی حاصل کرلی۔

(۳) پروفیسر صاحب ۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو انتقال کر گئے جبکہ یہ کتاب زیر طبع تھی۔

Marfat.com

کاغذات کے وہ مجموعے یہ تھے۔ مجموعہ کاغذات ہیلی فیکس مجموعہ کاغذات ہیلیے، مجموعہ کاغذات زیٹ لینڈ اور مجموعہ کاغذات ہلیٹ جو انڈیا آفس لائبریری کے ذخیرے میں سے دستیاب ہوئے ہیں اور دستاویزات لوتھین جو ایڈنبرا ہزمجسٹیز اسکاٹش ریکارڈ آفس میں محفوظ ہیں۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے مہتمم کی اجازت سے مجھے اگست و ستمبر ۱۹۶۷ء میں مجموعہ کاغذات ٹمپل وڈ کا جائزہ لینے کا بھی موقعہ مل گیا۔ نیز تیس سالہ مدت تحدید سے متعلق ضابطے کے نفاذ کے بعد نجی کاغذات کے کچھ دوسرے مجموعے میری دسترس میں آگئے جن کا حوالہ کتابیات میں دے دیا گیا ہے۔ جامعہ سسیکس کے پروفیسر ڈی۔ اے لو (LOW) نے میرے ساتھ بڑی فراخ دلی سے تعاون کیا اور کاغذات سپرو کا ذاتی مجموعہ استفادہ کے لئے میرے حوالے کر دیا اور شری بی این سپرو نے بھی اسی طرح مجھے اپنے آنجھانی دادا کے کاغذات دیکھنے کی اجازت دے دی۔ اس تعاون پر میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں۔ میں کتب خانہ انڈیا آفس، کتب خانہ جامعہ کیمرج، کتب خانہ جامعہ برمنگھم، کتب خانہ سینیٹ ہاؤس، کتب خانہ برٹش میوزیم، کتب خانہ چیٹم ہاؤس اور ایڈنبرا کے ہزمجسٹیز اسکاٹش ریکارڈ آفس کے مہتممین اور افراد عملہ کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے میری بھرپور مدد کی۔

میرا مقالہ بنیادی طور پر نجی کاغذات کے اس جامع سرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ سرکاری وغیر سرکاری ضخیم مطبوعات، اخبارات یاد داشتوں اور سوانح حیات سے ماخوذ ہے۔ میں نے حکومت ہند کی سرکاری دستاویزات سے استفادہ نہیں کیا ہے کیونکہ جنوری ۱۹۶۸ء تک ان سے استفادہ عام کی جازت نہیں تھی جبکہ میرا یہ تحقیقی کام کئی مراحل طے کر چکا تھا۔

یہ تحقیقی مطالعہ حکومت پاکستان کے محکمہ تعلیم کی اس امداد کا رہین منت ہے جو بیرون ملک تربیتی مرکزی اسکیم کے تحت فراہم کی گئی تھی۔ محکمہ تعلیم اور حکومت مغربی پاکستان نے اس مطالعے کے لئے میری تعلیمی رخصت کی منظوری دے دی۔ فٹز ولیم کالج کیمرج میں میرے اساتذہ ڈاکٹر آر کیلی (KEELY) اور ڈاکٹر ڈی کیرج اور جامعہ کیمبرج کے بورڈ آف گریجویٹ اسٹڈیز کے سیکریٹری جناب ایس ایم ایلگیٹ (ALGATE) سے جب کبھی میں

Marfat.com

نے رجوع کیا انھوں نے میری مدد کی خود یہ مقالہ جامع کیمبرج کے ڈاکٹر ٹی جی پرسیول اسپیر (PERCIVAL SPEAR) کی نگرانی میں لکھا گیا ہے جنھوں نے ہر مرحلے میں بڑی شفقت سے میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ کیمبرج میں ان کی رفاقت کی یادیں ہمیشہ میری زندگی کی متاع عزیز رہیں گی۔

جون ۱۹۶۹
فٹز ولیم کالج
کیمبرج

وحید احمد

58822

Marfat.com

اختصارات

Austen Chamberlain Papers, Birmingham University Library.

ک۔ آ۔ چ/م۔ ک۔ آ۔ چ (مجموعہ کاغذات چیمبرلین)

Harcourt Butler Collection, India Office Library, MSS. E. Eur. F116.

م۔ ک۔ ب۔ (مجموعہ کاغذات بٹلر)

Baldwin Papers, Cambridge University Library.

ک۔ ب۔ (کاغذات بالڈون)

Hailey Collection, India Office Library, MSS. Eur. E. 220.

م۔ ک۔ ہ (مجموعہ کاغذات ہیلے)

Halifax Collection, India Office Library, MSS. Eur. C. 152.

م۔ ک۔ ہ۔ ف (مجموعہ کاغذات ہیلی فیکس)

Hallett Collection, India Office Library, MSS. Eur. E. 251.

ک۔ ہ۔ (کاغذات ہیلٹ)

Keyes Collection, India Office Library, MSS. Eur. F. 131. (Brigadier-General Sir T.H. Keyes Belonged to the Indian Political Service and was Resident at Hyderabad at the time of the Round Table Conference).

م۔ ک۔ ک (مجموعہ کاغذات کیز)

Legislative Assembly Debates (official reports).

Marfat.com

م۔م۔ق (مباحث مجلس قانون ساز)
Lothian Muniments, H.M.'s Scottish Record Office, Edinburgh, GD40 / 17.
د۔ل۔ (دستاویزات لوتھین)
Reading Collection, India Office Library, MSS. Eur. E. 238.
م۔ک۔ر (مجموعہ کاغذات ریڈنگ)
Sapru Papers, National Library Calcutta.
ک۔س (کاغذات سپرو)
Templewood Collection, India Office Library, MSS. Eur. E. 240.
م۔ک۔ٹ (مجموعہ کاغذات ٹیمپل وڈ)
Zetland Collection, India, Office Library, MSS. Eur. D. 609.
م۔ک۔ز (مجموعہ کاغذات زیٹ لینڈ)
Indian Round Table Conference, (12th November, 1930 — 19th January, 1931), Proceedings of Sub-Committees, (Part I), [Sub-committee No. I (Federal Structure)], (1931).
ہ۔م۔گ۔ک (ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس)
Indian Round Table Conference, (12th November, 1930 — 19th January, 1931), Proceedings of Sub-Committees, (Part II), [Sub-Committees II-IX], (1931).
ہ۔م۔گ۔ک (ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس)
Indian Round Table Conference, (Second Session), (7th September, 1931 — 1st December, 1931), Proceedings of Federal Structure Committee and Minorities Committee, (1932).
ہ۔م۔گ۔ک (ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس)

Marfat.com

Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIA, Minutes of Evidence, H.L.79 (IIA) H.C.112 (IIA), (1934).
ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت IIA

Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIB, Minutes of Evidence, H.L.179 (IIA) H.C. 112 (IIB), (1934).
ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت IIB

Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIC, Minutes of Evidence, H.L. 79 (IIC) H.C. 112 (IIC), (1934).
ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت IIC

Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume (Part I), Report, H.L. 6 (1 Part I) H.C.5 (I Part I), (1934).
ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی رپورٹ۔

Marfat.com

Marfat.com

باب اول

پس منظر

قانون ہند مجریہ ۱۹۳۵ء پر مشتمل آئینی اصلاحات کے نفاذ کا فارمولا جس محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا گیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کام کا نقطہ آغاز برطانوی پارلیمنٹ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء میں وزیر ہند مانٹیگو (۱) کا وہ تاریخی اعلان تھا جس میں کہا گیا تھا کہ "ملک معظم کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان بتدریج ترقی کر کے ذمہ دار حکومت کے نصب العین کو حاصل کر لے" (۲)۔ ۱۹۱۹ء کا قانون اس نصب العین کے حصول کی طرف ایک قدم تھا۔ اسی سمت اگلا قدم ۱۹۲۹ء میں اٹھایا گیا کیونکہ متذکرہ قانون میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی تھی کہ اس کے وضع ہونے کے دس سال بعد ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے گا (۳)۔ یہ دفعہ نیز جس غیر محتاط انداز میں ان اصلاحات کا آغاز کیا گیا۔ (۴) اس کی وجہ سے ہندوستان کے قوم پرست حلقوں میں مبالغہ آمیز اور بے جا امیدیں پیدا ہوگئیں اور حکومت پر سیاسی دباؤ میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ جب اصلاحات کے نفاذ کا عمل شروع ہوا تو ملک کے طول و عرض میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے متحدہ طور پر عدم تعاون اور خلافت کی تحریکیں شروع کر دیں۔ لیکن یہ محض احتجاجی تحریکیں تھیں جو بعض خاص قسم کی زیادتیوں کے خلاف شروع کی گئی تھیں اور ان کا مقصد خود مختار اداروں کا قیام نہیں تھا۔ حکمرانوں سے مراعات حاصل کرنے کا اصل کام ۱۹۱۹ء کے قانون کے تحت وجود میں آنے والی قانون ساز اسمبلی کے ماہر اور مدبر ارکان نے انجام دیا۔ اسمبلی کی عام معیاد تین سال مقرر کی گئی تھی اور اس صدی کے تیسرے عشرے میں جو تاریخ کا ایک نہایت اہم دور تھا تین مرتبہ یعنی ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۷ء میں اس کا افتتاح کیا گیا۔ اس اسمبلی کی ترکیب اور کارکردگی کا مطالعہ بے حد اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی ایوان کے ذریعے نہ کہ تحریک عدم تعاون کے ذریعے پورے عشرے میں سیاسی اور آئینی جنگ لڑی گئی۔

انڈین نیشنل کانگریس نے رولٹ ایکٹ، امرتسر کے قتل عام اور خلافت کے خاتمے کے

Marfat.com

خلاف احتجاج کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء میں کونسلوں کے انتخابات کا مقاطعہ کیا۔ تاہم وزیر ہند کی حیثیت سے مانٹیگو کی مقبولیت کی بدولت حکومت فروری ۱۹۲۱ء میں وجود میں آنے والی اسمبلی کے اندر ہندوستانیوں کی نشستوں کو انتخابات اور نامزدگی کے ذریعے پر کرانے کے قابل ہوگئی (۵)۔

پہلی نظر میں یہ نیا تجربہ لارڈ چیمسفورڈ کے بقول, نہایت عمدہ تجربہ, معلوم ہوتا تھا (۶) اور قانون ساز اسمبلی کے ارکان برطانوی راج کے ساتھ انتہائی مفید تعاون کے علمبردار تھے (۷)۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ صوبوں کا دو عملی نظام بے آہنگ ثابت ہونے لگا اور مرکز کی غیر متزلزل مجلس عاملہ کو منتخب مجلس قانون ساز اپنے خلاف محاذ آراء نظر آنے لگی۔ ایوان کے اندر غیر ملکی حکومت کی بےانصافیوں کو بےنقاب کرنے اور مقنّنہ کے اختیارات میں اضافے کا مطالبہ کرنے کے لئے قرار دادیں پیش ہونے اور منظور ہونے لگیں (۸)۔ ایوان کے باہر کی رائے عامہ کے دباؤ اور خود اپنے وطن پرستانہ احساسات کی بناء پر ارکان مجلس نے مانٹیگو کے مقرر کردہ نصب العین پر اپنی توجہ مرتکز کردی اور اسے جلد از جلد حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کردی۔ ستمبر ۱۹۲۱ء تک انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ آئینی تحقیقات کے لئے مقرر کی جانے والی دس سالہ قانونی مدت بہت لمبی ہے لہٰذا اسی مہینے کی ۲۹ تاریخ کو انہوں نے حکومت کو ایک قرار داد منظور کرنے پر مجبور کردیا جس میں وزیر ہند کو ایوان کی اس رائے سے آگاہ کرنے کے لئے کہا گیا تھا کہ ذمہ دار حکومت کے حصول کے لئے ہندوستان کی پیش رفت اس امر کا معقول جواز ہے کہ ۱۹۲۹ء سے قبل آئین کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اس پر نظر ثانی کی جائے (۹)۔ یہ امر کچھ خلاف توقع نہیں تھا کہ برطانوی حکومت اس مطالبے کو اس قدر جلد منظور کرنے پر رضامند نہیں ہوگی لیکن اس نے ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے پیغام کی نفی میں جواب دینے میں بڑی تاخیر سے کام لیا (۱۰) جس کی وجہ سے ایوان کے اندر کشیدگی میں اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۲۲ء میں وزیر ہند کے عہدے سے مسٹر مانٹیگو کے استعفے' (۱۱) اور پانچ ماہ بعد پارلیمنٹ میں وزیر اعظم لائڈ جارج (۱۲) کی اس تقریر سے (۱۳) جس میں اس نے ہندوستان کی سول سروس کے برطانوی عنصر کو "فولادی فریم" قرار دیا تھا ہندوستانیوں کے سیاسی انداز فکر پر برا اثر پڑا۔ اب اسمبلی کے ارکان میں بےچینی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے حکومت کے سالانہ میزانیوں (۱۴) کو چیلنج کرنا شروع کردیا اور وائسرائے کو اس پہلی اسمبلی کی معیاد کے دوران دو مرتبہ (۱۵) ان کی توثیق پر مجبور کیا۔ واضح رہے کہ اس اسمبلی میں عدم تعاون کے حامی شامل نہیں تھے۔ جولائی

Marfat.com

۱۹۲۳ء میں اسمبلی کی معیاد ختم ہوتے وقت ایوان کے ارکان اور اس کے باہر عدم تعاون کے علمبرداروں کے درمیان اختلاف رائے بہت کم نظر آتا تھا۔ اسی مہینے ۲۸ تاریخ کو اسمبلی برخاست ہونے سے قبل خود وائسرائے نے اس سے خطاب کیا اور اس کی تعریف کی کہ اس نے بڑی کامیابی سے ہندوستان کے حالات کی عکاسی کی (۱۶)۔

اسمبلی کی کارگزاری سے عدم تعاون کے حامی متاثر ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ستمبر ۱۹۲۳ء میں ایک ایسے وقت جبکہ حکومت کے خلاف کانگریس کی شورش سرد پڑ گئی تھی، پارٹی کے اندر تبدیلی کے حامی گروپ نے مخالف گروپ پر غلبہ حاصل کرلیا اور آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا (۱۷)۔ وہ نہ صرف مرکزی بلکہ صوبائی مجالس قانون ساز میں بھی خاصی تعداد میں در آئے تاکہ آئینی اصلاحات پر ضرب لگائی جائے آئین سازی کا حق حاصل کیا جائے اور ملک کے لئے مستعمرہ کی مکمل حیثیت کے حصول کی رفتار تیز کی جائے (۱۸)۔ اتفاق سے انہی دنوں برطانوی لیبر پارٹی برسراقتدار آگئی (۱۹) اور اس سے ہندوستان کے قوم پرستوں میں بے جا توقعات پیدا ہوگئیں (۲۰)۔ نو منتخب اسمبلی کا اجلاس قانون سازی کا کام انجام دینے کے لئے ۵ر فروری ۱۹۲۴ء کو منعقد ہوا۔ اسی نئی اسمبلی میں سوراجیوں کے علاوہ آزاد ارکان کا گروپ بھی شامل تھا جس کے قائد مسٹر ایم اے جناح تھے (۲۱)۔ ان دونوں گروپوں نے پہلی اسمبلی کے انتخابات کا مقاطعہ کیا تھا۔ اس اسمبلی کا اجلاس قانون سازی کی کاروائی کے لئے ۵ فروری ۱۹۲۴ء کو ہوا۔ لیکن افتتاح کی رسمی کارروائیاں مکمل ہوتے ہی قانون سازی کی بجائے سوراجیوں نے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے ایک قرار داد پیش کردی جس میں ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مکمل مرتبہ (ڈومینین اسٹیٹس) (۲۲) دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس قرار داد کا مضمون اس قرار داد کے مماثل تھا جو سابقہ اسمبلی میں ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو پیش کی گئی تھی (۲۳)۔ حکومت حسب سابق اب بھی اقلیت میں تھی۔ لیکن اپنے پیش رووں کے برعکس اس ایوان کے بیشتر ارکان کو اصلاحات کی اسکیم کو تباہ کرنے کے درپے اور زیاں کار قرار دیا گیا۔ اس قرار داد پر کئی دن تک بحث ہوتی رہی اور بالآخر اسے ترمیم شدہ اور زیادہ حوصلہ مندانہ شکل میں قطعی اکثریت سے منظور کرلیا گیا۔ اس کے حق میں چھہتر ووٹ اور مخالفت میں اڑتالیس ووٹ آئے (۲۴)۔ اس میں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں کامل ذمہ دار حکومت کے قیام کی غرض سے قانون حکومت ہند پر نظر ثانی کی جائے (۲۵)۔ قرار داد میں حکومت سے کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے لئے آئینی اسکیم مرتب کرتے کے لئے ایک نمائندہ

Marfat.com

گول میز کانفرنس طلب کی جائے اور مرکزی مجلس قانون ساز کو توڑ کر متذکرہ اسکیم کو منظوری کے لئے اور قانونی شکل دینے کی غرض سے برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے (۲۶)۔ مختصر یہ کہ قرارداد میں ہندوستان پر برطانیہ کی بالادستی کی نفی کی گئی تھی اور ہندوستانیوں کے حق خود ارادی کا اثبات کیا گیا تھا۔ لیکن اس قرارداد کی منظوری سے زیادہ اہم چیز قائد ایوان سر مالکم ہیلے (۲۷) کی تقریر تھی جو اس نے ۸ فروری ۱۹۲۴ء کو اسمبلی کے اجلاس میں بحث کے دوران کی تھی (۲۸)۔ ہیلے نے اس تقریر میں حکومت کے حق میں دلائل پیش کرتے ہوئے جو خاصے طویل تھے کامل خود مختار مستعمراتی حکومت، (ڈومینین سیلف گورنمنٹ) اور ذمہ دار حکومت کے درمیان خط فاصل کھینچ دیا تھا اور منٹیگو کے اگست ۱۹۱۷ء والے اعلان کی قدر و قیمت کم کر دی تھی (۲۹)۔ ہیلے کی یہ تعبیر نہ صرف ہندوستانیوں کی امنگوں سے متصادم تھی بلکہ وائسرائیز کے ان فراخ دلانہ خیالات کے بھی منافی تھی جن کا اظہار وہ ۱۹۲۱ء کے بعد مقننہ میں وقتاً فوقتاً کرتے رہے تھے (۳۰)۔ تقریر کرتے وقت یہ بات ہیلے کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ہندوستانیوں کی سوچ پر اس کے کس قدر زبردست اثرات مرتب ہوں گے (۳۱)۔ اس نے نہ صرف سوراجیوں کی تشدد پسندی میں شدت پیدا کر دی بلکہ اعتدال پسند سیاست دانوں کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اب اسمبلی کے ارکان نے بلاخوف سزا حکومت کے خلاف اظہار خیال شروع کر دیا۔ ادھر صوبوں میں بھی دو عملی کے برے اثرات روز بروز نمایاں ہوتے جا رہے تھے (۳۲)۔ سال کے وسط تک ہندوستانیوں کے دباؤ میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ مئی ۱۹۲۴ء میں حکومت ہند سرکاری اور غیر سرکاری نمائندوں پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرنے پر مجبور ہو گئی تاکہ اس سوال پر غور کیا جا سکے کہ آیا موجودہ قانون میں اصلاح کی گنجائش ہے یا نہیں (۳۳)۔ لیکن حکومت کا یہ فیصلہ قوم پرستوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ سوراجیوں نے کمیٹی میں شرکت کی دعوت مسترد کر دی (۳۴) اور اسمبلی کے صرف ایک رکن جناح نے اس میں شرکت قبول کی۔ نو ارکان پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی نے جو مڈی مین کمیٹی کہلائی اپنی رپورٹ دسمبر ۱۹۲۴ء میں پیش کی (۳۵)۔ کمیٹی کے ارکان کے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس نے دو رپورٹیں مرتب کیں۔ ایک اکثریتی رپورٹ اور دوسری اقلیتی رپورٹ۔ ان رپورٹوں پر بالترتیب چار اور پانچ ارکان نے دستخط کئے تھے (۳۶)۔ اکثریتی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ قانون میں اصلاح ممکن ہے اور سفارش کی گئی تھی کہ اس مقصد کے لئے صوبوں کے وزیروں کو مزید ذمہ دارانہ امور منتقل کر دیئے جائیں (۳۷)۔ اقلیتی رپورٹ میں جس پر کمیٹی کے چھ ہندوستانی

Marfat.com

ارکان میں سے چار کے دستخط ثبت تھے۔ قانون کو یکسر مسترد کر دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ حسب شرائط آئینی کمیشن فوری طور پر تشکیل دیا جائے اور اس کی سفارشات کے لئے مزید امور اس کو تفویض کئے جائیں (۳۸)۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا چاروں ارکان وہ اعتدال پسند سیاست داں تھے جنہوں نے عدم تعاون کی تحریک سے خود کو علیحدہ رکھا اور اصلاحات کو ناکام بنانے کے لئے سوراجیوں کے طریقہ کار سے لاتعلقی ظاہر کی۔ بعد میں سر محمد شفیع (۳۹) نے جو اکثریتی رپورٹ پر دستخط کرنے والے دو ہندوستانیوں میں سے ایک تھے ایک خباری انٹرویو (۴۰) میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ "وسیع تر بنیاد پر تحقیقات کی جائے جس کی سفارش کمیٹی کے ارکان کی اقلیت نے کی ہے" اور اس مقصد کے لئے قانون میں معینہ مدت کے اختتام سے قبل ایک شاہی کمیشن مقرر کیا جائے اس طرح اقلیتی رائے کو عملاً اکثریتی رائے اور اکثریتی رائے کو اقلیتی رائے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ بات اس امر کا کافی ثبوت تھی کہ ہندوستان کے اہل الرائے کا ہر گروہ بنیادی تبدیلی کا خواہاں ہے اور محض جزوی اصلاح موجب اطمینان نہ ہوگی۔ لیکن برطانوی حکومت نے ہندوستانی اہل الرائے کے موقف پر مثبت ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے ایک مرتبہ پھر اسے ٹھکرا دیا۔ لارڈ برکن ہیڈ نے (۴۱) دارالامراء کے اجلاس منعقدہ ۷ جولائی ۱۹۲۵ء میں جو تقریر کی اس سے ہندوستانیوں کو سخت صدمہ پہنچا مگر ان کی یہ تقریر ہندوستانیوں کے لئے ایک چیلنج بھی تھی۔ اس تقریر کے بعض اہم نکات یہ تھے:۔

(ا) ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات جو ایک غیر معمولی اور انتہائی جرات مندانہ تجربہ تھیں، جنگ کے بعد پیدا ہونے والی "تصوریت کی فضا" میں نافذ کی گئی تھیں۔

(ب) ہندوستان کے ہاتھ سے نکل جانے کے معنٰی یہ ہوں گے کہ سلطنت برطانیہ کا رقبہ ایک کروڑ بتیس لاکھ پچاس ہزار مربع میل سے گھٹ کر ایک کروڑ پندرہ لاکھ مربع میل سے بھی کم رہ جائے گا۔

(ج) جہاں تک مجوزہ آئینی کمیشن مقررہ تاریخ سے قبل تشکیل دینے کا تعلق ہے، تو اس کے لئے دروازے کبھی بند نہیں کئے گئے، بلکہ برخلاف اس کے دروازے اب بھی کھلے ہیں لیکن اس کے لئے جو شرط ہے وہ بالکل واضح اور قطعی ہے۔ مقررہ تاریخ پر نظر ثانی کے سوال پر اس وقت تک غور نہیں کیا جائے گا اور نہ کیا جا سکتا ہے جب تک ہمیں ہر جگہ ہندوستان کی رائے عامہ کے ذمہ دار لیڈروں میں موجودہ آئین سے بدرجہ اتم استفادہ کرنے میں ہمارے ساتھ تعاون کی خواہش کا ثبوت نہیں مل جاتا اور

Marfat.com

(د) سوراجیوں کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ وہ مغرب میں مرتب کئے جانے والے ہر آئین کو ہندوستان کے لئے قبل از وقت غیر موزوں اور ناقابل قبول قرار دے دیتے ہیں۔ میرا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس قسم کے دعوے کا نہایت سادہ الفاظ میں جواب دیا جاسکتا ہے .... ہمارے ہندوستانی نکتہ چینوں کی رائے میں ہندوستان کے حالات کا ہم سے بہتر علم ہونے کی بناء پر وہ ہر اس معاملے میں کامیابی کی صلاحیت رکھتے ہیں جس میں ہمیں ناکامی ہوئی ہو... تو پھر وہ ایسا کوئی آئین تیار کر کے دکھا دیں جس پر ہندوستان کے عظیم باشندوں کے مختلف گروہ متفق ہوں۔ ہمیں جن مسائل کا سامنا ہے ان سے نمٹنے میں اس قسم کے حل پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔ بلکہ اس کے برعکس حکومت ہند، خود میں اور مجھے یقین ہے کہ مجوزہ کمیشن (جب کبھی وہ وجود میں آئے) اس کا بغور جائزہ لے گا"۔ (۴۲)

اس تقریر سے ہندوستان کے ارباب سیاست کا پارہ چڑھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو ماہ بعد یعنی ۷ ستمبر ۱۹۲۵ء کو جب حکومت نے مڈی مین کمیٹی کی اکثریتی رپورٹ منظور کرنے کے لئے اسمبلی سے رجوع کیا تو اس نے یہ درخواست مسترد کردی اور خود اپنی ایک اسکیم منظور کرلی (۴۳)۔ یہ اسکیم ویسی ہی تھی جو ایوان نے اپنے فروری ۱۹۲۴ء والے اجلاس میں منظور کی تھی (۴۴)۔ لہٰذا حکومت کو مڈی مین کمیٹی کی پیش کردہ دونوں رپورٹوں میں کسی بھی رپورٹ کی سفارشات پر عمل درآمد کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

۱۹۲۵ء کے اختتام تک ہندوستان کی آئینی اصلاحات کا معاملہ تعطل کا شکار ہوگیا۔ قوم پرستوں کی طرف سے پہلے تو یہ مطالبہ کیا گیا کہ آئینی کمیشن کے قیام کے لئے مقررہ مدت کے اختتام سے پہلے کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے پھر انہوں نے ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کا بھی مطالبہ کردیا۔ دوسری طرف حکومت اس بات پر مصر تھی کہ ہندوستانی رہنما پہلے موجودہ اصلاحات کو کامیاب بنانے میں اس کے ساتھ تعاون کریں جس کے بعد اگلا قدم اٹھانے کے سوال پر غور کیا جائے گا اور وہ قدم بھی ایسا تھا کہ جس سے ہندوستانیوں کی امنگیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ ۸ مارچ ۱۹۲۶ء کو کانگریس کے حکم کی تعمیل جو دو روز قبل جاری کیا گیا تھا، سوراج پارٹی کے ارکان بہ حیثیت مجموعی ایوان سے واک آؤٹ کرگئے (۴۵) اور اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک کہ جنوری ۱۹۲۷ء میں اسمبلی کا اجلاس دوبارہ طلب نہیں کیا گیا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ قانون سازی کے کام میں ان کی مزید شرکت سے قومی مقصد کو کس طرح فروغ حاصل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے سیاست دانوں کے ساتھ مل کر اس کام سے لاتعلق رہے اور خود حکومت کی جانب سے آئینی کمیشن کی تشکیل کا انتظار کرتے رہے۔

Marfat.com

اس پس منظر کی روداد مکمل کرنے کے لئے صرف اس بات کی وضاحت کرنا باقی ہے کہ حکومت برطانیہ نے کس طرح کمیشن کی تشکیل کے لئے مقررہ مدت کے اختتام سے قبل کی تاریخ مقرر کی تاکہ ہندوستانیوں کو کمیشن سے علیحدہ رکھا جاسکے اور کمیشن کے ارکان کے ناموں کے اعلان کے بعد اس نے خود کو ہندوستان میں سیاسی طور پر کس طرح سب سے کٹا ہوا پایا۔

جہاں برطانوی حکومت کے عام بیانات ہندوستانی اہل الرائے کے لئے ناگوار تھے وہاں وزیروں کے اقدامات خود غرضی پر مبنی تھے۔ ۱۹۲۵ء میں برکن ہیڈ کو اسی میں مصلحت نظر آئی کہ ۱۹۲۷ء (۴۶) کے موسم گرما سے قبل رائل کمیشن کے تقرر کے سوال پر غور کرلیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس فیصلے کا ایک سبب ہندوستانی لیڈروں کا دباؤ رہا ہو۔ لیکن اصل سبب کچھ اور تھا۔ برکن ہیڈ اپنا کام اپنے جانشینوں یعنی ممکنہ لیبر حکومت پر چھوڑنے کا ذرا بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

برطانوی حکومت کا رویہ جہاں برملا اہانت آمیز تھا وہاں در پردہ خود غرضانہ تھا۔ دسمبر ۱۹۲۵ء میں برکن ہیڈ نے مصلحتاً ۱۹۲۷ء (۴۷) کے موسم گرما سے قبل شاہی کمیشن مقرر کرنے کے سوال پر غور کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس فیصلے کا ایک محرک ہندوستانی لیڈروں کا دباؤ ہو، لیکن (جیسا کہ ابھی کہا جاچکا ہے) اس کا اصل سبب یہ نہیں تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ برکن ہیڈ اپنا کام اپنے جانشینوں یعنی مستقبل کی ممکنہ لیبر حکومت پر چھوڑنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے کابینہ کو ایک خفیہ یاد داشت پیش کی (۴۸)۔ جس میں اس نے قانون کے تحت آئینی کمیشن کے تقرر کے لئے معینہ مدت گھٹا کر پہلے کی تاریخ مقرر کرنے کے بارے میں اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ اس تجویز کا محرک ہندوستانیوں کا دباؤ نہیں بلکہ اس سے اس کا مقصد موجودہ کنزرویٹو حکومت کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ مجوزہ کمیشن کے قیام کی کارروائی کی نگرانی میں شریک رہ کر اس کمیشن کے کام کا آغاز کرسکے۔ اگرچہ یہ بات منظر عام پر نہیں لائی گئی تھی لیکن اپریل ۱۹۲۶ء کو جب لارڈ ارون (۴۹) نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا تو اسے جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ آئینی کمیشن کے لئے پسندیدہ ارکان کے انتخاب (۵۰) کا مسئلہ تھا نہ کہ کمیشن کے قیام کی تاریخ کا تعین۔

اس معاملے میں قطعی فیصلے سے قبل کمیشن کی ترکیب کا سوال کوئی سولہ مہینے تک وزیر ہند اور وائسرائے کے درمیان بحث و تمحیص کا موضوع بنا رہا۔ کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم

Marfat.com

شمولیت کا ذمہ دار بر کن ہیڈ کو قرار دیا گیا کیونکہ اس نے جولائی ۱۹۲۵ء میں جو تقریر کی تھی اس میں برملا رجعت پسندانہ خیالات کا اظہار (۵۱) کیا تھا نیز آئین کی رو سے ہندوستانی امور کے بارے میں وزارت ہند کامل اختیارات کی حامل تھی۔ لیکن اس فیصلے کے اصل سبب کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اس ضمن میں بر کن ہیڈ کی ذمہ داری درحقیقت ثانوی نوعیت کی تھی، وہ اصل میں شروع ہی سے ہندوستانیوں کی شمولیت پر مصر تھا (۵۲) اور اس نے ارون کا مشورہ بادل نخواستہ قبول کیا تھا (۵۳) ہندوستانیوں کی شمولیت پر اصرار کی تہہ میں بر کن ہیڈ کا ایک مقصد کارفرما تھا۔ یہ بات ارون کے نام اس کے ایک خط سے عیاں ہے :-

> "کیا آپ کو یقین ہے کہ کمیشن میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نمائندوں کی موجودگی سے پیدا ہونے والے تنازعے اور ان نمائندوں کی مرتب کردہ رپورٹوں کے درمیان ممکنہ اختلاف ہمارے لئے بےحد مددگار ثابت نہیں ہوگا جس کے پیش نظر اگر کمیشن اس رائے کا اظہار کرے کہ فی الحال کسی نمایاں پیش رفت کی سفارش نہیں کی جا سکتی؟" (۵۴)

اس غیر دانشمندانہ اقدام کی اصل ذمہ داری یقیناً ارون پر عائد ہوتی ہے لیکن ہندوستانیوں کو کمیشن سے علیحدہ رکھنے کے فیصلے اور اس فیصلے پر قائم رہنے کی پشت پر دو عوامل کارفرما تھے۔ ان میں سے ایک کا تعلق ہندوستان کے فرقہ ورانہ مسئلے سے تھا اور دوسرے کا برطانیہ کی لیبر پارٹی کے رویئے سے۔

ارون نے جب وائسرائے کا عہدہ سنبھالا تو ہندوستان کی سیاسی فضا پر جمود طاری تھا، کیونکہ عدم تعاون کی تحریک تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں سوراجی بھی کمزور پڑ گئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی پارٹی میں بھی پھوٹ پڑ گئی تھی اور اس کے بعض ارکان "حامیان تعاون" میں شامل ہو گئے تھے۔ (۵۵)۔ باقی ارکان مارچ ۱۹۲۶ء میں اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے (۵۶)۔ اور آئندہ سال ان کے قائد موتی لال (۵۷)۔ یورپ روانہ ہو گئے اور چند ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ اسمبلی کے صدر ایک سابق سوراجی تھے اور ان کا رویہ حکومت کے لئے سازگار تھا (۵۸)۔ اب حزب اختلاف میں صرف اسمبلی کے آزاد ارکان اور "حامیان تعاون" باقی رہ گئے تھے اور ان کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ وہ کوئی موثر کردار ادا کر سکتے اور نہ ہی انہوں نے سوراجیوں کے "تباہ کن" پروگرام پر عمل کیا۔ ادھر صوبوں میں صورت حال پوری طرح حکومت کے قابو میں تھی۔ پنجاب ہندوستان میں کلیدی اہمیت کا صوبہ تھا اور اس پر ہیلے کی حکمرانی تھی۔ وہ ایک نہایت قابل اور باصلاحیت گورنر تھے۔ جنہوں نے کچھ ہی عرصے پہلے گردوارے کا مسئلہ سکھ برادری کے لئے تسلی

Marfat.com

بخش طور پر حل کر دیا تھا (۵۹) ۔ وائسرائے نے کانگریس کے ممکنہ صدر ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری (۶۰) کے اس بیان کو قابل اعتنا (۶۱) گردانا جو انہوں نے ۱۷ اگست ۱۹۲۷ء کو جاری کیا اور جو تحریک عدم تعاون کو ترک کرنے کی حمایت کے مترادف تھا (۶۲) ۔ ملک کی مالیاتی صورت حال بھی سدھر گئی تھی اور حکومت ۲۴۔ ۱۹۲۳ء میں بلکہ اس کے بعد بھی ہر سال فاضل بجٹ پیش کرنے کے قابل ہوگئی تھی (۶۳) ۔ لیکن ارون کے لئے جہاں یہ صورت حال اطمینان بخش تھی وہاں اسے ہندوستان پہنچنے پر ایک کٹھن مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک کے طول و عرض میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی جس میں لوگ کثیر تعداد میں ہلاک ہورہے تھے۔ یہ مسئلہ وائسرائے کے لئے فوری طور پر توجہ طلب (۶۴) اور اس کی بھرپور توجہ کا متقاضی تھا ((۶۵) ۔ اس نے اپنی آمد کے بعد جو پہلی عام تقریر کی، اس میں دونوں فرقوں سے مذہب اور قومی زندگی کے نام پر اعتماد کی ایک نئی فضا قائم کرنے کی اپیل کی (۶۶) ۔ اس کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۲۷ء کو قانون ساز اسمبلی سے اپنے پہلے خطاب میں اس نے اس مسئلے کو ہندوستان کے خیر خواہوں کے لئے انتہائی تشویش کا باعث قرار دیا اور اس پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا (۶۷) ۔ خود اسمبلی میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا اور اس پر دو دن تک مفصل بحث ہوئی (۶۸) ۔ لیکن فسادات کی تعداد میں روز افزوں اور تشویشناک حد تک اضافہ ہوتا رہا (۶۹) ۔ گاندھی جی (۷۰) نے اس مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے دل پتھر کے ہوگئے ہیں لہٰذا انہیں پگھلانے کے لئے برت رکھنا بے سود ہے (۷۱) ۔ خود گاندھی کے الفاظ میں "حقیقی سوراج" کے بارے میں سوچنے سے پہلے ہمیں عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرنی ہوگی (۷۲) ۔ سپرو (۷۳) نے اس مسئلے کو کمیشن کی ہیئت ترکیبی کے سوال اور اس کے امور مفوضہ سے بھی زیادہ اہمیت دی اور کہا کہ انہیں شمالی ہند میں پہلے کبھی اس سے زیادہ گھٹن اور اکتا دینے والی فضا محسوس نہیں ہوئی تھی (۷۴) ۔ ارون وائسرائے کی حیثیت سے چودہ ماہ کی مدت گزارنے کے بعد بھی بادشاہ کو "ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ جذبات کی شدت میں کمی کے بارے میں کوئی حوصلہ افزا خبر نہ دے سکا" (۷۵) ۔ بالآخر اس نے سوچا کہ اس مسئلے کے حل کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کی جائے اور ان سے پرزور الفاظ میں خطاب کیا جائے بشرطیکہ مجوزہ کانفرنس سود مند ثابت ہو سکتی ہو (۷۶) ۔ اس نے ۲۹ اگست ۱۹۲۷ء کو اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کیا اور اس کی وساطت سے بقول خود اس کے ایک ایسے مسئلے پر "ہندوستان کے ضمیر اور دل کو مخاطب کیا جس کے آگے ملک کو اپنی تاریخ میں پیش آنے والے تمام مسائل ہیچ تھے" (۷۷) ۔ اس نے اسمبلی کو ان خون ریز فسادات میں ہونے والے جانی نقصان کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اس وقت تک ڈھائی سو سے

Marfat.com

تین سو افراد ہلاک اور کوئی ڈھائی ہزار سے زیادہ زخمی ہوچکے ہیں۔ خود اس کے الفاظ میں:۔

"میں آپ سے یہ کہتے ہوئے مبالغہ نہیں کررہا ہوں کہ ان سترہ ماہ کے دوران جب سے کہ میں ہندوستان آیا ہوں پورے ملک پر فرقہ وارانہ کشیدگی کے ہولناک بادل چھائے ہوئے ہیں اور بار بار فسادات کی آگ بھڑکتی رہتی ہے جس نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں ہر جگہ فسادات اور غارت گری کا دور دورہ ہے" (۷۸)۔

تاہم اروِن نے ہندوستانی رہنماؤں کی طرف سے متحارب فرقوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی کوششوں پر آمادگی کا خیر مقدم کیا اور ان دوقیع کوششوں میں اپنے تعاون اور اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لانے، کی پیش کش کی (۷۹)۔ لیکن فرقہ واریت کے زخموں کا مداوا کرنے کی غرض سے (۸۰) ہندوستانی رہنماؤں کی اتحاد کانفرنس جو ستمبر ۱۹۲۷ء میں بمقام شملہ منعقد ہوئی تھی چند روز کے اندر ناکامی کا شکار ہوگئی (۸۱)۔ لیکن فرقہ وارانہ جنگ محض فسادات تک محدود نہیں تھی بلکہ انتظامی، قانونی اور سیاسی سطحوں پر بھی لڑی جارہی تھی۔ مقننہ کے ارکان سرکاری ملازمتوں میں اپنے اپنے فرقوں کے تناسب کے بارے میں حکومت سے بار بار سوال کرتے تھے اور حکومت کو اس کے متعلق معلومات فراہم کرکے ایوان میں پیش کرنی پڑتی تھیں (۸۲)۔

لاہور میں ایک ہندو نے رنگیلا رسول، کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں پیغمبر اسلام کے تقدس کو مجروح کیا گیا تھا۔ اس کتابچے کے ناشر پر مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ کے متعلقہ جج نے جو ہندو تھا اسے بری کردیا۔ جج کے اس فیصلے کے نتیجے میں ایک زبردست قانونی اور فرقہ ورانہ تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ مسلمانوں کے زبردست دباؤ کی وجہ سے حکومت نے ضابطہ تعزیرات ہند میں ترمیم کے لئے ایک مسودہ قانون پیش کیا تاکہ قانون فوجداری میں اس قسم کے جرائم کو شامل کرلیا جائے جس کا ارتکاب متذکرہ کتابچے کے ناشر نے کیا تھا (۸۳)۔ لیکن ایوان میں فرقہ وارانہ عناد کے سبب اس مسودہ قانون پر طویل بحث شروع ہوگئی اور اس کی منظوری کے لئے رائے شماری کرانی پڑی۔ اس تحریک کے خلاف جن چھبیس ارکان نے ووٹ دیئے وہ سب کے سب ہندو تھے (۸۴)۔

سیاست کا میدان بھی تعطل کا شکار تھا۔ مسلمانوں کے جن گروہوں کو فرقہ وارانہ سمجھوتے کے لئے قابل قبول بنیاد کی فراہمی کی امید تھی ان کی کم سے کم شرائط مارچ ۱۹۲۷ء کی تجاویز دہلی میں شامل تھیں (۸۵)۔ تاہم آئینی کمیشن کی تشکیل کے بارے میں سارے فیصلے ہونے اور ان کا اعلان کئے جانے تک ہندو مسلم تنازعے کے تصفیئے کا کوئی امکان نہ توان تجاویز کی بنیاد پر نظر آتا تھا نہ کسی

Marfat.com

اور بنیاد پر۔ اروِن شروع سے یہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے پارلیمانی کمیشن کا مقاطعہ قرین قیاس نہیں ہے۔ اس کے اس اندازے کی تصدیق فیروز خان نون (۸۶) نے کر دی۔ انہوں نے وائسرائے کو مطلع کیا کہ انہیں ان کے مسلم دوستوں نے یہ بتانے کی ذمہ داری سونپی ہے کہ اگر فضل حسین (۸۷) اور عبدالرحیم (۸۸) کو کمیشن میں شامل نہ کیا گیا تو وہ اس پر قطعاً ایسے پارلیمانی کمیشن کے تقرر کو ترجیح دیں گے جس میں کوئی بھی ہندوستانی شامل نہ ہو۔ (۸۹) فضل حسین اور عبدالرحیم جداگانہ انتخابات کے زبردست حامی تھے۔ اروِن کو اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ مسلم لیڈروں کا یہ موقف مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی ترجمانی کرتا ہے۔ (۹۰) اروِن کا یہ استنباط قدرتی اور منطقی تھا۔ فرقہ وارانہ تنازعے کے اسباب خواہ کچھ ہی رہے ہوں۔ فرقہ وارانہ فسادات کے اعداد و شمار، نیز انتظامی، قانونی اور سیاسی حقائق کے تجزیئے سے ظاہر تھا کہ انجام کار نقصان اقلیتی فرقے کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔ (۹۱) ان حالات میں حکومت کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔

اس پس منظر میں حکومت برطانیہ کی طرف سے کمیشن کی ہیئت ترکیبی کے نازک سوال پر اروِن سے مشورہ طلب کیا گیا۔ اس نے شروع ہی میں برکن ہیڈ کے خیالات پر جس ردعمل کا اظہار کیا وہ یہ تھا:۔

> "آپ نے مجوزہ امپیریل کمیشن کے ارکان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ اس میں ہندوستانیوں کی شمولیت کے سوال پر غور کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک یہ اقدام محل نظر ہے۔ کیا یہ زیادہ مناسب نہ ہوگا کہ کمیشن میں صرف انتہائی متوازن رائے کے حامل غیر جانبدارانہ اور غیر ملکی ارکان کو شامل کیا جائے جو آپ کو میسر آسکیں اور ایسی شہادت پر انحصار کیا جائے جو انہیں مختلف ہندوستانیوں کی آراء سے حاصل ہو سکے؟" (۹۲)۔

لیکن برخلاف برکن ہیڈ کے اروِن کی سوچ کی پشت پر کوئی شاطرانہ محرک کار فرما نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مجوزہ کمیشن میں ہندوستانیوں کو نمائندگی دینے کا فیصلہ کیا گیا تو نمائندگی کے لئے ہندوستان کے مختلف گروہوں کے مطالبات پورے کرنا نہایت مشکل کام ہوگا (۹۳)۔ لیکن ہندوستانیوں کو کمیشن میں شامل نہ کرنے کی سفارش کرتے وقت اروِن کے نزدیک جو امر سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا وہ اس یقینی خطرے کا احساس تھا کہ ہندوستانیوں کی شمولیت کی صورت میں کمیشن

Marfat.com

کی طرف سے کم از کم دو رپورٹیں پیش کی جائیں گی۔ ان میں ایک رپورٹ تو کمیشن کے کام کے آغاز سے قبل ہی لکھ لی جائے گی (۹۴)۔ انہیں اپنے اس نظریئے کی تصدیق اپنے قابل اعتماد مشیروں خصوصاً پنجاب کے گورنر ہیلے جیسے معتمد خاص کے مشورے سے ہوگئی (۹۵)۔ جن کی رائے کو وہ ہمیشہ اہمیت دیتے تھے (۹۶) ارون برکن ہیڈ کو بار بار یہی دلیل پیش کرتا رہا جبکہ موخر الذکر کی تجاویز اس کے بالکل برعکس تھیں۔ بایں ہمہ ارون نے ایک مرحلے پر کمیشن میں ہندوستانیوں کی شمولیت کے امکان کے پیش نظر بعض ناموں کی ایک فہرست برکن ہیڈ کو ارسال کی (۹۷)۔ لیکن نو ماہ بعد اس نے مندرجہ ذیل مضمون کا خط لکھا جس کے پیش نظر برکن ہیڈ کو اپنی رائے بدل کر ارون کا موقف قبول کرنا پڑا۔

"موجودہ حالات میں آئینی کمیشن کا عامل مقاطعہ قطعی دور از قیاس ہے مسلمان یقیناً مقاطعے سے گریز کریں گے اور ان کا یہ رویہ ہندوؤں پر بھی اثرانداز ہوگا۔ "حامیان تعاون" کی طرف سے بھی بائیکاٹ کا کوئی امکان نہیں۔ کئی صوبوں خاص کر پنجاب میں تو مقاطعے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جائے گا اور جب یہ سب عناصر شرکت پر رضامند ہوں تو کمیشن سے کانگریس کا لاتعلق رہنا مشتبہ امر ہے۔ اگر اس کی طرف سے مقاطعہ کیا بھی گیا تو وہ محض جزوی ہوگا اور اس لئے کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگا" (۹۸)۔

اس کے ڈیڑھ ماہ بعد برکن ہیڈ نے کابینہ کے اجلاس میں ایک خالصتاً پارلیمانی کمیشن کے تقرر کی تجویز ان لوگوں کی رائے کا پاس کرتے ہوئے پیش کی جو بقول اس کے یہ سمجھتے تھے کہ "کمیشن میں ہندوستانی ارکان کی شمولیت میں جو مشکلات اور نقصانات مضمر ہیں وہ اس قسم کے کمیشن کی تشکیل پر قطعی اعتراضات کی بنیاد ہیں" (۹۹)۔ لیکن برکن ہیڈ صرف لیبر پارٹی کے قائد رمزے میکڈانلڈ (۱۰۰) کے تعاون سے ارون کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہوا۔ اس معاملے میں بھی پیش رفت ارون ہی کی طرف سے ہوئی۔ اس نے برکن ہیڈ کو مشورہ دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ تحقیقات میں لیبر پارٹی کے دو ایک ہوشمند ارکان کو بھی شامل کیا جائے تاکہ اس پارٹی کی طرف سے بہ حیثیت مجموعی ایک ایسے کمیشن کے فیصلوں کی مخالفت کے عظیم تر خطرے کا سدباب کرلیا جائے جس کے بارے میں وہ یہ محسوس کرے کہ اس میں پارٹی کے نقطہ نظر کی ترجمانی نہیں کی گئی ہے (۱۰۱)۔ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے حکومت کے ساتھ تعاون کرنے میں میکڈانلڈ کو خود اپنی پارٹی کے اندر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ پارٹی کے نزدیک اس اسکیم سے ہندوستانیوں کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ (۱۰۲)۔ لیکن خود میکڈانلڈ کا رویہ شروع سے سازگار رہا (۱۰۳)۔ بعد میں وہ بالآخر پارٹی کی مخالفت پر قابو پانے میں بھی کامیاب ہوگیا اور ۸ نومبر ۱۹۲۷ء

Marfat.com

(۱۰۴)۔ کو کمیشن کی تشکیل کے اعلان سے صرف چند روز قبل اس کی رکنیت کے لئے اپنی پارٹی کے دو ارکان کی نامزدگی کی پیشکش کر دی۔ اس طرح برکن ہیڈ کو جس زبردست پریشانی کا سامنا تھا وہ دور ہو گئی۔ برکن ہیڈ دارالعوام میں محض میکڈانلڈ کے حسن تدبیر کی بدولت اس قابل ہوا کہ کمیشن کی تشکیل کی تاریخ معینہ مدت کے اختتام سے قبل مقرر کرنے کی تجویز آسانی سے منظور کرا سکے اور کمیشن تشکیل دے سکے (۱۰۵)۔ بعد میں میکڈانلڈ ہی کی مسلسل حمایت کے سبب ہندوستانیوں کی ہنگامہ آرائی سے پیدا ہونے والی صورت حال کے باوجود حکومت برکن ہیڈ کی اسکیم پر اس وقت تک قائم رہ سکی جب تک کہ کمیشن نے اپنی رپورٹ مکمل نہیں کر لی (۱۰۶)۔

حکومت جس وقت آئینی اصلاحات کی اسکیم مرتب کر رہی تھی ہندوستانی رہنما آئینی تحقیقات کے لئے خود اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جس کا انہیں عرصہ دراز سے انتظار تھا۔ ان میں کئی رہنما کمیشن کے تقرر کے اعلان کے وقت انگلستان کا دورہ کر رہے تھے (۱۰۷) انہوں نے انگلستان کی عام سیاسی فضا میں ہندوستانی امور سے متعلق بڑی حد تک لاعلمی پائی (۱۰۸) اور وہ یہ تاثر لے کر لوٹے کہ آئینی اصلاحات کے خلاف انگریزوں کی رائے شدت اور تعصب پر مبنی ہے۔ (۱۰۹) جہاں اخبارات میں کمیشن کے اعلان کے اہم نکات کے بارے میں وسیع پیمانے (۱۱۰) پر پیش گوئیاں کی جا رہی تھیں وہاں ان ہندوستانی رہنماؤں کو برطانیہ میں بائیں بازو کے سوشلسٹوں کے ساتھ ملاقاتوں کے نتیجے میں پتہ چلا کہ حکومت کمیشن میں ہندوستانیوں کو نمائندگی دینے کا ارادہ نہیں رکھتی (۱۱۱) اور یہ ملاقاتیں بھی اتنی موثر نہیں تھیں کہ حکومت یا لیبر پارٹی کی باضابطہ پالیسی پر اثر انداز ہوتیں (۱۱۲) انجام کار خود اعتدال پسند اور ہوشمند ہندوستانی رہنماؤں نے ان تمام ذریعوں سے کام لیتے ہوئے جو ان کی دسترس میں تھے اور جن میں اخبارات میں شائع ہونے والے خطوط (۱۱۳) اور انٹرویو (۱۱۴) اور نجی سطح پر خط و کتابت (۱۱۵) اور گفتگو (۱۱۶) شامل تھی حکومت کو خبردار کیا کہ کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہ کرنے کے فیصلے کا نتیجہ مخالفانہ ردعمل کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ ان واقعات کے ساتھ ایک اور اہم واقعہ جولائی ۱۹۲۷ء میں رونما ہوا۔ ایک کتاب "مدر انڈیا" (۱۱۷) شائع ہوئی جس میں ہندوستانی معاشرے خاص کر ہندو سماج کے ڈھانچے کی مذمت کی گئی تھی۔ (۱۱۸) اس کتاب کے متن اور بار بار اشاعت (۱۱۹) کے پیش نظر ہندوستان میں اسے ایسے پروپیگنڈے سے تعبیر کیا گیا جو کمیشن کے تقرر

Marfat.com

سے قبل کیا جارہا ہوتا کہ برطانوی قیادت کے لئے اس موقف کا جواز پیدا ہوسکے کہ ہندوستانیوں نے کوئی ٹھوس سیاسی ترقی نہیں کی ہے۔ (۱۲۰) دوسری طرف کمیشن کے تقرر کے اعلان سے ہندوستانیوں نے یہ سمجھ لیا کہ کتاب کے بارے میں ان کے شبہات درست تھے۔ (۱۲۱) اس طرح اگر چہ ہندوستان کے مختلف فرقے ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما اور سیاسی سطح پر ایک دوسرے کے خلاف سرگرم کشمکش تھے اور حکومت نسبتاً پر سکون تھی لیکن ہندوستان کے تمام اہل الرائے کو اپنی قوم پر لگنے والے کلنک کے ٹیکے کی بدولت اتحاد کی بنیاد فراہم ہوگئی۔ چنانچہ اروِن نے کمیشن کے اعلان کے لئے مقرر کردہ تاریخ ۸ نومبر سے قبل ہندوستانی رہنماؤں کا قطعی رد عمل معلوم کرنے کے لئے ان سے یکے بعد دیگر ملاقات کی تو اسے پتہ چلا کہ ہندوستانیوں کا رویہ ناساز گار ہے۔ (۱۲۲)

کمیشن کے قیام کے سرکاری اعلان کے بعد حکومت رفتہ رفتہ ان ہندوستانیوں کی حمایت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی جنہوں نے اب تک اعتدال پسندانہ پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ ان میں ایک ہندوستانی رہنما قانون ساز اسمبلی کے صدر وی جے پٹیل تھے۔ (۱۲۳) ان کا رویہ بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اسمبلی میں حکومت اقلیت میں تھی جبکہ حزب اختلاف کی آواز موثر تھی اور اس کے ارکان نہ صرف اکثریت میں تھے بلکہ پختہ عزم کے مالک تھے۔ اسمبلی کا پہلا صدر ایک نامزد انگریز تھا (۱۲۴) ۱۹۲۵ء میں جب اس کے عہدے کی معیاد ختم ہوئی اور قانون کا اقتضاد پورا کرنے کے لئے اسمبلی کو خود اپنا صدر منتخب کرنے کی اجازت دینے کا وقت آیا تو حکومت سراسیمہ ہوگئی ہوگی (۱۲۵) پٹیل ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو ایوان کے صدر منتخب ہوگئے (۱۲۶) انہوں نے انتخاب کے دو روز قبل کرسی صدارت سے پہلی ہی تقریر میں اپنی جماعتی وابستگی ترک کرنے اور حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان کرکے ایوان کو حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ان کے فرائض منصبی اس امر کے متقاضی ہوں تو وہ وائسرائے سے دن میں دس مرتبہ ملاقات کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (۱۲۷) ان کے اس طرز عمل کو حکومت کی حقیقی فتح قرار دیا گیا اور عدم تعاون کی تحریک میں ہوشمندانہ رجحان کی بحالی، سے تعبیر کیا گیا (۱۲۸) پٹیل اپنے سوراجی پس منظر اور ایوان کے اندر اپنی پارٹی کی تباہ کن حکمت عملی کے باوجود جس کے وہ صدر تھے، اپنے عہد پر قائم رہے اس طرح

Marfat.com

وہ اپنے فرائض حکومت کے حسب دلخواہ انجام دیتے رہے۔ (۱۲۹) مارچ ۱۹۲۶ء میں اسمبلی سے سوراجیوں کے نکلنے کے بعد بھی وہ بدستور صدر ایوان کے فرائض انجام دیتے رہے (۱۳۰) اور جنوری ۱۹۲۷ء میں جب نئی اسمبلی کا اجلاس ہوا تو وہ بلا مقابلہ صدر منتخب ہوگئے کیونکہ حکومت نے ماضی میں ان کے غیر جانبدارانہ روئے کو مستحسن قرار دیا تھا۔ (۱۳۱) لیکن کمیشن کے بارے میں جو بری خبریں مل رہی تھی ان سے دوسرے ہندوستانی رہنماؤں کی طرح وہ بھی سخت پریشان ہوگئے اور انہوں نے اپنی تشویش سے وائسرائے اور وزیر ہند دونوں کو آگاہ کر دیا۔ (۱۳۲) انہوں نے پونا میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عدم تعاون کی حکمت عملی ہی ہندوستان کو بچانے کی واحد صورت ہے خواہ وہ اسمبلی کے باہر اختیار کی جائے یا اسمبلی کے اندر۔ (۱۳۳) کمیشن کے تقرر کے اعلان کے بعد ایک بیان جاری کیا گیا جس میں انہوں نے کہا کہ اس سوال پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد کہ آیا وہ اسمبلی کی صدارت سے دستبردار ہو کر زیادہ آزادی کے ماحول میں لوٹ جائیں یا نہیں، یہ فیصلہ کیا ہے کہ انتظار کیا جائے اور واقعات کا مشاہدہ کیا جائے۔ اس طرح پٹیل نے استعفیٰ تو نہیں دیا لیکن اس کے بعد ایسا رویہ اختیار کیا جو حکومت کے لئے موجب تشویش تھا۔

حکومت کو ایک اور نقصان برداشت کرنا پڑا۔ وہ سیاست داں جو آزاد خیال (لبرل) کہلاتے تھے حکومت کی حمایت سے کنارہ کش ہوگئے ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک کی پہلی اسمبلی میں غیر سرکاری نشستیں زیادہ تر سیاست دانوں کے اسی گروپ کے قبضے میں تھیں۔ ایوان کی اگلی دو میعادوں کے دوران یعنی ۱۹۲۴ سے ۱۹۲۶ء تک اور ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک ان میں سے بعض سیاست داں، نامزد یا منتخب ارکان کی حیثیت سے اسمبلی میں موجود رہے اور مخالف سوراج پارٹی کے مقابلے میں حکومت کا ساتھ دیتے رہے ممتاز آزاد خیال سیاست دانوں میں سرچمن لال سیتل واڈ، (۱۳۴) سرسیوا سوامی آئر (۱۳۵) سری پی راما سوامی آئیر (۱۳۶) وی ایس سری نواس شاستری، (۱۳۷) سی وائی چنتا منی (۱۳۸) اور ایم آر جایا کر شامل تھے۔ (۱۳۹) لیکن ان کے بہترین نمائندے سپرو تھے جو ہندوستان کے انتہائی متین اور فرقہ وارانہ تعصبات سے مبرا لیڈر تھے۔ (۱۴۰) یہ سب ارکان سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہنگامہ آرائی کی روش کو ناپسند کرتے تھے۔ (۱۴۱) وہ کانگریس کی تحریک عدم

Marfat.com

تعاون سے لاتعلق رہے اور انہوں نے 1919 کی اصلاحات پر عمل درآمد میں حکومت کے ساتھ تعاون کیا۔ لیکن فروری ۱۹۲۴ میں ہیلے نے اسمبلی کے اجلاس میں جو تقریر کی اس کی وجہ سے ان کے انداز فکر میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ (۱۴۲) اس سال دسمبر میں اس گروپ کے تین ارکان نے مڈی مین کمیٹی میں اپنی تنظیم کے ارکان سے اختلاف کرتے ہوئے جناح کی شرکت میں ایک علیحدہ اقلیتی رپورٹ لکھی۔ (۱۴۳) چونکہ حکومت ہندوستانیوں کی قومی امنگیں مناسب حد تک پوری کرنے میں ناکام رہی تھی لہٰذا آزاد خیال ارکان اس سے دور ہوگئے اور صرف انگریز ارکان پر مشتمل آئینی کمیشن کی تشکیل کے فیصلے نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ بیسویں صدی کے دوران برطانوی دور حکومت میں یہ شاید پہلا موقعہ تھا کہ ان سیاست دانوں کا ضمیر حکومت کے ساتھ تعاون کرنے میں مانع رہا دسمبر ۱۹۲۷ء میں ان کا ایک اجلاس بمبئی میں ہوا جس کی صدارت سپرو نے کی۔ اس میں انہوں نے کمیشن کے تقرر کے اعلان کی مذمت کی اور عدم تعاون کی ایک قرارداد منظور کی جو سیوا سوامی آئیر نے پیش کی تھی۔ (۱۴۴) اعلان کے ایک ہفتے کے اندر اندر ارون نے تسلیم کرلیا کہ ایک مضبوط حزب اختلاف موجود ہے جس میں گوناگوں عناصر آملے ہیں اور یہ عناصر آزاد خیال گروپ، کانگریس قوم پرست اور آزاد ارکان کے گروپ (۱۴۵) جیسی ہندو تنظیموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح آزاد خیال یا لبرل سیاست داں ان لوگوں کے قریب آگئے جو انتہا پسندانہ خیالات کے حامل تھے اور جن سے وہ ماضی میں الگ تھلگ رہے تھے۔ وہ سائمن کمیشن سے اسی قدر متنفر تھے جتنی کہ کانگریس تھی۔ چنانچہ اگلے دو سال میں انہوں نے کمیشن اور حکومت کا دونوں کا مقاطعہ کردیا۔ اب ان دونوں گروپوں کے درمیان فرق صرف اتنا رہ گیا تھا کہ انتہا پسندوں کے برعکس آزاد خیال گروپ نے ہنگامہ آرائی اور مظاہروں کی روش اختیار نہیں کی —— خود انڈین نیشنل کانگریس میں بھی اس اعلان سے صورت حال اور خراب ہوگئی۔ اب تک کانگریس کی قیادت بزرگ سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ سرعام جو کہتے تھے اس سے قطع نظر برطانوی سامراج کے ساتھ ہندوستان کے رشتے کو برقرار رکھنے پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن مدراس میں کانگریس کے دسمبر ۱۹۲۷ء میں منعقد ہونے والے اجلاس میں نوجوان عنصر ابھر کر سامنے آیا۔ گاندھی نے ینگ انڈیا میں شائع ہونے

Marfat.com

والے ایک مضمون میں اس اجلاس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا کہ اس کا معیار اس حد تک گرا ہوا تھا کہ وہ اسکول کے لڑکوں کی "انجمن مباحثہ" (۱۴۶) بن کر رہ گیا تھا۔ انہوں نے جواہر لال نہرو کو (۱۴۷) متنبہہ کیا کہ وہ تیز رفتاری (۱۴۸) سے احتراز کریں۔ غرضیکہ پارٹی میں ایک تغیر رونما ہو چلا تھا (۱۴۹) جو جلد یا بدیر ناگزیر تھا۔ لیکن سائمن کمیشن کے تقرر سے اس تغیر کی رفتار تیز ہو گئی اور نوجوان عنصر کو اپنا تسلط قائم کرنے کا "خوش آئند موقعہ" مل گیا۔ (۱۵۰) اس تبدیلی سے آنے والے برسوں کے لئے ایک نیا لائحہ عمل کانگریس کے ہاتھ آ گیا، جس کے نتیجے میں دسمبر ۱۹۲۹ء میں ارون کے ساتھ گاندھی اور موتی لال کے مذاکرات کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور کانگریس اور حکومت کے درمیان مفاہمت میں ۱۹۳۱ء تک تاخیر ہو گئی (۱۵۱)

اس طرح حکومت نے ساری ہندو قیادت کو برگشتہ کر دیا اور اچھی خاصی سیاسی حمایت سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ لیکن حکومت کے لئے ثابت قدمی کے ساتھ اپنی پالیسی پر قائم رہنے کا امکان اب بھی موجود تھا بشرطیکہ اس حلقے کی طرف سے متوقع حمایت کا مظاہرہ کیا جاتا جس پر اسے سب سے زیادہ بھروسہ تھا۔ یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مسلمان نہ صرف مقابلے میں شرکت سے احتراز کریں گے بلکہ ہندوستانیوں کی عدم شمولیت کی صورت میں بھی آئینی کمیشن کے ساتھ یقیناً تعاون کریں گے۔ (۱۵۲) ارون کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا تعاون حاصل ہو جائے تو ہندو علیحدہ نہیں رہ پائیں گے اور اس طرح مقاطع کرنے والوں کا پروگرام ناکام ہو جائے گا۔ (۱۵۳) لہٰذا کمیشن کی کارروائی میں مسلمانوں کو ٹرمپ کارڈ تصور کر لیا گیا۔ بادی النظر میں ملک کے اندر خصوصاً پنجاب میں ایسی صورت حال موجود تھی جس سے اس قسم کے مفروضے کا جواز پیدا ہوتا۔ (۱۵۴) لیکن یہ اندازہ غلط تھا۔

تیس سال بعد ارون نے اپنی یادداشتوں میں برصغیر کے اندر کارفرما ایک نئی قوت کو اچھی طرح سمجھنے میں اپنے ان مشیروں کی ناکامی کا جائزہ لیا جن کی معلومات ہندوستان کے بارے میں ماضی کے بیس تیس سال پر پھیلی ہوئی تھیں۔ (۱۵۵) اس صدی کے دوسرے عشرے میں ہندو مسلم تعلقات کی جو صورت تھی اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ فرقہ وارانہ اختلافات بدستور موجود تھے، لیکن برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد

Marfat.com

میں مسلمان بہ حیثیت عمومی ہندوؤں کے ساتھ شریک رہے۔ سب سے پہلے انہوں نے گاندھی کی قیادت میں اس وقت اشتراک عمل کیا جب خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں ایک ساتھ چل رہی تھیں۔ اگرچہ جناح جیسے سیاستدانوں نے تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا لیکن ان کی ہمدردیاں صریحاً اس تحریک کے ساتھ تھیں۔ (۱۵۶) انہوں نے ۱۹۲۱ء میں صوبائی کونسلوں کا مقاطعہ کیا لیکن تین سال بعد ان کے امیدوار ان کونسلوں کے انتخابات میں کھڑے ہوگئے۔

اوران دونوں اعتبارات سے ان کا طرز عمل اپنے ہندو برادران وطن کے طرز عمل سے ہم آہنگ تھا۔ فروری ۱۹۲۴ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے تقریباً سارے منتخب مسلم ارکان نے اپنے ہندو رفقا کے ساتھ موتی لال کی اس حوصلہ مندانہ قرار داد کے حق میں ووٹ دیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں خودمختار مستعمرہ (ڈومینین) قائم کی جائے اور ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔ (۱۵۷) اس کے تین ماہ بعد مسلم لیگ کا طویل جمود ٹوٹا اور لاہور میں اس کا اجلاس میں ہوا تو جناح نے اپنے صدارتی خطبے میں ہندوستان کی سیاسی پیش رفت کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اسمبلی کی قرار داد میں شامل ملک گیر مطالبے کو تسلیم کرلے۔ (۱۵۸) موتی لال اور وٹھل بھائی جیسے کئی ممتاز ہندو لیڈروں کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت پر آمادہ کرلیا گیا جو سال کے اختتام پر بمبئی میں ہونے والا تھا (۱۵۹) جہاں تک سیاسی پیش رفت کا تعلق تھا۔ اس اجلاس اور آئندہ اجلاس کا موضوع ایک ہی تھا۔ (۱۶۰) مارچ ۱۹۲۷ء والی تجاویز دہلی کا مسلمہ مقصد یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اختلاف کی وجہ سے پیدا ہونے والی رکاوٹ دور کی جائے اور قومی مقصد کے حصول کے لئے زمین ہموار کی جائے۔ قانون ساز اسمبلی میں منتخب مسلم ارکان نے متعدد موقعوں پر حکومت کو شکست دینے کے لئے ہندو ہم وطنوں کے ساتھ مل کر ووٹ دیا اور ان میں سے ہر موقعے پر آئینی اصلاحات کا سوال زیر غور آیا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جن میں ہندو ارکان نے اپنی تقریروں میں صورت حال کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرائی جس میں کانگریس، مسلم لیگ اور آزاد خیال سیاست دانوں (لبرلز) نے متفقہ طور پر قومی مطالبے کی توثیق کی تھی۔ (۱۶۱) دوسرے لفظوں میں اس دور میں ایک طرف ہندو اور

Marfat.com

مسلمان ایک دوسرے کے خلاف فرقہ وارانہ اور سماجی سطحوں پر صف آرا تھے تو دوسری طرف ان کے مابین سیاسی تعاون فروغ پا رہا تھا۔ دونوں فرقوں کے ممتاز لیڈروں نے مذاکرات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا ادھر وائسرائے کی طرف سے بھی متصادم فرقوں کے درمیان امن و آشتی کی مسلسل اپیل کی جا رہی تھی۔ ان تمام کوششوں کے نتائج تو برآمد نہیں ہو رہے تھے، لیکن سمجھوتے کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا رہا تھا۔ کانگریس نے ابھی تک تجاویز دہلی پر فیصلہ صادر نہیں کیا تھا۔ جب سائمن کمیشن کی تشکیل کا اعلان کیا گیا تو ہندو اور مسلم رہنماؤں کے درمیان تفریق کی صورت بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ صورت کلکتہ میں کل جماعتی کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں تجاویز دہلی کی نامنظوری اور نہرو رپورٹ کی منظوری کے بعد پیش آئی۔

مسلم قائدین نے سائمن کمیشن کے اعلان پر تقریباً اسی ردعمل کا اظہار کیا جو ہندو لیڈروں نے کیا تھا۔ کمیشن میں ہندوستانیوں کی نامزدگی کی متبادل صورت یہ تجویز کی گئی تھی کمیشن کے ساتھ ہندوستان کے اشتراک عمل کی راہ نکالی جائے اور اس مقصد کے لئے مرکزی مقننہ کی ایک کمیٹی قائم کی جائے۔ اس تجویز اور کمیشن کے تقرر کے اعلان کو چند مسلم رہنماؤں نے قابل مذمت قرار دے کر فوری طور پر مسترد کر دیا۔ وہ رہنما عبدالرحیم، شفیع، اقبال (۱۶۲) اور فضل حسین (۱۶۳) تھے۔ پنجاب کے گورنر نے مرکزی کابینہ کے فیصلے کی مذمت سے دستبردار ہونے کے لئے تادیبی بنیاد پر فضل حسین پر دباؤ ڈالا، کیونکہ وائسرائے نے اس فیصلے کی توثیق کر دی تھی۔ اس کے جواب میں انہوں نے صوبائی کابینہ سے استعفیٰ دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (۱۶۴) خود آغا خان (۱۶۵) جیسے لیڈر نے بھی کمیشن کے ساتھ ہندوستانیوں کے تعاون کے خواہشمند تھے۔ یہ کہا کہ کمیشن کی موجودہ شکل کی بجائے وہ ذاتی طور پر اس بات کو ترجیح دیں گے کہ اس میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کو پچاس پچاس فی صد نمائندگی دی جائے۔ (۱۶۶) لیکن کمیشن کے خلاف جو مسلم رہنما خم ٹھونک کر میدان میں آیا وہ جناح تھے۔ انہوں نے اپنے متعدد ہم وطنوں کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر کمیشن کے خلاف ہندوستانیوں کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے ایک باضابطہ مہم شروع کر دی اور دسمبر ۱۹۲۷ء میں کلکتے میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں برطانیہ کے خلاف

Marfat.com

آئینی جنگ کا اعلان کر دیا (۱۶۷) لیکن حکومت کو مسلمانوں خاص کر پنجاب کے مسلمانوں کے ایک طبقے کی حمایت حاصل ہوگئی۔ ہرچند کہ ان مسلمانوں کے ایقانات حکومت کے ساتھ اشترک عمل میں مانع تھے لیکن وہ (۱۶۸) جناح سے بدظن ہو گئے تھے جنہوں نے لاہور میں اس کتابچے کی اشاعت کے نتیجے میں جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے (۱۶۹) ہندوؤں کے ساتھ صلح جوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جداگانہ طریقہ انتخاب کی منسوخی کی پیش کش کی تھی۔ چنانچہ پنجاب کے نوجوان مسلمان ہیلے کی ترغیب پر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے صوبائی وزیر فیروز خان نون کی رہنمائی میں مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ ہوگئے۔ یہ صورت ایک ایسے وقت میں رونما ہوئی جبکہ سر محمد شفیع کے بارے میں شکایت عام ہو چلی تھی کہ وہ سخت اور موثر رویہ اختیار نہیں کررہے ہیں۔ (۱۷۰) یہ ہیلے اور نون کی (۱۷۱) حکمت عملی کی کامیابی تھی کہ مسلم لیگ کی پنجاب کی شاخ نے چار کے مقابلے میں بائیس ووٹوں سے ایک قرارداد منظور کی جس میں ہندوستانیوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ کمیشن کے مقاطع سے اجتناب کریں اور ساتھ ہی انہوں نے شفیع کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ (۱۷۲)

اگلے چھ ہفتے کے دوران جناح اور ان کے رفقاء اور پنجاب کے مسلمانوں کے درمیان لفظوں کی جنگ ہوتی رہی جس کے نتیجے میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی ان میں ایک طرف لاہور لیگ تھی اور دوسری طرف کلکتہ لیگ (۱۷۳) بادی النظر میں ان دونوں دھڑوں کے درمیان وسیع خلیج حائل تھی لیکن حقیقت میں دونوں کا سیاسی طرز عمل کافی حد تک یکساں تھا۔ لاہور لیگ نے تجاویز دہلی کو یکسر مسترد کر دیا (۱۷۴) اور کلکتہ لیگ نے بھی ان تجاویز کو غیر مشروط طور پر قبول نہیں کیا (۱۷۵) چنانچہ دونوں لیگیں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوستان کے لئے مستقبل کے آئین کی تیاری میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اشتراک عمل پر زور دے رہی تھیں۔ (۱۷۶) جہاں تک سائمن کمیشن کا تعلق تھا، کلکتہ لیگ کا موقف یہ تھا کہ اس کا مکمل مقاطعہ کیا جائے (۱۷۷) جبکہ لاہور لیگ اگرچہ کمیشن کے ساتھ تعاون کی خواہاں نہیں تھی لیکن یہ چاہتی تھی کہ اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کر دے اور اس سے درخواست کرے کہ پارلیمنٹ کو اس کا پیغام پہنچا دیا جائے (۱۷۸) آئندہ سال ۳۰ر

Marfat.com

اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جب سائمن کمیشن لاہور کے دورے پر آیا تو ریلوے اسٹیشن کے باہر اس کے خلاف مظاہرہ کیا گیا جس میں بعض ممتاز مسلمان شریک تھے (۱۷۹) جبکہ پلیٹ فارم پر صرف چند مٹھی بھر اعلیٰ حکام اس کے استقبال کے لئے موجود تھے (۱۸۰) پنجاب کی قانون ساز کونسل نے کمیشن کے ساتھ تعاون کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی اس کے ارکان کی اکثریت نے جو رپورٹ قلمبند کی، اس کے پہلے ہی پیراگراف میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ تعاون کی بنیاد کے طور پر سر جان سائمنز کی تجاویز کی قبولیت کا یہ مطلب نہیں کہ کمیٹی نے ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن کی ہیئت ترکیبی کو تسلیم کر لیا ہے، اس کمیٹی میں دو مسلم ممبر بھی شامل تھے اور اس کی اکثریتی رپورٹ پر ان دونوں نے دستخط کئے تھے (۱۸۱) مسلمانوں کے اس کیمپ کے ارکان یہ محسوس کرتے تھے کہ پارلیمینٹ آخری قانون ساز ادارہ ہے اور چونکہ خود پارلیمینٹ نے آئینی کمیشن مقرر کیا ہے لہٰذا جب وہ آئین وضع کرے گی تو اس کی رائے پر کمیشن کی سفارشات اثرانداز ہوں گی۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہندو اپنا موقف پارلیمینٹ کے بیشتر ارکان کے سامنے پیش کر چکے ہیں جبکہ مسلمانوں کی طرف سے اب تک اس قسم کا کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا (۱۸۲) لہٰذا اگر مسلمانوں نے اپنا موقف کمیشن کے سامنے پیش نہ کیا تو ان کا مقدمہ غیر حاضری کی بناء پر خارج از بحث ہو جائے گا (۱۸۳) اس موقع پر کمیشن کو مسلمانوں کی جانب سے جو قلیل حمایت حاصل ہوئی اس کا سبب قطعی یہ نہیں تھا کہ وہ کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم شمولیت پر رضامند تھے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انہیں ہندوؤں کی ناراضگی کی بدولت اپنی جمعیت کے لئے ایک حیثیت حاصل کرنے کی امید تھی۔ (۱۸۴) اس ضمن میں پنجاب کے گورنر نے جو کچھ لکھا وہ یہ تھا:

"یہاں لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں جداگانہ حق رائے دہی حاصل کرنا ہے تو کمیشن کے ساتھ تعاون انتہائی ضروری ہے اور ان کی دانست میں جو قوم پرست مسلمان مقاطعے کی مہم میں شریک ہیں وہ ہندوؤں میں عارضی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اپنا قلعہ ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جداگانہ حق رائے دہی کے طلب گار کمیشن کا مقاطع کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے اگر ایسا کرنے سے جداگانہ حق رائے دہی کے سوال پر ان کا معاملہ طے ہو جائے۔ اگر ہندو اس سوال پر مفاہمت کے لئے آمادہ ہو

Marfat.com

جائیں تو ان لوگوں کو مقاطع کے پروگرام میں شرکت کے لئے کوئی پس و پیش نہ ہو گا۔ چونکہ انہیں اس معاملے میں مفاہمت کی کوئی امید نہیں ہے لہٰذا وہ جناح اور دوسرے قوم پرستوں کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں"۔ (۱۸۵)

لہٰذا پنجاب کے مسلمانوں کا رویہ کمیشن کی اسکیم پر عملدر آمد کے سلسلے میں حکومت کے لئے کافی نہیں تھا۔ ان کا موقف زیادہ سے زیادہ مقاطعہ کرنے والوں کے ساتھ عدم تعاون کے مترادف تھا اور کسی طرح اس بات کا اقرار نہیں تھا کہ کمیشن کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

اس طرح ساری ہندوستانی قیادت متفقہ طور پر کمیشن کی تشکیل سے ناراض تھی اور اس میں ہندوستانیوں کی عدم شمولیت کو نسل پرستی اور اہانت پر محمول کرتی تھی۔ گویا ہندوستانیوں کی طرف سے کمیشن اور حکومت کا مقاطعہ مکمل ہو گیا تھا۔ (۱۸۶)

۱۹۲۷ء کے بعد کا دو سالہ دور ہندوستان پر برطانیہ کی حکمرانی کا غیر معمولی دور تھا جس میں حکومت ہندوستانی معاشرے کے تمام عناصر کی ہمدردیوں اور حمایت سے محروم ہو گئی تھی۔ ان ایام کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا قرین حقیقت ہو گا کہ اس وقت ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ برطانیہ اور ہندوستان کے مابین عقلی سطح پر کسی بھی وقت محاذ آرائی شروع ہو سکتی تھی۔ صورت حال انتہائی خطرناک تھی اور دھماکے کے لئے صرف موقع چاہئے تھا اور یہ موقع سائمن کمیشن نے فراہم کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانیوں میں سنگین نوعیت کے فرقہ وارانہ اختلافات موجود تھے لیکن ان اختلافات کی تہ میں آزادی کی مشترکہ آرزو اور اس کے حصول کے لئے جہاد کا جذبہ موجزن تھا۔ ملک معظم اور ان کے نائبین (وائسرائیز) کی طرف سے جو مشفقانہ بیانات دیئے جا رہے تھے وہ ہندوستانیوں کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں تھے۔ اگرچہ گاندھی کی تحریک عدم تعاون کا ابھی تک کوئی ٹھوس اور نمایاں نتیجہ بر آمد نہیں ہوا تھا لیکن اس سے اہل ہندوستان میں قومی تشخص کے اثبات کا زبردست جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اب وہ خود کو روایتی مفہوم میں برطانیہ کی رعیت سمجھنے کو تیار نہیں تھے اور حق خود ارادی اور قوموں کی صف میں بنیادی حیثیت کے خواہاں تھے۔ چنانچہ قانون ساز اسمبلی کی ان قراردادوں میں یہی جذبہ کارفرما تھا جو ستمبر ۱۹۲۱ء، فروری ۱۹۲۴ء اور ستمبر ۱۹۲۵ء میں منظور کی

Marfat.com

گئیں۔ (۱۸۷) برطانیہ میں راج کا جو تصور تھا اس میں ایک بنیادی تبدیلی ہی برطانوی حکومت اور ہندوستانیوں کے درمیان تصادم کو روک سکتی تھی لیکن برطانیہ کی قیادت وقت کا تقاضا پورا نہ کر پائی اور بالآخر اِرون نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود حالات کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا۔ صورت حال کو مدبرانہ انداز میں سمجھ کر اس سے عہدہ برآء ہونے کی ذمہ داری تن تنہا اِرون کے کندھوں پر آ پڑی تھی اور یہ بھی ایک ایسے وقت جبکہ ہندوستانیوں کی طرف سے سائمن کمیشن کا مقاطعہ ایک اٹل حقیقت بن گیا تھا۔ وائسرائے کی حیثیت سے اِرون کے عہدے کی میعاد کے دوران دور رس نتائج کے حامل دو واقعات رونما ہوئے اور ان دونوں سے اِرون کا گہرا تعلق تھا۔ ان میں پہلا واقعہ تو سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم شمولیت تھی جس پر بحث کی جاچکی ہے۔ دوسرا اہم واقعہ اِرون کا ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء والا بیان تھا جس کے ذریعے انہوں نے نہ صرف ہندوستان کے مسئلے کا تعطل دور کر دیا بلکہ اسے ایک حقیقت پسندانہ سیاسی سطح پر لے آئے۔ لیکن اس بیان کے بعد انہوں نے جو اقدامات کئے اس سے برطانیہ کے بعض حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور ان کا اثر برطانیہ کی سیاست پر برسوں پڑتا رہا تا آنکہ برطانوی قیادت کی توجہ ان واقعات کی طرف منعطف ہو گئی جو ۱۹۳۹ء کی جنگ پر منتج ہوئے۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات میں اِرون نے جو نمایاں کردار ادا کیا اور ۱۹۲۸ء سے اپریل ۱۹۳۱ء میں ہندوستان سے اپنی سبکدوشی تک صورت حال کو جس خوش اسلوبی سے اپنے قابو میں رکھا وہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ان سب باتوں پر بحث کرنے کے لئے ایک علیحدہ باب کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات:

(۱) ایڈون سیموئیل مانٹیگو۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۲) ملاحظہ ہو۔ 97 HC - 5s Cols 1695 - 6

(۳) (باب ۱۰۱) قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۱۹ء ۹، ۱۰۔ GE0 ۵

(۴) ملاحظہ ہو لارڈ چیمسفورڈ کا خطاب ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۹ فروری ۱۹۲۱ء سے۔ اس خطبہ افتتاحیہ میں اس نے دعویٰ کیا کہ اعلان ۱۹۱۷ اسی کی تحریک پر کیا گیا تھا۔ اور اسی کی تحریک پر وزیر ہند ہندوستان آیا تھا۔ اپنی تقریر میں اس نے یہ بھی کہا "ہم

Marfat.com

چیمسفورڈ اور مانٹیگو) اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب برطانوی پالیسی کے لئے ایک نیا نقطہ آغاز تلاش کرنا چاہئے اور اسے ایک نیا رخ دینا چاہئے مارلے منٹو اصلاحات کی بنیاد پر مزید پیش رفت ممکن نہیں ۔ ہمیں اس مسئلے کا جو صحیح حل نظر آیا وہ اصولاً اس اعلان میں شامل کرلیا گیا ہے۔ جو ملک معظم کی حکومت نے ہمارے ساتھ کامل اتفاق رائے کرتے ہوئے اگست ۱۹۱۷ میں کیا ہے۔ یہی اعلان لامحالہ برطانیہ کے سارے دور حکومت میں کار فرما رجحان کا تازہ ترین اور ناقابل فراموش مظہر ہے لیکن اس رجحان میں درجاتی تبدیلیاں اس حد تک پائی جاتی ہیں ۔ کہ وہ نوعیتی تبدیلیاں معلوم ہوتی ہیں اور یہ اعلان انہی میں کی ایک تبدیلی ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ مطلق العنانی کا اصول جو پچھلی تمام اصلاحات میں کلیتاً ترک نہیں کیا گیا تھا اب قطعی طور پر رد کردیا گیا ہے۔ برطانوی حکومت کے بارے میں یہ تصور کہ وہ فیض رساں مطلق العنانی سے عبارت ہے اب بالاخر ترک کردیا گیا ہے۔" م۔ م۔ ق جلد اول، حصہ اول ۹ تا ۱۳ مذکورہ تقریر کے بعد ڈیوک آف کناٹ نے ملک معظم کا پیغام پڑھ کر سنایا جس کے بعض جملے یہ تھے۔

"محب وطن اور وفادار ہندوستان برسوں سے بلکہ شاید نسل در نسل مادر وطن کے سوراج کے خواب دیکھتے رہے ہیں آج میری سلطنت کے اندر آپ کے سوراج کا آغاز ہورہا ہے۔" ایضاً صفحہ ۱۴

(۵) مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں دس لاکھ رجسٹرڈ رائے دہندگان میں سے ایک لاکھ بیاسی ہزار افراد نے حق رائے دہی استعمال کیا صوبائی کونسلروں کے انتخابات میں رائے دہی کی صورت حال اس سے بہتر تھی جن میں تقریباً ۳۱ فی صد ووٹ ڈالے گئے۔ ریاستی کونسل کے انتخابات میں رائے دھند گان کی نصف سے زیادہ تعداد نے حصہ لیا۔ مرکزی اور صوبائی مجالس مقننہ میں سات سو چوہتر نشستیں پر کی جاتی تھیں ان میں صرف چھ نشستوں کے لئے امیدوار کھڑے نہیں ہوئے اور تین سو پینتیس نشستوں کے لئے امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ ہر نشست کے لئے اوسطاً تین امید وار کھڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔ INDIA: THE ROAD TO SELF GOVERNMENT جے کوٹ مین، انڈیا: دی روڈ ٹو سیلف گورنمنٹ (مطبوعہ لندن ۱۹۴۱) صفحہ ۷۳۔

(۶) ملاحظہ ہو لارڈ چیمسفورڈ کی تقریر کے لئے دی ٹائمز مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۱ء یہ تقریر اس نے وائسرائے کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد سر چارج برڈ وڈ میموریل لیکچر کے موقع پر رائل سوسائٹی آف آرٹس لندن میں ۲۲ اپریل ۱۹۲۱ء کو کی تھی۔

(۷) ملاحظہ ہو محولہ بالا اخبار مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۲۱ء جس میں لارڈ چیمسفورڈ کی وہ تقریر شائع ہوئی

Marfat.com

تھی۔ جو اس نے ۱۸ مئی ۱۹۲۱ء کو لندن کے رائل کولونیل انسٹیٹوٹ میں کی تھی۔

(۸) اس مضمون کی قرار دادوں کی ایک مثال وہ پندرہ قرار دادیں ہیں جو سر پی ایس سوامی آئیر نے ۲۸ مارچ ۱۹۲۱ء کو پیش کی تھیں جبکہ اسمبلی کو وجود میں آئے صرف ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا۔ یہ تمام قرار دادیں ہندوستان کی بری فوج پر کنٹرول سے متعلق تھیں۔ ان میں سے ایک قرار داد میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ کمانڈر انچیف کو گورنر جنرل کی رکنیت سے ہٹادیا جائے اور دفاع کا محکمہ کسی سویلین کے سپرد کیا جائے۔ مباحث مجلس قانون ساز اسمبلی جلد اول، حصہ دوم صفحات ۱۶۸۷ تا ۱۷۶۱۔

(۹) وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن متعلقہ خزانہ مالکم ہیلے اور امور داخلہ سے متعلق رکن سر ولیم اور امور داخلہ سے متعلق سر ولیم وینسنٹ (VINCENT) کی تقریروں اور ان کے بعد قرار دادوں کی منظوری کے لئے ملاحظہ ہو۔ م۔ م۔ ق جلد دوم حصہ اول ۱۲۷۴ تا ۱۲۸۶

(۱۰) اسمبلی نے ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ کو قرار داد منظور کی تھی۔ وزیر ہند لارڈ پیل (PEEL) کے جواب پر ۲ نومبر ۱۹۲۲ء کی تاریخ درج تھی۔ یہ جواب اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۳ء میں پیش کیا گیا۔ اس کے متن کے لئے ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد سوم، حصہ دوم صفحہ ۱۴۲۳ تا صفحہ ۱۴۲۴۔

(۱۱) اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۱ مارچ ۱۹۲۲ء میں ایچ ایس گور (GOUR) نے مانٹیگو کے استعفےٰ کو "ایک ایسا واقعہ قرار دیا جس سے پورے ملک میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی"۔ م۔م۔ق جلد دوم، حصہ سوم، صفحہ ۲۹۷۰۔ ۲۵ر مارچ ۱۹۲۲ء کو اسمبلی میں اس پر تفصیل سے بحث کی گئی اور آخر یہ تحریک منظور کی گئی، "یہ اسمبلی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ براہ کرم ملک معظم کی حکومت کو اس مضمون کا تار ارسال کیا جائے کہ "اسمبلی وزیر ہند کے عہدے سے رائٹ آنریبل ای ایس مانٹیگو کے استعفےٰ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے جنھوں نے وزیر ہند کی حیثیت سے ہندوستان اور سلطنت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور ایوان ہذا کی خواہش ہے کہ ان کی خدمات پر جو سلطنت کے بہترین مفاد میں تھیں اور جو اعلیٰ تدبر کے تقاضوں کو پورا کرتی تھی موصوف سے دلی تشکر کا اظہار کیا جائے" م۔م۔ق۔ صفحہ۔ ۳۲۷۲

(۱۲) ڈیوڈ لائڈ جارج۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳) لائڈ جارج نے یہ تقریر دارالعوام میں ۲ر اگست ۱۹۲۲ء کو کی تھی۔ اس میں اس نے ہندوستان کی سول سروس کے دروبست میں برطانوی عنصر کو "فولادی فریم" سے تعبیر کیا تھا۔

Marfat.com

اس نے متذکرہ عنصر کو اطمینان دلاتے ہوئے عہد کیا تھا کہ نہ صرف خود اس کی حکومت بلکہ آئندہ حکومتیں بھی سول ملازمتوں کے مفاد میں موجودہ سیاسی حالت کو برقرار رکھیں گی۔ ملاحظہ ہو: 157,H.C Deb.5s cols 1506-17 یہ چونکہ وزیر اعظم کی تقریر تھی لہٰذا ہندوستان میں اسے اعلان ۱۹۱۷ء کی تنسیخ قرار دیا گیا، بالخصوص اس لئے بھی کہ مانٹیگو مستعفی ہو گیا تھا۔ خود مانٹیگو نے بھی اس تقریر کو پالیسی میں تبدیلی سے تعبیر کیا ملاحظہ ہو اس کا مضمون بہ عنوان "سروس ان انڈیا" جو روزنامہ ٹائمز مورخہ ۲ر، ۳ر جنوری ۱۹۲۳ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔

(۱۴) ۷ر مارچ ۱۹۲۱ء کو پہلے میزانئے پر عام بحث کے دوران اسمبلی کے ایک رکن رائے، جی۔ این ماجمدار نے وزیر خزانہ مالکم ہیلے کی تقریر میزانیہ کو ایک بوڑھے اسکول ماسٹر کی "ایسی دھمکی" سے تشبیہ دی جس کا مقصد مطالبات زر کے حق میں ووٹ حاصل کرنا تھا تاکہ نمائندہ اسمبلی کی استعداد کے امتحان میں کامیابی حاصل ہو سکے اور ذمہ داری کی بلندی پر پہنچا سکے، م۔م۔ق جلد اول، حصہ اول صفحہ ۶۶۴۔ ایک اور رکن چودھری شہاب الدین نے بجٹ تقریر کی مذمت کرتے ہوئے اسے مایوس کن اور ملال انگیز قرار دیا۔ ایضاً صفحہ ۶۹۳۔ آئندہ سال ۱۴ر مارچ ۱۹۲۲ء کو اسمبلی نے تمام مطالبات زر میں ۵ فی صد کمی کرنے کے لئے ایک تحریک منظور کی۔ ایضاً جلد دوم حصہ سوم صفحہ ۳۰۶۰۔ تیسرے میزانیئے میں جو مارچ ۱۹۲۳ء میں پیش کیا گیا گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو اسمبلی کی منظور شدہ کئی کٹوتیوں کو بحال کرنا پڑا۔ ایضاً جلد سوم، حصہ پنجم صفحہ ۳۸۴۵۔

(۱۵) اس نے ایک مرتبہ مارچ ۱۹۲۳ء میں نمک کی تیاری کی شرح محصول معین کرنے کے لئے قانون ہند مجریہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۶۷ ب کے تحت اپنے اختیارات استعمال کیئے۔ اس شرح میں اسمبلی نے کمی کر دی تھی۔ م۔م۔ق صفحہ ۳۹۴۶۔ پھر اس نے ستمبر ۱۹۲۲ء میں انہی اختیارات سے اس وقت کام لیا جب ہندوستانی ریاستوں سے متعلق بد خواہی کے خلاف تحفظ کے بل کو اسمبلی نے مسترد کر دیا۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا تیسرا باب

(۱۶) م۔م۔ق جلد سوم، حصہ ہفتم، صفحہ ۵۰۹۵

(۱۷) **ہسٹری آف انڈین نیشنل کانگریس (۱۸۸۵ء تا ۱۹۳۵ء) از بی پاٹابھی سیتارامیہ (مدراس ۱۹۳۵ء) صفحات ۴۳۸ تا ۴۳۹**

(۱۸) ملاحظہ ہو سوراج پارٹی کا منشور جو پنڈت موتی لال نہرو کے دستخط سے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جاری کیا گیا۔ نیز ملاحظہ ہو پنڈت موتی لال نہرو کی تقریروں کا انتخاب "دی وائس آف فریڈم" مرتبہ کے ایم پانیکر واے پرشاد (لندن ۱۹۶۱ء) صفحات ۵۰۵ تا ۵۱۳

Marfat.com

(۱۹) ۲۱ر جنوری ۱۹۲۴ء کو کنزرویٹو پارٹی کی حکومت کو بہتر ووٹوں سے شکست ہوگئی۔ اگلے دن لیبر پارٹی کی حکومت نے وزیر اعظم مسٹر رمزے میکڈانلڈ کی قیادت میں حلف اٹھالیا۔
انگلش ہسٹری از جے بی ٹیلر (۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۵ء) (لندن ۱۹۶۶ء) صفحہ ۲۰۹۔

(۲۰) ملاحظہ ہو حکومت برطانیہ ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے درمیان نیک تمناؤں کے پیغامات کے تبادلے کے لئے۔ م۔م۔ق جلد چہارم نمبر ۱۲ صفحہ ۶۵۹ وایضاً جلد چہارم نمبر ۴۰ صفحہ ۲۴۰۲ اسمبلی کا پیغام اس قرارداد میں تھا جو ۱۴ر فروری ۱۹۲۴ء کو منظور کی گئی تھی اور وزیر ہند کی طرف سے اس کا جواب اسمبلی کے اجلاس میں ۳۰ر مئی ۱۹۲۴ء کو پڑھ کر سنایا گیا۔
حالانکہ برسراقتدار آنے کے ایک ہفتے کے اندر لیبر پارٹی کے وزیراعظم نے حکومت ہند کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس کا ایک جملہ یہ تھا "برطانیہ کی کوئی جماعت طاقت کے استعمال کی دھمکیوں یا ایسی پالیسیوں سے مرعوب نہیں ہوگی جس کا مقصد حکومت کو اپنے فرائض کی انجام دہی سے روکنا ہے۔ اگر ہندوستان میں کوئی بھی گروہ اس مغالطے میں ہے کہ یہ بات قرین حقیقت نہیں ہے تو حالات اسے بری طرح مایوس کردیں گے (دی ٹائمز مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۲۴ء)

(۲۱) محمد علی جناح دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۲) م۔م۔ق جلد چہارم۔ نمبر ۵ صفحہ ۲۲۱ و ایضاً جلد چہارم نمبر ۸۔ صفحات ۳۶۷ تا ۳۷۵

(۲۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۳ کتاب ہذا۔

(۲۴) ۱۸ فروری ۱۹۲۴ء کو منظور کی جانے والی قرارداد کے متن کے لئے ملاحظہ ہو م۔ق جلد چہارم ۔ نمبر ۱۳صفحہ ۔ ۹۔ ۷۶۸

(۲۵) ایضاً

(۲۶) ایضاً

(۲۷) مالکم ہیلے : دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۸) م۔م۔ق، جلد چہارم نمبر ۸ صفحات ۳۵۶ تا ۳۶۶

(۲۹) ہیلے کے اس موقف کی توثیق وزیر ہند لارڈ آلیور نے بھی کردی۔ اس نے دارلامراء کے اجلاس منعقدہ ۲۶ر فروری ۱۹۲۴ء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہندوستان میں مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام کی اسکیم" ہندوستانیوں کے لئے مصیبت خیز ثابت ہوگی۔ اور ملک معظم کی حکومت اس قسم کی اسکیم کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ۴۔ ۳۳۳
۵۶ - HL. Deb 5s., cols

(۳۰) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱ کتاب ہذا۔ نیز ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں لارڈ ریڈنگ کی

Marfat.com

حسب ذیل تقاریر :۔

(ا)۔ ۵ ستمبر ۱۹۲۲ء کو تقریر۔ م۔م۔ق، جلد سوم، حصہ اول، صفحات ۷ تا ۸

(ب)۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۲۳ء کی تقریر۔ م۔م۔ق، جلد سوم، حصہ ہفتم صفحات ۵۰۹۴ تا ۵۰۹۵ اور

(ج)۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۲۴ء کی تقریر م۔م۔ق، جلد چہارم نمبر ۲ صفحہ ۱۲

(۳۱) ملاحظہ ہو م۔ک۔ د میں شامل ہیلے کا نوٹ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۸ء یہ نوٹ اس نے اسمبلی میں اپنی ۸ر فروری ۱۹۲۴ء والی تقریر کے بارے میں لکھا تھا۔

(۳۲) اس سلسلے میں مدراس، بنگال، یوپی اور سی پی کی حکومتوں کی آراء کے لئے ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۲۳۶۱، اصلاحات سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی بابت ۱۹۲۴ء اصلاحات پر کام کی رفتار کے بارے میں بلدیاتی حکومتوں کی آراء (۱۹۲۵) صفحات ۵۲، ۱۳۰، ۱۴۳ اور ۳۳۵ علی الترتیب۔ نیز ملاحظہ ہو وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن متعلقہ امور داخلہ سرالکزانڈر مڈی مین کا بیان جو اس نے مرکزی اسمبلی میں ۳ر فروری ۱۹۲۶ء کو پیش کیا تھا۔ اس بیان میں ان معاملات کی تفصیلات درج تھیں جن میں بمبئی، سی پی اور بنگال کے گورنروں کو ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۵ تک کی مدت کے دوران متعلقہ وزیروں کے مستعفی ہونے پر حکومت ہند کے قانون کی دفعہ ۵۲ (۳) کے تحت امور منتقلہ کے انتظام کے سلسلے میں کاروائی کرنی پڑی۔

(۳۳) حکومت ہند کے محکمہ داخلہ کی جانب سے ۲۳ر مئی ۱۹۲۴ء کو جاری ہونے والے اخباری اعلان کے متن کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۲۴ء

(۳۴) ملاحظہ ہو حکومت ہند کے محکمہ داخلہ کے جوائنٹ سیکریٹری کے نام مرکزی اسمبلی میں سوراجسٹ پارٹی کے قائد پنڈت موتی لال نہرو کے مراسلے مورخہ ۲ر جون ۱۹۲۴ء کا متن جو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۵ر جون ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا تھا۔

(۳۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۲۳۶۰ "اصلاحات سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ" صفحہ ۱۰۳

(۳۶) اکثریتی رپورٹ پر جن لوگوں نے دستخط کئے ان کے نام یہ ہیں۔ اے پی مڈی مین (چیرمین) محمد شفیع۔ بی سی مہتاب بردوانی۔ اے ایچ فروم اور مان کریف اسمتھ ۔ اقلیتی رپورٹ پر دستخط کرنے والوں کے نام یہ ہیں: تیج بہادر سپرو۔ پی ایس سوا سوامی آئیر۔ ایم اے جناح اور آر پی پارنج پئی (PARANJ PYE) ۔ ایضاً صفحات ۱۰۳ اور ۲۰۳

(۳۷) ایضاً، پیراگراف ۹۲ تا ۹۳

(۳۸) ایضاً صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۳

(۳۹) سر محمد شفیع۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

Marfat.com

(۴۰) اس انٹرویو کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۲۵ء

(۴۱) فریڈرک ایڈون اسمتھ، فرسٹ ارل آف برکن ہیڈ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۴۲) 61 .H.L.Deb 5s Cols 1074-5 and 1085-6

(۴۳) م۔م۔ق، جلد چہارم۔ نمبر ۱۱ صفحات ۱۰۰۴ تا ۱۰۰۵

(۴۴) کتاب ہذا، حواشی ۴ تا ۵ صفحہ ۶ و حواشی ۱ تا ۳ صفحہ ۷

(۴۵) م۔م۔ق۔ جلد ہفتم، نمبر ۲۷، صفحہ ۲۱۴۳

(۴۶) برکن ہیڈ بنام ریڈنگ، مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۵ء۔ ارل آف برکن ہیڈ دوم: دی لائف آف الیف ای اسمتھ، ارل آف برکن ہیڈ اول۔

"THE LIFE OF F. E. SMITH, FIRST EARL OF BIRKEN HEAD"

(لندن ۱۹۵۹ء) صفحہ ۱۲۵

(۴۷) ایضاً

(۴۸) اِرون کے نام ۱۴ر جولائی ۱۹۲۷ء کو

(۴۹) ایڈورڈ فریڈرک لنڈ لےوڈ: دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۵۰) اِرون بنام برکن ہیڈ مورخہ ۳۰ر جون ۱۹۲۶ء ایضاً

(۵۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۱۱، کتاب ہذا

(۵۲) ملاحظہ ہو برکن ہیڈ کے خطوط اِرون کے نام۔ مورخہ ۲۹ر جولائی ۱۹۲۶ء اور مورخہ ۲۳ر مارچ، ۱۲ر مئی اور ۳ر نومبر ۱۹۲۳ء م ک ہ ف / ۲۹

(۵۳) یہ بات اس یادداشت میں کہی گئی ہے جس کا حوالہ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۲ کتاب ہذا میں دیا جاچکا ہے۔

(۵۴) ملاحظہ ہو برکن ہیڈ بنام اِرون مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

(۵۵) ملاحظہ ہو۔ ایم آر جایاکر، این سی کیلکار، ڈاکٹر بی ایس مونجے اور ایم ایس اینے کا مشترکہ بیان، مطبوعہ ٹائمز آف انڈیا مورخہ، ۳۰ دسمبر ۱۹۲۵ء۔ یہ بیان انہوں نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں کانگریس کے اجلاس منعقدہ کانپور کے بعد جاری کیا تھا اور جس میں سوراج پارٹی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا تھا۔

(۵۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴، صفحہ ۱۱ کتاب ہذا

(۵۷) پنڈت موتی لال نہرو۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

Marfat.com

(۵۸) ملاحظہ ہوں کتاب ہذا کے صفحات ۲۶ تا ۲۷

(۵۹) ملاحظہ ہو تارا سنگھ کا مراسلہ پنجاب کے گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری کے نام، مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۲۵ء، م۔ک۔ہ/ ۸

(۶۰) ڈاکٹر ایم اے انصاری۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۶۱) ڈاکٹر انصاری کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۸ر اگست ۱۹۲۷ء

(۶۲) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

(۶۳) ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۷ء تک کی مدت کے لئے حکومت کی جانب سے اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۹ر فروری ۱۹۲۸ء میں پیش کردہ گوشوارہ آمدنی و خرچ کے لئے ملاحظہ ہو م۔م۔ق جلد اول، نمبر ۲۰، صفحہ ۹۸۶

(۶۴) ملاحظہ ہوں م۔م۔ق جلد ہشتم، نمبر ۲ صفحات ۹ تا ۱۳ ام۔م۔ق جلد چہارم نمبر ۶۱ صفحات ۴۳۰۶ تا ۴۳۱۱ م۔م۔ق جلد چہارم نمبر ۶۴ صفحات ۴۵۶۸ تا ۴۵۶۹ اور م۔م۔ق جلد سوم نمبر ا صفحات ۳۲ تا ۳۵۔ ان دستاویزات میں بالترتیب ۱۸ر اگست ۱۹۲۶ء اور ۶ر ۱۴ر اور ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۷ء اور ۴ ستمبر ۱۹۲۸ء کو اسمبلی کے اجلاسوں میں پیش کئے جانے والے بیانات اور سوالات و جوابات شامل ہیں جن میں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک فرقہ وارانہ فسادات میں ہونے والے مالی و جانی نقصانات کی فرقہ وار تفصیلات دی گئی ہیں۔

(۶۵) اروِن کے خطوط بنام وائیکاؤنٹ ہیلی فیکس مورخہ ۴ر مئی ۲۰ر جولائی و ۱۲ر اگست ۱۹۲۶ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۷

(۶۶) ملاحظہ ہو لارڈ اروِن کا خطاب چیمسفورڈ کلب کی ایک تقریب سے بتاریخ ۱۷ر جولائی ۱۹۲۶ء۔ تقاریر لارڈ اروِن جلد اول۔ مطبع حکومت ہند (شملہ ۱۹۳۰ء)

(۶۷) م۔م۔ق، جلد ہشتم، نمبر ایک، صفحات ۶ تا ۷

(۶۸) م۔م۔ق جلد ہشتم نمبر ۶، صفحات ۲۷۹ تا ۲۸۶ و ایضاً جلد ہشتم نمبر ۱۱ صفحہ ۵۸۴ تا ۶۳۲ جن میں اسمبلی کے اجلاسوں منعقدہ ۲۴ر اگست و یکم ستمبر ۱۹۲۶ء میں فرقہ وارانہ فسادات پر ہونے والے مباحث شامل ہیں۔

(۶۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵، صفحہ ۱۵۔ کتاب ہذا۔

(۷۰) موہن داس کرم چند گاندھی۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۷۱) سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۲۷ء بحوالہ ینگ انڈیا مورخہ ۱۶ر جون ۱۹۲۷ء۔

(۷۲) ایضاً

Marfat.com

(۷۳) سرتیج بہادر سپرو۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۷۴) اس بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۲۷ء جس میں سپرو کا وہ لیکچر شائع ہوا تھا جو ملک کو آئینی کمیشن کے لئے تیار کرنے کی غرض سے لبرل پارٹی کی طرف سے شروع کی جانے والی مہم کے سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

(۷۵) اردن بنام شاہ برطانیہ مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۲۷ء، م۔ک۔ہ۔ف /۱

(۷۶) اردن بنام وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس مورخہ ۱۱ر مئی ۱۹۲۷ء ایضاً /۲۷

(۷۷) اس تقریر کے لئے ملاحظہ ہو م۔م۔ق جلد چہارم نمبر۵ صفحہ ۳۴۹۹

(۷۸) م۔م۔ق، جلد چہارم نمبر۵ صفحہ ۳۴۹۹

(۷۹) ایضاً، صفحہ ۳۵۰۱

(۸۰) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۷ء، جس میں اس کانفرنس کے انعقاد کی خبر شائع ہوئی تھی۔

(۸۱) اس کانفرنس کی ناکامی کی خبر کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۷ء۔ اس میں اتحاد کانفرنس کے مسلم ارکان کے سیکرٹری شفیع داؤدی کا وہ بیان شائع ہوا تھا جس میں کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کیا گیا تھا۔

(۸۲) ان میں سے بعض سوالوں اور ان سے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ م۔م۔ق جلد ہشتم، نمبر۱۰ صفحات ۴۶۲ تا ۴۶۴ جلد چہارم نمبر ۶۰ صفحات ۴۲۰۸۔ جلد سوم نمبر۱ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۷ اور جلد سوم نمبر۶ صفحات ۵۳۶ تا ۵۳۷۔ یہ معلوماتی مواد حکومت کی طرف سے اسمبلی میں بالترتیب ۳۱ر اگست ۱۹۲۶ء ۱۳ر ستمبر ۱۹۲۷ء و ۴ر اور ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۸ء کو پیش کیا گیا تھا۔

(۸۳) اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۴ر اگست ۱۹۲۷ء میں اس مسودہ قانون کے پیش کئے جانے کے بارے میں معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ م۔م۔ق جلد چہارم نمبر ۴۹ صفحہ ۳۳۳۷

(۸۴) ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۷ء کو اس تحریک پر رائے شماری کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو م۔ق جلد چہارم نمبر۶۴ صفحہ ۴۶۱۲

(۸۵) ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ۵

(۸۶) فیروز خان نون۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۸۷) فضل حسین۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۸۸) عبدالرحیم۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۸۹) اردن بنام برکن ہیڈ مورخہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

Marfat.com

(۹۰) ایضاً

(۹۱) فرقہ وارانہ فسادات میں ہلاک یا زخمی ہونے والے افراد کی تعداد اور سرکاری ملازمتوں میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے بارے میں تقابلی بیانات کے لئے ملاحظہ ہوں بالترتیب حاشیہ نمبر ۵ اور حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۵، کتاب ہذا۔

(۹۲) اروِن بنام برکن ہیڈ مورخہ ۱۹ر اگست ۱۹۲۶ء م۔ک۔ہ۔ف /۱۹

(۹۳) ایضاً

(۹۴) ایضاً

(۹۵) ملاحظہ ہو ہیلے کا مراسلہ وائسرائے کے پرائیویٹ سیکریٹری جی کننگھم کے نام، مورخہ ۲۱ر اگست ۱۹۲۶ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

(۹۶) اروِن کا خط بنام اسٹانلے بالڈون مورخہ ۲۳ر اپریل ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف /۱۸

(۹۷) ملاحظہ ہو اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام مورخہ ۱۱ر مئی ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف / ۲۹ اس خط میں اروِن نے لکھا تھا:۔ "اگر ہندوستانیوں کو کمیشن میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو میرے خیال میں کمیشن کی ہیئت ترکیبی یہ ہونی چاہئے"۔

دانشمند انگریز ۔ ۳، ہندو ۔ ۱، مسلمان ۔ ۱، برطانوی افسر ۔ ۱، برطانوی غیر سرکاری نمائندہ ۔ ۱

مسلمانوں کے نام۔ ۱۔ فضل حسین۔ ۲۔ عبدالقیوم ۳۔ نواب چھتاری۔ ۴۔ ابراہیم رحمت اللہ

ہندو نمائندوں کے نام ترجیحی ترتیب میں ۱۔ تیج بہادر سپرو ۲۔ چنی لال مہتا ۳۔ سی پی راما سوامی آئیر ۴۔ شاستری ۵۔ منشی الیشور سرن

برطانوی افسر ۱۔ ہیلے ۲۔ ہارٹ کورٹ بٹلر

برطانوی غیر سرکاری نمائندے ۱۔ ایچ کار ۲۔ اے مرے

میں نے سیاسی لیڈروں کے نام تجویز نہیں کئے مثلاً ہندو لیڈروں میں موتی لال نہرو۔ جیا کار، سین گپتا، لاجپت رائے، کیلکار اور مسلمان لیڈروں میں جناح، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ کمیشن میں اس قسم کے لوگوں کی شمولیت بے سود ہوگی۔

(۹۸) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام، مورخہ ۲۶ر مئی ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

(۹۹) حاشیہ نمبر۳، صفحہ ۱۲، کتاب ہذا

(۱۰۰) جیمز رمزے میکڈانلڈ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۰۱) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام، مورخہ ۶ر جنوری ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف / ۲۹

Marfat.com

(۱۰۲) برکن ہیڈ کا خط اردن کے نام مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف

(۱۰۳) برکن ہیڈ کے خطوط اردن کے نام مورخہ ۱۴ر جولائی، ۱۸ر اگست ۳ر نومبر اور یکم دسمبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف ۲۹/

(۱۰۴) ملاحظہ ہو برکن ہیڈ کا خط اردن کے نام مورخہ ۳ر نومبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ ف/۲۹

(۱۰۵) برکن ہیڈ کا خط اردن کے نام مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۷۔ ایضاً

(۱۰۶) ملاحظہ ہو دی فارورڈ "The Foreward" کا پرچہ مورخہ ۳ر دسمبر ۱۹۲۷ء میں "دی اوڈ مین آوٹ" "THE ODD MAN OUT" کے عنوان سے رمزے میکڈانلڈ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے اپنی پارٹی کے رویئے پر سخت ناپسندیگی کا اظہار کیا اور انتخابی حلقوں کی جماعتی شاخوں پر زور دیا کہ وہ دارلعوام میں اپنے اپنے ارکان کے طرز عمل پر نگاہ رکھیں اور ان سے مناسب طریقے سے نمٹیں۔ نیز ملاحظہ ہو روزنامہ ٹائمز مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۸ء جس میں میکڈانلڈ کے دو نمائندوں میں سے ایک نمائندے ورنون ہارٹ شورن کے نام بھیجا تھا۔ اس تار میں میکڈانلڈ نے کہا تھا:۔

"اس وقت جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اسے پارٹی کی بھرپور حمایت حاصل ہے اور کمیشن کی ترکیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی" میکڈانلڈ نے یہ پیغام برکن ہیڈ کی تجویز پر اس وقت بھیجا تھا جب کمیشن ہندوستان میں تھا اور ہندوستانیوں کی طرف سے اس کے مقاطعے اور ہنگامہ آرائی کے باعث کمیشن کے لیبر ارکان میں عدم اطمینان کی خبر موصول ہوئی تھی۔

ملاحظہ ہو برکن ہیڈ کا خط اردن کے نام، مورخہ ۸ر مارچ ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۹

(۱۰۷) وہ لیڈر یہ تھے: موتی لال نہرو۔ تیج بہادر سپرو۔ لالہ لاجپت رائے، وی جے پانیل، چمن لال سیتل واڈ۔ سچنانند سنہا، سی ایس رنگا آئیر، لارڈ سنہا، مہاراجہ آف بردوان، جی ڈی برلا، فضل حسین، شفاعت احمد خان اور ظفر اللہ

(۱۰۸) ملاحظہ ہو چمن لال سیتل واڈ کا انٹرویو جو انہوں نے انگلستان سے واپسی پر دیا تھا اور جو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کو شائع ہوا تھا۔

(۱۰۹) ملاحظہ ہو لندن میں سپرو کے ساتھ انٹرویو کے بارے میں رائیٹر کی رپورٹ کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۱۱۰) اس کی ایک مثال وہ رپورٹ ہے جو سنڈے ٹائمز مورخہ ۲ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کو شائع ہوئی۔ اس میں ایک ماہ سے بھی پہلے نہ صرف کمیشن کے باضابطہ اعلان کی صحیح تاریخ دی گئی تھی بلکہ یہ بھی بتایا گیا تھا۔ کہ وہ خالصتاً سفید فام ارکان پر مشتمل ہوگا۔

(۱۱۱) ملاحظہ ہو سپرو کا اخباری انٹرویو جو انہوں نے بتاریخ ۲۶ر جون ۱۹۲۷ء الہ آباد میں دیا اور جو

Marfat.com

ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۷ر جون ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔

(۱۱۲) یہ بات موتی لال نہرو کے اس تار کے متن سے ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے برطانوی لیبر پارٹی کی رائے ہموار کرنے کی کوششوں میں اپنی ناکامی کے بعد انگلستان سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری کے نام بھیجا تھا:۔ "میں نے آپ کا پیغام لیبر پارٹی کو پہنچا دیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی آمادگی کا کوئی امکان نہیں۔ پارٹی کے ارکان کی تجویز ہے کہ ہندوستانی مقننہ کی منتخب کمیٹی کو ہندوستان میں کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ لیکن ذاتی طور پر میں اسے قطعی غیر تسلی بخش سمجھتا ہوں"۔ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۲۷ء

(۱۱۳) ملاحظہ ہو ٹائمز کے نام مہاراجہ بردوان کا مراسلہ بہ عنوان "ہندوستان کی آئینی اصلاحات"۔ تحقیقاتی کمیشن۔ اس کی تاریخ اور ارکان، مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۷ء۔ یہ خط ٹائمز کی اشاعت مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کو شائع ہوا تھا۔

(۱۱۴) ملاحظہ ہو سپرو کا انٹرویو مطبوعہ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۲۷ء اس میں انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کسی ایسے کمیشن کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے جس میں ہندوستانیوں کو مناسب نمائندگی نہ دی گئی ہو۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں اس تجویز کا حوالہ دیا کہ ہندوستانیوں کو مبصروں (ASSESSORS) یا شریک ارکان (CO-OPTED MEMBERS) کی حیثیت سے کمیشن میں شامل کیا جائے اور کہا کہ یہ تجویز انوکھی اور ناقابل عمل ہے اور وہ اس کی حمایت سے معذور ہیں۔

سیتل واڈ نے بمبئی میں ایک اخباری انٹرویو میں کہا کہ اگر برطانوی حکومت نے کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہ کیا تو یہ اس کی زبردست سیاسی غلطی ہوگی۔ ایضاً۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء

(۱۱۵) ملاحظہ ہو جناح کا خط ارون کے نام مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۱۔

(۱۱۶) برکن ہیڈ کا خط ارون کے نام، مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف /۲۱ جس میں انہوں نے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے صدر وی جے پٹیل سے اپنی گفتگو کا حال لکھا ہے وہ لکھتے ہیں! "انہوں نے (پٹیل نے) مجھے یہ تاثر دیا کہ ہندوستانیوں کو کمیشن میں نمائندگی نہ دینے کی تجویز سے انہیں تشویش بلکہ صدمہ ہوا ہے میری دانست میں اس کا امکان یقیناً ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر خالصتاً انگریزوں پر مشتمل کمیشن ہندوستان جائے تو انہیں اندیشہ ہے کہ اس کا مکمل مقاطعہ کیا جائے گا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳، صفحہ ۲۵، کتاب ہذا

Marfat.com

(۱۱۷) کیتھرین میو : مدر انڈیا (MOTHER INDIA) (مطبوعہ لندن جون ۱۹۳۳ء کا ایڈیشن) صفحہ ۴

(۱۱۸) سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۷ ار ستمبر ۱۹۲۷ء بحوالہ ینگ انڈیا مورخہ ۱۴ ار ستمبر ۱۹۲۷ء جس میں گاندھی نے محولہ کتاب کو ڈرین انسپکٹر کی رپورٹ قرار دیا۔

(۱۱۹) یہ کتاب سب سے پہلے جولائی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ نومبر ۲۷ء تک جبکہ کمیشن کی تشکیل کا اعلان کیا گیا۔ اس کے سات ایڈیشن نکل چکے تھے ان میں سے دو دو ایڈیشن جولائی اور اگست میں اور ایک ایک ستمبر، اکتوبر اور نومبر میں شائع ہوا۔ کیتھرین میو۔ محولہ کتاب صفحہ ۴

(۱۲۰) اس رائے کا دباؤ اس قدر شدید تھا کہ حکومت نے مندرجہ ذیل تین اہم سطحوں پر مس میو کے ساتھ اپنے گٹھ جوڑ کی تردید کی :۔

(۱) مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۹ ار ستمبر ۱۹۲۷ء میں۔ ملاحظہ ہو مباحث مجلس قانون ساز، جلد چہارم نمبر ۶۴ صفحات ۴۵۴۴ تا ۴۵۴۷

(۲) حکومت ہند کا اخباری اعلان۔ ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۸ ار نومبر ۱۹۲۷ء

(۳) دارالعوام اجلاس منعقدہ ۱۴ ار نومبر ۱۹۲۷ء میں ہندوستانی امور سے متعلق انڈر سیکریٹری لارڈ ونٹرٹن کی وضاحت۔ ملاحظہ ہو 210-HC 5s Cols-636

(۱۲۱) لندن میں ہندوستانی طلبہ سے موتی لال نہرو کے خطاب کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ دی ٹائمز مورخہ ۱۸ ار نومبر ۱۹۲۷ء۔ اس تقریر میں موتی لال نہرو نے کمیشن کے ارکان سے سوال کیا : "آخر آپ لوگ کس لئے (ہندوستان) جا رہے ہیں؟ آپ کو فرقہ وارانہ فسادات کی خبر ہے۔ یہ بات آپ اپنی رپورٹ میں کیوں نہیں لکھ لیتے؟ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ (ہندوستان) آئینی حکومت کے قابل نہیں۔ آپ جانتے ہیں وہاں ناخواندگی عام ہے (آپ کی حکومت کے ڈیڑھ سو سال گزرنے کے بعد بھی) لہٰذا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رائے دھندگان مناسب حد تک تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں کچھ دوسری قباحتیں بھی ہیں، حقیقی یا خیالی۔ آپ حضرات اپنی رپورٹ ابھی لکھ سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں "نہیں" آپ اس سارے خرچ کا بوجھ ہم پر کیوں ڈال رہے ہیں اور اپنی احمقانہ حرکت کو برداشت کرنے کی تکلیف کیوں دے رہے ہیں؟

پھر انہوں نے دو روز قبل دارالعوام میں ہونے والی بحثوں کا ذکر کرتے ہوئے یاد دلایا : "حزب اقتدار کے ہر رکن کے انداز تقریر سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر اس نے آنکھیں بند کر لیں

Marfat.com

تو اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ مدر انڈیا کی مصنفہ کی تقریر سن رہا ہو۔ یہ ارکان اسی کے خیالات کا اظہار کر رہے تھے، اسی کی زبان بول رہے تھے۔ اور اسی کے بیانات پر انحصار کر رہے تھے"

(۱۲۲) ملاحظہ ہوں اس سلسلہ میں ارون کے نوٹس م۔ک۔ہ۔ف /۲۹ ان میں ارون نے جناح، وی جے پٹیل، گاندھی، عبدالرحیم، سری نواس آئنگر، اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے ساتھ بالترتیب ۳۱ر اکتوبر اور ۲ر ۳ر اور ۵ر نومبر ۱۹۲۷ء کو اپنی گفتگو کا حال قلمبند کیا ہے۔

(۱۲۳) وٹھل بھائی جے پٹیل۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۲۴) سر فریڈرک وہائٹ

(۱۲۵) ملاحظہ ہو قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۱۹ء باب ۱۰۱ (۹ اور ۱۰ GEO ۵) دفعہ ۶۳ سی جس کی رو سے اسمبلی کے پہلے اجلاس کے پہلے دن سے چار سال تک گورنر جنرل اسمبلی کا صدر مقرر کرنے کا مجاز تھا۔ اور اس کے بعد اسمبلی کی صدارت ایسے رکن کو سونپی جانی تھی جسے ایوان نے منتخب کیا ہو اور جس کے انتخاب کی منظوری گورنر جنرل نے دی ہو۔

(۱۲۶) م۔م۔ق۔ جلد چہارم نمبر۳ صفحہ ۲۲

(۱۲۷) م۔م۔ق۔ جلد چہارم نمبر۳ صفحہ ۲۷

(۱۲۸) سر فریڈرک وہائٹ بنام ریڈنگ مورخہ ۲۷ر اگست ۱۹۲۵ء م۔ک۔ر /۲۷

(۱۲۹) ملاحظہ ہو اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۵ر فروری ۱۹۲۶ء میں امور داخلہ سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن اور قائد ایوان سر الیگزانڈر مڈی مین کا بیان م۔م۔ق جلد ہفتم نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۹۵۔ سر الیگزانڈر نے یہ بیان ہندوستانی اخبارات میں شائع ہونے والے ایک تبصرے کے حوالے سے دیا تھا جس میں حکومت کے خلاف ایک فیصلے کی بناء پر پٹیل کی غیر جانبداری کو معرض بحث میں لایا گیا تھا۔ اس بیان میں سر الیگزانڈر نے اس رائے سے لاتعلقی ظاہر کی اور صدر ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت ان کے فیصلے سے پوری طرح مطمئن ہے۔

(۱۳۰) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۴، صفحہ ۱۱ کتاب ہذا

(۱۳۱) ملاحظہ ہو اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۰ر جنوری ۱۹۲۷ء میں سر الیگزانڈر مڈی مین کی تقریر۔ م۔م۔ق جلد نہم نمبر۲، صفحات ۱۰ تا ۱۱ جس میں انہوں نے پٹیل کو اسمبلی کا دوبارہ صدر منتخب ہونے پر مبارکباد پیش کی۔

(۱۳۲) ملاحظہ ہو بالترتیب حاشیہ نمبر۴ صفحہ ۲۴ اور حاشیہ ۳ صفحہ ۲۵

(۱۳۳) ملاحظہ ہو ٹائمز مورخہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۱۳۴) سر چمن لال سیتل واڈ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

Marfat.com

(۱۳۵) سر سیواسوامی آیر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳۶) سر سی پی راما سوامی آیر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳۷) وی ایس سری نواس شاستری۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳۸) سی وائی چنتامنی۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳۹) ایم آر جایاکر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۴۰) چودھری خلیق الزماں : پاتھ وے ٹو پاکستان " PATHWAY TO PAKISTAN " (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء) صفحہ ۹۸

(۱۴۱) مثال کے طور پر وائسرائے کی عاملہ کے رکن متعلقہ قانون کی حیثیت سپرو کی تقریر قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۸ر جنوری ۱۹۲۲ء میں م۔م۔ق جلد دوم، حصہ دوم صفحہ ۱۷۰۱۔ اس تقریر میں سپرو نے مستعجراتی حیثیت کی حامل خود مختار حکومت کے مطالبے کی بھرپور حمایت کی لیکن اسے منوانے کے لئے عدم تعاون کے طریقے کی مذمت کی جو کانگریس نے اختیار کر رکھا تھا۔

(۱۴۲) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۵، صفحہ ۷، کتاب ہذا

(۱۴۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۲، صفحہ ۹، کتاب ہذا۔

(۱۴۴) اس اجلاس کی کاروائی اور متن کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء

(۱۴۵) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام، مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۲۷ء

(۱۴۶) ملاحظہ ہو دی اسٹیٹسمین، مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۲۸ء

(۱۴۷) پنڈت جوہرلال نہرو۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۴۸) گاندھی کا خط جواہرلال نہرو کے نام، مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۸ء جواہرلال : اے بنچ آف اولڈ لیٹرز "A BUNCH OF OLD LETTERS" (مطبوعہ لندن ۱۹۶۰ء)، صفحہ ۵۸۔

(۱۴۹) موتی لال کا خط گاندھی کے نام، مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۸ء۔ ملاحظہ ہو محولہ بالا مجموعہ خطوط، صفحہ ۶۱۔ اس خط میں موتی لال لکھتے ہیں "اب وہ وقت آگیا ہے کہ زیادہ پھرتیلے اور پر عزم کارکنوں کو حسب دلخواہ ملک کی سیاسی جدوجہد کی قیادت کا موقعہ ملنا چاہئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان کارکنوں اور ہمارے طبقے کے زاویہ نگاہ میں اختلافی نکات موجود ہیں، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا موقف اول الذکر پر مسلسل مسلط کرتے رہیں۔ ہماری نسل کے لوگ بڑی تیزی سے ناپید ہورہے ہیں اور جلد یا بدیر سیاسی جدوجہد جواہرلال جیسے لوگوں کو جاری رکھنی

Marfat.com

ہے۔ وہ جس قدر جلد کام شروع کریں اتنا ہی اچھا ہوگا"۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۳، صفحہ ۶۱ کتاب ہذا

(۱۵۰) سبھاس چندر بوس: دی انڈین اسٹرگل "THE INDIAN STRUGGLE" ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۲ء تک (مطبوعہ نیویارک، ۱۹۶۴ء) صفحہ ۱۱۵۔

(۱۵۱) صفحات ۶۱ تا ۶۵ کتاب ہذا

(۱۵۲) ملاحظہ ہوں حاشیہ نمبر۲ صفحہ ۱۹ و حاشیہ نمبر۲ صفحہ ۲۱ کتاب ہذا

(۱۵۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۲ صفحہ ۲۱، کتاب ہذا

(۱۵۴) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۴ تا ۱۹۔

(۱۵۵) دی ارل آف ہیلی فیکس: فل نیس آف ڈیز "FULNESS OF DAYS" (مطبوعہ لندن، ۱۹۵۷ء) صفحہ ۱۱۶

(۱۵۶) ملاحظہ ہوں جناح، جایاکر اور کے نتاراجن کے تار وائسرائے کے پرائیویٹ سیکریٹری کے نام مورخہ ۱۶، ۲۸، ۳۰ر جنوری ۱۹۲۲ء م۔ ک۔ ر/۲۴۔ ان تاروں کے ذریعے انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ سوراج کے مطالبے اور پنجاب اور خلافت سے متعلق شکایات کے تصفیہ کے لئے حکومت اور ہندوستان کے عوامی نمائندوں کی ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔

(۱۵۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۱، صفحہ ۷ کتاب ہذا

(۱۵۸) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۶ر مئی ۱۹۲۴ء

(۱۵۹) ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۴ء

(۱۶۰) ملاحظہ ہو لیاقت علی خان: ریزولوشنز آف آل انڈیا مسلم لیگ (۱۹۲۴ تا ۱۹۳۶) (دہلی؟)

(۱۶۱) ملاحظہ ہو اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۱ر جنوری ۱۹۲۶ء میں بی داس کی تقریر کے م۔ م۔ ق۔ جلد ہفتم، نمبر۲ صفحہ ۲۳

(۱۶۲) سر محمد اقبال۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۶۳) عبدالرحیم اور شفیع کے ردعمل کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۲۷ء۔ اقبال کے اخباری انٹرویو کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۷ء و ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء اور فضل حسین کے انٹرویو کے لئے نیشنل ہیرالڈ مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء۔

(۱۶۴) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط فضل حسین کے نام مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۲۷ء اور فضل حسین کا خط

Marfat.com

ہیلے کے نام مورخہ ۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء م۔ ک۔ ہ /۱۱ اور ہیلے نے فضل حسین کی مخالفت ترک کر کے کوئی مزید کاروائی نہ کرنے اور معاملے کو آگے نہ بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ ملاحظہ ہو ہیلے کا خط فضل حسین کے نام مورخہ ۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء اور فضل حسین کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۸ر دسمبر ۱۹۲۷ء۔ م۔ ک۔ ہ /۱۱

(۱۶۵) ہزہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان سوم: دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۶۶) بمبئی میں آغا خان کے انٹرویو کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء

(۱۶۷) لیگ کے اس اجلاس میں جناح کی یکم جنوری ۱۹۲۸ء والی تقریر کے اقتباس کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۴ر جنوری ۱۹۲۸ء

(۱۶۸) اے۔ کے غزنوی نے ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ایک بیان دیتے ہوئے اس وقت جناح کے لئے مسلمانوں کے جذبات کی ان الفاظ میں بالکل صحیح تر جمانی کی تھی: "کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ مسٹر محمد علی جناح کو مسلمانان ہند کی طرف سے بولنے کا کیا حق ہے جبکہ ماضی میں اپنی سیاسی زندگی میں انہوں نے مسلمانوں کے مطالبات کی کبھی حمایت نہیں کی اور جبکہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں بجز ان کے نام کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے؟" سول اینڈ ملٹری گزٹ، مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء

(۱۶۹) صفحات ۱۷ تا ۱۸ کتاب ہذا

(۱۷۰) ہیلے کا خط ارون کے نام، مورخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۲۷ء۔ م۔ ک۔ ہ /۱۱

(۱۷۱) ملاحظہ ہوں فیروز خان نون کے خطوط ہیلے کے نام مورخہ ۲ر ۴ر ۶ر، و ۱۳ر نومبر ۱۹۲۷ء جن میں نون کی ان کاروائیوں کی روداد درج ہے جو انہوں نے یہ قرارداد منظور کرانے کے لئے کی تھیں۔

(۱۷۲) اس قرارداد کے متن اور اجلاس کی کاروائی کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۲۷ء جس میں یہ خبر بھی شائع ہوئی تھی کہ محولہ قرارداد میں کمیشن کی غیر مشروط حمایت سے متعلق ایک ترمیم مسترد کر دی گئی نیز ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا، مورخہ ۲۷ر نومبر ۱۹۲۷ء جس میں یہ خبر شائع ہوئی تھی اس اجلاس میں منظور ہونے والی قرارداد کے مخالفین دلی گئے اور وہاں خلافت کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں کمیشن کے مکمل مقاطعے کا اعلان کیا۔

(۱۷۳) ملاحظہ ہو باب پنجم، کتاب ہذا

(۱۷۴) اس لیگ کے اجلاس منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۷ء میں منظور کی جانے والی قرارداد کے لئے دیکھئے سول اینڈ ملٹری گزٹ، مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۲۸ء۔

Marfat.com

(۱۷۵) کلکتہ لیگ کے اجلاس منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۷ء؟ میں منظور کردہ قرارداد کے متن کے لئے دیکھئے روزنامہ اسٹیٹسمین مورخہ کیم جنوری ۱۹۲۸ء جس میں مشترکہ طرز انتخاب کی قبولیت کے لئے یہ شرطیں رکھیں گئی تھیں :- سندھ کا ایک علیحدہ اور خود مختار صوبہ تشکیل دیا جائے، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں حقیقی اصلاحات نافذ کی جائیں، پنجاب اور بنگال میں آبادی کے فرقہ وارانہ تناسب کی بنیاد پر نشستیں متعین کی جائیں اور پنجاب اور بنگال کے سواء تمام صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کو نمائندگی کا تحفظ دیا جائے۔

(۱۷۶) مندرجہ بالا حواشی نمبر۳ اور ۴ کے حوالہ جات میں دونوں لیگوں کی قراردادوں کے متن ملاحظہ ہوں

(۱۷۷) ملاحظہ ہو کلکتہ لیگ کی قرارداد کے لئے حوالہ مذکورہ حاشیہ نمبر۴

(۱۷۸) لاہور لیگ کے اجلاس منعقدہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء میں شفیع کی تقریر کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۲۸ء۔ اس تقریر میں انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے مطالبات گنوا کر انہیں برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی ضرورت پر زور دیا بلکہ حکومت کو سلطنت برطانیہ کے اندر ایک مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام کا وہ وعدہ بھی یاد دلایا جو اس نے ۱۹۱۷ء میں کیا تھا اور جس کا اعادہ اس نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء میں کیا تھا۔ نیز انہوں نے حکومت ہند پر وزیر ہند کی نگرانی پر نکتہ چینی کی اور تجویز پیش کی کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ڈھانچے اور انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان تعلقات میں رد و بدل کیا جائے۔ ایضاً ۷ر جنوری ۱۹۲۸ء

(۱۷۹) یہ مسلمان مولانا ظفر علی خان اور مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ ملاحظہ ہو سید نور احمد : مارشل لاء سے مارشل لاء تک (۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۸ء) (اردو کتاب مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء) یہ کتاب راجہ غضنفر علی خاں کی یادداشتوں پر مبنی ہے۔ جن کا ان واقعات سے براہ راست تعلق رہا تھا۔ نیز وہ قانون ساز اسمبلی میں جناح کی آزاد پارٹی کے سیکریٹری تھے۔

(۱۸۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ر نومبر ۱۹۲۸ء میں ان کے نامہ نگار مقیم لاہور کی رپورٹ۔

(۱۸۱) یہ ممبر سکندر حیات خاں اور ظفر اللہ خان تھے۔

(۱۸۲) لاہور لیگ کے اجلاس منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۷ء میں ظفر اللہ خاں کی تقریر کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۲۸ء ۔ اس سے قبل پنجاب کے اس لیڈر نے لاہور کے متذکرہ روزنامے کے مدیر کے نام اپنے خط میں اس کی اس رائے پر نکتہ چینی کی تھی کہ پنجاب کو اصلاحات کی توسیع کی ضرورت نہیں اور کہا تھا کہ اگر اس موقف کو تسلیم کرلیا

Marfat.com

جائے تو پنجاب کے لئے جو واحد معقول راستہ رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ شاہی کمیشن کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے۔ یا بقول بعض لوگوں کے اس کا مقاطعہ کیا جائے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۷ء)۔

(۱۸۳) شفیع کے نام سید امیر علی کے تار کے متن کے لئے ملاحظہ ہو "دی ٹائمز" مورخہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء۔ اس تار میں جو لندن سے بھیجا گیا تھا یہی استدلال کیا تھا۔ خود آغا خان کا استدلال بھی یہی تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۵ صفحہ ۳۳ کتاب ہذا۔ ان دونوں رہنماؤں کی رائے خاصی حد تک پنجاب مسلم لیگ پر اثر انداز ہوئی۔

(۱۸۴) اسٹانلے بالڈون کے نام سائمن کے مراسلے مورخہ ۱۹ر اپریل ۱۹۲۸ء کے ساتھ ملفوفہ دستاویز نمبر بی پی / ۱۰۲/ ۲۱۴ تا ۲۲۳۔ یہ دستاویز سائمن کے نوٹ مورخہ ۱۸ر اپریل ۱۹۲۸ء پر مشتمل ہے اور اس کا عنوان ہے "ہندوستان اور کمیشن"

(۱۸۵) ہیلے کا خط ہندوستان سے متعلق مستقل انڈر سیکریٹری سر آرتھر ہرٹ زل کے نام مورخہ کیم دسمبر ۱۹۲۷ء۔ م۔ ک۔ ہ /۱۱

(۱۸۶) اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سائمن اور ان کے رفقاء سے ملاقات کے لئے کوئی ہندوستانی لیڈر تیار نہیں تھا۔ ایک مرحلے پر سپرو نے سائمن سے نجی سطح پر ملاقات کی جس کا انتظام وائسرائے نے کیا تھا لیکن وائسرائے اردن نے یہ احتیاط برتی کہ یہ ملاقات قطعی صیغہ راز میں رہے اور اس کا کوئی حوالہ نہ دیا جائے۔ ملاحظہ ہو اردن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۲۹ء۔ م۔ ک۔ ہ /۱۵ سائمن نے یہ بھی لکھا کہ ایک نجی محفل میں جناح سے ان کی ملاقات ہوئی تو جناح ان سے بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو سائمن کا خط اردن کے نام مورخہ ۱۴ر جون ۱۹۲۸ء۔ م۔ ک۔ ہ۔ ف /۳۰

(۱۸۷) ملاحظہ ہوں بالترتیب حاشیہ نمبر ایک صفحات ۱ تا ۲ اور صفحات ۴، ۷ اور گیارہ کتاب ہذا۔

Marfat.com

باب دوم

لارڈ اروِن

زیر بحث موضوع اس امر کا متقاضی ہے کہ وائسرائے کی حیثیت سے لارڈ اروِن کی معیاد کو دو ادوار میں تقسیم کیا جائے۔ ان میں پہلا دور ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۷ء تک کی مدت پر پھیلتا ہے اور دوسرا دور ۱۹۲۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۲ء میں ختم ہوتا ہے۔ پہلے دور میں اس کی تمام تر توجہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنے پر مرتکز رہی اور جس کی وجہ سے اسے ہندوستان کی سیاست کے عصری رجحانات کی اہمیت کا اندازہ لگانے اور ہندوستان کے سیاسی ارتقاء میں پیش قدمی کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ اس نے برکن ہیڈ کو آئینی کمیشن سے ہندوستانیوں کو علیحدہ رکھنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے اس کا طرز عمل عام نوعیت کی سیاسی سہولت پر مبنی تھا۔ اس طرح اس کی معیاد حکومت کا پہلا دور اس سے پہلے اور بعد کی حکومتوں سے چنداں مختلف نہیں تھا۔ دراصل وائسرائے کی حیثیت سے اروِن کا یادگار دور حکومت دوسرا دور تھا جس کی بدولت اس کا شمار ان چند عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہیں برطانیہ نے ہندوستان پر حکمرانی کے لئے بھیجا تھا۔

۱۹۲۷ء کے اختتام پر ہندوستان کی تمام اہم سیاسی پارٹیوں یعنی کانگریس، مسلم لیگ اور آزاد خیال گروپ (لبرلز) کے موقف واضح ہوگئے تھے۔ لیکن حکومت کے لئے ان میں کسی کا بھی موقف قابل قدر حد تک موجب طمانیت نہیں تھا۔ ۱۹۲۸ء کا آغاز ہوا تو ہندوستانیوں کی مخالفت میں شدت اور استقامت پیدا ہوچکی تھی۔ اروِن نے اس بات کا اندازہ لگالیا تھا کہ کمیشن کے تقرر کے اعلان سے ہندوستان میں ناراضگی پھیل جائے گی لیکن وہ ایسی بھی نہیں ہوگی کہ اس پر قابو نہ پایا جاسکتا ہو لیکن وہ اس ناراضگی کی شدت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی (۱)۔ کمیشن کی تشکیل کے نتیجے میں رونما ہونے والی صورت حال نے اسے حیران کردیا اور اس سے فوری طور پر نمٹنے کے

Marfat.com

لئے اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ شروع میں اسے صرف یہی ایک تدبیر نظر آئی کہ سخت رویہ اختیار کیا جائے۔ مشکلات فی الحال لاینحل بھی معلوم نہیں ہوتی تھیں اس کے دور حکومت میں ابھی تک بڑے پیمانے پر کوئی بغاوت رونما نہیں ہوئی تھی۔ اسے خبر تھی کہ گاندھی کی توجہ کا مرکز سماجی مسائل ہیں (۲)۔ لہٰذا گاندھی کے نزدیک سائمن کمیشن کا مقاطع ثانوی اہمیت رکھتا ہے (۳) اور انہوں نے خلوت سے نکل کر ملک کی رہنمائی کرنے کی دعوت کو مسترد کر دیا ہے (۴) لہٰذا ارون کو اب بھی یہ توقع تھی کہ اگر اس نے پختہ عزم کا اظہار کیا تو صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے ہندوستان میں سائمن کمیشن کی آمد سے ایک دن قبل ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ایسا ہی کیا (۵)۔ اس موقع پر اس نے اعلان کیا کہ خواہ ہندوستانی قیادت کی رائے موافق ہو یا مخالف آئینی تحقیقات کی کارروائی شروع کر دی جائے گی اور اس کی رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کر دی جائے گی جس کے پیش نظر پارلیمنٹ جو کارروائی مناسب سمجھے گی کرے گی (۶)۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ایک نجی خط میں لکھا:۔

"دو بڑے خطرے ایسے ہیں جن سے مستقبل میں بچنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ سیاست دانوں کے شور مچانے پر کمیشن کے اصل ڈھانچے میں تبدیلی کر دی جائے اور دوسرے یہ کہ سائمن اور ان کے کمیشن کے ارکان یہ موقف اختیار کریں کہ ہندوستانی سیاست دانوں کی رائے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے کوئی رپورٹ مرتب کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا ایک آدھ سال کے عرصے میں (کنزرویٹو پارٹی کی) حکومت کی جگہ لیبر پارٹی برسر اقتدار آ جائے تب بھی مجھے امید ہے کہ سارے کام کا از سر نو آغاز نہیں کرنا پڑے گا۔ اور ان خطوط پر ایک مرتبہ پھر تحقیقات نہیں کرنی پڑے گی جن کا ہندوستانیوں کی طرف سے خیر مقدم کیا جائے (۷)"۔

لیکن نتیجہ ارون کی خواہش کے مطابق نہیں نکلا اسمبلی نے از خود کمیشن کی حیثیت اور منصب پر دو دن تک بحث کی اور عدم تعاون کی ایک قرار داد کے ذریعے سر جان سائمن (۸) کی اس پیش کش کو مسترد کر دیا کہ کمیشن اور ہندوستانی مقننہ کی ایک مشترکہ آزاد

Marfat.com

کانفرنس، منعقد کی جائے (۹) ۔ وہ قرار داد جو ایوان میں ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء کو منظور کی گئی یہ تھی :-

"اسمبلی گورنر بہ اجلاس کونسل کو آگاہ کرتی ہے کہ موجودہ آئین اور آئینی کمیشن کی اسکیم اس ایوان کے لئے قطعی قابل قبول نہیں۔ لہٰذا اس ایوان کو کسی بھی مرحلے پر اور کسی بھی شکل میں کمیشن سے کوئی تعلق نہ ہوگا (۱۰) "۔

یہ قرار داد اروِن کے لئے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی تھی۔ تاہم ریاستی کونسل اور صوبائی قانون ساز کونسلوں نے بجز سی پی کی قانون ساز کونسل کے کمیشن کے ساتھ ایک طرح سے تعاون کی پیش کش ضرور کی (۱۱) ۔ اس کے علاوہ بیشتر ممتاز ہندوستانی رہنماؤں کی توجہ نہرو کمیٹی کی کارروائی اور اس آئین کی جزئیات پر اختلاف رائے پر مرکوز تھی جو اس کمیٹی کو مرتب کرنا تھا (۱۲) ۔ لیکن اس سب باتوں سے حکومت کی مشکلات دور نہ ہوئیں کیونکہ تمام اہم سیاسی پارٹیاں اور ممتاز رہنما کمیشن کے خلاف ڈٹ گئے تھے اور جہاں جہاں کمیشن پہنچا تھا وہاں اسکا مقاطع کرنے کے لئے مظاہرے کئے گئے۔ لہٰذا اروِن کے لئے ملک میں طاقت کا استعمال لاحاصل تھا۔ اس نے مئی ۱۹۲۸ء میں ایک نجی خط میں لکھا :-

"فی الحال یہاں کی سیاست پر جمود طاری ہے۔ میں کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ مقاطع کرنے والے بعض اعتدال پسند سائمن کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے واپس آجائیں۔ لیکن ان لوگوں نے جس طرح خود کو الجھنوں میں ڈال لیا ہے اس کے پیش نظر یہ کام مشکل نظر آتا ہے" (۱۳)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اروِن کے خیالات میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی تھی۔ اگرچہ ابھی اس کے پاس نہ مسئلے کا کوئی حل تھا اور نہ وہ سائمن کمیشن اسکیم کی مقررہ حدود سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ بعض ہندوستانی رہنما احتجاج کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کرنے کے بعد اب تعطل سے نکلنے کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ چنانچہ جناح آگے آئے اور انہوں نے اس محدود دائرے میں بھی اروِن کو اپنی حمایت کا یقین دلایا جس کے اندر رہتے ہوئے موخر الذکر

Marfat.com

مفاہمت پر آمادہ تھے، حالانکہ قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء میں اپنے گروپ کے ارکان کو آخری لمحے میں اسی کے ترغیب دینے پر عدم تعاون کی قرار داد کی منظوری ممکن ہوئی تھی (۱۴) اس قرار داد کی منظوری کے صرف چند ہفتے بعد جناح نے ارون کو مسئلے کے دو حل تجویز کئے۔ ایک تو یہ کہ سائمن کمیشن کو ایک مخلوط کمیشن میں تبدیل کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ ہندوستانی ارکان پر مشتمل ایک اور کمیشن مماثل اختیارات کے ساتھ تشکیل دیا جائے۔ انہوں نے اس سلسلے میں تمام تر ذمہ داری کا بار خود برداشت کرنے کی پیش کش کی، بشرطیکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تجویز قبول کرلی جائے (۱۵) کوئی ڈھائی ماہ بعد ارون کو سیتل واڈ کی بھی اسی قسم کی تجویز موصول ہوئی۔ وہ تجویز یہ تھی کہ سائمن کمیشن کو ان ہندوستانی نمائندوں کو سائمن کمیٹی میں شمولیت کا اختیار دیا جائے جو ہندوستانی مرکزی کمیٹی کے رکن ہوں۔ اور جنہیں اس حیثیت سے اپنی رپورٹ براہ راست شاہ برطانیہ کو پیش کرنے کا اختیار حاصل ہو (۱۶)۔ اگرچہ ان تجاویز کی افادیت کے بعد رونما ہونے والے واقعات اور نہرو کمیٹی میں فرقہ وارانہ تعطل کی وجہ سے ہندوستان میں جناح کا اعتبار کم ہوتا گیا۔ اور ہندوستان کی سیاست پر سیتل واڈ کا اثر بھی انتہا درجہ کم ہو گیا۔ مزید بر آں ان دونوں لیڈروں کی تجاویز پر عمل کیا جاتا تو اس سے اگرچہ بادی النظر میں ہندوستانیوں کو ایک حیثیت حاصل ہو جاتی، لیکن ہندوستان کے لئے آئین تحریر کرنے کا اختیار بدستور برطانوی پارلیمنٹ کے پاس رہتا، لہٰذا اس امر میں شبہ تھا کہ جناح اور سیتل واڈ قوم پرست قوتوں کو اس قسم کی اسکیم قبول کرنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے جیسا کہ خود ارون نے ۱۹۲۷ء میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا تھا:۔

> "میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کی ناراضگی محض اس بات پر غم و غصہ کا اظہار نہیں ہے، کہ کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہیں کیا گیا بلکہ اس کی پشت پر فی الحقیقت کوئی اور چیز کارفرما ہے جو زیادہ بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو بات ملک کے تمام سیاسی طبقوں کی ناراضگی کا باعث ہے وہ پارلیمنٹ اور برطانیہ عظمیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ اسے یہ طے کرنے کا حق حاصل ہے کہ ہندوستان کی بھلائی کس میں

Marfat.com

ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ہمارا برتاؤ برابری کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ اور خود مختار حکومت کے بارے میں ہمارا مطالبہ مانتے ہوئے اعلیٰ اختیار کے حامل نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس مطالبے کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے" (۱۷)۔

بااین ہمہ متذکرہ اسکیم ارون کی نظر میں صورت حال میں حقیقی تبدیلی کی دلیل اور قیام امن کا ذریعہ تھی (۱۸)۔ ان کی دانست میں حکومت کی مدد کے لئے کوئی تو آگے آیا تھا۔ البتہ شرط یہ تھی کہ حکومت اپنے منصوبے میں کسی نہ کسی حد تک ترمیم کرنے پر آمادہ ہوجائے۔ انہوں نے ان تجاویز کی پرزور حمایت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے اور وزیر ہند کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہوگئی۔ جناح اور سیتل واڈ کمیشن میں ہندوستانیوں کی شمولیت کے طلبگار تھے اور ایک مرحلے پر خود برکن ہیڈ بھی یہی چاہتا تھا (۱۹)۔ مگر اب یہ بات رعایت دینے اور طے شدہ منصوبے سے دستبردار ہونے کے مترادف تھی۔ برکن ہیڈ کے نزدیک مذکورہ بالا تجاویز ہندوستانیوں کے ناجائز دباؤ سے عبارت تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر انہیں قبول کرلیا گیا تو دباؤ بڑھتا جائے گا (۲۰)۔ ارون کے اصرار پر برکن ہیڈ نے یہ تجاویز کابینہ کو پیش تو کردیں لیکن ارون کے خلاف کابینہ کے فیصلے کے لئے اپنا سارا زور صرف کرڈالا (۲۱)۔ یہ مرحلہ ہموطنوں کے خلاف ارون کی جدوجہد کا نقطہ آغاز تھا۔ اس کے بعد اس کا سیاسی میدان عمل ہندوستان سے برطانیہ منتقل ہوگیا۔ اب وہ برکن ہیڈ کو ناپسند کرنے لگا تھا۔ اگرچہ اس نے چند ماہ قبل وزیر ہند کی حیثیت سے برکن ہیڈ کی موجودگی کو سائمن کمیشن کی کامیابی اور آئینی اسکیم کے لئے لیبر پارٹی کی مسلسل حمایت کے لئے انتہائی ضروری قرار دیا تھا (۲۲)۔ اس مرحلے پر اس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

"میں آئندہ ڈیڑھ سال کے دوران ہندوستان کے سیاسی دھارے کو ایک نیا رخ دینے کی تدبیر پر غور کرنا چاہتا ہوں۔ انتخابات کے نتائج ہمارے سامنے آجائیں گے لیکن اگر یہ برکن ہیڈ وزارت ہند سے سبکدوش ہوجائیں تو میری دانست میں یہ امر ہمارے نقطہ نظر سے کسی حد تک خوش آئند ہوگا

Marfat.com

اگرچہ ان کے حوصلے اور قیمتی مشورے نہایت مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر جن کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں، ہندوستان میں ان کی وہ وقعت نہیں ہے جو ہونی چاہئے تھی۔ بات یہ ہے کہ طویل مدت میں دماغ دوسری خصوصیات کا موثر نعم البدل نہیں ہوتے" (۲۳)۔

اسی اثناء میں اروِن کو برکن ہیڈ نے لکھا کہ وہ ۱۹۲۹ء کے وسط میں انگلستان آئے۔ اس تجویز میں جو اگرچہ ان کے ابتدائی فیصلے کے خلاف تھی اسے خاصی کشش محسوس ہوئی۔ کیونکہ اس کی بدولت اسے ہندوستان کے مسئلے پر ہموطنوں سے بات چیت کرنے کا موقع میسر آتا تھا (۲۴)۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں برکن ہیڈ نے وزیر ہند کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور اس طرح اروِن کی راہ میں حائل ایک بڑی مشکل دور ہوگئی۔ ہندوستان میں برکن ہیڈ اس حد تک بدنام ہوگیا تھا کہ اس کی وجہ سے ہندوستانی لیڈر کسی معاملے میں صحیح اور متوازن رائے قائم کرنے کے قابل نہیں رہے تھے (۲۵)۔ لہٰذا ان لیڈروں کا اعتماد بحال کرنے کی غرض سے اروِن کی کوششوں کی کامیابی کے لئے وزیر ہند کا بدلنا ضروری تھا۔ بایں ہمہ صورت حال میں تبدیلی کے لئے کوئی تدبیر اختیار کرنے سے قبل اروِن کو بہت کچھ کرنا تھا۔ ایک ایسی تبدیلی کے لئے جو کم از کم ہندوستان کے آزاد خیال سیاست دانوں کو حکومت کی صف میں واپس لا سکتی۔ اب اسے سائمن سے نپٹنا تھا۔ خود اپنی پارٹی کو قائل کرنا تھا، براہ راست رابطہ قائم کرکے اور اپنے دوست اور ٹائمز کے ایڈیٹر جیفری ڈاسن (۲۶) کی مدد سے اپنے ہموطنوں کی رائے ہموار کرنی تھی، برطانیہ کے عام انتخابات کے نتائج معلوم کرنے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسا منصوبہ مرتب کرنا تھا جو برطانیہ اور ہندوستان دونوں کے لئے قابل قبول ہوتا۔

اروِن کو سائمن کمیشن کی ترکیب میں رد و بدل کرانے میں جو ناکامی ہوئی تھی اس کی وجہ سے اسے کمیشن کی ترکیب سے پیدا ہونے والی نزاع کے عواقب پر غور کرنا پڑا۔ اس ضمن میں اس نے محسوس کیا کہ سب سے پہلا مسئلہ ہندوستانیوں کے مزاج کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ اس نے سوچا کہ ہندوستانیوں کا مزاج برہم رہا تو سائمن کمیشن اور اس کی طرف سے پیش کی

Marfat.com

جانے والے رپورٹ بے محل ہوگی۔ اگر ہندوستانی رہنما کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کرتے رہیں تو اس سے کس طرح یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کی رپورٹ پر عملدر آمد میں مدد کریں گے؟ اس نے اپنے دل کی بات کمیشن کے ایک رکن سے کہی جس سے اس کا گہرا تعلق تھا۔

"جو بات فی الحقیقت زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کام مکمل ہونے اور آپ کی رپورٹ پر عملدر آمد کی نوبت آنے تک ہندوستان کا سیاسی موڈ کیا رہے گا؟ مخالفت اور ناراضگی کی عام فضا میں کسی اسکیم پر عملدر آمد سے احتراز انتہائی ضروری ہے" (۲۷)۔

چنانچہ اروِن کا موقف اب یہ تھا کہ کسی اسکیم کی کامیابی سے قبل سائمن کمیشن کو نظر انداز کرتے ہوئے دو بنیادی مسئلوں سے نمٹنا ضروری ہے۔ ان میں ایک مسئلہ ہندوستانیوں میں یہ یقین بحال کرنے کا تھا کہ برطانیہ کا مقصد ۱۹۱۷ء کے اعلان مانٹیگو کے مطابق ہے۔ مانٹیفورڈ اصلاحات کے نفاذ کے بعد سے برطانیہ اور ہندوستان میں برسراقتدار لوگ مسلسل نامناسب بیانات دیتے چلے آئے تھے اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ ان سب باتوں سے ہندوستانیوں کے اعتماد کو سخت ٹھیس پہنچی تھی۔ دوسرا اہم معاملہ ایک گول میز کانفرنس منعقد کرنے کے بارے میں ہندوستانیوں کے مطالبے کو پورا کرنا تھا۔ جو سب سے پہلے ۱۹۲۲ء میں (۲۸) پیش کیا گیا تھا، کیونکہ یہی وہ واحد صورت تھی جس کے ذریعے ہندوستانیوں کو سنجیدگی کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے اور امن کی بات کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ وہ مقاصد تھے جن کی تکمیل کوئی آسان کام نہیں تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ اس سلسلے میں اروِن کے اقدام کو برطانوی سیاست دانوں کی طرف سے لازماً چیلنج کیا جاتا کیونکہ اس قسم کے اقدام سے نہ صرف سائمن کمیشن پس پشت جا پڑتا بلکہ ہندوستان پر برطانیہ کا اقتدار بھی خاصی حد تک متاثر ہوتا۔

۱۹۲۸ء کے دوران ایک طرف ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں سائمن کمیشن کے مقاطعے میں سرگرم عمل تھیں تو دوسری طرف اروِن اپنے خیالات کو ٹھوس شکل دینے میں مصروف تھا۔ نومبر ۱۹۲۸ء تک صورت حال اس پر بالکل واضح ہوگئی تھی اگرچہ وہ ابھی تک

Marfat.com

اس کا کوئی حل نہیں سوچ پایا تھا۔ چنانچہ اس نے اس وقت تحریر کئے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:۔

"ہمارے ارد گرد دستوروں کا ایک طومار لگا ہوا ہے۔ لیکن اب تک جتنے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس میں خواہشات اور حقائق کے درمیان صحیح توازن قائم کیا گیا ہو۔ مجھ پر یہ بات روز بروز واضح ہوتی جارہی ہے کہ موثر پالیسی وہ ہوگی جو کچھ نہ کرنے او معقول تحفظات کے ساتھ بہت کچھ کرنے کے بین بین ہوگی۔ پہلا راستہ اختیار کرنے کا بہت کچھ جواز موجود ہے۔ لیکن میں یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ برسوں کی مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا عمومی اثر ہندوستان کی سیاست پر یہ ہو گا کہ وہ روز بروز بائیں جانب جھکتی چلی جائے گی۔ میر رائے یہ ہے کہ دوسری متبادل صورت کی اساس پر معقول حد تک اتفاق رائے اور مزید عبوری مدت کے لئے ایسے تحفظات حاصل کرنے کا امکان ہے جو ہم آئندہ دس یا بیس سال تک (ہندوستانیوں کی) رضامندی کے ساتھ حاصل نہیں کر سکیں گے" (۲۹)۔

اگلے مہینے کلکتے میں ہونے والی کل جماعتی کانفرنس میں نہرو رپورٹ پر بحث ہوئی۔ اروِن خود وہاں موجود تھا اور اسے کانفرنس کی کارروائی کا قریب سے جائزہ لینے کا موقع ملا۔ کانفرنس کی کاروائی دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کو مستعمرہ کا درجہ دینے کی پالیسی ایک اعتدال پسندانہ پالیسی ہے اور ہندوستانیوں کو اس سے کم مراعات پر راضی نہیں کیا جاسکتا (۳۰)۔ وہ جس وقت ایک فارمولے کی تلاش میں تھا سرپی ایس سیوا سوامی آئیر کے وہ لیکچرز کتابی صورت میں چھپ کر سامنے آئے (۳۱) جو اس نے ۱۹۲۷ء میں مدراس یونیورسٹی میں دیئے تھے۔ ان لیکچرز نے اروِن کو متاثر کیا (۳۲)۔ اس مرحلے پر سیتل واڈ نے اروِن سے ایک مرتبہ پھر ملاقات کی اور یہ تجویز پیش کی کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا اگر ملک معظم کی حکومت کا کوئی ترجمان واضح طور پر یہ یقین دلادے کہ حکومت کا منشا ہندوستان کو مستعمرہ کا مرتبہ دینا ہے اور یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس امر کی یقین دھانی کرادی جائے تو اس کو

Marfat.com

عملی جامہ پہنانے کے طریقے معلوم کرنا مشکل نہ ہوگا (۳۳) ۔ سیتل واڈ کی سابقہ تجویز کی طرح اس تجویز میں بھی ارون کو مسئلے کا ایک حل نظر آیا (۳۴) ۔ اس کے چند روز بعد وائسرائے نے ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں ایک مصالحانہ تقریر کی جس میں اس نے سائمن کمیشن کی طرف سے رپورٹ پیش کئے جانے کے بعد ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کے امکان کی طرف اشارہ کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ :۔

"میں ایک مرتبہ پھر اس مجلس کو اور اس کی وساطت سے تمام ہندوستانیوں کو یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ ۱۹۱۷ء کا اعلان برطانیہ کی طرف سے اس امر کے پر خلوص عہد کی حیثیت سے برقرار ہے اور ہمیشہ برقرار رہے گا کہ وہ ایک دوسری قوم کے بھرپور سیاسی قد و قامت کے حصول کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی اور یہ کہ اس عہد سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور چونکہ افعال کو اقوال سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے لہٰذا میں یہ بھی کہوں گا اگر میں یہ سمجھتا کہ اہل برطانیہ اپنے اس عہد سے دستبردار ہوگئے ہیں تو میں آج آپ کے سامنے گورنر جنرل کی حیثیت سے کھڑا نہ ہوتا" (۳۵) ۔

یہ ایک جرات مندانہ اور پر زور بیان تھا، لہٰذا ہندوستانی اس سے ضرور متاثر ہوں گے۔ لیکن سائمن نے ارون کی اس تقریر کے خلاف احتجاج کیا اور اسے کمیشن کے خلاف ہندوستان کے حزب اختلاف کے لئے ایک رعایت سے تعبیر کیا۔ برکن ہیڈ کے ساتھ اختلاف کے بعد کنزرویٹو پارٹی میں اپنے رفقا کے ساتھ ارون کے نظریاتی تصادم کا یہ پہلا مظاہرہ تھا۔ چنانچہ خود ارون نے لکھا :۔

"کل مجھے اسمبلی (مقامی دارلعوام) میں تقریر کرنی پڑی جس کے لئے مجھے سخت ذہنی کشمکش سے گزرنا پڑا۔ بہرحال تقریر کا یہ مرحلہ خیروخوبی کے ساتھ طے پاگیا اور جہاں تک میں اندازہ لگا سکتا ہوں اس کا خاصا خیر مقدم ہوا ہے۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ اس قسم کی ہر کوشش میں دو قسم کے سامعین پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے، یعنی ایک طرف ہندوستانی سامعین پر اور

Marfat.com

دوسری طرف اہل وطن پر اور اس وقت ان دونوں کے درمیان مصالحت کرانا ایک دقت طلب کام ہے۔ اب رہی بات یہ کہ اس کا کوئی عملی نتیجہ بھی بر آمد ہو گا یا نہیں تو اس میں شبہ ہے۔ میں نے یہ تقریر اس توقع کے ساتھ کی ہے کہ اس سے جذبات کو کسی حد تک ٹھنڈا کرنے میں مدد ملے گی اور لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے میں مدد ملے گی (۳۶)۔

یہ تقریر پرزور تو تھی لیکن اعلان مانٹیگو کی لفظی تائید کے سوا کچھ نہ تھی۔ اروِن کو ابھی گول میز کانفرنس کے انعقاد کی تدبیروں پر غور کرنا تھا جبکہ اسی اثناء میں سائمن کمیشن بھی سرگرم عمل تھا۔ اس کا موقعہ اسے ہندوستانی ریاستوں کی بدولت میسر آگیا۔ اس کا ایک دھندلا سا خاکہ اسی وقت ارون کے ذہن میں ابھر چکا تھا جب بٹلر کمیشن اپنی تحقیقات میں مصروف تھا۔ اس وقت ارون نے لکھا تھا:۔

"میں شروع سے جس بات کی توقع کرتا رہا وہ یہ تھی کہ ہارکورٹ بٹلر کی تحقیقات ضمناً کنایۃً ایسا انداز فکر پیدا کر دیگی جس سے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا درآنحالیکہ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ برطانوی ہند کے سلسلے میں سائمن کمیشن کن خطوط پر کام کر رہا ہے" (۳۷)۔

دسمبر ۱۹۲۸ء میں ارون نے ایک نوٹ لکھا جس میں اس نے ہندوستان کی صورت حال سے نمٹنے کی مختلف متبادل صورتوں کا جائزہ لیکر ایک ایسی گول میز کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی جسے تمام تجاویز پر آزادی سے غور کرنے کا اختیار ہو اور جس میں ہندوستانی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی جائے (۳۸)۔ ۱۹۲۹ء کے شروع میں جیفری ڈاسن ہندوستان آیا۔ ارون نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر اس گتھی کو سلجھایا اور ڈاسن پر زور دیا کہ وہ برطانیہ میں مجوزہ اقدامات کی قبولیت کے لئے زمین ہموار کرے (۳۹)۔ ارون کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک نئی صورت حال پیدا کی جائے اور اس مقصد کے لئے ہندوستان کے مسئلے کا دائرہ وسیع کر کے اس میں دیسی ریاستوں کو شامل کرلیا جائے تاکہ گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا جواز پیدا ہوسکے۔ جب یہ مقصد پورا ہولے تو وہ ایک مرتبہ پھر اعلان ۱۹۱۷ء کا اعادہ کرے گا اور اس کے ساتھ ہندوستان کو مستعمرہ کا مرتبہ دینے کی تجویز کو مربوط کر دے گا۔

Marfat.com

والیان ریاست کی شمولیت سے برطانوی کنزرویٹو پارٹی کانفرنس کی تجویز قبول کرنے کے قابل ہوجائے گی اور کانفرنس مستعمراتی مرتبہ دینے کی تجویز کو تسلیم کرکے ہندوستانیوں کو مطمئن کردے گی۔ یہ تھی مختصراً اِرون کی اسکیم۔ لیکن اس اسکیم پر عملدرآمد کی راہ میں حائل اولین رکاوٹ سائمن تھا، کیونکہ سائمن کے تعاون یا کم از کم رضامندی کے بغیر برطانیہ میں اس کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سائمن اور اِرون کے درمیان کئی امور پر اختلافات موجود تھے۔ ان میں ایک ہندوستان کی مرکزی کمیٹی کا درجہ بڑھانے کے بارے میں سیتل واڈ کی تجویز تھی (۴۰)۔ دوسرے یہ سوال کہ اس کمیٹی کے ارکان منتخب ہونگے یا نامزد، (۴۱) تیسرے سائمن کی کمیشن کی یہ خواہش کہ وائسرائے کی عاملہ کے ارکان کے خیالات معلوم کئے جائیں (۴۲) اور آخر میں یہ کہ سائمن نے اِرون کی اس تقریر کے خلاف احتجاج کیا تھا جو اس نے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو کی تھی (۴۳)۔ جولائی و اگست ۱۹۲۸ء میں اِرون نے پہل کرتے ہوئے سائمن کے ساتھ ایک ایسے مسئلے کو چھیڑا جو موخر الذکر اور اہل برطانیہ کے لئے نہایت حساس موضوع تھا۔ یہ موضوع مرکزی عاملہ اور مقننہ کے درمیان پیہم محاذ آرائی کے پیش نظر مرکزی حکومت کی اصلاح کا تھا۔ اِرون اس موضوع کو مسئلے کا بنیادی عنصر تصور کرتا تھا اور اس کے حل کے لئے اس نے تجویز پیش کیا کہ ملک کی مرکزی حکومت کی افسر شاہی نوعیت کو تبدیل کیا جائے (۴۴)۔ فروری ۱۹۲۹ء میں جبکہ سائمن کمیشن ہندوستان میں بدستور اپنے کام میں مصروف تھا۔ اِرون نے مناسب احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے سائمن سے گول میز کانفرنس منعقد کرنے کے خیال کا اظہار کیا اور اسی مہینے اس نے کمیشن کے نام دو مراسلے تحریر کئے جن میں اس بات کی تردید کی گئی تھی کہ مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کی صورت میں کمیشن کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی یا اس کی حیثیت کم ہو جائے گی (۴۵)۔ مارچ ۱۹۲۹ء کے وسط تک سائمن کو اِرون کے دلائل قائل نہ کرسکے تھے اور وہ اِرون کی اسکیم کے بارے میں بدستور فکرمند رہا (۴۶) لیکن کچھ عرصے بعد وہ بلا تامل اِرون کی تجویز پر متفق ہوگیا۔ تاہم اس نے اپنے رفقا کی مخالفت سے بچنے کے لئے یہ رائے ظاہر کی کہ گول میز کانفرنس کے بارے میں اِرون کی تجویز کو کمیشن کی رپورٹ میں شامل کرلیا جائے اور یہ رپورٹ ۱۹۲۹ء کے موسم خزاں میں جاری کردی جائے

Marfat.com

(۴۷)۔ اگلے مہینے اروِن نے سائمن سے اپنی اس تجویز کو منوالیا کہ جولائی کے آخری ایام میں کمیشن کی جانب سے اس کے اور وزیر اعظم کے درمیان خطوط کا تبادلہ کیا جائے اور اس طرح اس نے سائمن سے اپنا اصل مدعا پورا کرالیا (۴۸)۔ تقریباً انہی دنوں بٹلر کمیٹی کی رپورٹ بھی منظر عام پر آگئی (۴۹) اور اس سے خطوط کے مجوزہ تبادلے کا جواز ہاتھ آگیا (۵۰)۔ اس طرح اپریل ۱۹۲۹ء میں جب کمیشن ہندوستان سے روانہ ہونے لگا تو اروِن کے اندیشے دور ہوچکے تھے بلکہ سائمن سے اسے انس ہوگیا تھا (۵۱) یہی وہ فضا تھی جس میں اروِن نے وزیر اعظم کو لکھا کہ ہندوستان کا عقدہ لاینحل نہیں ہے اور یہ کہ سائمن کمیشن کی رپورٹ پیش کئے جانے کے بعد جو لائحہ عمل اختیار کیا جائے گا اس سے ہندوستان کے مسئلے میں زبردست تبدیلی رونما ہوجائے گی (۵۲) لیکن اس خط کا بنیادی نکتہ یہ تھا:۔

> "ریاستوں کے مسئلے کی صورت میں ایک حربہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے جسے وقت آنے پر ہم موثر طور پر استعمال کرسکیں گے۔ اس مسئلے کی بدولت ہمارے لئے یہ غور کرنے کا جواز پیدا ہوجائے گا کہ ریاستوں کی شرکت میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے یا ایسا ہی کوئی اور اقدام کیا جائے۔ اس قسم کے اقدام کو اہل ہندوستان فراخ دلی کا مظاہرہ سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہی مسئلے سے نمٹنے کا ایک طریقہ ہے" (۵۳)۔

سائمن کو ہموار کرنے میں کامیابی اروِن کا پہلا اہم کارنامہ تھی لیکن اسے جس اصل مشکل کا سامنا کرنا تھا وہ اب بھی ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں تھی (۵۴)۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا اروِن اب تک کم از کم آزاد خیال سیاست دانوں کو اپنی نیک نیتی (۵۵) کا یقین دلا چکا تھا اور مشترکہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ان سیاست دانوں کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو مربوط کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا (۵۶)۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق تھا اروِن کو گول میز کانفرنس کے انعقاد اور مرکزی حکومت ہند کی اصلاح کے بارے میں اپنی تجاویز کی راہ میں حائل مشکلات کا اندازہ تھا لیکن اسے یہ توقع نہیں تھی کہ مستعمرہ کے مرتبے کی اصطلاح ان تمام امور پر حاوی ہوجائے گی اور یہ اصطلاح برطانوی حکومت کے لئے اسی طرح نفرت انگیز بن جائے گی جس طرح سائمن کمیشن ہندوستانیوں کے لئے باعث نفرت تھا۔

Marfat.com

اروِن جون ۱۹۲۹ء میں ہندوستان سے روانہ ہوا تھا اور اس نے انگلستان میں چھ مہینے قیام کیا یہ وائسرائے کی حیثیت سے اس کے عہدے کی درمیانی مدت کی رخصت تھی لیکن اس کے مشن کی نوعیت سیاسی تھی نہ کہ محض وطن آنے کی رخصت کی اس کی روانگی سے کچھ ہی عرصہ پہلے برطانیہ کے عام انتخابات میں خود اس کی پارٹی ہار گئی تھی اور لیبر پارٹی برسراقتدار آگئی تھی (۵۷)۔ اروِن نے اپنی جماعتی وابستگی کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومت کی اس تبدیلی اور نئے وزیر ہند کا خیر مقدم کیا کہ اس کے لئے نئی لیبر حکومت سے اپنے منصوبے کو منظور کرانا اور اس پر عملدر آمد کرانا نسبتاً آسان تھا (۵۸)۔ اس مرحلے پر اروِن کے حق میں مختصراً یہ عوامل کارفرما تھے: ٹائمز اس کا حامی تھا، نئی حکومت کی تائید متوقع تھی اور خود اروِن اپنی پارٹی کے سیاست دان اسٹانلے بالڈون (۵۹) اور اس کے کئی پیروکاروں پر انحصار کرسکتا تھا جو محض اروِن کی خاطر اس کی مخالفت سے احتراز کرتے۔ نیز اس نے سائمن اور اس کے بیشتر رفقاء کو اپنی حمایت پر آمادہ کرلیا تھا (۶۰) اس طرح اروِن اس وقت تک برطانیہ کی تینوں سیاسی جماعتوں اور سائمن کمیشن کی رائے کو بڑی حد تک اپنے حق میں ہموار کرچکا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اروِن ایسی فضا میں انگلستان پہنچا جو اس کے مشن کے لئے بڑی حد تک سازگار تھی۔ اس نے انگلستان میں اپنی رخصت کے زیادہ تر ایام مختلف سیاسی حلقوں کے نمائندوں کے سامنے اپنے موقف کی حمایت میں دلائل پیش کرنے میں گزارے (۶۱)۔ لیکن جن برطانوی لیڈروں سے اس کی ملاقات اور بات چیت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی وہ رمزے میکڈانلڈ، وِتج وڈ بین (۶۲) اسٹانلے بالڈون، سائمن اور لارڈ ریڈنگ تھے (۶۳)۔ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کے ارکان نے گول میز کانفرنس کی تجویز اور ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینے کے تصور کی بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا (۶۴)۔ وزیر اعظم نے وائسرائے اور وزیر ہند سے کہا کہ وہ سرجان سائمن کی شرکت میں اس مضمون کے مراسلات کا مسودہ تیار کریں (۶۵)۔ چنانچہ اروِن اور وِتج وڈ بین نے سائمن کی موجودگی میں لارڈ ریڈنگ کے ساتھ ساری تجویز پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کی (۶۶)۔ اس بات چیت سے اروِن نے یہ تاثر لیا کہ لبرل پارٹی کے دونوں رہنما اس بات پر متفق تھے کہ مکمل ذمہ دار حکومت اور مستعمرہ کی حیثیت کا فرق کوئی نوعی فرق نہیں ہے بلکہ یہ

Marfat.com

فرق یا تو غیر حقیقی فرق ہے یا محض زمانی ارتقاء کا فرق ہے (۶۷)۔ لیکن جب سائمن نے کمیشن میں اپنے رفقائے کار سے صلاح مشورہ کیا تو وہ ایک آزادانہ کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پر مبنی مراسلات والی تجویز کو ماننے کے لئے تو رضامند تھے لیکن مستعمراتی حیثیت کے سوال پر کسی بات کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہیں تھے (۶۸)۔ اس کے ساتھ ہی ریڈنگ نے تجویز کے دوسرے حصے پر سخت اعتراض کیا اور ارون کی دانست میں لائڈ جارج بھی اس معاملے میں ریڈنگ کا ہم خیال تھا (۶۹)۔ جہاں تک ارون کی کنزرویٹو پارٹی کا تعلق ہے بالڈون کے سوا اس کے بیشتر ارکان اس وقت دارالحکومت میں موجود نہیں تھے۔ تاہم ارون نے بالڈون کو (۷۰) اپنا منصوبہ قبول کرنے پر آمادہ کر لیا اور بالڈون نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس منصوبے کے حق میں پارٹی کی بھرپور حمایت حاصل کرنے کے لئے وہ جو کچھ بھی کر سکتا ہے اس سے دریغ نہیں کرے گا (۷۱) لیکن بعد میں پارٹی کے ارکان کے دباؤ کی وجہ سے بالڈون کو ناچار یہ تجویز پیش کرنی پڑی۔ وائسرائے سے اپنا بیان روک لینے کے لئے کہا جائے (۷۲)۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لیبر کنزرویٹو دونوں پارٹیاں ارون کے ساتھ نہیں تھیں۔ اب اس کے حامیوں میں صرف اور برطانوی حکومت خود اور اس کی اپنی جماعت کے لیڈر رہ گئے تھے۔ ان حالات میں ارون کو سائمن اور وزیر اعظم کے مابین ہونے والی فرضی خط و کتابت میں سے مستعمرہ کے مرتبے کا حوالہ حذف کر کے اسے اپنے بیان میں شامل کرنا پڑا (۷۳)۔

متذکرہ مراسلات آزادانہ بنیاد پر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز تک محدود تھے۔ (۷۴) ارون کی یہ کارروائی ناعاقبت اندیشانہ تھی کیونکہ پارلیمنٹ میں میکڈانلڈ کی حکومت کو اکثریت حاصل نہیں تھی اور بالڈون نے اس کی تجویز کی حمایت جیسا کہ خود اس نے ارون کے بیان دینے سے چند روز قبل اپنی غلطی کابینہ کے سامنے جو اعتراف کیا تھا وہ ذاتی حیثیت سے تھا نہ کہ ایک ایسے لیڈر کی حیثیت سے جسے پارٹی کی رضامندی حاصل ہو (۷۵)۔ لیکن ارون جو لبرل اور کنزرویٹو دونوں پارٹیوں کی مخالفت کو نظر انداز کر کے اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہوا اس کا اصل سبب سائمن کمیشن خاص کر اس کے چیئرمین کا مویدانہ رویہ تھا۔ (۷۶) سائمن نے اکتوبر ۱۹۲۹ء میں اپنے اور وزیر اعظم کے درمیان مراسلات کے مجوزہ تبادلے کی منظوری دے دی حالانکہ وزیر اعظم اس وقت برطانیہ

میں موجود نہیں تھا (۷۷)۔ سائمن نے یہ کارروائی اپنی پارٹی کی دو کلیدی شخصیتوں لائڈ جارج اور ریڈنگ کے دباؤ کے باوجود اور بادل نخواستہ کی (۷۸) حالانکہ ہندوستان میں ارون کے ساتھ اس کے ابتدائی مذاکرات میں مستعمراتی مرتبہ دینے کا اعلان اسکیم میں شامل نہیں تھا (۷۹) اور بعد میں سائمن کی یہ شرط پوری نہیں ہوئی تھی کہ اسکیم پر پارلیمانی پارٹیوں کا عمومی اتفاق رائے ضروری ہے (۸۰) لیکن اس نے نہ تو کمیشن سے استعفیٰ دیا اور نہ علی اعلان "مشروط مکتوبات" (۸۱) کو تحریر کرنے والے افراد پر نکتہ چینی کی۔ برخلاف اس کے سائمن نے ریڈنگ کو اعتماد میں لیتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ ارون نے ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کی حیثیت دینے کو منتہائے مقصود قرار دینے کا جو اعلان کیا ہے اسے مسترد کرنا خلاف مصلحت ہے (۸۲) خواہ یہ اعلان قابل اعتراض ہی کیوں نہ ہو۔ نیز اس نے اپنے موئیدین کو مشورہ دیا کہ وائسرائے کی صوابدید اور حکومت کے رجحان کے خلاف گول میز کانفرنس کے مندوب کی حیثیت سے اسے نامزد کرانے کی کوشش کو زیادہ طول نہ دیا جائے (۸۳) اس مرحلے پر اور اس کے بعد مئی و جون ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آنے تک سائمن کا یہ سازگار رویہ ایک طرف ہندوستانی زعما اور دوسری طرف برطانوی سیاست دانوں کے ساتھ نمٹنے کے لئے ارون کی مساعی میں بلاشبہ ممد و معاون ثابت ہوا۔

ارون نے ہندوستان پہنچنے کے چند روز کے اندر یعنی ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اپنا بیان جاری کر دیا۔ یہ بیان اس کی ڈیڑھ سال کی ان تھک اور صبر آزما کوششوں کا ثمر تھا۔ اس کا متن ان کوششوں کے شایان شان تھا اور توقعات کی اس عام فضا سے ہم آہنگ تھا جو بیان کے اجرا کے وقت موجود تھی۔ اپنے اس بیان میں ارون نے ماضی میں کئے جانے والے شاہی وعدوں کا اعادہ کیا، نیز ملک معظم کی حکومت کی طرف سے ملنے والے اختیارات کے دعویٰ کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینا ہندوستان کے بارے میں برطانوی پالیسی کا نصب العین ہے (۸۴)۔ مزید برایں اس نے اپنے بیان میں کہا کہ ۱۹۱۹ء (۸۵) کا قانون وضع کرنے میں برطانوی حکومت کی نیت کے بارے میں جن شبہات کا اظہار کیا گیا ہے ان کے پیش نظر اصل حقیقت کی وضاحت ضروری ہو گئی ہے۔ اسی بیان میں

Marfat.com

ایک اور مقام پر اس نے ایک ایسی کانفرنس کے طریقہ کار کا خاکہ بھی پیش کیا جس میں ہندوستان کی مختلف پارٹیوں کے نمائندے ایک ساتھ یا الگ الگ ملک معظم کی حکومت کے نمائندوں سے ملاقات کریں گے اور ان سے برطانوی ہند اور مجموعی طور پر ہندوستان سے متعلق مسائل پر بات چیت کریں گے (۸۶)۔ اس بیان کے علاوہ کانفرنس کا طریقہ کار ان مراسلات میں بھی بیان کر دیا گیا تھا جس کا فرضی تبادلہ طے شدہ پروگرام کے مطابق سائمن اور وزیر اعظم کے درمیان ہوا تھا (۸۷) لیکن مستعمرہ کا مرتبہ دینے کی تجویز صرف اروِن کے بیان میں شامل تھی۔ اس طرح اروِن کے بیان سے نہ صرف اعتدال پسند ہندوستانی رہنماؤں کے مطالبات تمام و کمال پورے ہو رہے تھے بلکہ اس کی بدولت ہیلے کی ۱۹۲۴ء والی تقریر اور اس طریقہ کار سے پہنچنے والے مبینہ نقصان کی تلافی بھی ہو رہی تھی جس کے مطابق نومبر ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اروِن کے بیان کی وجہ سے حالت ماسبق بحال ہو گئی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوا۔ اس بیان کی رو سے مجوزہ گول میز کانفرنس میں ہندوستان کو ان آئینی مذاکرات میں برطانیہ کے مساوی حیثیت حاصل ہو گئی جو جلد ہی ہونے والے تھے۔ مجوزہ کانفرنس بجائے خود ایک منفرد حیثیت کی حامل تھی کیونکہ ماضی میں برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی نافذ کردہ آئینی اصلاحات سے قبل کبھی ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب برطانوی حکومت طوعاً و کرہاً سیاسی خیرات دینے کی پالیسی پر عمل نہیں کر سکتی تھی اور مستقبل کے آئین کی تفصیلات ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے اور ان کی رضامندی سے طے کرنی ضروری تھیں۔ اس لائحہ عمل کو یوں بھی اور اہمیت حاصل ہو گئی کہ اس میں کانفرنس کی آزادانہ نوعیت پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے سائمن کمیشن کی رپورٹ کی کوئی وقعت باقی نہ رہتی، لہٰذا اروِن نے جب سائمن سے اپنے منصوبے پر تبادلہ خیال کیا تو مستعمرہ کا درجہ دینے کی تجویز اس کے لئے اتنی باعث تشویش نہیں تھی جتنی کہ گول میز کانفرنس کے انعقاد کی تجویز (۸۸)۔

اس تجویز کے علاوہ اروِن کے بیان کا باقی حصہ بھی خاصی اہمیت کا حامل تھا برطانوی رہنما وقتاً فوقتاً مانٹیگو کے اعلان کو دہراتے رہتے تھے اور حکومت برطانیہ کے اس ارادے کا

Marfat.com

اعادہ کرتے رہتے تھے کہ ہندوستان کو سلطنت برطانیہ میں وہی مقام دیا جائے گا جو دوسری خود مختار مستعمرات کو حاصل ہے۔ لیکن اب کی دفعہ برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کی طرف ماضی میں کبھی اشارہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۶ء کی شاہی کانفرنس میں برطانیہ اور اس کی مستعمرات کے درمیان تعلق کا ایک نیا مفہوم متعین کیا گیا تھا جس کی رو سے مستعمرات پر شہنشاہی پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو گیا تھا (۸۹) اور مستعمرات کو عملاً برطانیہ سے علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ ہندوستان کی حیثیت اس شاہی کانفرنس کے فیصلوں سے متاثر نہیں ہوئی تھی لیکن اب ارون کے بیان سے ہندوستان کو بھی مضمراً یہ حق حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی قوم پرست ہندوستانی لیڈروں کے بیانات کے پیش نظر یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کو مستعمرہ کا مرتبہ ملتے ہی وہ اس حق کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے (۹۰)۔ ارون کے بیان میں جس پالیسی کا اعلان کیا گیا تھا اس کی حیثیت مجموعی طور پر ایک سنگ میل کی تھی اور وہ ماضی کے موقف سے بنیادی انحراف سے عبارت تھی، بلا لحاظ اس کے کہ اس کے برعکس کچھ ہی کہا گیا ہو (۹۱) لہٰذا اس پالیسی پر برطانوی سامراج کے علمبرداروں کی گہری تشویش اور اس کے خلاف مزاحمت ایک قدرتی بات تھی۔

ارون کا یہ اقدام اگرچہ بجائے خود بہت بڑا تھا، لیکن خود اس کی توقع یہ تھی کہ اس کی بدولت اعتدال پسند ہندوستانیوں کے ساتھ مصالحت ہو جائے گی۔ لہٰذا اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے ہندوستان واپس پہنچنے کے بعد اپنا بیان اشاعت کے لئے جاری کرنے سے قبل جناح (۹۲) اور سپرو (۹۳) کو اس کے متن سے آگاہ کیا۔ یہی وہ دو لیڈر تھے جن کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں چند ہفتے بعد وائسرائے اور کانگریسی لیڈروں کے درمیان ملاقات ہوئی تھی۔ اب چونکہ آزاد خیال طبقے کی رائے عامہ کی مکمل طور پر تشفی ہو گئی تھی، لہٰذا ارون کا اصل مقصد حاصل ہو گیا تھا (۹۴)۔ اس بات کا سہرا آزاد خیال (لبرل) سیاست دانوں کے سر ہے کہ جب خود ارون پر برطانوی سیاست دانوں کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا، ان ارباب سیاست نے وائسرائے کی حیثیت سے اس کی باقیماندہ معیاد کے دوران اس کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا اور اس وقت اس کا ساتھ دیتے رہے جب تک کہ اس نے کانگریس کو لندن کانفرس میں شرکت پر آمادہ کرنے کا کٹھن مرحلہ طے نہیں کرلیا۔ بعد میں عوام کی

Marfat.com

ناپسندیدگی، ذاتی تکلیف اور مایوسیوں کے باوصف اس نے کئی سال تک اصلاحات کے کام میں حکومت کی مدد کی تا آنکہ ۱۹۳۵ء کا قانون وضع کرلیا گیا۔

آزاد خیال سیاست دانوں کے حلقے سے باہر بھی ہندوستان کی رائے عامہ ارون کے خلوص کی قائل ہوگئی تھی (۹۵)۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ گاندھی، موتی لال اور انصاری جیسے بزرگ کانگریسی لیڈر ارون کے پروگرام کو قبول کرلینے کے خواہشمند تھے۔ اگر کانگریس کے نوجوان عنصر کا رویہ غیر مصالحانہ نہ ہوتا جس نے ۱۹۲۷ء میں نمایاں حیثیت حاصل کرلی تھی تو ممکن ہے کہ سول نافرمانی کا خطرہ ٹل جاتا (۹۶)۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں گاندھی کلکتہ میں رونما ہونے والی صورت حال پر قابو پانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوگئے تھے۔ لیکن لاہور میں منعقد ہونے والا اگلا اجلاس خطرناک ممکنات کا حامل تھا۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں موتی لال نے انہیں خبردار کیا تھا کہ ,نوجوانوں کی بغاوت ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے، اور اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ,گاندھی کا دماغ اور جواہر لال کی آواز، وقت کا تقاضا ہے (۹۷)۔ یہ بات اہم اور قابل ذکر ہے کہ وائسرائے کے ہندوستان واپس آنے سے کئی مہینے پہلے گاندھی نے اپنے حسن تدبر سے جواہر لال کو کانگریس کا صدر منتخب کرالیا، ہرچند کہ جواہر لال اس میں رضامند نہیں تھے (۹۸)۔ اس سے کانگریس کا بایاں بازو اپنے ممتاز ترین ترجمان سے محروم ہوگیا (۹۹)۔ سپرو نے وائسرائے کے اعلان کے ایک روز بعد دلی میں "لیڈروں کی کانفرنس" کا اہتمام کیا تھا جس میں گاندھی نے کانگریسی وفد کی قیادت کی۔ اس کانفرنس میں کانگریس نے آزاد خیال سیاست دانوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے وائسرائے کے اعلان کو سراہا اور اس کے ساتھ تعاون کی پیش کش کی لیکن ساتھ ہی یہ مطالبہ (۱۰۰) بھی کیا کہ "بعض اقدامات کئے جانے چاہئیں" اور بعض نکات کی وضاحت کی جانی چاہئے۔ تاہم گاندھی اور موتی لال نے (۱۰۱) جو موقف اختیار کیا اس کے پیش نظر ان مطالبات کو تعاون کے لئے پیشگی شرائط قرار نہیں دیا گیا۔ لیڈروں کی کانفرنس میں ہونے والے مذاکرات اور اس کی طرف سے جاری ہونے والے بیان کے متن سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا مقصد نوجوانوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنا اور کانگریس کے کلکتہ والے اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں منظور شدہ قرار داد کے ساتھ ارون کی پیش کش کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

ارون کے بیان میں جو لیبر پارٹی کے دور اقتدار میں جاری کیا گیا تھا ان کانگریسی لیڈروں کو امید کی کرن اور تعاون کا معقول جواز نظر آیا تھا بشرطیکہ وہ اپنے نوجوان عنصر کو قابو میں رکھ سکتے۔ اگلے چند ہفتے کے دوران آزاد خیال سیاست دانوں کو کانگریس کے بزرگ لیڈروں پر غلبہ حاصل رہا اور اسی دوران میں یہ بزرگ لیڈر خود اپنی جماعت کے ارکان کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں مصروف رہے (۱۰۲) ۔ یہ بات کہ گاندھی اور موتی لال ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے کے ساتھ اپنی ملاقات کے وقت تک حکومت کی پیش کش کو قبول کرنے کے امکان کا جائزہ لیتے رہے اس امر کی دلیل تھی کہ کانگریس کے اندر آخری لمحے تک کشمکش جاری رہی۔ اس میں بزرگ رہنماؤں کی پوزیشن کمزور معلوم ہوتی تھی۔ برطانیہ میں ارون کے منصوبے کو چلینج کرنے والے عناصر کی سرگرمیوں کے بارے میں جو خبریں مل رہی تھیں ان کی وجہ سے نوجوان سیاست دانوں کے مقابلے میں بزرگوں کی قوت خاصی حد تک کم ہو گئی تھی۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں جواہر لال نہرو کے زیر صدارت ناگپور میں منعقدہ ٹریڈ یونین کی کانگریس سے ان بزرگ سیاست دانوں میں تشویش پیدا ہو گئی ہوگی۔ جوں جوں لاہور کانگریس کا وقت قریب آتا گیا موتی لال کے اپنے ذہن پر اس چیلنج کا بوجھ پڑنے لگا جو حکومت کو گذشتہ سال کانگریس کے اجلاس میں دیا گیا تھا۔ اس اجلاس کی صدارت موتی لال نے کی تھی۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ لاہور میں کانگریس کے نوجوان اور زود اشتعال ارکان کے ہاتھوں اپنی ذات کے لئے خطرہ محسوس کر رہے ہیں (۱۰۳) ۔ اب ایسا نظر آتا تھا کہ اگر کانگریس کو نوجوانوں پر چھوڑ دیا گیا تو وہ انقلاب کی راہ پر چل پڑے گی اور اس کے نتیجے میں ہندوستانی معاشرہ نہ صرف حکومت کے ساتھ برسرپیکار ہو جائے گا بلکہ اندرونی خلفشار کا بھی شکار ہو جائے گا۔ لہٰذا نوجوانوں کو کھلی چھٹی دینا دانشمندی کے منافی تھا۔ انتشار سے بچنے کے لئے نظم و ضبط اور احتیاط ضروری تھی۔ اس پس منظر میں گاندھی نے موتی لال، پی جے پٹیل سپرو اور جناح کی معیت میں ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے سے ملاقات کی اور اس سے مطالبہ کیا کہ کانگریس کے تعاون کے عوض اس یقین دہانی کا اعادہ کیا جائے کہ مجوزہ کانفرنس کا واحد مقصد مستعمراتی مرتبے کے آئین کی تفصیلات پر غور کرنا ہے (۱۰۴) اور یہ کہ کانفرنس کے فوری نتیجے میں ہندوستان کو مرتبہ مستعمرہ دے دیا جائے گا۔ (۱۰۵) ارون کو

Marfat.com

ایسا نظر آتا تھا کہ دونوں کانگریسی رہنما ملاقات کو ناکام بنانے کا تہیہ کر کے آئے ہیں۔ اس قسم کی یقین دہانی نہ تو وائسرائے کے اختیار میں تھی اور نہ برطانوی حکومت کے سیاسی دائرہ اختیار میں تھی خواہ وہ یا وائسرائے ایسا کرنے کے خواہشمند ہی کیوں نہ ہوں (۱۰۶)۔ لیکن صرف یہی ایک صورت تھی کہ بزرگ سیاست داں کانگریس کو انتہا پسندانہ روش سے روک سکتے تھے (۱۰۷)۔ مگر آزاد خیال لیڈروں کی طرح وائسرائے بھی کانگریس کی اندرونی کشمکش کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔ آزاد خیال لیڈروں نے اعلان کیا کہ گاندھی کی سیاسی بصیرت اور قیادت پر سے ان کا ایمان اٹھ گیا ہے (۱۰۸)۔ ارون کو گاندھی ایک بے ڈھب اور غیر معقول شخصیت نظر آئے (۱۰۹)۔

گاندھی اور موتی لال اس نیک نامی کے ساتھ لاہور پہنچے کہ انہوں نے وائسرائے کے ساتھ ملاقات میں سخت رویہ اختیار کیا۔ لاہور میں آزادی کی قرار داد خود پیش کر کے گاندھی نے حسن تدبر سے کانگریس کے اجلاس کو پوری طرح اپنی گرفت میں رکھا (۱۱۰)۔ اب جواہر لال نے اپنے صدارتی خطبے میں، خواہ کچھ ہی کہا ہو کانگریس کے اس اجلاس میں جو فیصلے ہوئے وہ نہ خود ان کے اور نہ ان کے نوجوان رفقا کی خواہش کے آئینہ دار تھے۔ آزادی کی قرار داد میں قانون ساز اداروں کے انتخابات کے مقاطعے کے بارے میں پرانے پروگرام کو دہرانے کے سوا حکومت کے خلاف کانگریس کے مقصد کو مبہم رکھا گیا (۱۱۱)۔ سول نافرمانی شروع کرنے کی تاریخ بھی پارٹی کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی (۱۱۲)۔ گاندھی نے سبھاش چندر بوس (۱۱۳) سری نواس آئنگر (۱۱۴) اور بائیں بازو کے دوسرے لوگوں کے نام اس مجلس عاملہ کی فہرست سے خارج کر کے خطرے کی ایک اور صورت ختم کر دی (۱۱۵)۔ تاریخ کانگریس کا مصنف جو اجلاس کی کارروائی کا چشم دید گواہ تھا اپنے مشاہدات قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے "گاندھی کا سارا عدم تعاون جیسا کہ وہ بارہا واضح کر چکے تھے تعاون سے عبارت تھا اور ان کی ساری جدوجہد تصیفئے کے لئے تھی" (۱۱۶)۔ لہٰذا یہ امر باعث تعجب نہیں کہ اجلاس ختم ہونے کے بعد جلد ہی بائیں بازو کے ارکان نے بوس اور آئنگر کی رہنمائی میں کانگریس کی قیادت سے روگردانی کی اور کانگریس میں ڈیمو کریٹک پارٹی (۱۱۷) کے نام سے اپنی ایک علیحدہ جماعت تشکیل دے دلی۔ گاندھی ناگزیر اقدام قبول کرنے سے قبل اپنی پارٹی کے

Marfat.com

ارکان کے جارحانہ رجحانات کا دو مہینے تک مشاہدہ کرتے رہے۔ انہوں نے ۳۰ مارچ ۱۹۳۰ء تک ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ البتہ اس کے بعد انہوں نے سول نافرمانی شروع کرنے کے بارے میں اپنے ارادے سے وائسرائے کو مطلع کر کے لاہور کانگریس کی قرار داد کو عملی جامہ پہنایا (۱۱۸)۔ یہ اقدام کرنے سے پہلے انہوں نے کہا:۔

"لاقانونیت کے خطرے اور خفیہ جرائم سے ملک کو بچانے کی واحد صورت سول نافرمانی ہے، کیونکہ ملک میں ایک تشدد پسند پارٹی ایسی ہے جو تقریروں، قرار دادوں یا کانفرنس کی بات پر کان نہیں دھرے گی بلکہ وہ راست اقدام پر یقین رکھتی ہے" (۱۱۹)۔

اس طرح گاندھی کی مداخلت سے سماجی انتشار کا سدباب ہو گیا۔ انہوں نے خود پہل کر کے انقلاب کو نظم و ضبط کا پابند بنا دیا اور خود اپنی تحریک کے ذریعے بغاوت کے جذبے کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں عارضی طور پر حکومت کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے لیکن ایک سال بعد امن کی راہ ہموار ہو گئی۔

تاہم اگرچہ سول نافرمانی سے مفر کی کوئی صورت نہیں تھی لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم تھی کہ اروِن نے گاندھی اور ان کے ذمہ دار رفقاء کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ وائسرائے کے خلوص پر اب کسی شک و شبہے کا اظہار نہیں کیا جا رہا تھا اور نہ ہی وزارت ہند کو حسب سابق مطعون کیا جا رہا تھا۔ اروِن کے منصوبے کو مسترد کر کے کانگریس نے حکومت کا ساتھ دینے میں آزاد خیال ارباب سیاست (لبرلز) کے عزم کو اور پختہ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے گاندھی کی تحریک میں ان کا ساتھ نہیں دیا جیسا کہ وہ سائمن کے مقاطعے کے موقع پر کر چکے تھے۔ اب کانگریس لبرل سیاست دانوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک قابل مذمت تھی۔ اجلاس دہلی کے ایک دن بعد سپرو نے وائسرائے کو لکھ کر یہ یقین دلایا کہ وہ ہندوستان میں کانگریس کو چھوڑ کر تقریباً تمام پارٹیوں سے حمایت کی توقع رکھ سکتے ہیں (۱۲۰)۔ اروِن نے اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا حکومت نے جوں ہی ضرورت محسوس کی کانگریس پر ٹوٹ پڑی (۱۲۱)۔ ۹ جولائی ۱۹۳۰ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے اروِن نے ہندوستانیوں کی امنگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا لیکن

Marfat.com

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ نظم و نسق کے سوال پر وہ قطعی کسی قسم کی رعایت نہیں کرے گا (۱۲۲)۔ تاہم ایک خوش آئند صورت یہ رونما ہوئی کہ وہ ستمبر ۱۹۳۰ء میں آزاد خیال لیڈروں اور ان کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کے ایک اور دور پر رضامند ہو گیا جو جیل میں تھے (۱۲۳)۔

اس کے بعد ارون کو جن مشکلات کا سامنا رہا وہ معمولی نوعیت کی تھیں۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دان تھے۔ ان کی نکتہ چینی نے ۲۳ دسمبر والے مذاکرات دہلی کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ لیکن اگر ان ہٹ دھرم سیاست دانوں کی سرگرمیاں ہندوستان کی رائے عامہ پر اثر انداز ہوئی تھیں تو کانگریس کے طرز عمل سے ان سیاست دانوں کا رویہ اور بھی سخت ہو گیا اور اس کی بدولت انہیں برطانیہ میں اپنے موقف کے لئے خاصی حمایت حاصل ہو گئی۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے عوامل ایسے تھے جن سے ان کے موقف کو اور تقویت پہنچی۔ ایک تو اقتصادی کساد بازاری میں ہندوستانیوں کی طرف سے برطانوی مال کا مقاطع کیا گیا جس سے ہندوستان کے ساتھ لنکا شائر کی تجارت میں مندے کے رجحان نے زور پکڑ لیا۔ دوسرے بدلے ہوئے حالات میں ہندوستانی نوجوانوں نے سرکاری ملازمت کا بائیکاٹ کر دیا۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ مئی و جون ۱۹۳۰ میں دو قسطوں میں شائع ہوئی۔ یہ بات طے تھی کہ ہندوستانی اہل الرائے اس کا خیر مقدم نہیں کریں گے، کیونکہ ان کی رائے پہلے سے اس رپورٹ کے خلاف متاثر ہو چکی تھی۔ لیکن ارون کو بھی اس سے بڑی مایوسی ہوئی (۱۲۴) اگرچہ اس کمیشن نے ہندوستانیوں کے موقف کے لئے بعض اہم مراعات کی گنجائش رکھی تھی (۱۲۵) لیکن مستعمرہ کے مرتبے کی تجویز کو کلیتاً نظر انداز کر دیا تھا اور مرکزی حکومت ہند کے دروبست میں کسی تبدیلی کی سفارش نہیں کی تھی۔ یہی وہ امور تھے جن پر ارون کی توجہ مرکوز رہی تھی۔ لہٰذا اس نے ضروری سمجھا کہ ہندوستانیوں کی توجہ رپورٹ سے ہٹائی جائے اور لندن کانفرنس کی بنیاد کو مستحکم کیا جائے (۱۲۶)۔

۹ر جولائی ۱۹۳۰ء کو اس نے مرکزی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کیا اور اسے یقین دلایا کہ سائمن کمیشن کی رپورٹ کے باوجود مجوزہ کانفرنس کو مکمل آزادی حاصل ہوگی (۱۲۷)۔ اس سے شاہ برطانیہ سمیت (۱۲۸) متعدد برطانوی زعما کو تشویش پیدا ہو گئی

Marfat.com

(۱۲۹) ۔ لیکن ارون کو اسی سمت ایک اور قدم اٹھانا تھا۔ کانفرنس کی آزادی کی ضمانت اسی صورت میں دی جاسکتی تھی کہ سائمن اور مخالف جماعتوں کو لندن مذاکرات سے خارج کر دیا جاتا اور یہ مذاکرات صرف ہندوستانی مندوبین اور لیبر حکومت کے درمیان ہوتے۔ اس مقصد کے لئے ارون نے اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کیا (۱۳۰) ۔ اگرچہ وہ مخالف جماعتوں کو کانفرنس میں نمائندگی سے محروم کرنے میں تو کامیاب نہ ہوسکا لیکن اس کی کوششوں کے نتیجے میں سائمن اور انتہاپسندوں کو اس میں شرکت کا موقعہ نہ مل سکا جن میں چرچل (۱۳۱) بھی شامل تھا۔ یہ کرچکنے کے بعد ارون نے اپنے گہرے دوست (۱۳۲) ڈاسن کے مشورے کے خلاف اپنی حکومت کی طرف سے سفارشات قلم بند کرنی شروع کر دیں تاکہ لندن کانفرنس کے انعقاد کی ابتدا کی جائے۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے اس نے برطانیہ کی رائے عامہ کی نزاکت کو ضرور ملحوظ رکھا (۱۳۳) ۔ اس نے مراسلہ حکومت ہند بے حد احتیاط سے قلم بند کیا اور اس میں تمام بنیادی سوالوں پر جن میں کل ہند وفاق (۱۳۴) ، صوبوں کی تشکیل (۱۳۵) ، حق رائے دہی (۱۳۶) اور فرقہ وارانہ (۱۳۷) مسئلہ شامل تھا سائمن کمیشن کی رپورٹ کے حوالے دیئے۔ تاہم ایک نکتہ ایسا تھا جس پر اس نے کمیشن کی رپورٹ اور برطانیہ کی اٹل رائے عامہ سے انحراف کیا۔ اس نے جرات مندی سے کام لیتے ہوئے اپنے مراسلے میں ممنوعہ موضوع کو چھیڑ دیا اور مرکزی حکومت میں ہندوستانیوں کو ذمہ داری سونپنے کی سفارش کی (۱۳۸) ۔ اس نے اس سوال پر صوبائی گورنروں اور خود اپنی عاملہ کے ارکان کی رائے کو مسترد کر دیا (۱۳۹) اور اپنی سفارشات میں یہ بھی تحریر کیا کہ :-

”وہ دن گئے جب محکوموں کی انفعالی رضا کو فرض کر لینے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ نئے نظام کی بنیاد جہاں تک ممکن ہو عوام کی دلی مرضی پر ہونی چاہئے کیونکہ ان کے اندر مسلسل سیاسی شعور بیدار کیا جارہا ہے۔ ہماری رائے میں معتد بہ حد تک اقتدار کی منتقلی کے لئے حالات سازگار ہیں اور اب یقیناً شاہی پالیسی کا وسیع تر تقاضا یہ ہے کہ آئینی مسئلے کے ایسے حل تک پہنچنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہئے بلکہ کچھ خطرات مول لینے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ جس میں آج کے ہندوستان کو متحرک

Marfat.com

کرنے والے تصورات اور امنگوں کی معقول حد تک گنجائش رکھی جائے" (۱۴۰)۔

یہ حکومت ہند کی جانب سے پیش کیا جانے والا ایک غیر معمولی نوٹ اور اس دستاویز کا حصہ تھا جس پر سرعام بحث ہونے والی تھی۔ مگر یہ دستاویز اروِن کے ایقان کی آئینہ دار تھی، اگرچہ لندن کانفرنس میں ہندوستانی ریاستوں کے مندوبین کی طرف سے خلاف توقع پیش کی جانے والی کل وفاق تجویز کے پیش نظر مراسلہ حکومت ہند کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی تھی۔

اروِن کا سب سے بڑا کارنامہ اگلا مرحلہ تھا جس میں کانگریس کے ساتھ امن کا سمجھوتہ طے کرنے میں اس کی کوششیں کامیاب ہوگئیں۔ اسے اسی سلسلے میں ۱۹۲۹ء میں اپنی مساعی میں ناکامی کی منہ دیکھنا پڑا تھا۔ فروری اور مارچ ۱۹۳۱ء میں اس نے گاندھی کے ساتھ تین ہفتے تک ان تھک مذاکرات کئے جن کی وجہ سے کانگریس کی ساکھ میں اضافہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دانوں کی طرف سے اروِن پر نکتہ چینی شدت اختیار کر گئی، مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور کانپور میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، گو بادی النظر میں یہ مذاکرات فسادات کا براہ راست سبب نہیں تھے۔ لیکن اروِن گاندھی سمجھوتے سے حکومت کو فائدہ بہت پہنچا اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ سمجھوتے میں یہ طے پایا کہ سول نافرمانی کی تحریک ترک کر دی جائے گی کانگریس لندن کانفرنس میں شرکت کرے گی جس میں آئندہ مذاکرات کا موضوع ہندوستان کی آئینی حکومت کی اس اسکیم تک محدود رہے گا جو گول میز کانفرنس میں زیر غور آئی تھی (۱۴۱)۔ کانگریس نے بھی سیاسی حربے کے طور پر برطانوی مصنوعات کا مقاطعہ جاری نہ رکھنے کا وعدہ کر لیا (۱۴۲)۔ حکومت کی جانب سے سول نافرمانی کی تحریک کے سلسلے میں نافذ کئے جانے والے آرڈیننس واپس لے لئے گئے، سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا، واجب الادا جرمانے معاف کر دیئے گئے اور صرف گھریلو اور ذاتی استعمال کے لئے نمک سازی کی اجازت دے دی گئی (۱۴۳) لیکن ساتھ ہی گاندھی کی یہ تجویز مسترد کر دی گئی کہ پولیس کی زیادتیوں کی تحقیقات کرائی جائے (۱۴۴)۔ چونکہ خود حکومت تصفیئے کی خواہش مند نہیں تھی لہٰذا یہ کوئی برا سودا نہیں تھا۔ اگرچہ کانگریس کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر اروِن کو نشانہ تنقید بنایا گیا، لیکن گاندھی اروِن سمجھوتے سے

Marfat.com

برطانیہ میں بہت سے لوگوں کا تردد دور ہوگیا۔ اس کامیابی پر شاہ برطانیہ (۱۴۵) دوست احباب (۱۴۶) اور برطانوی پارلیمنٹ (۱۴۷) کے ارکان کی ایک بڑی تعداد نے اروِن کو مشترکہ طور پر مبارک باد دی۔ یہ سمجھوتہ حکومت کے حق میں اس قدر مفید تصور کیا گیا کہ اس کے خلاصے کی بجائے مکمل متن طلب کرنا ضروری سمجھا گیا (۱۴۸)۔

لیکن گاندھی کو بھی سمجھوتے پر سوچے سمجھے بغیر دستخط کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی انہوں نے ایسا کر کے کوئی ناعاقبت اندیشانہ اقدام کیا تھا، جیسا کہ ان کے پیروکاروں نے فرض کر لیا تھا (۱۴۹)۔ لندن کانفرنس میں شرکت کرنے والے ہندوستانی مندوبین نے انگلستان سے واپس پہنچنے پر ٹھوس کامیابیوں کا دعویٰ کیا اور کانگریس سے ایک مرتبہ پھر تعاون کی اپیل کی (۱۵۰)۔ گاندھی پہلے ہی اروِن سے متاثر ہو چکے تھے۔ اب وائسرائے نے کانگریسی لیڈروں کی غیر مشروط رہائی اور حکومت کے اس فیصلے کی منسوخی کا اعلان کیا جس کی رو سے کانگریس کی مجلس عاملہ "خلاف قانون تنظیم" (۱۵۱) قرار پائی تھی۔ یہ کاروائی یکطرفہ طور پر کی گئی تاکہ کانگریس کو پر امن اور غیر جذباتی فضا میں (۱۵۲) سنگین مسائل پر غور کرنے کا موقعہ مل سکے۔ اس میں گاندھی کی حکومت کے خلوص کا ایک اور ثبوت نظر آیا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے بتاریخ یکم فروری ۱۹۳۱ء وائسرائے کو لکھا کہ انہیں جواب دینے کے لئے صرف ایک اشارے کی دیر ہے (۱۵۳)۔ دو ہفتے بعد انہوں نے لندن کانفرنس کی کاروائی کو بامقصد اور امید افزا (۱۵۴) قرار دیا اور لبرل سیاست دانوں کا یہ مشورہ مان لیا کہ اروِن کی صلح کی پیشکش کو قبول کر لیا جائے۔

اروِن کی طرف سے دی جانے والی مراعات اور مصالحانہ رویئے پر قوم پرستوں کا مثبت ردعمل ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن اروِن نے سخت رویہ اختیار کرتے وقت بھی قوم پرستوں کے ساتھ تعلقات کو کشیدہ نہیں ہونے دیا تھا ہندوستان کے بارے میں اس کی پالیسی خوشامدانہ نہیں تھی۔ وہ اصولوں پر نہ تو کانگریس کے آگے جھکے اور نہ آزاد خیال یا لبرل سیاست دانوں کے آگے۔ اس نے ملک معظم کے امور مملکت کی انجام دہی کے سلسلے میں سخت اقدام کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا (۱۵۵)۔ اس نے دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس کے ساتھ چپقلش روا رکھی لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنے پر رضامند نہیں ہوا۔ ۱۹۳۱ء

Marfat.com

میں اس نے گاندھی کی یہ درخواست مسترد کردی کہ سول نافرمانی کی تحریک کے دوران پولیس کی مبینہ زیادتیوں کی باضابطہ تحقیقات کرائی جائے (۱۵۶)۔ نیز وہ گاندھی کی درخواست پر بھگت کی سزائے موت منسوخ کرنا تو درکنار اسے ملتوی کرنے کے لئے مداخلت کرنے پر بھی راضی نہیں ہوا (۱۵۷)۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اس نے خود پر ہندوستانیوں کا اعتماد برقرار رکھا۔ اسی طرح نظریاتی اختلافات کے باوجود لیبر پارٹی کی حکومت پر ارون کا بڑا اثر تھا جو ایک غیر معمولی بات تھی۔ سوشلسٹوں پر لازم تھا کہ اس کی آزاد خیالی کی حمایت کرتے کیونکہ یہ ان کے فلسفے سے ہم آہنگ تھی۔ لیکن اہم بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ارون کے جابرانہ اور نامقبول اقدامات کی بھی تائید کی۔ چنانچہ اسے سول نافرمانی کی تحریک سے نمٹنے کے لئے سخت اقدامات کرنے میں لیبر پارٹی کے وزیر اعظم اور وزیر ہند کی بھرپور حمایت حاصل رہی (۱۵۸)۔ اس ضمن میں وہ خود لکھتا ہے :۔

(۱) "بین ایک سپاہی کی طرح میرا ساتھ دیتے رہے اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ جہاں تک شاہی امور کا تعلق ہے ان کے ساتھ کام کرکے لیبر حکومت کے ساتھ میری غلط فہمی بڑی حد تک دور ہوگئی" (۱۵۹)۔

(۲) "میں معترف ہوں کہ شاہی امور سے متعلق لیبر پارٹی کے موقف کے بارے میں میں نے اپنی رائے پر نظر ثانی کرلی ہے۔ ان تمام ایام میں کوئی بھی پارٹی اس سے زیادہ میرے ساتھ تعاون نہ کرتی۔ میرے تمام خصوصی اختیارات کے استعمال، قید کی سزائیں دینے اور اسی نوع کے تمام اقدامات میں جو ہم کرنا چاہتے تھے لیبر پارٹی کی طرف سے قطعاً اعتراض نہیں کیا گیا" (۱۶۰)۔

اس نے گاندھی کے ساتھ دسمبر ۱۹۲۹ء اور پھر فروری ۱۹۳۱ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے کسی مداخلت کے بغیر آزادانہ بات چیت کی۔ بات چیت کا وقت اور طریقہ کار بھی اس نے اپنی مرضی سے طے کیا۔ جب سول نافرمانیوں کے دوران پولیس کی بدسلوکیوں کا سوال اٹھایا گیا (۱۶۱) تو ارون کو اس موقع پر وزیر ہند کی طرف سے تجویز پیش کی گئی کہ ارون پولیس کے خلاف تحقیقات کے بارے میں گاندھی کا مطالبہ مان لے (۱۶۲) ارون نے

Marfat.com

اصول کی بنیاد پر اس تجویز کو نظر انداز کر دیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے رویے سے قیام امن کے امکانات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اس پر بھی لیبر حکومت نے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ وائسرائے کے رویئے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ کنزرویٹو وائسرائے پر لیبر حکومت کے کامل اعتماد کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۹۳۱ء میں جب ارون اور بین کی رفاقت کا دور ختم ہونے لگا تو دونوں نے اپنی آخری سرکاری خط و کتابت میں ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک کی دو سالہ مدت میں باہمی اشتراک عمل کو اپنے لئے باعث فخر قرار دیا۔ (۱۶۳)

ارون نے ہندوستان کے مسئلے سے اخلاقی اور عملی دونوں زاویہ ہائے نگاہ سے نمٹنے کی کوشش کی۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد فرقہ وارانہ امن کے قیام کے لئے اس کی کوششوں کی نوعیت اخلاقی تھی اور برطانوی حکومت کو اس کا یہ مشورہ کہ آئینی اصلاحات کی سفارشات مرتب کرنے کے لئے خالصتاً پارلیمانی کمیشن مقرر کیا جائے نری عملی سیاست سے عبارت تھا۔ سائمن کمیشن کے تقرر پر ہندوستانی لیڈروں کے مخالفانہ ردعمل نے ہندوستانیوں کی قوم پرستی کی اصل حقیقت پر اس کی توجہ مرکوز کر دی۔ اس کے علاوہ اخلاقی اور سیاسی بنیادوں پر بھی اس نے قوم پرستی کی حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری سمجھا۔ اپنے دوسرے ہموطنوں کی طرح اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ ہندوستان سلطنت برطانیہ میں شامل رہے۔ لیکن اس کی دانست میں برطانیہ کے انتہاپسند سیاست داں جبری اطاعت کی جس پالیسی پر زور دے رہے تھے اس سے اس مقصد کا حصول ممکن نہیں تھا۔ اس نے ۱۹۳۰ء میں اس وقت بھی جبکہ کانگریس سے ان کے تعلقات بگڑ چکے تھے اور جب کہ اس نے طے کرلیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر سول نافرمانی کی تحریک کو کچلنے کے لئے طاقت کے استعمال سے گریز نہیں کیا جائے گا اپنی سوچی سمجھی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ڈیلی میل کی توجہ میری اور اسٹانلے بالڈون کی سرکوبی کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ مگر مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں پورے یقین کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اب تک جتنے کام کئے ہیں ان میں، میں اتنا حق بجانب نہیں رہا جتنا کہ گزشتہ تین مہینے کے دوران اپنے اقدامات میں حق بجانب رہا ہوں۔ میں اکثر اپنے ذہن میں یہ نقشہ کھینچنے کی کوشش کرتا ہوں کہ اگر ہم مسولینی کا طرز حکومت نافذ کر دیں جس کی تائید بلاشبہ ڈیلی میل

Marfat.com

کرتا ہے تو صورت حال کیا ہوگی۔ میری دانست میں ہر اس شخص کو گرفتار کرنا ہوگا جو حکومت کے خلاف اظہار خیال کرے ان تمام اخبارات کو بند کر دینا پڑے گا جو شورش کو ہوا دیتے ہوں، حکومت کے مخالف عناصر کو ملک بدر کر دینا پڑے گا، نظر بند کر دینا پڑے گا وغیرہ وغیرہ تاکہ دو ایک مہینے کی مدت میں ہم غالباً ایک جنگل بیابان بنا ڈالیں اور اسے امن و امان کا نام دے دیں۔ لیکن یہ صورت حال گولیاں برسا کر اور اسی نوع کی دوسری کارروائیاں کر کے پیدا کی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں اس قسم کی حکومت صرف اس وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک برطانیہ اور دنیا کی رائے عامہ اسے برداشت کر سکے اور پھر جس وقت اس حکومت کو ختم کرنا پڑے اور تمام نظر بندوں کی رہائی کی نوبت آئے تو ہمیں اس جمہوریت نما نظام کی طرف لوٹنا پڑے گا جو ایڈون مانٹیگو ہمیں دے گیا ہے۔ میرے دانست میں جو نتیجہ ایسی صورت میں بر آمد ہوگا وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ ہمارے لئے ہندوستان کو سلطنت برطانیہ میں شامل رکھنا سو گنا زیادہ مشکل ہو جائے گا"۔ (۱۶۴)

ارون اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ سلطنت ہندوستان کے تحفظ کی بہترین صورت اہل ہندوستان کی سیاسی امنگوں کی بھرپور تسکین ہے۔ امرتسر کے قتل عام کے بعد پورے دس سال تک ہندوستانیوں کا احساس مظلومیت دور نہیں ہو سکا تھا بلکہ بعد میں وقتاً فوقتاً رونما ہونے والے کئی واقعات سے اس احساس نے شدت اختیار کر لی تھی۔ اب ہندوستانیوں کی تسلی کے لئے مصالحت کی پالیسی اختیار کرنا ضروری تھا تاکہ ہندوستان بہ رضا و رغبت سلطنت برطانیہ میں شامل رہے۔ ارون کی دانست میں اس مقصد کا حصول اب بھی ممکن تھا بشرطیکہ صورت حال سے نمٹنے میں فہم و فراست سے کام لیا جاتا۔ چنانچہ اس نے حسب ذیل سطریں اس وقت لکھی تھیں جبکہ سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی :-

"میں آئینی سمجھوتے کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھ پر یہ بات روشن ہے کہ ہندوستانیوں کو دفاع کی قانونی شرائط اور شاہی ملازمتوں کے بارے وہ سب کچھ قبول کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جو ہماری یا کم از کم میری دانست میں ضروری ہے۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مسئلے کا حل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انتہائی اہم امور کے سلسلے میں فراخ دلی اور قطعی تحفظ کی فراہمی کی حکمت عملی اختیار کی جائے۔ اس کا بہت کچھ انحصار

Marfat.com

اس قسم کی حکمت عملی کو پیش کرنے کے طریقے پر ہے۔ اگر ہمیں بالآخر ہندوستان کو برطانیہ میں شامل رکھنے کی بازی ہارنی نہیں ہے تو موجودہ صورت حال کو بدلنا ناگزیر ہے جو روز بروز نسلی تنازعے کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے"۔ (۱۶۵)

مگر ارون کو محض ناگزیر صورت حال نے ان خطوط پر سوچنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ مسئلہ ہند کا اخلاقی پہلو بھی اس کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا۔ وہ ایسی پالیسی کو غلط اور ناقابل حمایت (۱۶۶) سمجھتا تھا جس کا مقصد قوم پرستوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا اور ہندوستان کو سفید فاموں کی سلطنت کے اندر ایک کمتر حیثیت دینا ہو۔ اس نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ ہندوستان پر صرف مسلمانوں کی حمایت سے اور ہندو مسلم نفاق سے فائدہ اٹھا کر حکومت کرنے کی فرسودہ سامراجی حکمت عملی اب نہ تو مستحسن ہے اور نہ ممکن العمل (۱۶۷) وہ ہندوستانیوں کی امنگوں کا احترام کرتا تھا ہندوستان کو سلطنت برطانیہ میں دوسری مستعمرات کے مساوی مقام دلانے، برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان منصفانہ بنیاد پر تعلقات کو استوار کرنے اور ہندوستان کو حق خود ارادی دلانے کا خواہشمند تھا۔ اس نے وائسرائے کی حیثیت سے اپنے عہدے کی معیاد ختم ہونے سے تین دن قبل دلی میں خواص کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہندوستان میں موجودہ تحریک اور لوگوں کی فکری بیداری کو محض ایک ایسی تحریک تصور کرتے ہیں جو ایک ناقابل اعتنا اقلیت نے شروع کر رکھی ہو۔ چونکہ یہ تحریک بڑی حد تک باغیانہ ہے لہٰذا اسے اتنی اہمیت اختیار کرنے نہیں دینا چاہئے تھا، ایک سخت گیر حکومت اس قسم کی تحریک کو کچل سکتی تھی۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہاں ایک سخت گیر حکومت قائم کی جائے اور پدرانہ نظم و نسق کا پرانا زمانہ لوٹ آئے تاکہ برطانوی مال کے لئے بھری پری منڈیاں میسر آسکیں۔ میری دانست میں مرض کی یہ تشخیص سطحی، غلط اور بعید از حقیقت ہے۔ اگر برطانیہ عظمیٰ اس حقیقت کو تسلیم نہ کرلے تو خود کو دھوکہ دے گی کہ تمام فرقہ وارانہ اختلافات اور طبقاتی و معاشرتی امتیازات کے پس پردہ ایک عقلی شعور یا یوں کہئے کہ خود آگاہی میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے جو اس رجحان سے قریبی مماثلت رکھتا ہے جسے ہمارے ہاں عرف عام میں نیشنلزم کہا جاتا ہے۔ کوئی انگریز خود اپنی تاریخ کو جھٹلائے بغیر

Marfat.com

اور حالیہ برسوں میں کئے ہوئے اپنے عہد و پیماں سے رو گردانی کئے بغیر دوسری قوموں کی جدوجہد آزادی پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ میں ان لوگوں کے طرز عمل کو بھی جائز قرار دینے سے قاصر ہوں جو ایک طرف برطانیہ میں تو اپنے ہموطنوں کو ملکی مصنوعات خریدنے کی تلقین کرنے میں پیش پیش ہوں گے اور دوسری طرف ہندوستان میں سودیشی صنعت کی حوصلہ افزائی کی تحریک کو قابل مذمت سمجھتے ہیں اور غداری پر محمول کرتے ہیں"۔ (۱۶۸)

ہندوستان سے رخصت ہونے کے سات مہینے بعد، اس نے سرعام چرچل کی اس رائے کو پرزور الفاظ میں رد کیا کہ ہندوستانیوں کی توقعات کو برطانوی مستعمرات میں کمتر آئینی حیثیت تک محدود رکھا جائے (۱۶۹) ارون کا یہی وہ طرز عمل تھا جس کی بدولت وہ نہ صرف ہندوستان میں ہردلعزیز ہوا بلکہ برطانیہ کے سوشلسٹوں میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہوگئی جو اس کے سیاسی حریف تھے۔

تاہم ارون کو اپنے ہموطنوں پر ہندوستان کے حقائق واضح کرنے میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے اقدامات کے باعث برطانیہ کے ارباب سیاست میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا جو ہٹ دھرم یا کٹر سیاست داں کہلاتے تھے۔ انہوں نے ارون کی مراعات نواز اور مصالحانہ پالیسی کی سخت مخالفت کی جس سے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کو بڑا نقصان پہنچا۔ (۱۷۰) کنزرویٹو پارٹی کا سنجیدہ عنصر بھی بڑی حد تک ارون کی پالیسی کو قبول کرنے سے گریز کرتا رہا۔ ادھر خود ہندوستان میں بھی ارون کے دو بڑے مقاصد شرمندہ تکمیل نہ ہوئے ـــــ نہ تو فرقہ وارانہ اتحاد قائم ہو سکا اور نہ ہندوستان سلطنت برطانیہ میں شامل رہا ـــــ ہندوستان کو بالآخر تقسیم کر دیا گیا جس کے بعد وہ برطانوی مستعمرہ کی بجائے جمہوریہ بن گیا۔ بایں ہمہ اس نے تن تنہا جو کارنامے انجام دیئے وہ کچھ کم نہ تھے۔ اس نے ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ایک سنگین مسئلے کی حیثیت سے پیش کیا اور اس پر غور کرنے میں اپنے ہموطنوں کی رہنمائی کی اور اہل برطانیہ کو ذہنی طور پر ان متعدد مفادات کا زیاں قبول کرنے کے لئے تیار کیا جو انہیں ہندوستان کے حکمرانوں کی حیثیت سے حاصل تھے۔ مزید برآں اس نے گول میز کانفرنس کی تجویز کو ٹھوس شکل دی جس میں برطانوی مدبرین اور کانگریس سمیت ہندوستانی رہنماؤں کو مثالی فضا میں آمنے سامنے بیٹھ کر سوچ بچار کا موقع میسر آیا۔ کانفرنس میں

Marfat.com

سائمن کی غیر موجودگی اور چرچل جیسے ہٹ دھرم سیاست دانوں کی عدم شمولیت کے باعث ہندوستانی لیڈر مصالحت پر آمادہ ہوئے اور اس کے ساتھ ہی والیان ریاست کی موجودگی سے اہل برطانیہ مطمئن ہوگئے۔ یہ وہ دو عوامل تھے جن کی بدولت نہ صرف کانفرنس کا انعقاد ممکن ہوا بلکہ لندن مذاکرات کو امن و سکون کی فضا میں جاری رکھنے میں مدد ملی۔ یہ بھی ارون کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ (۱۷۱) جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا، ارون نے دو نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے برطانوی ہند کی اصلاحات کو دیسی ہندوستان کے ساتھ مربوط کر دیا اور اس طرح لندن کانفرنس میں دونوں ہندوستانوں کے وفاق کی تجویز کو زیر غور لانے کی راہ ہموار کر دی۔ یہ تجویز قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کا لازمی جزو اور اس قانون کے وضع ہونے سے قبل کے بحث مباحثے کا نہایت اہم موضوع بن گئی۔ ارون کی دوسری اہم کامیابی کانگریس سمیت ہندوستان کے تمام قوم پرست عناصر کے ساتھ مفاہمت تھی۔ ہندوستان میں اس کی وائسرائی کی مدت انتہائی شدید بحران کا دور تھا۔ اسی زمانے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی گئی اور انقلابی نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کیا گیا جن میں اعلیٰ سرکاری حکام پر قاتلانہ حملے۔ مجلس قانون ساز میں بم کا دھماکہ اور خود ان کی ٹرین پر بم کا حملہ شامل تھا ارون نے اس چیلنج کے مقابلے کے لئے انتقامی جذبے کے ساتھ کوئی اقدام نہیں کیا جیسا کہ ماضی میں مختلف موقعوں پر کیا گیا تھا۔ اس نے قانون شکنی کی کاروائیوں سے نمٹنے کے لئے وہ تمام اقدامات کئے جو ضروری تھے لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے اقدامات کے محرکات کی وضاحت کرنے اور علی الاعلان ان کا جواز پیش کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستانیوں کو ان کی قومی امنگوں کی تکمیل کے لئے اپنی دو ٹوک حمایت کا برابر یقین دلاتا رہا۔ اس نے اپنے عہدے کے وقار یا نسلی افتخار کو اپنی راہ میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا اور بات چیت کے لئے ہمیشہ اپنے دروازے کھلے رکھے۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس کی بدولت وہ مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی کے ساتھ معاہدۂ امن طے کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی کوششوں کے نتیجے میں دس سالہ تعطل ختم ہوگیا اور ہندوستان پر امریکہ، الجزائر اور خود ہندوستان کی ۱۸۵۷ء والی آزادی کی جنگوں جیسی ایک اور جنگ آزادی کا جو خطرہ منڈلا رہا تھا وہ ٹل گیا۔ اس نے ہندوستان کے گوناگوں اور پیچیدہ مسئلے کے مشکل

Marfat.com

پہلوؤں کو آسان بنادیا تاکہ اپنے بعد آنے والوں کے لئے اس کے حل کی راہ ہموار ہوسکے۔ وہ واحد وائسرائے تھا اور ہندوستانی امور سے متعلق ان معدودے چند انگریزوں میں سے ایک تھا۔ جنھوں نے اہل ہندوستان کے تمام طبقوں کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ دوسرا واحد انگریز جسے ارون کی طرح ہندوستان میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا وہ مانٹیگو تھا، مگر مانٹیگو نے ہندوستانیوں کو فقط ایک نصب العین دیا تھا جبکہ ارون نے ہندوستان اور برطانیہ دونوں ملکوں میں اس نصب العین کے حصول کے لئے سیاسی عناصر پیدا کئے اور اس کوشش میں اس کی کامیابی کی بدولت ہندوستان سے پرامن اور آئینی طریقے سے انگریز حکمرانوں کی واپسی ممکن ہوئی۔

حوالہ جات:

(۱) ارون کا خط ملک معظم کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف/۱

(۲) ارون کا خط سر آرتھر ہرٹ زل کے نام مورخہ ۴ جنوری ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۳) گاندھی کا خط جواہر لال کے نام مورخہ ۴ جنوری ۱۹۲۸ء۔ جواہر لال نہرو اے بنچ آف اولڈ لیٹرز A BUNCH OF OLD LETTERS (مطبوعہ لندن ۱۹۶۰ء) صفحہ ۵۸

(۴) بوس، محولہ تصنیف۔ صفحہ ۱۱۵

(۵) سائمن کمیشن نے دو مرتبہ ہندوستان کا دورہ کیا۔ پہلی مرتبہ ۳ فروری سے ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۸ سے ۱۳ اپریل ۱۹۲۹ء تک ملاحظہ ہو cmd۳۵۶۸، ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن کی رپورٹ، جلد یکم۔ جائزہ (۱۹۳۰ء) صفحہ XVII

(۶) م۔م۔ق۔ جلد یکم نمبر ۲، صفحہ ۹۱

(۷) ارون کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۸) سر جان سائمن۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۹) ملاحظہ ہو سر جان سائمن کا خط وائسرائے کے نام مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۸ء سی ایم ڈی ۳۵۶۸ صفحات XVII تا XIX

(۱۰) م۔م۔ق۔ جلد اول نمبر ۱۱ صفحات ۵۰۵ تا ۵۰۶

(۱۱) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۸ صفحہ XX

(۱۲) ملاحظہ ہو پانچواں باب، کتاب ہذا

(۱۳) ارون کا خط مارکوئس آف سالسبری کے نام مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

Marfat.com

(۱۴) جناح کی اس کاروائی کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ سید نور احمد کی محولہ تصنیف۔ صفحات ۷۷ تا ۸۷ اور ۹۳ تا ۹۶

(۱۵) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام، مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۹

(۱۶) اروِن کا خط برکن ہیڈ کے نام مورخہ ۶ جون ۱۹۲۸ء ایضاً

(۱۷) اروِن کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۷

(۱۸) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۵ جولائی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۱۹) ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر۳، صفحہ نمبر۱۲ اور نمبر ۳ و ۴، صفحہ ۱۳، کتاب ہذا

(۲۰) برکن ہیڈ کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۹

(۲۱) برکن ہیڈ کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۸ء ایضاً

(۲۲) اروِن کا خط نیویل چیمبرلین کے نام مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۲۳) اروِن کا خط وائیکاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۷

(۲۴) اروِن کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۲۵) اروِن کا خط مالکم سیٹن کے نام مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۲۶) جیفری ڈاسن۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۷) اروِن کا خط جارج لین فاکس کے نام، مورخہ ۱۳ جون ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف جارج لین کو کمیشن میں کنزرویٹو پارٹی کی طرف سے نامزد کیا گیا تھا اور وہ اروِن کے رشتہ دار بھی تھے۔

(۲۸) ملاحظہ ہوں حواشی نمبر۳، ۲اور ۵ صفحات ۷، ۱۱ اور ۳۱ (بالترتیب) کتاب ہذا

(۲۹) اروِن کا خط آرچ بشپ آف کنٹربری کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۳۰) اروِن کا خط لارڈ لائڈ کے نام، مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۳۱) ملاحظہ ہو سر سی پی آئیر :انڈین کانسٹی ٹیوشنل پرابلمز۔ "INDIAN CONSTITUTIONAL PROBLEMS" صفحہ ۳۶۹ (مطبوعہ بمبئی ۱۹۲۸ء) ان لیکچرز کا مقصد ہیلے کے ان دلائل کا جواب دینا تھا جو انہوں نے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۸ فروری ۱۹۴۲ء میں پیش کئے تھے۔ آخر میں سیوا سوامی آئیر نے مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان کا درجہ بڑھا کر اسے خود مختار مستعمرہ (ڈومنین) کی حیثیت دی جائے۔ صفحہ ۳۶۹۔ ایضاً

(۳۲) اروِن کا خط ایچ اے ایل فشر کے نام مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

Marfat.com

(۳۳) ارون کا خط لارڈ پیل کے نام، مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۹

(۳۴) ایضاً

(۳۵) م۔م۔ق، جلد اول نمبر ایک، صفحہ ۷

(۳۶) ارون کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام، مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۷

(۳۷) ارون کا خط جیفری ڈاسن کے نام، مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۷

(۳۸) ملاحظہ ہو ارون کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔/۱۴

(۳۹) ملاحظہ ہوں ارون کے خطوط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲۰ مارچ ۱۱، ۲۹ اپریل ۶، ۲۰ مئی، ۱۸ جون ۱۹۲۹ء نیز جیفری ڈاسن کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۴۰) ملاحظہ ہوں سائمن کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۳۰ اس خط میں سائمن نے برکن ہیڈ کے اس فیصلے سے اتفاق کیا ہے کہ سیتل واڈ کی تجویز کے بارے میں ارون کی سفارش کو مسترد کر دیا جائے۔

(۴۱) ارون کے نزدیک یہ بات قرین مصلحت نہیں تھی کہ مرکزی قانون ساز اسمبلی سے کہا جائے کہ وہ کمیٹی میں شمولیت کے لئے اپنے ارکان منتخب کرے جبکہ اسمبلی فروری ۱۹۲۸ء میں عدم تعاون کی قرار داد منظور کر چکی تھی۔ سائمن کا اصرار تھا کہ اس سلسلے میں اسمبلی سے رجوع کیا جائے۔ ارون نے ایسا نہیں کیا۔ آخر میں ارون نے مرکزی کمیٹی کے لئے اس کے ارکان کی نامزدگی کی تدبیر اختیار کی۔ ملاحظہ ہوں ارون کے خط سائمن کے نام مورخہ ۲، ۱۳ اگست، ۴ ستمبر ۱۹۲۸ء نیز ملاحظہ ہوں سائمن کے خطوط ارون کے نام ۸، ۲۸ اگست و یکم ستمبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۹

(۴۲) سائمن کا اصرار تھا کہ انہیں وائسرائے کی عاملہ کے ارکان سے ملاقات کا موقع دیا جائے۔ ارون نہیں چاہتے تھے کہ اس مرحلے پر ان کی حکومت اپنا موقف ظاہر کرے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی حکومت کی رائے اس وقت تک محفوظ رہے جب تک کہ وہ کمیشن کی رپورٹ نہ دیکھ لیں۔ لہٰذا وہ اپنی عاملہ کے ارکان کی بجائے مختلف محکموں کے سیکریٹریز کے ساتھ کمیشن کی ملاقات پر رضامند ہوگئے۔ ملاحظہ ہو سائمن کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۸ء اور ارون کا تار سائمن کے نام مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء نیز وائسرائے کا تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۹

(۴۳) حاشیہ نمبر ۱، صفحہ ۴۸، کتاب ہذا

Marfat.com

(۴۴) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۲۳ جولائی و ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸
(۴۵) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۱۶ و ۲۲ فروری ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۳۰
(۴۶) سائمن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۹ء ایضاً
(۴۷) اروِن کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء ایضا/۱۸
(۴۸) اروِن کا خط جیفری ڈاسن کے نام ۱۱ اپریل ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸
(۴۹) اس رپورٹ پر ۱۴ فروری ۱۹۲۹ء کو دستخط ہوئے۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۳۰۲۔
(۵۰) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸
(۵۱) اروِن کا خط آرچ بشپ آف کنٹربری کے نام مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۲۹ء/ ایضاً
(۵۲) اروِن کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۹ء/ ایضاً
(۵۳) ایضاً
(۵۴) اروِن کا خط ڈاسن کے نام مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء
(۵۵) اس بات کا پتہ جناح کے ساتھ اپنی گفتگو کے بارے میں اروِن کی روداد سے پتہ چلتا ہے۔ یہ گفتگو مئی ۱۹۲۹ء میں ایک ملاقات کے دوران ہوئی تھی۔ ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو سپرو کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۳ جون ۱۹۲۹ء ک۔س۔ اس میں سپرو نے انگلستان میں اروِن کے اعلیٰ مشن کی مکمل کامیابی کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ ایک اور شہادت سپرو کے نام اروِن کا اسی مضمون کا جوابی خط ہے۔ جس میں اس نے لکھا تھا:۔
"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی بساط کے مطابق وہ سب کچھ کروں گا جس سے ہماری مشکلات کا حل نکلتا ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں مجھے آپ کا تعاون حاصل ہوگا" نیز ملاحظہ ہوں قائم مقام وائسرائے وائی کاؤنٹ گاسچن کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۲۶ ستمبر و ۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۸۔ ان خطوط میں گاسچن نے، جناح، جایاکر، موتی لال اور مالویہ جیسے ہندوستانی رہنماؤں کے مصالحانہ اور سازگار رویے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اروِن انگلستان میں ہندوستان کے مسئلے کے حل کے لئے راہ ہموار کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو دی ٹائمز، مورخہ ۲۹ اگست، ۶، ۱۷ ستمبر ۱۹۲۹ء جس میں ایڈیٹر کے نام مراسلات کے کالم میں بالترتیب مرکزی قانون ساز اسمبلی کے نائب صدر محمد یعقوب، ریاست بھوپال کے وزیر لیاقت علی اور دیوان گوکل چند کپور کے خط شائع ہوئے تھے۔ ان خطوط میں وائسرائے کی حیثیت سے اروِن کے عہدے کی معیاد میں ایک سال کی توسیع کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اور اروِن سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایک شکر گزار قوم کا بوجھ برداشت کریں۔

Marfat.com

(۵۶) ملاحظہ ہو جناح کا خط وزیر اعظم رمزے میکڈانلڈ کے نام مورخہ ۱۹ جون ۱۹۲۹ء جس میں انہوں نے ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینے اور گول میز کانفرنس منعقد کرنے کے عہد کی تجدید کے بارے میں مفصل دلائل پیش کئے تھے۔ ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء جس میں جناح کے خط کا متن شائع ہوا تھا۔ یہی مقصد برطانیہ میں اروِن کی کوششوں کا بھی تھا۔

(۵۷) لیبر پارٹی کی حکومت میں وزیر اعظم رمزے میکڈانلڈ تھے۔ وِج وڈبین کو نئی حکومت میں وزیر ہند مقرر کیا گیا تھا۔ اس حکومت نے ۵ جون ۱۹۲۹ء کو اقتدار سنبھالا۔ ملاحظہ ہو ٹیلر کی محولہ کتاب صفحہ ۱۷۲ اور ۶۴۵۔

(۵۸) ملاحظہ ہو اروِن کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۲۱ جون ۱۹۲۹ م۔ک۔ہ۔ف/۲۷ اور اروِن کا خط وِج وڈبین کے نام مورخہ ۱۳ جون ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۵

(۵۹) اسٹانلے بالڈون۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۶۰) سائمن کمیشن جن ارکان پر مشتمل تھا وہ یہ تھے: (۱) سائمن (۲) برن ھم (۳) اسٹراتھ کونا: (۴) کیڈوگن (۵) ورنون ہارٹ شورن (۶) جارج آرلین فوکس (۷) سی آر ایٹلی۔ ان میں کمیشن کے سربراہ سائمن کو پہلے ہی رضامند کیا جاچکا تھا۔ لین فوکس اروِن کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس کی حمایت پر آمادہ ہوگیا تھا۔ باقی ارکان میں لیبر پارٹی سے تعلق رکھنے والے دو ممبروں ہارٹ شورن اور ایٹلی نے ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران اروِن کو یقین دلایا تھا کہ وہ اروِن کے منصوبے کو قبول کرنے پر رمزے میکڈانلڈ اور لیبر پارٹی کے دوسرے لیڈروں کو رضامند کرلیں گے۔ ملاحظہ ہوں اروِن کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸ گویا کمیشن کے سات میں سے چار ارکان مع چیئرمین کے صریحاً اروِن کے حق میں تھے۔

(۶۱) اس موقع پر اروِن کی سرگرمیوں کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات:۔

(I) ضمیمہ ۱، کتاب ہذا

(II) اروِن کے نام وِج وڈبین کے مراسلہ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کے ساتھ ملفوفہ دستاویز بہ عنوان "وزیر اعظم اور سرجان سائمن کے درمیان خط و کتابت اور وائسرائے کے بیان کے وقت رونما ہونے والے واقعات کی روداد" م۔ک۔ہ۔ف/۵ یہ روداد جس پر ۴ نومبر ۱۹۲۹ء کی تاریخ درج ہے۔ وِج وڈبین نے قلمبند کی تھی۔ اس میں مختلف مکاتیب پر مشتمل

Marfat.com

دس ضمیمے شامل تھے۔ ان مکاتیب کا تبادلہ سائمن اور وزیر اعظم، سائمن اور وزیر ہند، اسٹانلے بالڈون اور وزیر اعظم، اسٹانلے اور اسنوڈن۔ ریڈنگ اور وزیر ہند، وائسرائے اور وزیر ہند کے درمیان ہوا تھا۔ نیز انہی ضمیموں میں سے ایک میں ارون کا وہ نوٹ شامل ہے جس میں اس نے مقصد اور طریقے یا پالیسی کے فرق کی وضاحت کی تھی۔ یہ دستاویزات جس مدت سے متعلق ہیں وہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۹ء ارون کی طویل رخصت پر انگلستان میں آمد سے شروع ہوتی ہے۔ اور یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو اس وقت ختم ہوتی ہے جب ارون کا بیان اور سائمن اور وزیر اعظم کے درمیان ہونے والی خط و کتابت اخبارات میں شائع ہوئی۔

(III) لارڈ لائڈ بنام ارون، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۲۹ء۔ ویج ووڈبین بنام ارون مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۲۹ء۔ ونٹرٹن بنام ارون مورخہ ۲۸ ستمبر و ۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ جیفری ڈاسن بنام ارون مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ ریڈنگ بنام ارون مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ ارون بنام وائی کاؤنٹ گاسچن مورخہ ۲۳ جولائی، ۶ اگست و ۱۱ و ۱۸ ستمبر ۱۹۲۹ء اور ارون بنام جی کننگھم مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۸

(۶۲) ڈبلیو ویج ووڈبین :۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۶۳) روفس ڈینئیل آئی زکس :۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۶۴) ملاحظہ ہو ضمیمہ ا، کتاب ہذا

(۶۵) ایضاً

(۶۶) ایضاً

(۶۷) ایضاً

(۶۸) ضمیمہ ا کتاب ہذا۔

(۶۹) ضمیمہ ا کتاب ہذا۔ اس سوال پر خود ریڈنگ کے بیان اور لائڈ جارج کے موقف کے لئے ملاحظہ ہو ریڈنگ کا خط ارون کے نام مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۸۔ ریڈنگ کا خط لائڈ جارج کے نام مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء، ریڈنگ کی یادداشت مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء اور ریڈنگ کا خط ویج ووڈبین کے نام مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۵۷

(۷۰) ملاحظہ ہو ارون کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام، مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء ک۔ب/۱۰۳/۵۸/9

(۷۱) ارون کے نام ویج ووڈبین کے مراسلے مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء (م۔ک۔ہ۔ف/۵) کے

Marfat.com

ساتھ ملفوفہ دستاویز کا ضمیمہ نمبر ۳ جو وزیر اعظم کے نام اسٹانلے بالڈون کے خط مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۹ء پر مشتمل ہے

(۷۲) ملاحظہ ہو اروِن کے نام ویج وڈبین کے خط مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کے ساتھ ملفوفہ دستاویز۔ ایضاً۔ یہ دستاویز قائم مقام وزیر اعظم اسٹانلے بالڈون کے خطوط مورخہ ۲۸، ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء پر مشتمل ہے۔

(۷۳) ملاحظہ ہو ضمیمہ ا کتاب ہذا

(۷۴) ایضاً

(۷۵) سیموئیل ہور کا خط اروِن کے نام، مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۷۶) برن ھم جس کا تعلق کنزرویٹو پارٹی سے تھا، کمیشن کا وہ واحد رکن تھا جس نے اروِن کے بیان پر مخالفانہ ردعمل کا اظہار کیا اور اس سے سائمن کمیشن میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ سائمن نے شاہ انگلستان کو اس بات سے مطلع کر دیا تھا کہ برن ھم کے فوری طور پر مستعفی ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ ملاحظہ ہو سائمن کا مکتوب بنام ملک معظم مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء حوالے کے لئے دیکھیے۔ کنگ جارج دی ففتھ، ہز لائف اینڈ رین "KING GEORGE THE FIFTH HISLIFE AND REIGN" صفحات ۵۰۴ تا ۵۰۵ از ہیرلڈ نکلسن (مطبوعہ لندن ۱۹۵۲ء) لیکن چونکہ برن ھم نے استعفیٰ نہیں دیا، لہٰذا اس مشکل پر قابو پالیا گیا۔ دو ہفتے بعد سائمن نے اروِن کو لکھا: "نشانہ بازی کی اس ساری مشق کے دوران آپ کو فکر اور ذمہ داری کا جو بار گراں برداشت کرنا پڑا اس میں میرے رفقاء کو آپ کے ساتھ کامل ہمدردی تھی نیز یہ کہ "کمیشن اب تک ایک مربوط ہیئت ہے"۔ سائمن بنام اروِن مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۷۷) وزیر اعظم کے نام سائمن کے خط اور سائمن کے نام وزیر اعظم کے خط پر بالترتیب ۱۶ اور ۲۵ اکتوبر کی تاریخیں درج تھیں۔ انہی دنوں رمزے میکڈانلڈ وطن واپس آنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ یہ خط و کتابت اروِن کے بیان کے ساتھ اخبارات کو جاری کی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو اروِن کا مراسلہ ٹائمز کے ایڈیٹر کے نام مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء اس مراسلے کا متن بھی سائمن کمیشن کی رپورٹ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۸ صفحات XXI-I تا XXIV

(۷۸) ملاحظہ ہو سائمن کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۷ نومبر ۱۹۲۹ء ک۔ب/۱۰۳/۶۷

(۷۹) ملاحظہ ہو ریڈنگ کے نام سائمن کے مراسلے مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۰ء (م۔ک۔ر/۵۷) کے ساتھ ملفوفہ دستاویز جو اس موضوع پر سائمن کے نوٹ مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء پر مشتمل

Marfat.com

ہے۔

(۸۰) سائمن کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸

(۸۱) ملاحظہ ہو ہیلی فیکس کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۳ء م۔ک۔ٹ/۷۶ اس خط میں لارڈ ہیلی فیکس (سابق لارڈ ارون) نے چوبیس سال بعد اس بات کا ذکر کیا ہے۔

(۸۲) سائمن کا خط ریڈنگ کے نام مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۰ء۔ ک۔ر/۵۷

(۸۳) سائمن کا خط آسٹن چیمبرلین کے نام، مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۰ء ک۔چ/۲۲/۳/۱۶

(۸۴) اس بیان اور ان خطوط کے متن کے لئے جن کا فرضی تبادلہ وزیر اعظم اور سائمن کے درمیان ہوا تھا ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء ہندوستانی اخبارات میں بھی یہی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ مثلاً ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء۔

(۸۵) ایضاً

(۸۶) ایضاً

(۸۷) ایضاً

(۸۸) ہیلی فیکس کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۳ء ک۔ٹ/۷۶

(۸۹) بٹلر کی محولہ کتاب

(۹۰) ارون کے بیان پر ایک سیاسی نامہ نگار کے تبصرے کے لئے ملاحظہ ہو روزنامہ ڈیلی میل مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء۔ اس تبصرے میں بالڈون اور ارون دونوں پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ نامہ نگار نے یہ رائے بھی ظاہر کی تھی کہ ہندوستان کو مکمل مستعمرہ کی حیثیت دینے سے اس ملک پر برطانیہ کی حکمرانی ختم ہوجائے گی۔ نیز ملاحظہ ہو ونسٹن چرچل کا مضمون بہ عنوان ,دی پیرل ان انڈیا، THE PERIL IN INDIA جس میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ ڈیلی میل، مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء

(۹۱) اس ضمن میں ملاحظہ ہوں حسب ذیل تحریریں جن میں کھل کر اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ ارون کے بیان سے برطانیہ نے خود کو کسی نئی پالیسی کا پابند نہیں کیا ہے:۔

(I) روزنامہ دی ٹائمز مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء کا اداریہ بہ عنوان "منتہائے مقصود"

(II) لارڈ زیٹ لینڈ کے مراسلات ٹائمز کے مدیر کے نام مورخہ ۳ نومبر ۱۹۲۹ء (ایضاً) و مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء

(III) رمزے میکڈانلڈ کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء وزیر اعظم نے یہ خط اسٹانلے بالڈون کے خط کے جواب میں لکھا تھا اور اس خط کا متن بھی ٹائمز کے اسی پرچے میں شائع ہوا تھا۔

Marfat.com

(۹۲) ملاحظہ ہو ارون کا خط جیمز کریر CREAR کے نام (جو امور داخلہ سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن تھے) مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۳ اس میں ارون نے جناح کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کیا ہے جو ارون کی واپسی پر بمبئی میں ایک نجی ملاقات میں ہوئی تھی۔

(۹۳) ملاحظہ ہو ارون کا خط سپرو کے نام مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء ک۔س

(۹۴) ملاحظہ ہو ارون کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۹ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۸۔ اس خط میں ارون لکھتا ہے: "بہت ممکن ہے کہ کانگریس اپنے نوجوان اور جذبات سے مغلوب ارکان کے ڈر سے ہتھے سے اکھڑ جائے۔ لیکن ہماری گرفت میں ہوش مند عناصر موجود ہیں جنھوں نے اپنا وہ شدید مخالفانہ موقف ترک کر دیا ہے۔ جو انہوں نے ماضی میں اختیار کر رکھا تھا"۔ نیز ملاحظہ ہو ارون کا خط جارج آرلین فاکس کے نام مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء۔ اس خط میں وہ صورت حال کو نہایت تسلی بخش قرار دیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ کانگریسی لیڈروں کے اجلاس میں (جس میں سپرو بھی شریک تھے) گاندھی نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ وہ وائسرائے کی نیک نیتی پر کامل یقین رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پیرو کاروں کے ساتھ معاملہ طے کرنے میں وائسرائے کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔

(۹۵) (ا) اس کا اندازہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں پیش کی جانے والی ایک قرار داد مذمت پر مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھنے والے ارکان کی تقریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس قرار داد میں ارون کی ٹرین کو تباہ کرنے کی کوشش کی مذمت کی گئی تھی۔ جس میں وہ دسمبر ۱۹۲۹ء میں سفر کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو م۔ق جلد اول صفحات ۸۱ تا ۸۳ نیز ملاحظہ ہو سپرو کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۲۹ء ک۔س۔ اس خط میں سپرو نے ارون کو مطلع کیا تھا کہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۱ کو الہ آباد میں ہونے والے کانگریسی لیڈروں کے اجلاس میں (جس میں سپرو بھی شریک تھے) گاندھی نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ وائسرائے کی نیک نیتی پر کامل یقین رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پیرو کاروں کے ساتھ معاملہ طے کرنے میں وائسرائے کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔

(۹۶) ملاحظہ ہوں حواشی ۳ تا ۵ صفحہ ۳۰، کتاب ہذا

(۹۷) موتی لال کا خط گاندھی کے نام مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۹ء نیز ملاحظہ ہو بی آر نندا۔ دی نہروز موتی لال اینڈ جواہر لال مطبوعہ لندن ۱۹۶۲ء صفحات ۳۱۲ تا ۳۱۳

(۹۸) ملاحظہ ہو جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح حیات AN AUTOBIOGRAPHY (مطبوعہ

Marfat.com

لندن ۱۹۵۸ء) صفحہ ۱۹۷

(۹۹) بوس، محولہ کتاب صفحات ۱۶۹ تا ۱۷۰

(۱۰۰) ملاحظہ ہو "منشور دہلی" کے نام سے جاری ہونے والا کانفرنس کا بیان جس کا متن ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔ سبھاش چندر بوس نے اس بیان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جواہر لال نہرو کو بات چیت کے ذریعے اس پر دستخط کرنے پر آمادہ کر لیا گیا اور انہوں نے بڑے دکھ کے ساتھ دستخط کئے تھے۔ ملاحظہ ہو جواہر لال کی خود نوشت سوانح حیات "AN AUTOBIOGRAPHY" (مطبوعہ لندن ۱۹۵۸ء) صفحہ ۱۹۷۔

(۱۰۱) ملاحظہ ہو سپرو کا خط پی ایس سیوا سوامی آئیر کے نام مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء ک۔ س

(۱۰۲) ان سرگرمیوں کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں سپرو کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۱۵ و ۲۵ نومبر اور مورخہ ۱۳ و ۱۹ دسمبر ۱۹۲۹ء ک۔ س نیز ملاحظہ ہو جناح کا خط اروِن کے نام مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۲۳

(۱۰۳) ملاحظہ ہو چودھری خلیق الزماں، محولہ کتاب، صفحہ ۱۰۳

(۱۰۴) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۹ء۔ م۔ ک۔ ہ۔ ف/۱۸

(۱۰۵) ملاحظہ ہو سپرو کے نام جی کننگھم کے خط ساتھ ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۰ء ک۔ س یہ دستاویز محولہ ملاقات کی روداد پر مشتمل ہے جو کننگھم نے تیار کی تھی جسے جناح اور سپرو نے منظور کیا تھا۔

(۱۰۶) ملاحظہ ہو ایچ ایس پولاک کا خط مورخہ ۸ نومبر ۱۹۲۹ء ک۔ س جس میں کہا گیا ہے کہ اس مرحلے پر لیبر پارٹی کی حکومت ہندوستان کے لئے برطانوی مستعمرہ کا آئین مرتب کرنے سے قاصر ہے۔

(۱۰۷) ملاحظہ ہو سپرو کا خط گراھم پول اور ایچ ایس ایل پولاک کے نام مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۰ء ک۔ س۔ اس میں سپرو لکھتے ہیں کہ گاندھی نے وائسرائے کے ساتھ ملاقات میں اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ کمزور ہیں اور یہ کہ "ہمارے درمیان زبردست مشکلات اور اختلافات ہیں اور میں کانگریس کو گول میز کانفرنس میں حصہ لینے کا مشورہ نہیں دے سکتا"۔

(۱۰۸) ایضاً

(۱۰۹) اروِن کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۱۰) ملاحظہ ہو اس کی خبر کے لئے سول اینڈ ملٹری گزٹ، مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۱۱) اس قرار داد کے متن کے لئے ملاحظہ ہو سیتا رامیہ کی محولہ تصنیف، صفحہ ۶۰۵

Marfat.com

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) سبھاش چندر بوس دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۱۴) سری نواس آئنگر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۱۵) ملاحظہ ہو بوس کی محولہ کتاب صفحات ۱۷۴ تا ۱۷۵

(۱۱۶) سیتا رامیہ، محولہ کتاب، صفحہ ۶۰۸

(۱۱۷) سیتا رامیہ: محولہ کتاب، صفحات ۶۱۰ تا ۶۱۱۔ نیز ملاحظہ ہو ٹائمز مورخہ ۲ جنوری ۱۹۳۰ء میں شائع ہونے والی رپورٹ

(۱۱۸) گاندھی بنام اروِن، مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۲۴

(۱۱۹) بوس کا پیش کردہ اقتباس، محولہ کتاب، صفحہ ۱۷۶

(۱۲۰) سپرو کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۹ء ک۔ س

(۱۲۱) اس کا اندازہ حسب ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے :۔

(ا) سول نافرمانی کی تحریک شروع ہونے کے دس دن کے اندر (۶ اپریل سے ۱۵ جون ۱۹۳۰ء تک) ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سزا یافتہ افراد کی تعداد چار ہزار تین سو ستہتر ہوگئی۔ ملاحظہ ہو سرکاری بیان جو ۱۴ جولائی ۱۹۳۰ء کو قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا، م۔ م۔ ق، جلد چہارم، نمبر ۶، صفحات ۲۹۸ تا ۲۹۹

(ب) ۱۹۳۰ء میں سول حکام کی درخواست پر ان کی مدد کے لئے ستائیس مرتبہ فوج طلب کی گئی۔ ملاحظہ ہو قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۱ء میں حکومت کی طرف سے دیا جانے والا ایک سوال کا جواب، م۔ م۔ ق جلد اول نمبر ۱۲، صفحہ ۳۹۱

(ج) حکومت ہند کے محکمہ داخلہ کے ایک گشتی مراسلے مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۰ء میں مقامی حکومتوں کو کسی بھی ایسے شخص کے خلاف قانونی کارروائی کا مکمل اختیار دے دیا گیا تھا۔ جو صوبائی حد تک سیاسی اہمیت رکھتے ہوں، لیکن وہ گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو جیسے ملک گیر اہمیت کے حامل افراد کے خلاف کاروائی کرتے وقت مرکزی حکومت کے احکام حاصل کرنے کی پابند تھیں۔ تحریک کے پہلے مرحلے میں۔ ۶۰۴۹۸ اشخاص کو سزا دی گئی۔ ان میں سے مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی اروِن معاہدہ طے پاتے وقت ۱۹۰۰۰ افراد جیل میں تھے۔ ملاحظہ ہو مطبع حکومت ہند، سول نافرمانی کی تحریک ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۴ء : تحریک سے نمٹنے کے لئے اختیار کی جانے والی تدبیروں پر ایک نوٹ (نئی دلی، ۱۹۳۶ء) پیراگراف (۳، ۳۰، م۔ ہ)

Marfat.com

(۱۲۲) م۔م۔ق، جلد چہارم نمبر ۲، صفحات ۳۵ تا ۴۰

(۱۲۳) ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو ڈیلی ہیرلڈ کے ہندوستان میں مقیم نامہ نگار جارج سولو کومب SOLO COMBE نے جیل میں موتی لال نہرو کا انٹرویو لے کر یہ معلوم کیا کہ قیام امن کے امکانات موجود ہیں۔ اس پر وائسرائے کی رضامندی سے سپرو اور جایاکر نے پہل کی اور مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ آزاد خیال لیڈروں اور کانگریسی رہنماؤں کے درمیان بات چیت کے لئے سہولتیں مہیا کی گئیں۔ لیکن گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے مندوبین کے ہندوستان روانہ ہونے سے قبل بات چیت کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۳۰ء جس میں جایاکر اور سپرو کی طرف سے جاری کیا جانے والا مشترکہ بیان شائع ہوا تھا۔ اس بیان میں مذاکرات کی تفصیلات درج تھیں۔

(۱۲۴) ملاحظہ ہوں حسب ذیل خطوط جن میں اروِن نے سائمن رپورٹ سے اپنے اختلاف کے اسباب بیان کئے ہیں :-

اروِن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۰ء :بنام جارج آرلین فاکس مورخہ ۱۰ جون ، ۷ جولائی ۱۹۳۰ء بنام جیفری ڈاسن مورخہ ۱۷ جون ، ۷ جولائی ۱۹۳۰ء اور بنام سائمن مورخہ ۱۷ جون ۱۹۳۰ء/م۔ک۔ہ۔ف نیز بنام ونج وڈبین مورخہ ۱۲ و ۱۹ جون ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۲۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹ ہندوستان سے متعلق قانونی کمیشن کی رپورٹ جلد دوم۔ سفارشات (۱۹۳۰ء) پیراگراف ۴۶ اور ۶۳ تا ۶۴ جس میں صوبوں میں دوعملی کی منسوخی اور نظم ونسق سمیت تمام امور کی ان ہندوستانی وزیروں کو منتقلی کی سفارش کی گئی تھی جو اپنے اپنے صوبوں کی مجالس مقننہ کے سامنے جوابدہ ہوں۔

(۱۲۶) ملاحظہ ہو اروِن کا خط بنام ونج وڈبین مورخہ ۳ و ۱۰ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۲۷) م۔م۔ق جلد چہارم نمبر ۲، صفحہ ۳۹

(۱۲۸) ملک معظم کے پرائیویٹ سیکریٹری لارڈ اسٹیم فورڈھم کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۱

(۱۲۹) ملاحظہ ہو اسٹانلے بالڈون کا تار اروِن کے نام مورخہ ۴ جولائی ۱۹۳۰ء ک۔آ۔چ ۲۲/۳/۱۱۔ اروِن کا تار بالڈون کے نام مورخہ ۶ جولائی ۱۹۳۰ء ک۔آ۔چ ۲۲/۳/۳۹۔ نیز ملاحظہ ہو ۷ اور ۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء کے درمیان آسٹن چیمبرلین، اسٹانلے

Marfat.com

بالڈون، ونٹرٹن پیل، لائڈ جارج اور سائمن کی الگ الگ ملاقاتوں اور وزیر اعظم اور ویج وڈبین کے ساتھ ان کی ملاقات کی تفصیلات ک۔ آ۔ چ ۴۱/۳/۲۲ تا ۴۷

(۱۳۰) ملاحظہ ہو وائسرائے کا تار بنام وزیر خارجہ مورخہ ۱۴ و ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۱۔ ارون بنام ویج وڈبین مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء ویج وڈبین بنام ارون مورخہ ۱۵ مئی، ۲۷ جون و ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۶، ارون بنام اسٹانلے بالڈون مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء اور اسٹانلے بالڈون بنام ارون مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۹

(۱۳۱) ونسٹن اسپنسر چرچل۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۳۲) ملاحظہ ہو جیفری ڈاسن کا خط ارون کے نام، مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۹

(۱۳۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، صفحہ ۶۸، کتاب ہذا

(۱۳۴) سی ایم ڈی ۳۷۰۰، آئینی اصلاحات سے متعلق تجاویز کے موضوع پر مراسلہ حکومت ہند (۱۹۳۰ء) پیراگراف ۱۶ تا ۱۷ اور ۲۱۲ تا ۲۲۰۔

(۱۳۵) ایضاً پیراگراف ۲۲ تا ۲۷ اور ۴۲ تا ۴۹۔

(۱۳۶) ایضاً پیراگراف ۲۸ تا ۲۹

(۱۳۷) ایضاً پیراگراف ۳۰ تا ۳۱

(۱۳۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۷۰۰ پیراگراف ۱۷ تا ۲۰، ۹۶ تا ۱۲۲ اور ۲۳۰

(۱۳۹) ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات

(ا) ۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء کو شملہ میں منعقد ہونے والی گورنروں کی کانفرنس کی خفیہ کاروائی کی رپورٹ

(ب) ہیلے کا نوٹ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء جو اس نے شملہ کانفرنس میں شرکت کے بعد واپس پہنچنے پر تحریر کیا تھا، م۔ک۔ہ/۱۹

(ج) اس کا وہ نوٹ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے اور جس میں مراسلہ حکومت ہند پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ م۔ک۔ٹ/۷

(۱۴۰) سی ایم ڈی ۳۷۰۰، پیراگراف ۱۴

(۱۴۱) گاندھی ارون سمجھوتے کے متن کے لئے ملاحظہ ہو حکومت ہند کے محکمہ داخلہ کا اعلان مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۱ء مشمولہ تاریخ انڈین نیشنل کانگریس از سیتا رامیہ صفحات

Marfat.com

۷۳۸ تا ۷۴۴

(۱۴۲) ایضاً

(۱۴۳) ایضاً

(۱۴۴) ایضاً نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۷ صفحہ ۲۷، کتاب ہذا

(۱۴۵) ملاحظہ ہو ملک معظم کا ٹیلی گرام اروِن کے نام مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۳۱ء اور سر کلائیو وگرام (ملک معظم کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکریٹری) کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۷ر مارچ ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۱

(۱۴۶) جیفری ڈاسن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۳۱ء جارج آرلین فاکس کا خط اروِن کے نام، مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۳۱ء وائیکاؤنٹ سیسل کا خط اروِن کے نام مورخہ ۹ر مارچ ۱۹۳۱ء اور وائیکاؤنٹ گاسچن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۹

(۱۴۷) ملاحظہ ہو گراہم پول کا خط اروِن کے نام مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۳۱ء ایضاً۔ اس خط کے ساتھ گراہم پول نے کئی کاغذات ملفوف کیے تھے۔ جن پر پارلیمینٹ کے ارکان کی ایک بڑی تعداد کے دستخط ثبت تھے۔ ان دستخط کنندگان نے قیام امن کے لئے اروِن کی شاندار اور کامیاب کوششوں پر دلی مبارکباد پیش کی تھی۔

(۱۴۸) ملاحظہ ہو جیفری ڈاسن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۳۱ء ایضاً اور ویج وڈبین کا خط اروِن کے نام، مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۴۹) ملاحظہ ہو جواہر لال نہرو کی سوانح حیات (AN AUTOBIOGRAPHY) (مطبوعہ لندن ۱۹۵۸ء) صفحات ۲۵۷ تا ۲۵۹

(۱۵۰) ملاحظہ ہو گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین کا مشترکہ بیان جو انہوں نے لندن سے واپسی پر بمبئی میں ۶ فروری ۱۹۳۱ء کو جاری کیا تھا۔ سیتارامیہ محولہ کتاب ۷۲۷ تا ۷۲۸

(۱۵۱) ملاحظہ ہو اروِن کے بیان کا متن جو ۲۵ر جنوری ۱۹۳۱ء کو جاری کیا گیا تھا۔ سیتارامیہ، محولہ کتاب صفحہ ۷۲۰

(۱۵۲) ایضاً

(۱۵۳) گاندھی بنام اروِن، مورخہ یکم فروری ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۶

(۱۵۴) ملاحظہ ہو گاندھی کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۳۱ء ایضاً

Marfat.com

(۱۵۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، ۳، صفحہ ۲۶، کتاب ہذا

(۱۵۶) ملاحظہ ہو کننگھم کا خط گاندھی کے نام مورخہ ۴ر فروری ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۶ اس خط میں ارون نے گاندھی ارون مذاکرات شروع ہونے سے پہلے ہی گاندھی کے اس مطالبے کو قطعاً مسترد کر دیا تھا (گاندھی نے یہ مطالبہ ارون کے نام اپنے خط مورخہ یکم فروری ۱۹۳۱ء میں کیا تھا۔ ایضاً) بعد میں مذاکرات کے دوران بھی ارون اپنے موقف پر قائم رہا باوجودیکہ سپرو اور جایاکر نے گاندھی کے مطالبے کی تائید کی تھی اور اس سوال پر مذاکرات ناکام ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ارون بنام ونج وڈہین مورخہ ۲ر مارچ ۱۹۳۱ء اور ارون کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۳ر مارچ ۱۹۳۱ء۔ م۔ک۔ہ۔ف/۲۷ اس خط میں ارون نے مذاکرات کے دوران ان کی رفتار سے مطلع کیا تھا۔

(۱۵۷) ملاحظہ ہو ہیلی فیکس کی محولہ کتاب صفحات ۱۴۸ تا ۱۵۰

(۱۵۸) ملاحظہ ہو وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف جس میں وزیر ہند اور وزیر اعظم دونوں نے ارون کو ان کے غیر معمولی اختیارات کے استعمال میں اپنی بھرپور اور غیر متزلزل حمایت کا یقین دلایا۔ نیز ملاحظہ ہو اسی قسم کی یقین دہانیوں کے لئے ونج وڈہین کے خطوط ارون کے نام مورخہ ۳۰ر جنوری، ۱۳ و ۲۷ر فروری، یکم مئی، ۱۰ر جولائی و ۱۴ر اگست ۱۹۳۰ء۔ م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۵۹) ارون کا خط جے۔ سی۔ سی۔ ڈیوڈسن کے نام مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۹

(۱۶۰) ارون کا خط وائیکاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۲۷

(۱۶۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷ صفحہ ۴۷، کتاب ہذا

(۱۶۲) ونج وڈہین کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۵ر فروری ۱۹۳۱ء م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۶۳) ملاحظہ ہو ونج وڈہین کا خط ارون کے نام مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۳۱ء اور ارون کا خط ونج وڈہین کے نام مورخہ ۱۳ر اپریل ۱۹۳۱ء۔ م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۶۴) ارون کا خط لارڈ مائلڈ ے کے نام مورخہ ۲۳ر جنوری ۱۹۲۳ء م۔ک۔ہ۔ف/۱۹

(۱۶۵) ارون کا خط ونج وڈہین کے نام مورخہ ۸ر مئی ۱۹۳۰ء م۔ک۔ہ۔ف/۶

(۱۶۶) ملاحظہ ہو ارون کا خط ایف۔ ایس۔ آلیور کے نام مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۳۰ء

Marfat.com

م۔ ک۔ ہ۔ ف/۱۹ اور وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۳۱

(۱۶۷) اروِن کا خط لن لتھ گو کے نام مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۱۸

(۱۶۸) مطبع حکومت ہند، تقاریر لارڈ اروِن، جلد دوم (شملہ ۱۹۳۱ء صفحات ۳۵۷ تا ۳۵۸۔ یہ تقریر اروِن نے ۲۶ر مارچ ۱۹۳۱ء کو چیمسفورڈ کلب کے عشائیے میں کی تھی۔

(۱۶۹) ملاحظہ ہو اروِن کا خط مورخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۳۱ء، روزنامہ ٹائمز کے مدیر کے نام۔ یہ مراسلہ ٹائمز کی اشاعت مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

(۱۷۰) ملاحظہ ہو ہیلی فیکس کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۱۳ر جولائی ۱۹۵۳ء۔ م۔ ک۔ ٹ/۷۶۔ اس میں لارڈ ہیلی فیکس (سابق لارڈ اروِن) نے وائسرائے کی حیثیت سے اپنی معیاد کے بائیس برس بعد اس صورت حال پر غور کرتے ہوئے اسے چرچل اور اس کے ہم خیال سیاست دانوں کے رویئے کا نتیجہ قرار دیا۔

(۱۷۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۶، صفحہ ۶۸، کتاب ہذا

Marfat.com

باب سوم

والیان ریاست اور کل ہند وفاق کا تصور

برطانوی ہند کی سیاسی پیش رفت کا سوال ہندوستانی ریاستوں کے مستقبل سے قریبی تعلق رکھتا تھا، لیکن جہاں برطانوی ہند جمہوری خطوط پر ترقی کر رہا تھا وہاں ریاستوں میں رؤسا کی مطلق العنانی کا دور دورہ تھا۔ انتظامی سطح پر وائسرائے کو برطانوی ہند اور ریاستوں کے درمیان اہم رابطے کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ ایک طرف گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنی عاملہ کے ارکان کے مشورہ سے برطانوی ہند کی سربراہی کے فرائض انجام دیتا تھا اور دوسری طرف اپنے سیاسی محکمے کی مدد سے ریاستوں پر بالادستی کا منصب ادا کرتا تھا۔ والیان ریاست کے ساتھ اس کے تعلقات ان میثاقوں اور سمجھوتوں کے تابع تھے جو ان کے اور برطانوی حکومت کے مابین طے پائے تھے لیکن اس باہمی رشتے کو بروئے کار لانے میں وائسرائے کی ذاتی رائے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ والیان ریاست کے ساتھ اس کا رابطہ ذاتی اور بلاواسطہ تھا۔ ریاستوں میں انتظامیہ کی نچلی سطح اس کی دسترس میں نہیں تھی لیکن برطانوی ہند میں جہاں ایک جامع و مانع انتظامی ڈھانچہ موجود تھا انتظامیہ کی نچلی سے نچلی سطح اس کی گرفت میں تھی۔ لہٰذا ریاستوں کے انتظامی حالات اور برطانوی ہند کے حالات کے درمیان ٹھوس فرق موجود تھا۔ لیکن اس مصنوعی حد فاصل سے قطع نظر دونوں ہندوستان نسلی، جغرافیائی اور اقتصادی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوستہ تھے کہ انہیں جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بنا بریں مرکزی حکومت ہند کی اصلاحات کی کسی بھی اسکیم یا ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینے کی کسی بھی تجویز کا تقاضا یہ تھا کہ ہندوستانی ریاستوں کا مستقبل متعین کیا جائے۔

Marfat.com

۱۹۲۴ء میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جس میں ایک سرکاری ترجمان نے ریاستوں کی موجودگی کو ہندوستان کے لئے خودمختار مستعمرہ کے قیام کے خلاف بطور دلیل پیش کیا(۱) ۔ اس مقدمے کے حل کے لئے کسی نہ کسی قابل قبول شکل میں دونوں ہندوستانوں کا انضمام ضروری تھا تاکہ برطانوی ہند کے لوگوں کی سیاسی امنگیں پوری کی جاسکیں۔

ان تمام تحقیقاتی رپورٹوں میں جو مانٹیفورڈ کی سفارشات قلم بند کئے جانے کے وقت سے لے کر لندن میں گول میز کانفرنس کے انعقاد تک مرتب کی گئی تھیں کل ہند وفاق کو ہندوستان کے آئینی ارتقا کے لئے ناگزیر قرار دیا گیا تھا(۲) ۔ لیکن برطانوی ہند کی امنگوں اور والیان ریاست کے مطلق العنانی رجحانات کے درمیان جو خلیج حائل تھی اس کے پیش نظر کسی بھی رپورٹ میں وفاق کے جلد قیام کی سفارش نہیں کی گئی تھی (۳) ۔ برخلاف اس کے گول میز کانفرنس منعقد ہونے سے قبل ۳۰۔ ۱۹۲۹ء کی مدت کے دوران مرتب کی جانے والی تین سرکاری دستاویزات یعنی بٹلر رپورٹ (۴) سائمن کمیشن رپورٹ (۵) اور ارون کے مراسلہ حکومت ہند (۶) میں ایسے نوٹ شامل تھے جن میں فیڈریشن کے قیام کے عمل میں تیز رفتاری سے کام لینے کے خلاف متنبہ کیا گیا تھا۔ مستقبل قریب میں وفاق کے قیام کے امکانات پہلی مرتبہ گول میز کانفرنس منعقدہ نومبر ۱۹۳۰ء میں ہویدا ہوئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی تجویز والیان ریاست کی طرف سے پیش کی گئی۔ یہ اثر برطانوی حکومت اور حکومت ہند دونوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ والیان ریاست کی یہ تجویز وسیع پیمانے پر توجہ کا مرکز بنی اور اس کے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ والیان ریاست کی کونسلوں کے باہر کے اہل الرائے کو اس مرحلے پر کسی بھی حلقے کی طرف سے اس قسم کی تجویز پیش کئے جانے کی توقع نہیں تھی چہ جائیکہ والیان ریاست کی طرف سے۔ دوسرے یہ کہ وفاق میں والیان ریاست کی شمولیت کے امکان سے ان مختلف مفادات کے لئے ایک قدر مشترک پیدا ہوگئی جن کی نمائندگی گول میز کانفرنس میں کی جارہی تھی اور اس کی بدولت کانفرنس میں شریک مندوبین پورے ہندوستان کے لئے اصلاحات کی اسکیم تیار کرنے کے قابل ہوگئے۔

والیان ریاست نے کل ہند وفاق کی تجویز پیش کرنے میں اس لئے پہل کی کہ ان پر دو طرف سے دباؤ ڈالا جارہا تھا۔ ایک طرف نام نہاد نظریہ بالادستی کے تحت شہنشاہی حکومت کی

Marfat.com

جانب سے ان کی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں خاصی مداخلت ہو رہی تھی اور دوسری طرف برطانوی ہند کے عوام میں تیزی سے بڑھتے ہوئے وطن پرستانہ احساسات کے اثرات والیان کے سیاسی نظام پر مرتب ہو رہے تھے۔ ان عوامل کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں جو والیان ریاست کی طرف سے وفاق کے قیام کی تجویز پیش کئے جانے کی پشت پر کارفرما تھے۔

طاقت بالادست (۷) نے میثاقات اور اسناد کی بنیاد پر ریاستوں سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ بیرونی جارحیت اور اندرونی بغاوت کی صورت میں ریاستوں کا تحفظ اس کا فرض ہے (۸) یہ ثابت کرنے کے لئے شواہد موجود ہیں کہ اس معاہدے کی پوری پوری پابندی کی گئی (۹) ۔ لیکن اس ذمہ داری سے ماورا بھی شہنشاہی حکومت بلا لحاظ دیگر معاہدات کے خود کو برطانوی ہند کی طرح ریاستوں کی بھی مقتدر اعلیٰ تصور کرتی تھی۔ طاقت بالادست جب چاہتی تھی بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے مطابق معاہدات کی شرائط کی خلاف ورزی کر جاتی تھی (۱۰) اور خلاف ورزی کا یہ عمل معاہدات طے پاتے ہی شروع ہو جاتا تھا (۱۱) ۔ والیان ریاست نے وقتاً فوقتاً ان خلاف ورزیوں کے خلاف احتجاج کیا لیکن حکومت نے ان کے احتجاجات کی کوئی پروا نہ کی (۱۲) ۔ اس کے علاوہ ان کے علاقوں میں متعین پولیٹکل ایجنٹوں کے تحکمانہ رویئے کے خلاف بھی ان کی شکایات بے اثر ثابت ہوئیں (۱۳) ۔ لارڈ ریڈنگ نے والیان ریاست کے حقوق اور حیثیت کے بارے میں دلائل کو ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے فرماں روا نظام (۱۴) کے نام اپنے مراسلے میں یکسر مسترد کر دیا۔ اس مراسلے کے بعض جملے یہ تھے۔

> "ہندوستان میں تاج برطانیہ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے لہٰذا کسی ہندوستانی ریاست کے فرماں روا کے پاس اس دعویٰ کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا کہ وہ برابری کی بنیاد پر حکومت برطانیہ سے بات چیت کر سکتا ہے۔ تاج برطانیہ کی بالادستی معاہدوں یا اقرار ناموں پر مبنی نہیں بلکہ اپنا ایک علیحدہ وجود رکھتی ہے (۱۵) "۔

Marfat.com

یہ مکتوب نجی نوعیت کا تھا، لیکن والیان ریاست کے جذبات کا لحاظ رکھے بغیر اسے جریدہ غیر معمولی میں شائع کر دیا گیا اور اخبارات کو جاری کر دیا گیا (۱۶)۔ ریڈنگ کی یہ کاروائی اس امر کی دلیل تھی کہ وائسرائے نہ صرف نظام بلکہ تمام والیان ریاست پر تاج برطانیہ کی حاکمیت کے اثبات میں کسی شک کی گنجائش نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ بات والیان ریاست میں تشویش پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن صرف بالادستی کا اصول ہی والیان ریاست کے وقار اور اختیارات میں موجب تخفیف نہیں تھا۔ بلکہ جدید خطوط پر برطانوی ہند کی اقتصادی ترقی کے اثرات بھی برطانوی ہند پر مرتب ہونے شروع ہوگئے تھے۔ صنعتوں، کرنسی اور بینکاری کے نظاموں اور ریلویز، ڈاک، تار اور ٹیلی فون جیسے ذرائع مواصلات کی ترقی برطانوی ہند تک محدود نہیں رہ سکتی تھی۔ جغرافیائی اتصال کے سبب اس ساری ترقی کا دائرہ ریاستوں تک پھیل گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی ہند کی انتظامی مشینری بھی ان ریاستوں میں نفوذ کر گئی تھی۔ اس صورت حال اور برطانوی حکومت کی غیر محدود بالادستی کے باعث والیان ریاست پر نہ صرف وائسرائے اور اس کے سیاسی محکمے بلکہ دلی کی مرکزی حکومت کے دوسرے محکموں کے اختیارات میں بھی روز افزوں اضافہ ہورہا تھا (۱۷)۔

اس کے علاوہ برطانوی ہند میں قوم پرستی کی تحریک سے والیان ریاست کی حکمرانی کو سنگین خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ ان ریاستوں میں بدانتظامی کی وجہ سے انڈین نیشنل کانگریس کو لامحالہ ان میں اپنے نظریات کے پرچار اور ان کی رعایا کو حکمرانوں کے خلاف ابھارنے کا موقع مل گیا۔ گاندھی اور علی برادران (مولانا محمد علی (۱۸) اور مولانا شوکت علی (۱۹) جیسے بعض ممتاز قومی رہنما خود بھی دیسی ریاستوں کی رعایا تھے۔ اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کا قیام مسلمہ طور پر برطانوی ہند کی قومی تحریک کا براہ راست نتیجہ تھا (۲۰)۔ اس قسم کی ایک کانفرنس ۱۹۲۸ء میں مدراس میں منعقد ہوئی تھی جس میں مرتب کی جانے والی سوراج اسکیم میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں دونوں کا احاطہ کیا گیا تھا اور کل جماعتی کانفرنس سے اسکیم کی منظوری کی سفارش کی گئی تھی (۲۱)۔ یہی وہ زمانہ تھا جب لارڈ اروِن کی انتظامیہ بتدریج قوم پرستوں کا دباؤ قبول کر رہی تھی۔ اس کا ایک ثبوت مقررہ مدت کے اختتام سے قبل آئینی کمیشن کا تقرر تھا۔ انہی دنوں نہرو رپورٹ بھی منظر عام پر آئی تھی، اس رپورٹ میں ریاستوں پر ایک علیحدہ

Marfat.com

باب وقف کیا گیا تھا جس میں والیان ریاست کے نظام کی مذمت کی گئی تھی (۲۲) ۔ اسی رپورٹ میں ایک مطالبہ یہ بھی کیا گیا تھا کہ اختیارات بالادستی شہنشاہی حکومت سے اصلاح شدہ اور ذمہ دار حکومت ہند کو منتقل کئے جائیں (۲۳) ۔ کانگریس کے کلکتے کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۸ء میں اس رپورٹ کی تعریف کی گئی اور اسے قومی مطالبہ قرار دیا گیا۔ کانگریس کے انتہا پسند عناصر نے پارٹی کو اپنے دستور میں ایک ترمیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی رو سے دیسی ریاستوں میں مداخلت پر سے پابندی اٹھالی گئی (۲۴) ۔ والیان ریاست اصول بالادستی اور حکومت ہند کے اقدامات کے خلاف تو احتجاج کر سکتے تھے لیکن یہ نئی قوت ایسی تھی جس کے خلاف وہ اپنے معاہدات اور طے شدہ انتظامات کے باوجود طاقت بالادست سے اپنے تحفظ کی مناسب ضمانت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

یہ تھے وہ مسائل جن کا اس وقت والیان ریاست کو سامنا تھا۔ لیکن ان سے نمٹنے کے لئے ان کی راہ میں دو مشکلات حائل تھیں۔ ایک تو ان میں صورت حال کا جرات مندانہ مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی ان کے اندر بالعموم روشن خیالی اور تعلیم و تربیت کا فقدان تھا (۲۵) اور وہ اپنے مسائل و امور کی روداد تیار کر کے اسے پیش کرنے میں زیادہ تر وزیروں اور غیر ملکی مشیروں (۲۶) پر انحصار کرتے تھے۔ ان کی صفوں میں اتحاد نہیں تھا بلکہ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے (۲۷) ۔ ایوان والیان ریاست کی صورت میں ان کا اپنا ایک پلیٹ فارم موجود تھا۔ یہ ایوان ۱۹۲۱ء میں قائم کیا گیا تھا لیکن حیدر آباد اور میسور جیسی بڑی ریاستیں اس میں شامل نہیں ہوئی تھیں (۲۸) ۔ دوسری مشکل والیان ریاست کے مسائل کی طرف سے حکومت اعلیٰ کی بے اعتنائی تھی چونکہ ان حکمرانوں کی بقا طاقت بالادست یا مقتدر اعلیٰ (۲۹) پر منحصر تھی لہٰذا ان کی وفاداری کو ایک مسلمہ امر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی مثالیں موجود تھیں کہ ملک معظم کی حکومت برطانوی ہند کے مسئلوں پر تو بھرپور توجہ دیتی تھی لیکن دیسی ریاستوں کے مسئلوں سے قطعی بے اعتنائی برتتی تھی۔ والیان ریاست کو ان مذاکرات میں شریک نہیں کیا گیا جن کے نتیجے میں قانون ہند مجریہ ۱۹۱۹ء وضع ہوا تھا۔ ان دیسی فرماں رواؤں نے ۱۹۱۸ء میں اپنا ایک اجلاس پٹیالہ میں منعقد کیا جس میں سپرو، سری نواس شاستری اور سر علی امام (۳۰) بھی شریک تھے۔ یہ اجلاس خود والیان ریاست نے

Marfat.com

اپنے طور پر منعقد کیا تھا (۳۱) ۔ اس میں حکومت ہند اور والیان ریاست کے مابین بہتر تعلقات کے قیام کے لئے ایک یاد داشت اور ایک اسکیم کا مسودہ تیار کیا گیا اور اسے باضابطہ طور پر حکومت ہند کے حوالے کیا گیا (۳۲) ۔ مزید برایں اگرچہ مانٹیفورڈ رپورٹ میں ہندوستانی ریاستوں پر ایک علیحدہ باب موجود تھا (۳۳) لیکن اس رپورٹ کے مرتبین نے اپنی سفارشات آئینی تقاضوں کو سامنے رکھ کر قلمبند نہیں کی تھیں بلکہ زیادہ تر یہ امران کے پیش نظر تھا کہ فریقین کے درمیان بہتر تعلقات والیان ریاست کی ان خدمات کی بنیاد پر استوار کئے جائیں جو انہوں نے جنگ کے دوران انجام دی تھیں (۳۴) ایوان والیان ریاست کی مستقل اور موثر بنیادوں پر تشکیل کے تصور کو اسی رپورٹ کا رہین منت قرار دیا گیا (۳۵) لیکن اس ایوان کا ابتدائی نمونہ جو پرنس کانفرنس کے نام سے موسوم تھا ۱۹۱۶ء سے موجود تھا (۳۶) خود ایوان والیان ریاست کا قیام ۱۹۱۹ء کے قانون میں شامل نہیں تھا (۳۷) بعد میں مانٹیفورڈ کی اس سفارش پر کوئی کاروائی نہیں کی گئی کہ باہمی دلچسپی کے امور پر صلاح و مشورہ کرنے کے لئے ایوان والیان ریاست اور برطانوی ہند کے ایوان بالا کے مشترکہ اجلاس منعقد کئے جائیں (۳۸) برطانوی ہند میں رونما ہونے والے واقعات سے پریشان ہو کر والیان ریاست کے چانسلر نے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۴ء میں لارڈ ریڈنگ کی حیثیت سے درخواست کی کہ برطانوی ہند کی اصلاحات کے تناظر میں ہندوستانی ریاستوں کی حیثیت کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے (۳۹) لیکن وائسرائے نے اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا (۴۰) ۱۹۲۵ء میں حکومت ہند نے مرکزی مقننہ کے صدر سر فریڈرک وہائٹ (۴۱) کو مرکزی حکومت اور مقامی حکومتوں کے درمیان تعلقات کا جائزہ لینے کا کام تفویض کیا۔ لیکن اس جائزے سے متعلق امور میں ہندوستانی ریاستوں کی حیثیت کی تحقیقات کا معاملہ شامل نہیں تھا (۴۲) ۔ اس زرعی کمیشن (۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۸ء) کا دائرہ عمل بھی برطانوی علاقوں تک محدود تھا جو لن لتھ گو کی سربراہی میں مقرر کیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ کمیشن ریاستوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا (۴۳) ۔ کہا جاتا ہے کہ والیان ریاست کی یہ درخواست لارڈ اردن نے مسترد کر دی تھی کہ لن تھ گو کمیشن میں ان کا بھی ایک نمائندہ شامل کیا جائے (۴۴) ۔ اسی طرح سائمن کمیشن نے نہ تو ہندوستانی ریاستوں کا دورہ کیا اور نہ والیان ریاست کو

Marfat.com

سماعت کا موقع دیا (۴۵) ۔ بعد میں اکتوبر ۱۹۲۹ء میں سرجان سائمن نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا کہ ان کے کمیشن کے امور مفوضہ کی "وسیع تر تعبیر" کے لئے ملک معظم کی حکومت کی اجازت حاصل کی جائے۔ تاکہ کمیشن برطانوی ہند کے مسئلے پر ہندوستانی ریاستوں کے رد عمل کو ملحوظ رکھ سکے (۴٦) ۔ لیکن اس تجویز کا محرک سائمن نہیں تھا۔ اس کا مقصد بھی وزیر اعظم کے نام سائمن کے متذکرہ خط میں نہیں بتایا گیا ہے۔ اس کاروائی کا تعلق دراصل برطانوی ہند کی سیاست گری سے تھا اور وہ اس مدبرانہ حکمت عملی کا نتیجہ تھی جس کی باگ دوڑ صرف ارون کے ہاتھ میں تھی (۴۷) ۔

لیکن والیان ریاست نے بھی سائمن کمیشن سے کوئی دلچسپی نہیں لی حالانکہ اس سے دس سال قبل انہوں نے مانٹیفورڈ مشن سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اب انہوں نے اسی قسم کی تحقیقات کی ضرورت پر بھرپور انداز (۴۸) میں زور دیا جس کے لئے ایوان والیان ریاست کا چانسلر پہلے ہی دو مرتبہ لارڈ ریڈنگ سے رجوع کر چکا تھا۔ (۴۹) اس وقت ریاستوں کے حکمرانوں کو ایک فائدہ یہ حاصل تھا کہ ان کی صفوں میں بیکانیر کے مہاراجہ گنگا سنگھ (۵۰) اور بھوپال کے نواب حمید اللہ خان (۵۱) جیسی دو باصلاحیت اور روشن خیال شخصیتیں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں کئی انتہائی قابل اور دانشمند وزیروں (۵۲) کی خدمات بھی میسر تھیں۔ ان لوگوں کی مساعی کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ حکومت نے محسوس کیا کہ برطانوی ہند میں واقعات جو رخ اختیار کر رہے ہیں ان پر والیان ریاست کی تشویش بجا ہے (۵۳) ۔

سائمن کمیشن کی تشکیل (۵۴) کے ایک مہینے کے اندر سرہار کورٹ بٹلر (۵۵) کی سرکردگی میں ایک جائزہ کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی کے تفویض حسب ذیل امور تھے۔

(۱) طاقت بالادست اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے بارے میں خصوصاً ان امور اور ذمہ داریوں کے حوالے سے رپورٹ تیار کرنا جو (ا) معاہدات، ضمانتوں اور اسناد نیز (ب) رواج عام، رضامندی یا دوسرے اسباب پر مبنی ہوں۔

(۲) برطانوی ہند اور ریاستوں کے درمیان مالیاتی تعلقات کا جائزہ لینا اور ایسی سفارشات پیش کرنا جنہیں کمیٹی ان تعلقات میں زیادہ اطمینان بخش رد و بدل کے لئے ضروری سمجھتی ہو (۵٦)

Marfat.com

والیان ریاست ایسی ہی ایک کمیٹی کے تقرر کے خواہاں تھے۔ انہوں نے بٹلر کمیٹی کے سامنے انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنا معاملہ پیش کیا۔ کمیٹی کے سامنے خود پیش ہونے کے بجائے انہوں نے معاملے کا خلاصہ اپنے برطانوی مشیر کے حوالے کیا جو ان کی طرف سے بیش قرار مشاہرے پر مقرر کیا گیا تھا (۵۷)۔ اس کے بعد وہ نہایت تردد کے ساتھ کمیٹی کی رپورٹ کے منتظر رہے۔ یہ رپورٹ فروری ۱۹۲۹ء میں جاری کی گئی۔ جس میں یہ امر تسلیم کیا گیا کہ تاج کے ساتھ ریاستوں کے تعلقات وائسرائے کی وساطت سے قائم ہیں نہ کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی وساطت سے (۵۸) کمیٹی نے پرزور الفاظ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ والیان ریاست کو ان کی مرضی کے بغیر برطانوی ہند میں قائم ہونے والی کسی نئی حکومت کے ساتھ تعلقات سے منسلک نہ کیا جائے جو ہندوستان کی مقننہ کے سامنے جوابدہ ہو (۵۹)۔ کمیٹی کی رپورٹ میں یہ بات بھی زور دے کر کہی گئی کہ اگر عوام کی طرف سے وسیع پیمانے پر کسی والئی ریاست کو ہٹانے کا مطالبہ کیا جائے اور اس بنا پر اسے معزول کرنے کی کوشش کی جائے تو والئی ریاست کے حقوق مراعات اور وقار کو برقرار رکھنا طاقت بالا دست کا فرض ہوگا (۶۰)۔ اس طرح بٹلر کمیٹی کی جو نہرو رپورٹ اور کل جماعتی کانفرنس منعقدہ کلکتہ کی سفارشات کے فوراً بعد شائع ہوئی تھی برطانوی ہند میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے مقابلے میں والیان ریاست کے انتہائی اہم مسئلے کے بارے میں ایک تسلی بخش دستاویز تھی (۶۱)۔ لیکن بالادستی کے سوال پر بٹلر کمیٹی برطانوی حکومت کے موقف پر سختی سے قائم رہی۔ اس نے ریڈنگ کے اس دعویٰ کی توثیق کی جو نظام کے نام موخر الذکر کے مراسلے میں کیا گیا تھا (۶۲) اور طاقت بالادست کے اقتدار اعلیٰ کو محدود کرنے کے بارے میں والیان ریاست کے ارادوں کی صرف چند لفظوں میں نفی کردی "طاقت بالادست کی برتری برقرار رہنی چاہئے"۔ کمیٹی نے اس معاملے کا مزید جائزہ لینے سے اپنے معذوری کا اظہار کیا (۶۳)۔ بنا بریں بٹلر کمیٹی کی رپورٹ اپنی خوبیوں کے باوصف والیان ریاست کے اس عدم اطمینان کو دور نہ کرسکی جو ۱۹۲۶ء میں ریڈنگ کے موقف کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا (۶۴)۔

بٹلر کمیٹی کی رپورٹ اور اس کے اجرا کے بعد والیان ریاست اپنی شکایات کے ازالے کے لئے حکومت کے خلاف اس مرحلے پر اور کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ ارون برطانوی ہند کے

Marfat.com

سیاسی تعطل کو دور کرنے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف تھا اور اس سلسلے میں اسے والیان ریاست ایک نہایت کار آمد ذریعہ نظر آئے تھے (۶۵)۔ وہ بٹلر رپورٹ کی اشاعت کے چند ماہ کے اندر وطن روانہ ہوگیا۔ اسی اثناء میں یہ خبریں شائع ہوتی رہیں کہ اس کے دورے کا مقصد ہندوستانیوں کے سیاسی عزائم پورے کرنے کے لئے برطانیہ سے بعض اہم مراعات حاصل کرنا ہے (۶۶)۔ ہندوستان سے روانہ ہونے سے قبل اس نے جون ۱۹۲۹ء میں بعض والیان ریاست سے پونا میں مختصر ملاقات (۶۷) کی اور انگلستان سے نواب بھوپال کو لکھا۔

> "یور ہائی نس نے جس عمومی نوعیت کے موضوع کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں آپ کے احساسات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میری دانست میں یہ احساسات بالکل قدرتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں جس نوع کی مشکلات کا سامنا ہے اور شاید آپ کے خیال میں ہم جس قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ فی الحقیقت اہل مغرب کے زاویہ نگاہ سے اور برطانوی انتظامیہ کی تعبیر کے مطابق، جو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے اس پالیسی کا لازمی نتیجہ ہیں جس کا اعلان غور و خوض کے بعد ۱۹۱۷ء میں کیا گیا تھا" (۶۸)۔

گویا ریاستوں کا معاملہ ایک طے شدہ امر تھا۔ لیکن والیان ریاست نے برطانوی ہند کے امور پر کم از کم اپنی تشویش کا اظہار کر دیا تھا۔ اسی طرح برطانوی ہند کے لیڈروں کو والیان ریاست کے خلاف اپنا دعویٰ پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا تھا۔ قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں منعقدہ فروری ۱۹۲۴ء (۶۹) میں ہیلے کی تقریر اور بٹلر کمیٹی کے تقرر سے قوم پرست حلقوں میں یہ تاثر پیدا ہوگیا تھا کہ ریاستوں کو ہندوستان کے لئے مستعمرہ کے مرتبے کے حصول اور مرکز میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے خلاف حربے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے (۷۰)۔ لیکن اسمبلی پر جو ۱۹۲۱ء کے بعد سے قومی جذبات و احساسات کا سب سے اہم فورم تھی ہندوستانی ریاستوں کی صورت حال کو زیر بحث نہ لانے کی پابندی لگادی گئی تھی (۷۱)۔ ریاستوں اور برطانوی ہند کے درمیان رابطے کا بس ایک ہی مہذب ذریعہ تھا اور وہ تھا والیان ریاست اور ان کے وزرا اور برطانوی ہند کے لبرل لیڈروں کا ربط و ضبط جن میں

Marfat.com

سپرو نمایاں حیثیت رکھتے تھے (۷۲)۔ یہ رابطہ والیان ریاست کی پالیسی مرتب کرنے میں بڑی حد تک ممد و معاون ثابت ہوا۔ ارون کے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء والے بیان کے چند روز بعد ایک ریاست کے ممتاز وزیر نے سپرو کو مطلع کیا کہ وہ اپنی دانست میں والیان ریاست کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ وہ فرماں روایان ریاست برطانوی ہند کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنیں (۷۳)۔ ایک ممتاز والئی ریاست نے گول میز کانفرنس کے بارے میں ارون کے پروگرام کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:۔

"ہندوستان کو ڈومینین کی حیثیت دینے کی جو مسرت انگیز یقین دہانی کرائی گئی ہے، والیان ریاست اس کے تمام مضمرات سے آگاہ ہیں۔ انہوں نے علی الاعلان اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے مسئلے کا آخری حل وفاق ہے خواہ جب بھی حالات اور وقت اس کے قیام کے لئے ساز گار ہو اور یہ کہ لفظ "وفاق" والیان ریاست اور ریاستوں کی حکومتوں کے لئے کوئی ہوا نہیں ہے" (۷۴)۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ کسی والئی ریاست نے دونوں ہندوستان کے وفاق کی بات کی تھی۔ کم از کم ۱۹۱۸ء کے بعد (۷۵) والیان ریاست کو بھی وفاق کے قیام کی ضرورت اسی طرح محسوس ہوئی جس طرح اور لوگوں کو محسوس ہوئی تھی (۷۶)۔ لیکن بیکانیر کے فرماں روا کا یہ بیان ایک اہم والئی ریاست کی طرف سے کل ہند وفاق کے امکان کے بارے میں غالباً پہلا اعلان عام تھا۔

ارون کے اخباری بیان سے جو ہندوستان کے بارے میں اس کی پالیسی کا نقطہ عروج تھا والیان ریاست میں کھلبلی مچ گئی لیکن اس بیان کے ساتھ ان خطوط کا متن بھی جاری کر دیا گیا جن کا تبادلہ اسی مہینے سائمن اور وزیر اعظم کے درمیان ہوا تھا (۷۷)۔ سائمن نے برطانوی ہند کے مسئلے کا جائزہ پیش کرتے ہوئے ریاستوں کی موجودگی پر غور کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا (۷۸) اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے کمیشن کے دائرہ کار میں توسیع کی سفارش کی تھی (۷۹) نیز اس نے ارون کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ملک معظم کی حکومت برطانوی ہند اور والیان ریاست کے نمائندوں کی الگ کانفرنس

Marfat.com

منعقد کی جائے (۸۰)۔ مجوزہ کانفرنس کا مقصد یہ بتایا گیا کہ پارلیمینٹ کو قطعی تجاویز پیش کرنے سے قبل متعلقہ فریقوں کے درمیان ممکنہ حد تک اتفاق رائے ہوجائے (۸۱)۔ وزیر اعظم نے اپنے جواب میں سائمن کی ان تجویزوں کو تسلیم کرلیا۔ (۸۲) یہ اعلانات اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی ہند کے بارے میں ارون کا رویہ والیان ریاست کے لئے سخت تشویش کا باعث بن گیا۔ اس کے ایک مہینے کے اندر ارون نے سائمن کو لکھا:۔

"والیان ریاست کو اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں آپ ان کی حیثیت اور مسائل کے بارے میں کسی ادعائی موقف کا اظہار نہ کریں کیونکہ ہندوستان میں قیام کے دوران آپ نے اس سلسلے میں کوئی شہادت قلمبند نہیں کی۔ میں نے انہیں یقین دلایا ہے کہ آپ قطعی ایسا نہیں کریں گے۔ تاہم میں نے مناسب سمجھا کہ ان خدشات سے آپ کو بھی آگاہ کردوں" (۸۳)۔

لیکن اگلے مہینے اس نے حیدر آباد دکن میں اپنے کیمپ سے یہ لکھا:۔

"دو راتیں قبل مجھے سرکاری ضیافت میں ایک تقریر کرنی پڑی جس میں میں نے سرعام حقارت آمیز انداز بیاں اختیار کئے بغیر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی اصلاحات مستقل بنیاد پر نافذ کی گئی ہیں اور حکومت برطانیہ کا سارا زور انتظامیہ کو بہتر بنانے پر ہے۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اسے عام طور پر صحیح سمجھا گیا ہے" (۸۴)۔

تقریباً تین ماہ قبل نواب بھوپال کے نام ایک نجی خط میں بھی اس نے یہی کچھ کہا تھا (۸۵)۔ اس سے والیان ریاست پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے لئے برطانوی ہند کے اعتدال پسند رہنماؤں کے ذریعے برطانوی ہند کے ساتھ تصفیے کے لئے سلسلہ جنبانی کرنا اشد ضروری ہے۔ فروری ۱۹۳۰ء میں والیان ریاست کے اجلاس منعقدہ دہلی میں نظام نے جو اس وقت تک ایوان سے لاتعلق رہے تھے اس کے اخراجات کے لئے خاصی رقم فراہم کردی۔ (۸۶)۔ اس اجلاس میں والیان ریاست نے بٹلر کمیٹی کے موقف پر نکتہ چینی کی (۸۷) لیکن برطانوی ہند کے لیڈروں کے بارے میں دوستانہ رویئے کا مظاہر کیا۔ اسی اثنا میں جبکہ یہ

Marfat.com

اجلاس جاری تھا، ارون نے اپنے ایک خط میں لکھا :-

"والیان ریاست نے کل رات غیر رسمی ملاقات کے لئے متعدد سیاست دانوں کو ایک عشائیے میں مدعو کیا تھا۔ لیکن آج صبح کرنل کرافورڈ سے ایک منٹ کی ملاقات میں مجھے یہ پتہ چلا کہ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ قطعی رسمی اور عام نوعیت کی تھی اور میرا خیال ہے کہ اس سے والیان ریاست کا مقصد یہ تھا کہ کوئی عہد و پیمان کئے بغیر سیاست دانوں سے دوستی کا مظاہرہ کریں اور برطانوی ہند کی طرف سے باضابطہ مذاکرات کی کسی دعوت کو مسترد کرنے سے احتراز کریں .... یہ وقت کی تبدیلی کی ایک اہم علامت ہے کہ خو والیان ریاست کی تحریک پر اس قسم کا اجتماع ہوا" (۸۸)۔

تقریباً ایک مہینے بعد ارون نے ایک مرتبہ پھر لکھا :-

"مجھے ابھی تک وثوق کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوا کہ والیان ریاست اور برطانوی ہند کے درمیان حالیہ بات چیت کو کیا اہمیت دی گئی ہے۔ الور کے حکمراں نے مجھے پہلی شام کے بعد یہ بتایا کہ والیان ریاست نے خود بہت کم بات کی، وہ برطانوی ہند کے سیاست دانوں کی سنتے رہے اور انہیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیتے رہے۔ گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ انہوں نے وزیروں اور برطانوی ہند کے نمائندوں پر مشتمل ایک مختصر کمیٹی قائم کی ہے تاکہ سارے معاملے کا مزید جائزہ لیا جائے اور بعد میں ایک وسیع تر کمیٹی کے اجلاس میں رپورٹ پیش کی جائے۔ میرے خیال میں اس کمیٹی کا اجلاس جون میں ہوگا" (۸۹)۔

برطانوی ہند کے جن نمائندوں نے والیان ریاست سے گفتگو کی تھی وہ غالباً ان آزاد خیال دوست تھے (۹۰)۔ کیونکہ کانگریس سول نافرمانی شروع کرنے کا فیصلہ کر تھی۔ اب والیان ریاست نے دوسرے عام امور کو خود بخود پس پشت ڈال دیا اور وائسرا پر زور دیا کہ گول میز کانفرنس جلد منعقد کی جائے مبادا اسی اثنا میں برسراقتدار لیبر حکومت

Marfat.com

شکست ہو جائے اور اس کے نتیجے میں ہندوستان کی سیاسی پیش رفت کے عمل سست پڑ جائے (۹۱)۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ جو مئی و جون ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی وفاق کے اس نصب العین کو تسلیم کر لیا گیا جس کی سفارش مانٹیفورڈ اور بٹلر رپورٹوں میں کی گئی تھی (۹۲)۔ لیکن ان دونوں رپورٹوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے سائمن کمیشن کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وفاق کے ارتقاکی رفتار دھیمی رکھنی چاہئے۔ اس میں وفاق کو مصنوعی طور سے والیان ریاست پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کے خلاف خبردار کیا گیا تھا (۹۳)۔ تاہم اس سوال پر اب تک جو موقف اختیار کیا گیا تھا اس سے سائمن کمیشن کی رپورٹ میں ایک قدم آگے بڑھایا گیا اور یہ سفارش کی گئی کہ کل ہند وفاق کے قیام کی ابتدا کرتے ہوئے ایک مجلس عظیم تر ہند قائم کی جائے (۹۴)۔ کمیشن کی اس تجویز کے نتیجے میں والیان ریاست کی توجہ فوراً وفاق کے پروگرام پر مرکوز ہو گئی۔ وہ لندن کانفرنس کے انعقاد سے قبل کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔ بعد میں ۸ جنوری ۱۹۳۱ء کو حیدر آبادی وفد کے سربراہ نے وفاق کے ڈھانچے سے متعلق کانفرنس کی مقرر کردہ کمیٹی کے اجلاس میں کہا:۔

> "ہم جب انگلستان روانہ ہوئے تو اس سوال پر غور کرنے کے لئے ہر طرح تیار تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مجلس عظیم تر ہند کا جو تصور سائمن کمیشن نے پیش کیا تھا وہ ہمارے خیالات پر اثر انداز ہوا تھا۔ ہم تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتے، اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ اقدام ہندوستان کے عام مفاد میں ہے۔ اس کے علاوہ ابتداً وفاقی حکومت کے بارے میں ہمارا تصور بڑی حد تک "مجلس عظیم تر ہند" کی تجویز پر مبنی تھا الا اس کے کہ مجوزہ مجلس محض ایک مشاورتی ادارہ نہیں بلکہ با اختیار ادارہ ہوگی اور اس تیس رکنی کونسل سے وسیع تر ہوگی جس کا ذکر متذکرہ رپورٹ میں کیا گیا ہے" (۹۵)۔

والیان ریاست اور ان کے وزرا اور اروِن نے ان کے جن دوستوں کے بارے میں وتیج وڈ بین کو اپریل ۱۹۳۰ء میں لکھا تھا (۹۶) ان کا اجلاس شملہ میں اگلی جولائی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں نظام اور ان کے وزیروں کی تحریک پر والیانِ ریاست نے خفیہ طور پر

Marfat.com

وفاق کا ایک ابتدائی منصوبہ طے کیا۔ اس کا اعلان کانفرنس میں کیا جانے والا تھا بشرطیکہ لندن میں صورت حال سازگار ہو۔ لیکن شملے میں انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اپنا ارادہ ظاہر کرنے یا فوری طور پر کوئی عہد کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ نظام اور ان کے شملہ اجلاس میں شرکت کرنے والے وزرا کے درمیان ریاست حیدر آباد کے ریزیڈنٹ کی وساطت سے حسب ذیل تاروں کا تبادلہ ہوا:-

"ہزایکزالٹڈ ہائی نس بعض ایسے تحفظات کے تحت کل ہند وفاق میں شمولیت کے لئے تیار ہیں جن میں یہ شرط رکھی گئی ہو کہ اگر وفاق ایسا لائحہ عمل اختیار کرے جو عظیم تر ہندوستان کے مفادات کے منافی ہو تو انہیں وفاق سے علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہو گا۔ ہزایکز الٹڈ ہائی نس سمجھتے ہیں کہ یہ وقت پرانی شکایات کو تازہ کرنے اور مستقبل میں تاج کے ایجنٹوں کے ساتھ ریاستوں کے تعلقات کو متعین کرنے کی کوششوں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ان تعلقات کا تعین گول میز کانفرنس کے انعقاد کے بعد لندن میں ہو گا" (۹۷)۔

"وہ (والیان ریاست اور شملہ اجلاس میں شریک وزرا) یہ محسوس کرتے ہیں کہ کل ہند وفاق غالباً ہندوستان کے مسئلے کا سب سے تسلی بخش حل ثابت ہو گا۔ والیان ریاست یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ "مجلس عظیم تر ہند" کی پیش کش کو بلاتامل قبول کر لینا چاہئے تاکہ برطانوی ہند میں نئے آئین کے نفاذ اور کل ہند وفاق کے قیام کے درمیان خلیج کو پر کیا جاسکے۔ جہاں تک ہم معلوم کرسکے ہیں میسور سمیت تمام ریاستیں فی الحال وفاق میں شمولیت کے سلسلے میں کوئی عہد کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ شملہ اجلاس میں شریک برطانوی ہند کے ذمہ دار لیڈروں کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد ہمیں اس بات کا بھی یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے رویئے سے برطانوی ہند کے ساتھ اب یا مستقبل میں حیدر آباد کے تعلقات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یا وفاق میں حیدر آباد کی شمولیت کی راہ میں مشکلات

Marfat.com

حائل نہیں ہونے پائیں گی۔ ان حالات میں کوئی اعلان کرنا حیدر آباد کے لئے سخت نقصان کا باعث ہوگا (۹۸)۔

اگلے مہینے دو ممتاز وزیروں نے ''فیڈرل انڈیا'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کر کے اسے گول میز کانفرنس کے انعقاد سے قبل لندن میں شائع کرایا۔ انہوں نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا:۔

''اب تک ہندوستان کے مسائل کے وفاقی حل پر برطانوی ہند کی سیاسی تنظیم کے حوالے سے غور کیا جاتا رہا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے جس مسئلے کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے وہ قطعی مختلف ہے۔ یہ مسئلہ برطانوی ہند کی حکومت کے ساتھ ہندوستان کی خود مختار ریاستوں کے مربوط اتحاد کا ہے۔ ہم نے اس میں قریبی تعاون کی شرائط کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس مسئلے پر غور کیا ہے جو عظیم تر ہندوستان کے وجود میں آنے کی صورت میں برطانوی ہند اور ریاستوں کو پیش آسکتا ہے۔ سرجان سائمن اور وزیر اعظم کے درمیان خط و کتابت اور وائسرائے کے تاریخی اعلان سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ گول میز کانفرنس کا ایک مقصد اسی پیچیدہ مسئلے کا جائزہ لینا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ مطالعہ جو اگرچہ نامکمل ہے اس جائزے میں کسی حد تک ممد و معاون ثابت ہوگا'' (۹۹)۔

اسی مہینے جبکہ یہ کتاب لکھی گئی بیکانیر کے فرماں روا اپنے برطانوی ہند کے رفقا (۱۰۰) کے ہمراہ جنیوا میں منعقد ہونے والے مجلس اقوام کے اجلاسوں اور لندن کی امپیریل کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے نومبر ۱۹۳۰ء میں ہندوستان سے متعلق کانفرنس میں شرکت کی (۱۰۱)۔ والیان ریاست میں دو دیگر مندوبین نے ہندوستان سے روانہ ہونے سے قبل ارون کو حسب ذیل خط لکھے:۔

I ''جناب والا سے درخواست ہے کہ براہ کرم ملک معظم کی حکومت کو میرا یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت پر میں اس کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ خود کو اس اعزاز کا مستحق ثابت

Marfat.com

کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے مسئلے کے اطمینان بخش اور متفقہ تصفیے کی کوششوں کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کروں گا تاکہ کل ہند اتحاد کی طرف پیش رفت یقینی ہو جو آپ کا اور ملک معظم کی حکومت کا مقصد رہا ہے" (۱۰۲)۔

11 "اگر کانفرنس ہندوستان کو امن و امان اور خوشحالی سے ہمکنار کرنے میں کامیاب ہوجائے اور اگر میری حقیر خدمات مادر وطن اور سلطنت کے کام آسکیں تو وہ وقت میری زندگی کا عظیم لمحہ ہو گا۔ برطانوی تدبر، وسیع النظری اور حب آزادی پر بھروسہ کرتے ہوئے میں دل میں پوری امید لئے روانہ ہورہا ہوں" (۱۰۳)۔

تاہم ان مراسلات میں ارون کو والیان ریاست کی طرف سے اس قدر جلد وفاق ہند کی حمایت کے اعلان کا امکان نظر نہیں آیا۔ خود اس کی نظر میں مسئلہ ہندوستان کا حل کل ہند وفاق کا قیام تھا۔ یہ رائے اس نے ۱۹۲۷ء میں ریاستی کمیٹی کے قیام کی سفارش کرتے وقت قائم کی تھی (۱۰۴) لیکن اسے یہ سمجھ کر مسترد کر دیا تھا کہ اس سے نہ صرف والیان ریاست بلکہ برطانوی ہند کے بعض سیاسی حلقوں میں سخت تشویش پیدا ہوجائے گی۔ (۱۰۵) اس کی تمام تر توجہ برطانوی ہند کی سیاست پر مرکوز رہی لہٰذا وہ اس امر سے بے خبر رہا کہ والیان ریاست کن خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ اس کے نزدیک کانگریسیوں کا موقف یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کافی تھا کہ وفاق کا قیام مستقبل بعید کی بات ہے۔ اس نے جنوری ۱۹۲۹ء میں اپنے ایک خط میں لکھا:-

"میں ہندوستان آنے کے بعد سے والیان ریاست کو یہ ترغیب دیتا رہا کہ وہ ریاستوں اور برطانوی ہند کے درمیان قریبی تعلقات کے بتدریج نشوونما کے امکانات کے لئے اپنے ذہن کو کھلا رکھیں۔ بیشتر بڑی ریاستوں کے حکمرانوں نے مختلف اوقات میں خود برطانوی ہند کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کے وفاق پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ (برطانوی ہند میں) جو کچھ ہوتا رہا ہے اس کے نتیجے میں برطانوی ہند اور ریاستوں کے

Marfat.com

درمیان خلیج روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے" (۱۰۶)۔

اس کے بعد سے کانگریس کے کیمپ میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر ۱۹۳۰ء میں مراسلہ ہند سپرد قلم کرتے وقت ارون کو اپنی رائے بدلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ لیکن گول میز کانفرنس کے انعقاد سے کچھ عرصہ پہلے زمین کافی ہموار ہوگئی۔ انگلستان جاتے ہوئے حیدر آبادی وفد کے سربراہ نے دوسرے مندوبین کو اپنی اسکیم سے آگاہ کیا جس میں تاج اور عظیم تر ہندوستان کے وفاقی ادارے کے درمیان اختیارات اور ذمہ داریوں کی تقسیم کا ایک واضح تصور پیش کیا گیا تھا اور عظیم تر ہند کے لئے ایک وفاقی ادارے کے قیام اور صوبوں اور ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینے کی گنجائش رکھی گئی تھی (۱۰۷)۔ اس اسکیم میں تجویز کیا گیا تھا کہ وفاقی اسمبلی کے نام سے ایک مختصر اور اشرافی مجلس، قائم کی جائے جو بہتر ارکان پر مشتمل ہو۔ ان میں سے چھتیس ارکان صوبوں سے اور چوبیس ریاستوں سے لئے جائیں اور بارہ تاج کے نمائندے ہوں (۱۰۸)۔ یہ اسکیم مرتب کرنے والے مندوب کا دعویٰ تھا کہ اسے انگلو یورپین مندوبین اور گوالیار، میسور، بھوپال اور بڑودہ کے نمائندوں کی حمایت حاصل ہے جو جہاز پر اس کے ہم سفر تھے (۱۰۹)۔ کانفرنس شروع ہونے سے چند روز قبل (۱۱۰) میسور کے نمائندے نے حسب ذیل تجویز پیش کی :۔

> "مسئلے پر خالصتاً ریاستوں کے نقطہ نظر سے غور کرتے ہوئے مجھے ایک ایسے مکمل وفاقی آئین پر قطعی کوئی اعتراض نہیں جس میں ایک وفاقی مقننہ اور اس کے سامنے جوابدہ ایک مجلس عاملہ کی گنجائش رکھی گئی ہو جو برطانوی ہند اور ریاستوں سے متعلق مشترکہ امور کا انصرام کرے اور ساتھ ہی صوبوں کو وفاقی امور میں مکمل خود مختاری حاصل ہو" (۱۱۱)۔

کانفرنس شروع ہونے سے قبل چند ہفتوں کے دوران ارون کو ہندوستانی مندبین کی نجی ملاقاتوں کے بارے میں کئی رپورٹیں موصول ہوئیں جن میں برطانوی ہند کی طرف سے سپرو نے اور والیان ریاست کی طرف سے مہاراجہ بیکانیر نے نمایاں حصہ ادا کیا (۱۱۲)۔ سپرو کانفرنس میں شرکت کرنے والے ان چند مندوبین میں سے ایک تھے جنھوں نے برطانوی کنزرویٹو اور لبرل پارٹیوں کے موقف کا حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ تجزیہ کیا۔ انہیں صرف

Marfat.com

والیان ریاست کے اشتراک ہی میں ہندوستان کے لئے مستعمرہ کے مرتبے کے حصول اور مرکز میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا امکان نظر آیا۔ وفاق کی تجویز منظر عام پر آنے سے دو دن قبل انہوں نے اپنے ایک مکتوب الیہ کو لکھا:۔

"میں یہ بات آپ کے علم مین لانا چاہتا ہوں کہ کانفرنس میں شریک مندوبین کی ایک بڑی تعداد وفاق کے حق میں ہے۔ وفاق کا سوال اٹھا کر ہم نے مرکز میں ذمہ داری کے حصول کے سوال کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس ہم نے اسے سب سے نمایاں حیثیت دی ہے۔ میرے خیال میں انگریز مرکز میں ذمہ داری کے تصور کے ساتھ وفاق کے قیام کی تجویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس کا بڑا سبب والیان ریاست کا اشتراک ہے۔ والیان ریاست نے اپنا کردار بخوبی ادا کیا ہے۔ آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم نے مرکز میں ذمہ داری کا سوال بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ اٹھایا ہے، کیونکہ مرکز کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی فریق یعنی والیان ریاست اور ہم آئین کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ مرکز میں ذمہ داری کے حامل وفاقی آئین کی بدولت بری فوج اور خارجہ پالیسی سے متعلق تحفظات کی شرط کے ساتھ ہمیں فوراً مستعمرہ کی حیثیت مل جائے گی" (۱۱۳)۔

وفاقی ڈھانچے سے متعلق کانفرنس کی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"ہم میں جو لوگ ہندوستان سے یہاں آئے ہیں وہ اس عزم کے ساتھ آئے ہیں کہ مرکز میں ذمہ داری حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اب صورت یہ ہے کہ ہمیں یہ ذمہ داری حاصل ہونے والی ہے۔ ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت ہم میں سے کئی افراد نے غالباً کل ہند وفاق کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً اس کی طرف اشارے ضرور کئے گئے تھے لیکن وفاق کی تجویز نے کوئی ٹھوس شکل اختیار

Marfat.com

نہیں کی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس تجویز نے ٹھوس شکل اختیار کر لی ہے" (۱۱۴)۔

مزید بر آں غالباً وہ صرف سپرو ہی تھے۔ (۱۱۵) جو والیان ریاست کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوئے کہ وفاق ہند میں ان کے موجودہ حقوق و مراعات جوں کے توں برقرار رہیں گے۔ کانفرنس میں شریک والیان ریاست اور ان کے وزراء کا اس پیش کش کو قبول کرنا ایک قدرتی بات تھی جو خود پہلے ہی اس تجویز کی سمت کافی حد تک آگے بڑھ چکے تھے۔ لہٰذا بعد میں کانفرنس کے آغاز کے دن ۱۷ار نومبر ۱۹۳۰ء (۱۱۶) کو سپرو نے تقریر کرتے ہوئے والیان ریاست سے شرکت کی اپیل کی اور اس تقریر کے بعد مہاراجہ بیکانیر کے خطاب (۱۱۷) میں وفاق کے نصب العین کی پیش کش کو قبول کرنے کا اعلان محض رسمی باتیں تھیں۔ اس نئی تجویز کا اعلان ہوتے ہی اسے قبول عام حاصل ہو گیا کیونکہ یہ کانفرنس میں شریک تمام عناصر کے مفادات سے ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ برطانوی مندوبین کو ایسی صورت حال سے بچاؤ کا موقعہ میسر آگیا جس میں انہیں ہندوستان کو مستعمرہ کا مرتبہ دینے کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑتا۔ اس کی بدولت برطانوی ہند کے نمائندوں کو مرکز میں ذمہ داری کے حصول کا موقعہ ہاتھ آرہا تھا اور والیان ریاست کو ایک طرف سخت گیر برطانوی بالادستی سے نجات کی راہ نظر آرہی تھی تو دوسری طرف ہندوستانی قوم پرستی کے دباؤ سے مفر کی صورت بھی میسر آرہی تھی۔

جب مختلف عناصر اس نقطہ اتفاق پر پہنچ گئے تو کانفرنس کئی کمیٹیوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان میں ایک وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی بھی تھی۔ اس کمیٹی کا صدر لارڈ سینکی تھا (۱۱۸) اور ارکان میں چیدہ چیدہ مندوبین شامل تھے۔ (۱۱۹) کانفرنس کا اصل کام (۱۲۰) اسی کمیٹی کے سپرد تھا۔ یہ کمیٹی کانفرنس کے دونوں اجلاسوں کی پوری مدت (نومبر ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۱ء) تک موجود رہی اور دوسری کمیٹیوں کے مقابلے میں اس کے اجلاس بھی زیادہ طویل تھے (۱۲۱)۔

اس کمیٹی کے موضوعات بحث حسب ذیل تھے:۔

(۱) وفاق کے اجزائے ترکیبی۔

Marfat.com

(۲) وفاقی مقننہ کی قسم اور اس کے ایوانوں کی تعداد

(۳) وفاقی مقننہ کے اختیارات

(۴) وفاقی مقننہ کے ارکان کی تعداد اور اگر وہ ایک سے زائد ایوانوں پر مشتمل ہو ہر ایوان کے ارکان کی تعداد۔ نیز وفاق میں شامل ہونے والی اکائیوں میں ارکان کی تقسیم

(۵) برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں سے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ۔

(۶) وفاقی عاملہ کی ترکیب، خصوصیت، اختیارات او ذمہ داریاں (۱۲۲)

ان موضوعات کے تجزیئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان بنیادوں پر آئین کی ترتیب سے لندن میں موجود مختلف مندوبین کے علاوہ برطانیہ اور ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں متعدد تنازعات پیدا ہوجاتے۔ دوسرے اس سے ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ وفاق کی تجویز کے محرکین نے اپنی توجہ صرف وفاق کے عام نوعیت کے سیاسی نتائج پر مرکوز رکھی تھی اور وفاق آئین کے متضمنات اور تفصیلات پر غور نہیں کیا تھا۔ جب وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی نے اپنی کاروائی شروع کی تو اسے اپنے کام میں زبردست رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان رکاوٹوں میں ایک تو فرقہ وارانہ مسئلہ تھا (۱۲۳) اور دوسرے برطانوی مندوبین خاص کر کنزرویٹو پارٹی کے ارکان کا محتاط رویہ (۱۲۴)۔ جہاں تک ریاستوں کے وفد کا تعلق ہے۔ اس نے مجوزہ وفاق کے ساتھ ریاستوں کے تعلق کی نوعیت اور وفاق کے ساتھ ان کے الحاق کے وقت اور طریقہ کار جیسے انتہائی اہم نکات پر بھی بے لچک اور غیر پابند موقف اختیار کرر کھا تھا۔ ظاہر ہے کہ والیان ریاست نے وفاق کو صرف ایک نصب العین کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یا بعد کی کسی تاریخ کو وفاق میں شمولیت کا کوئی عہد نہیں کیا۔ اس وفد کا موقف مہاراجہ بیکانیر کی اس تقریر سے واضح ہوگیا جو انہوں نے سپرو کی اپیل قبول کرتے ہوئے کی تھی :۔

"میری دانست میں ایک ایسی وحدانی حکومت کا قیام ناممکن ہے جس کی مقتدر اعلیٰ پارلیمینٹ کے اجلاس دلی میں ہوتے ہوں اور سارے ہندوستان کے لوگ نہ صرف بڑے مسائل کے حل بلکہ چھوٹے چھوٹے

Marfat.com

معاملات میں بھی اس کے دست نگر ہوں۔ اس قسم کے آئین میں ہندوستانی ریاستوں کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ من حیث الکل ہندوستان کی خوشحالی اور آسودگی میں ہم ریاستی لوگ اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں اور مجھے یقین ہے ہم اس میں اپنا حصہ ایسے وفاقی نظام حکومت میں بوجوہ احسن ادا کرسکتے ہیں جو برطانوی ہند اور ریاستوں پر مشتمل ہو۔ رہا یہ سوال کہ آیا ہندوستان کے لئے وفاقی طرز حکومت وضع کئے جانے کی صورت میں والیان ریاست اس میں شامل ہوں گے یا نہیں تو اس کے قطعی جواب کا انحصار اس حکومت کے مجوزہ ڈھانچے اور دوسرے متعلقہ نکات پر ہوگا۔ وفاقی حکومت کی مکمل تشکیل سے قبل ایک عبوری دور بھی لازماً آئے گا اور وفاق کسی بھی شکل میں ریاستوں کے جبری الحاق سے قائم نہیں ہوسکے گا۔ ہندوستانی ریاستوں کے والی اپنی مرضی سے اور ایسی شرائط پر وفاق میں شامل ہوں گے جو ان کی ریاستوں اور رعایا کے تحفظ کی ضامن ہوں" (۱۲۵)۔

والیان ریاست اور ان کے وزیر وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس کے آغاز ہی سے وقتاً فوقتاً اس موقف کا اعادہ کرتے رہے (۱۲۶)۔ جب انہوں نے صورت حال کا ازسرنو جائزہ لیا تو وفاق کے نئے نصب العین کے لئے ان کا جوش سرد پڑنے لگا۔ کانفرنس کے دوران ممتاز والیان ریاست مہاراجہ پٹیالہ (۱۲۷) اور مہاراجہ بیکانیر کے درمیان سماجی تقریبات میں نیز سرکاری کام کے سلسلے میں (۱۲۸) تقدم کے سوال پر اختلاف کامل اتفاق رائے کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ برطانوی ہند سے تعلق رکھنے والے بعض مندوبین آزاد خیال ہندوستانی لیڈروں اور والیان ریاست کے درمیان خفیہ مذاکرات اور وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی (۱۲۹) کی وجہ سے منحرف ہوگئے۔ ایک آزاد خیال لیڈر نے اس دعویٰ کو بھی چیلنج کیا کہ تاج کے ساتھ ہندوستانی ریاستوں کا تعلق بلا واسطہ ہے (۱۳۰)۔ ایک اور تجویز یہ پیش کی گئی کہ بالادستی کے اصول کا وہ جز مرکز میں قائم ہونے والی ذمہ دار حکومت کو منتقل کیا جائے جس کی رو سے شدید بدنظمی کی

Marfat.com

صورت میں ریاستوں میں مداخلت کی جاسکتی ہے۔ (۱۳۱) اس تجویز سے والیان ریاست پریشان ہوگئے ہوں گے اور انہیں مجوزہ وفاقی نظام میں اپنی ریاستوں کے تحفظ کے بارے میں شکوک پیدا ہوگئے ہوں گے۔ چنانچہ کانفرنس کے دوران ارون کو لندن سے موصول ہونے والے تقریباً ہر مراسلے میں والیان ریاست کے غیر مستحکم موقف اور ان میں باہمی چپقلش کی خبریں درج تھیں (۱۳۲)۔ وہ بالادستی کے مسئلے کے باعث وفاق کے بارے میں اپنے ابتدائی موقف سے ہٹ گئے اور طاقت بالادست کے خلاف اپنے دعاوی کے تصفیے کے لئے وزیر اعظم اور وزیر ہند سے رجوع کیا حالانکہ (۱۳۳) ہندوستان سے روانہ ہونے سے قبل انہوں نے ارون سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لندن میں یہ سوال نہیں اٹھائیں گے (۱۳۴)۔ ان واقعات سے سپرو کو تشویش پیدا ہوگئی۔ اب اسے یوں نظر آتا تھا کہ اس کے لبرل رفقا کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہندوستان کے لئے بالواسطہ مستعمرہ کی حیثیت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً ہندوستان کی نیشنل لبریشن فیڈریشن کی رکنیت سے بطور احتجاج استعفیٰ دے دیا (۱۳۵) اور والیان ریاست کو لندن میں اپنے موقف سے روگردانی سے روکنے کے لئے بھرپور کوششیں شروع کردیں۔ اس نے ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء کو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اختتامی اجلاس میں اپنی طویل تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ وفاق کی اساس مساوات ہے اور بالادستی کا معاملہ بنیادی طور پر تاج اور والیان ریاست کا مسئلہ ہے۔ (۱۳۶) لیکن برطانوی ہند کے کیمپ میں سپرو کا کوئی بھی ہمنوا نہیں تھا۔ مندوبین کے ہندوستان واپس پہنچنے پر، دی لیڈر، کے مدیر سی۔ وائی۔ چنتامنی نے برطانوی ہند کی جمہوریت کے ساتھ والیان ریاست کی مطلق العنانی کے اتحاد کے خلاف مذمت کی مہم شروع کردی (۱۳۷)۔ ارون کے ساتھ مصالحت کے بعد گاندھی نے کانگریس کی طرف سے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سارے ہندوستان کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے اور والیان ریاست پر زور دیا کہ وہ اپنی انتظامیہ کی اصلاح کریں (۱۳۸)۔ اب سپرو نے بھی اس "پر زور مطالبے" کو سراہا (۱۳۹)۔ ادھر والیان ریاست میں مہاراجہ پٹیالہ نے جو ایوان والیان ریاست کے چانسلر کے عہدے سے سبکدوش ہوگیا تھا اور جس کی جگہ نواب بھوپال نے سنبھال لی تھی سرعام وفاقی نصب العین کی مخالفت شروع کردی۔ اس

Marfat.com

نے جون ۱۹۳۱ء میں جاری ہونے والے ایک منشور میں یہ موقف اختیار کیا کہ کل ہند وفاق کی تجویز سے ہندوستانی ریاستوں کے وجود کو سنگین خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ اس نے ریاستوں کے ایک ایسے جداگانہ اتحاد کی تجویز پیش کی جو براہ راست تاج سے وابستہ ہو (۱۴۰)۔ وفاق کے حامی رؤسا کا موقف بھی کچھ حوصلہ افزا نہ تھا۔ مارچ ۱۹۳۱ء میں ارون نے بذات خود مداخلت کرکے ایوان والیان ریاست کو لندن میں اپنے نمائندوں کے کردار سے دستبردار ہونے سے باز رکھا۔ ایوان کی کاروائی کا ایک چشم دید گواہ لکھتا ہے:۔

معلوم نہیں آپ کو اس کی خبر ہے یا نہیں کہ ایوان والیان ریاست کے آخری اجلاس میں اس تحریک کی تجویز پیش کی گئی کہ ایوان کے ارکان کو وفاق میں شمولیت کے لئے لندن میں اپنے نمائندوں کی تائید کرنی چاہئے۔ صرف بارہ ارکان اس تجویز کی حمایت پر آمادہ تھے۔ اگر ارون یہ خبر سن کر ان سے درخواست نہ کرتا کہ متذکرہ تحریک پیش کرنے سے احتراز کیا جائے تو اسے شد و مد کے ساتھ مسترد کردیا جاتا (۱۴۱)"

اپریل ۱۹۳۱ء میں ارون کے ہندوستان سے رخصت ہونے اور اس کے چار ماہ بعد برطانیہ میں حکومت کی تبدیلی کے بعد حکومت ہند کے حکام کے مزاج میں تغیر رونما ہونے لگا (۱۴۲)۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ وفاق کی اسکیم کے خلاف سرگرم عمل ہیں کیونکہ یہ اسکیم ان سے بلند تر سطح پر معرض وجود میں آئی تھی (۱۴۳)۔ شوسٹر (۱۴۴) کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ وفاق ریاستوں اور برطانوی ہند کے درمیان مالیاتی تطبیق سے پیدا ہونے والی مشکلات برداشت نہیں کرپائے گا اور اس کا تاروپود بکھر جائے گا۔ (۱۴۵) وہ نواب بھوپال کو یہ باور کرانے کا بھی ارادہ رکھتا تھا کہ وفاق کا تصور انتہائی احمقانہ ہے (۱۴۶)۔ گول میز کانفرنس کا اجلاس دوبارہ شروع ہونے سے قبل ریاستوں کے حکمرانوں کے مطالبات میں کچھ اور شدت پیدا ہوگئی۔ نظام کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے انصرام کا منصب تاج کے نمائندے کی حیثیت سے براہ راست وائسرائے کو ادا کرنا چاہئے اور اسے معاہدات پر عملدر آمد کے ٹھوس اور موثر اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ نظام کے مطالبے کے مطابق وائسرائے کا یہ منصب وفاقی

Marfat.com

حکومت سے مستقل طور پر علیحدہ ہونا چاہئے ریاستوں کو ان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی ضمانت ملنی چاہئے اور برار کی واپسی سے متعلق خود ان کا دعویٰ تسلیم کیا جانا چاہئے (۱۴۷)۔ نواب بھوپال نے کہا کہ جب تک بالادستی اور رسمی اعزازات کے دو مسئلوں کا تسلی بخش تصفیہ نہیں ہوگا وفاق کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا والیان ریاست کے لئے انتہائی مشکل ہوگا خواہ وفاقی اسکیم فی نفسہہ اطمینان بخش ہی کیوں نہ ہو (۱۴۸)۔ گول میز کانفرنس دوبارہ شروع ہوئی تو مہاراجہ بیکانیر نے مطالبہ پیش کیا کہ ریاستوں پر محصول عائد کرنے کے سلسلے میں وفاق کے اختیارات پر قدغن لگائی جائے (۱۴۹)۔ مہاراجہ پٹیالہ نے کانفرنس کے کسی مزید اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ لیکن کانفرنس میں اس کے حامیوں نے بالادستی کے سوال کو غیر اہم قرار دیا اور انہیں ریاستوں کی بقاء صرف ان کے اتحاد یا کنفیڈریشن میں نظر آئی (۱۵۰)۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وفاق کے لئے والیان ریاست کی حمایت کم ہوتی گئی۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں لندن میں جو موقف اختیار کیا تھا اس سے آگے نہیں بڑھے۔ انہوں نے وفاق کی تاسیس میں کوئی تعاون نہیں کیا جبکہ وفاق کی تجویز پیش کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ برطانوی ہند کے نمائندوں کے درمیان فرقہ وارانہ اختلاف کی بدولت انہیں کانفرنس کے دوران میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا جواز مل گیا (۱۵۱) بعد میں ایوان میں والیان ریاست کے وہ محدود اختیارات بھی ختم ہوگئے جو اسے بہ حیثیت مجموعی ریاستی نظام کی بابت حاصل تھے اور ہر والئی ریاست اپنی سہولت اور صوابدید کے مطابق وفاق کے سوال پر غور کرنے لگا۔ پھر ان کے ساتھ برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دانوں (۱۵۲) کی سازباز کی وجہ سے وفاق کے قیام کے امکانات اور بھی تاریک ہوگئے۔ ۱۹۳۵ء کا قانون وضع ہونے تک سر سیموئیل ہور (۱۵۳)، لارڈ ولنگڈن (۱۵۴) اور ہندوستان کے لبرل لیڈروں میں سے کسی کی بھی کوششیں والیان ریاست کو وفاق کی طرف لانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ ۱۹۳۲ء کے اختتام تک سپرو پر جو وفاق کا تصور پیش کرنے والے زعما کی صف اول میں تھے یہ بات روشن ہوگئی کہ مستعمرہ کے مرتبے کے حصول اور مرکز میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے لئے ہندوستانیوں کے عزم کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اس نے جو حربہ استعمال کیا تھا وہی اس عزم کو خاک میں ملانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے (۱۵۵)۔

Marfat.com

کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں اس نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ برطانوی ہند کو اصلاحات کے مقاصد کے لئے ریاستوں کے تابع تصور کیا جارہا ہے (۱۵۶)۔ اس نے مطالبہ کیا کہ وفاق کے افتتاح اور اس میں شمولیت کے لئے والیان ریاست کے باضابطہ اعلان کی تاریخیں مقرر کی جائیں اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ اگر والیان ریاست مقررہ تاریخ تک کوئی فیصلہ نہ کرسکیں تو ان کی شرکت کے بغیر برطانوی ہند کا وفاق اپنا کام شروع کردے (۱۵۷)۔ لیکن یہ رائے قائم کرنے میں سپرو کو کچھ وقت لگا۔ کانفرنس کے پہلے ہی اجلاس میں جبکہ وفاق کی تجویز پیش کی گئی جناح نے وفاق کے معرض وجود میں آنے کے بارے میں اپنے شبہات (۱۵۸) کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ وفاق کا قیام کا انتظار کئے بغیر مرکز کو ذمہ داری سونپ دی جائے (۱۵۹)۔

وفاق ہند کے تصور کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی حکومت کی اصلاح کی جائے اور دونوں ہندوستانوں کو انکی مرضی سے مربوط کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔ وفاق کی تجویز جو سب سے پہلے والیان ریاست اور ہندوستان کے لبرل زعماء نے پیش کی تھی کہ انگریزوں کی سہولت کے مطابق تھی لہٰذا انہوں نے اس تجویز پر کانفرنس میں غور کیا اور اسے اصلاحات کی بنیاد قرار دیا۔ لیکن اصلاحات کی تجاویز کو ٹھوس شکل اختیار کرنے میں طویل عرصہ لگ گیا جس کی وجہ سے ۱۹۳۵ء کا قانون وضع ہونے تک وفاق کی تجویز کے محرکین کے موقف میں زبردست تبدیلی آگئی۔ وفاق کی تفصیلات جن خطوط پر مرتب کی گئیں ان کا خیرمقدم نہ تو والیان ریاست نے کیا اور نہ برطانوی ہند کے لیڈروں نے وفاقی آئین ہندوستانیوں کے دونوں گروہوں کو بتائے بغیر اور برطانیہ کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قلم بند کیا گیا۔ اس طرح متذکرہ قانون میں جس وفاق کی گنجائش رکھی گئی اس میں رضامندی کے اس عنصر کا فقدان تھا جس کی کوکھ سے ۱۹۳۰ء میں وفاق کے تصور نے جنم لیا تھا۔

لیکن یہ تصور ہندوستان کی سیاسی گتھی کو سلجھانے کی کوششوں میں کسی حد تک ممد و معاون ضرور ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ایک تو کانفرنس میں ہندوستانی اور برطانوی مندوبین کے درمیان تصادم کا سدباب ہوگیا اور آئینی مذاکرات کو جاری رکھنے میں مدد ملی۔ دوسرے یہ کہ وفاق کے نصب العین کو جو اس وقت تک سب کے نزدیک مستقبل بعید کی بات تھی عملی

Marfat.com

سیاست کے دائرے میں لانے میں مدد ملی۔ اس کے علاوہ اس نئی تجویز کی بدولت مرکز میں ذمہ داری کے اصول جس کے لئے برطانوی لیڈوں کی حمایت کا بہت کم امکان تھا کانفرنس کے پہلے ہی اجلاس میں تسلیم کرلیا گیا۔ اس اصول کو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی رپورٹ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء (۱۶۰) میں شامل کیا گیا اور چھ دن بعد گول میز کانفرنس کے اختتام سے قبل وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں مرکز میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا اعلان کردیا (۱۶۱)۔ اگرچہ برطانیہ کے ہٹ دھرم زعماء ذمہ داری کی منظوری کو روکنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔

حوالہ جات :

(۱) ملاحظہ ہو مرکزی قانون اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۸ فروری ۱۹۲۴ء میں ہیلے کی تقریر۔ م۔ م۔ ق، جلد چہارم، نمبر ۵، صفحہ۔ ۳۵۷

(۲) ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل دستاویزات :۔

(ا) سی ڈی ۹۱۰۹ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق رپورٹ، پیراگراف ۱۲۰

(ب) سر فریڈرک وہائٹ، انڈیا: اے فیڈریشن INDIA: A FEDERATION (مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۵) صفحات ۳۱۳ تا ۳۱۵

(ج) کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (نہرو رپورٹ) (الہ آباد اگست ۱۹۲۸) صفحات ۸۲ تا ۸۵

(د) سی ایم ڈی ۳۳۰۲ پیراگراف ۷۷ تا ۷۸

(ہ) سی ایم ڈی ۳۵۶۹ پیراگراف ۱۳ تا ۲۱ اور ۲۲۷ تا ۲۳۳

(و) سی ایم ڈی ۳۷۰۰ پیراگراف ۱۶

(۳) ملاحظہ ہوں حاشیہ ماسبق مندرجہ حوالہ جات

(۴) سی ایم ڈی ۳۳۰۲ پیراگراف۔ ۶۴ تا ۶۵

(۵) ایضاً ۳۵۶۹ پیراگراف۔ ۲۲۸ تا ۲۳۴

(۶) ایضاً ۳۷۰۰ پیراگراف۔ ۱۶

(۷) بٹلر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں طاقت بالادست کی تعریف یہ کی تھی "اس سے مراد تاج برطانیہ ہے جو وزیر ہند اور گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی وساطت سے اپنا منصب ادا کرتا ہے اور یہ دونوں برطانیہ عظمیٰ کی پارلیمنٹ کے آگے جوابدہ ہیں۔" سی ایم ڈی ۳۳۰۲

Marfat.com

پیرا۔ ۱۸

(۸) سی ایم ڈی ۳۳۰۲ پیراگراف ۴۸ تا ۴۹

(۹) مثال کے طور پر ۲۳ ستمبر ۱۹۲۲ کو وائسرائے کی عاملہ کے رکن برائے امور داخلہ سر ولیم ونسنٹ نے قانون ساز اسمبلی میں ریاستوں سے متعلق بدخواہی کے خلاف تحفظ کا مسودہ قانون پیش کیا۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس مسودہ قانون کا مقصد یہ تھا کہ کتابوں، اخبارات اور دیگر دستاویزات کے ذریعہ ایسے مواد کی اشاعت کو روکا جائے جس سے والیان ریاست یا فرمادایان ریاست یا ریاستوں میں قائم شدہ حکومتوں یا انتظامیہ کے خلاف نفرت پھیلانا یا بدخواہی کو ہوا دینا مقصود ہو۔ اسمبلی نے اس مسودہ کو مسترد کر دیا۔ ملاحظہ ہو م۔ ق۔، جلد سوم حصہ اول صفحات ۸۰۹ تا ۸۱۴ لیکن دو ماہ بعد گورنر جنرل نے اس مسودہ قانون کی توثیق کر دی اور اسے غیر معمولی جریدہ ہند مجریہ ۲۵ نومبر ۱۹۲۲ میں "بدخواہی کے خلاف ہندوستانی ریاستوں کے تحفظ کے قانون" کی حیثیت سے مشتہر کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو روزنامہ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۲۔ اسی طرح پنڈت مدن موہن مالویہ کو اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۲۵ فروری ۱۹۲۴ء میں صدر ایوان نے اپنی وہ تحریک پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جس میں ایک ریاست میں پیش آنے والے ایک واقعے پر بحث کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس واقعہ میں "ملک معظم کی رعایاء کے متعدد افراد" ہلاک ہوگئے تھے۔ محولہ تحریک کو پیش کرنے کی اس بناء پر اجازت نہیں دی گئی کہ اسمبلی کے قواعد ۱۲، ۱۳ کے تحت ایوان میں کسی ایسے مواد پر بحث کی ممانعت ہے جو ملک معظم کی حکومت یا گورنر جنرل یا گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اور کسی والئی ریاست کے درمیان ان کے معاملات سے متعلق تعلقات پر اثر انداز ہو۔ م۔ م۔ ق۔ جلد چہارم نمبر ۱۷، صفحات ۹۲۲ تا ۹۲۶

(۱۰) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۳۰۲، پیرا۔ ۲۱

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار: انڈین اسٹیٹس اینڈ گورنمنٹ آف انڈیا (INDIAN STATES AND GOVERNMENT OF INDIA (مطبوعہ لندن ۱۹۳۲) صفحہ ۴۰ جس میں اس کی بعض مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱۳) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو نواب بھوپال کا مراسلہ اردن کے نام مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۲۵۔ اس مراسلے میں نواب مرحوم نے وائسرائے سے شکایت کی تھی کہ سرکاری خط و کتابت میں ریاستوں کے حکمرانوں کی بیگمات اور مہارانیوں کے لئے "آپ کی اہلیہ" یا "والیان ریاست کی ازواج" جیسے نامناسب الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور

Marfat.com

وائسرائے سے درخواست کی تھی کہ والیان کی بیویوں کے لئے زیادہ مودبانہ القاب استعمال کئے جائیں۔ اروِن نے اپنے جوابی مراسلے مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۰ (ایضاً) میں پولیٹکل ایجنٹس کی طرف سے استعمال کئے جانے والے القاب کو درست قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ نواب صاحب اس قسم کے معاملات خود پولیٹکل ایجنٹس سے طے کرلیں۔

(۱۴) نظام۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۵) ریڈنگ کا مراسلہ نظام حیدر آباد کے نام مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء م۔ ک۔ ر / ۲۷

(۱۶) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا، مورخہ ۲، ۶ اپریل ۱۹۲۶ء

(۱۷) کے ایم پانیکار، انڈین اسٹیٹس اینڈ گورنمنٹ آف انڈیا-(INDIAN STATES AND G-OVERNMENT OF INDIA (مطبوعہ لندن ۱۹۳۲ء) ملاحظہ ہوں مرکزی اقتدار کے ارتقاء اور اقتصادی نفوذ کے بارے میں اس کتاب کے ابواب، صفحات ۳۵ تا ۴۹ اور ۱۲۳ تا ۱۳۶

(۱۸) مولانا محمد علی دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۹) مولانا شوکت علی دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۰) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، انڈین اسٹیٹس اینڈ گورنمنٹ آف انڈیا (مطبوعہ لندن ۱۹۳۲ء) صفحہ ۴۷

(۲۱) ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس کی محولہ رپورٹ، صفحہ ۷۱۔

(۲۲) نہرو رپورٹ کا باب بہ عنوان "ہندوستانی ریاستیں اور خارجہ پالیسی" صفحات ۷۰ تا ۸۸

(۲۳) ایضاً صفحات ۸۳ تا ۸۴

(۲۴) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء

(۲۵) اس ضمن میں مثال کے طور ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات :

(ا) اروِن کا خط لارڈ پیل کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۹ء (م۔ ک۔ ہ۔ ف۔ / ۵) کے ساتھ ملفوفہ دستاویز جو ۱۹۲۹ء کے لئے بادشاہ کی سالگرہ کے اعزازات پر مشتمل ہے۔ اس یادداشت میں نواب بھوپال کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے والے معدودے چند والیان ریاست میں سے ایک ہیں۔

(ب) زیٹ لینڈ کے نام لن لتھ گو کے خط کے ساتھ ملفوفہ دستاویز، م۔ ک۔ ز۔ / ۱۳ یہ ۱۸، جون ۱۹۳۶ کو مہاراجہ پٹیالہ کے ساتھ لن لتھ گو کے انٹرویو کے بارے میں ایک نوٹ پر مشتمل ہے۔ اس انٹرویو میں مہاراجہ نے وائسرائے سے اپنی بات وضاحت سے کہنے سے معذوری ظاہر کی تھی اور ہندوستانی میں گفتگو کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ یہ مہاراجہ نو سال

Marfat.com

یعنی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک اور پھر ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک ایوان والیان ریاست کے چانسلر رہے۔

(۲۶) یہ بات (معروف مورخ) رش بروک ولیمز نے ۶ مئی ۱۹۶۷ء کو راقم کے ساتھ ایک گفتگو میں بتائی تھی۔ اس دور میں مسٹر رش بروک ولیمز کا مہاراجہ پٹیالہ جام صاحب ناوانگر اور ایوان والیان ریاست سے قریبی تعلق رہا تھا۔ نیز انہوں نے ایوان والیان ریاست کی خصوصی تنظیم کے مشیر اور ریاست ناوانگر کے نمائندے کی حیثیت سے بالترتیب دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی تھی۔

(۲۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴، صفحہ ۱۰۸، کتاب ہذا

(۲۸) ۲۸۔ سی ایم ڈی ۳۳۰۲ پیراگراف ۳۳

(۲۹) بٹلر کمیٹی کی رپورٹ میں اس حقیقت کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "بالادستی اور صرف بالادستی کی بدولت تاج اور والیان ریاست کے مابین ان مضبوط اور شفیقانہ تعلقات کو فروغ حاصل ہوا جن پر ان کی ریاستوں نے بھروسہ کیا۔ صرف تاج کی بالادستی پر یہ ریاستیں نسل در نسل اپنے تحفظ کو منحصر رکھ سکتی ہیں۔ تاج کی بالادستی ہی کی بدولت ان کی تباہی اور الحاق کا خطرہ دور ہوسکتا ہے" ایضاً پیراگراف ۵۷

(۳۰) سر علی امام دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۳۱) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، دی انڈین پرنس ان کونسل (THE INDIAN PRINCES I-N COUNCIL (مطبوعہ لندن، ۱۹۳۶) صفحات ۲ تا ۳۔

(۳۲) ایضاً

(۳۳) سی ایم ڈی ۹۱۰۹ پیراگراف ۲۹۶ تا ۳۱۲ باب دہم بہ عنوان "دیسی ریاستیں"

(۳۴) سی ایم ڈی پیراگراف ۲۹۸ جس میں جنگ کے دوران شاندار خدمات انجام دینے پر والیان ریاست کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

(۳۵) سی ایم ڈی ۳۵۶۸، پیراگراف ۱۰۷

(۳۶) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، "دی انڈین پرنس ان کونسل" (مطبوعہ لندن، ۱۹۳۶) صفحہ VI

(۳۷) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۸ پیراگراف ۱۰۷

(۳۸) ایضاً پیراگراف ۳۳۰۲ پیراگراف ۲۶

(۳۹) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، دی انڈین پرنس ان کونسل (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء) صفحات ۷ تا ۸ اور اسی مصنف کی کتاب "ہز ہائی نس دی مہاراجہ آف بیکانیر: اے بائیوگرافی" (مطبوعہ

Marfat.com

لندن، ۱۹۳۷ء) صفحات ۲۲۳ تا ۲۴۴۔

(۴۰) ملاحظہ ہوں مندرجہ بالا حاشیئے کے حوالہ جات۔

(۴۱) سرالکزانڈر فریڈرک وہائٹ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۴۲) وہائٹ کی محولہ کتاب، صفحہ ا

(۴۳) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۱۳۲۔ ہندوستان میں زراعت سے متعلق شاہی کمیشن کی رپورٹ (۱۹۲۸) پیرا ۵۷۵

(۴۴) یہ بات رش بروک ولیمز نے راقم سے ۶ مئی ۱۹۶۷ء کو ایک ملاقات کے دوران بتائی۔ رش بروک کا کہنا تھا کہ والیان ریاست کی جانب سے یہ درخواست خود انہوں نے لارڈ ارون کو پیش کی تھی۔

(۴۵) ملاحظہ ہوں سی ایم ۳۵۶۹، پیراگراف ۲۲

(۴۶) ملاحظہ ہو سرجان کا خط وزیر اعظم کے نام مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹

(۴۷) ملاحظہ ہوں کتاب ہذا کے صفحات ۴۸ تا ۵۴

(۴۸) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، دی انڈین پرنس ان کونسل (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶) صفحات ۱۶ تا ۱۷۔ نیز ملاحظہ ہو والیان ریاست اور ان کے وزراء کی کانفرنس منعقدہ فروری ۱۹۲۷ء بمقام پٹیالہ کی یادداشت جو وائسرائے کے لئے تیار کی گئی تھی، ۱۲۹ تا ۱۳۶ اس کے علاوہ دیکھئے کے ایم پانیکار کی کتاب، ہزہائی نس دی مہاراجہ آف بیکانیر: اے بائیوگرافی (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء) صفحہ ۳۱۳۔ اس میں مصنف نے شملہ میں جون ۱۹۲۷ میں ہونے والے ایوان والیان ریاست کے اجلاس میں وائسرائے اور والیان ریاست کے درمیان مذکرات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی والیان ریاست نے کے این ہکسار اور رش بروک ولیمز کو اپنے مطالبے کے حق میں رائے ہموار کرنے کے لئے انگلستان بھیجا۔ انگلستان میں ان دونوں وزیروں کی سرگرمیوں کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۵ جون، ۲ اگست ۱۹۲۷ء مزید برآں ملاحظہ ہو اروں کے نام حیدر آباد دکن کے قائم مقام ریزیڈنٹ ایل ایم کرمپ کے خط کے ساتھ ملفوفہ دستاویز مورخہ ۸ اگست ۱۹۲۷ جو ایک خفیہ نوٹ پر مشتمل ہے۔ یہ دستاویز ہکسار نے اپنے انگلستان کے دورے میں مرتب کی تھی۔ اس میں ان کوششوں کا ذکر ہے جو ہکسار نے انڈیا آفس میں ریاستوں سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرنے کے لئے برکن ہیڈ کو آمادہ کرنے کے لئے کی تھیں۔ ہکسار نے اپنا یہ نوٹ حیدر آباد کے ریزیڈنٹ کو دیا اور اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ اسے وائسرائے کو ارسال

Marfat.com

کر دیا جائے۔

(۴۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۸۹ کتاب ہذا

(۵۰) مہاراجہ گنگا سنگھ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۵۱) نواب حمید اللہ خاں دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۵۲) ان وزیروں کے نام یہ ہیں اکبر حیدری (حیدر آباد) مرزا اسمٰعیل (میسور) کے این ہکسار (گوالیار) لیاقت حیات خان (پٹیالہ) منو بھائی مہتا (بیکانیر) اور ایل ایف رش بروک ولیمز (پٹیالہ اور ناوانگر)

(۵۳) ملاحظہ ہو وزیر ہند کے نام حکومت ہند کے محکمہ خارجہ وسیاسی امور کی یادداشت نمبر ۱۵ بابت ۱۹۲۷ء مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۷ء اس یادداشت میں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے وزیر ہند کو ریاستوں سے متعلق ایک کمیٹی کے تقرر کا معاملہ پیش کیا: م۔ ک۔ ب / ۸۵ نیز ملاحظہ ہو وزیر ہند کا مراسلہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے نام مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۲۷ء ایضاً۔ اس میں برکن ہیڈ نے برطانوی ہند میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر والیان ریاست کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے مجوزہ کمیٹی مقرر کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

(۵۴) سائمن کمیشن کا تقرر ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء کو عمل میں آیا جبکہ ہندوستانی ریاستوں سے متعلق جائزہ کمیٹی ۱۶ دسمبر ۱۹۲۷ء کو تشکیل دی گئی۔

(۵۵) سرہارکوٹ بٹلر دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۵۶) سی ایم ڈی ۳۳۰۲، پیراگراف ۱

(۵۷) ملاحظہ ہو ہارکوٹ بٹلر کا خط لارڈ پیل کے نام مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ب / ۸۵

(۵۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی پیرا، ۶۷

(۵۹) ایضاً، پیرا، ۵۸

(۶۰) ایضاً، پیرا، ۵۰

(۶۱) نواب رامپور کا مراسلہ ہارکوٹ بٹلر کے نام مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۹ء اور ریاست ٹہری گڑھوال کے حکمران کا مراسلہ بٹلر کے نام مورخہ ۲ جون ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ب / ۸۵ نیز اسی ضمن میں ملاحظہ ہو مہاراجہ بیکانیر کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۹ جون ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۲۳

(۶۲) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۸۴ کتاب ہذا

(۶۳) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۳۰۲، پیرا، ۵۷

Marfat.com

(۶۴) ملاحظہ مہاراجہ بیکانیر کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۹ جون ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف۔ مہاراجہ پٹیالہ کا مراسلہ ہارکورٹ بٹلر کے نام مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ب / ۸۵ اور کے ایم پانیکار "انڈین پرنس ان کونسل" (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء) صفحات ۲۶ تا ۲۷

(۶۵) ملاحظہ ہوں صفحات ۴۸ تا ۵۲، کتاب ہذا

(۶۶) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار: ہزہائی نس دی مہاراجہ آف بیکانیر اے بائیوگرافی (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء) صفحہ ۳۲۰

(۶۷) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، دی انڈین پرنس ان کونسل (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء) صفحہ ۲۸ تا ۲۹۔

(۶۸) اروِن کا خط نواب بھوپال کے نام، مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۲۸

(۶۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۸۰، کتاب ہذا

(۷۰) ملاحظہ ہو آئیر کی محولہ کتاب، صفحات ۱۹۹ تا ۲۰۱ نیز کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحات ۹، ۷۲ تا ۸۸

(۷۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۸۲ کتاب ہذا

(۷۲) ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار، دی انڈین پرنس ان کونسل (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶) صفحات ۲ تا ۳ اور ۱۶ تا ۱۷ جس میں والیان ریاست کی دو اہم سیاسی کانفرنسوں میں سپرو اور دوسرے آزاد خیال رہنماؤں کی شرکت سے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ ان میں ایک کانفرنس ۱۹۱۸ء میں اور دوسری ۱۹۲۷ء میں منعقد ہوئی تھی۔

(۷۳) کے این ہکسار بنام سپرو مورخہ نومبر ۱۹۲۹ء: ک۔ س

(۷۴) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۹ء جس میں مہاراجہ بیکانیر کا وہ اخباری انٹرویو شائع ہوا تھا۔ جو انہوں نے بیکانیر میں ۲ نومبر ۱۹۲۹ء کو دیا تھا

(۷۵) ملاحظہ ہو تیسری گول میز کانفرنس منعقدہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء سے بیکانیر کے سر منو بھائی مہتا کا خطاب۔ اس میں انہوں نے بتایا کہ کل ہند وفاق کا تصور سب سے پہلے بڑودہ کے مہاراجہ گائیکواڑ نے ۱۹۱۸ء میں لارڈ چیمسفورڈ کو پیش کیا تھا۔ مسٹر مہتا نے کہا کہ "۱۹۱۸ء کے بعد سے والیان ریاست اس نظریے پر مسلسل کام کرتے رہے ہیں۔"

سی ایم ڈی ۴۲۳۸۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس (تیسرا اجلاس) (۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء) (۱۹۳۳) صفحہ ۱۱۰

(۷۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۸۱ کتاب ہذا

(۷۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۵۷ کتاب ہذا

Marfat.com

(۷۸) سرجان سائمن کا خط وزیر اعظم کے نام مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ سی ایم ڈی ۳۵۶۸، صفحات XXII تا XXIII

(۷۹) ایضاً

(۸۰) ایضاً

(۸۱) ایضاً

(۸۲) رمزے میکڈانلڈ کا خط سرجان سائمن کے نام مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء ایضاً صفحہ XXIV

(۸۳) اروِن کا خط سائمن کے نام مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۹ء، م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۸

(۸۴) اروِن کا خط وِیج وڈبین کے نام، مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۵

(۸۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، صفحہ ۹۳ کتاب ہذا

(۸۶) نظام نے خصوصی مقاصد کے لئے ایک لاکھ روپے منظور کئے اور ایوان کے اخراجات کے لئے ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۵ تک سالانہ پچاس ہزار روپے کی منظوری دی۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۸ صفحہ ۹۱

(۸۷) ایوان کے اس اجلاس میں منظور کی جانے والی قرار داد کے لئے ملاحظہ ہو کے ایم پانیکار "دی انڈین پرنس ان کونسل (مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء)۔ بالادستی کے سوال پر والیان ریاست کے عام رویے اور ایوان کے محولہ اجلاس میں مہاراجہ بیکانیر کی تقریر کے لئے ملاحظہ ہو اسی مصنف کی کتاب: "ہزہائی نس مہاراجہ آف بیکانیر: اے بائیوگرافی" (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء) صفحات ۳۲۳ تا ۳۲۹۔

(۸۸) اروِن کا خط وِیج وڈبین کے نام مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۶

(۸۹) اروِن کا خط وِیج وڈبین کے نام مورخہ ۳ اپریل ۱۹۳۰ م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۶

(۹۰) اس کی مزید تصدیق اروِن کے نام سپرو کے خط مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۰ء (م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۲۴) سے ہوتی ہے۔ اس خط میں سپرو نے وائسرائے کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سرگرم وڈمیرز (GRIMWOOD MEARS) کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے اور والیان ریاست کی یہ پیش کش قبول کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی تیاری اور اس میں اپنا معاملہ پیش کرنے میں ان کی مدد کر سکیں۔ خود سپرو کے الفاظ میں "جہاں تک ہمارے صوبے کا تعلق ہے مجھے اس سے سرگرم وڈ میرز کا رشتہ منقطع ہونے کا افسوس ہوگا لیکن وسیع تر بنیادوں پر میں اور میرے بہت سے دوسرے ساتھی انہیں ایسی جگہ متعین کرنے کا خیر مقدم کریں گے جہاں وہ گول میز کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کے درمیان رابطے کا

Marfat.com

مفید کردار ادا کر سکیں، اس وقت نازک مرحلوں کا آنا لازمی ہے اور ایسے ہی موقعوں پر کانفرنس میں ان کی موجودگی بے انتہا اہمیت کی حامل ہوگی۔"

(۹۱) ملاحظہ ہو ویج وڈ بین کے نام ارون کے خط کے ساتھ ملفوفہ دستاویز مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف۔ یہ دستاویز وائسرائے اور والیان کی مجلس قائمہ کے اجلاس کی کاروائی کے خلاصے پر مشتمل ہے جو ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ویج وڈ بین کے نام ارون کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۰ء (ایضا) ۔ یہ ارون کے نام ایوان والیان ریاست کے چانسلر مہاراجہ پٹیالہ کے خط کی ایک نقل ہے۔ اس میں مہاراجہ پٹیالہ نے جناح اور برطانوی ہند کے دوسرے لیڈروں سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ارون سے غیر رسمی طور پر یہ بات زور دے کر کہی کہ "اگر گول میز کانفرنس اس سال منعقد نہیں ہوئی اور جلد ہی اس کے انعقاد کا اعلان نہیں کیا گیا تو اس کی کوئی عملی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔"

(۹۲) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹ پیرا، ۲۲۸،

(۹۳) ایضاً پیرا ۲۳۴

(۹۴) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹، پیرا ۲۳۷

(۹۵) سر اکبر حیدری، ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ ذیلی کمیٹی کی کاروائی حصہ اول صفحہ ۲۲۲

(۹۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، صفحہ ۹۷ کتاب ہذا

(۹۷) نظام کا تار شملہ اجلاس میں شرکت کرنے والے حیدر آبادی وفد کے نام مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ک۔ / ۲۸۔

(۹۸) شملہ اجلاس میں شرکت کرنے والے حیدر آبادی وفد کا تار نظام کے نام مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۳۰ء نیز ملاحظہ ہوں، حیدر آباد کے ریزیڈنٹ ٹی ایچ کیز کے خطوط کننگھم کے نام مورخہ ۲۳ جون اور مورخہ ۱۲، ۵ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ک / ۲۸ اور ملاحظہ ہوٹی ایچ کیز کا خط نظام کے نام مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۰ء ایضاً۔ ان دستاویزات میں کل ہند وفاق کی تجویز سے متذکرہ ریزیڈنٹ یا نظام کی دلچسپی کے بارے میں مزید معلومات دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۹۹) دیکھئے کے این ہسکار اور کے ایم پانیکار، فیڈرل انڈیا (مطبوعہ لندن ۱۹۳۰ء) صفحات VIII تا X

(۱۰۰) لیگ آف نیشنز اور امپیریل کانفرنس کے اجلاسوں میں ان کے برطانوی ہند کے ساتھیوں میں بالترتیب سر ذوالفقار علی خان اور سر محمد شفیع شامل تھے۔

(۱۰۱) دیکھئے کے ایم۔ پانیکار "ہز ہائی نس دی مہاراجہ آف بیکانیر" اے بائیو گرافی (مطبوعہ لندن

Marfat.com

۱۹۳۷) صفحہ ۳۳۰

(۱۰۲) سربراہ ریاست سانگلی بنام اروِن مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۹

(۱۰۳) نواب آف بھوپال بنام اروِن مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۲۵

(۱۰۴) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۹۰ کتاب ہذا

(۱۰۵) ایضاً

(۱۰۶) ملاحظہ ہو سائمن کے نام اروِن کے مکتوب کے ساتھ ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۳۰۔ یہ دستاویز ۱۱ جنوری ۱۹۲۹ کو وٹھل بھائی پٹیل کے ساتھ اروِن کی بات چیت کی یادداشت ہے۔

(۱۰۷) ملاحظہ ہو وائسرائے کی عاملہ کے رکن سرجارج شوستر کا خط اروِن کے نام مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۹

(۱۰۸) ایضاً

(۱۰۹) ایضاً

(۱۱۰) کانفرنس کا افتتاح شاہ برطانیہ نے ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو کیا لیکن اصل کاروائی کا آغاز ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو ہوا۔

(۱۱۱) دیوان میسور مرزا محمد اسمٰعیل کا خط لوتھین LOTHIAN کے نام مورخہ ۴ نومبر ۱۹۳۰ء: د۔ ل۔ (دستاویزات لوتھین) / ۲۴۹

نیز ملاحظہ ہو سری نواس شاستری کا خط ڈی وی گنڈاپا کے نام مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۰ء: مکتوب رائٹ آنریبل سری نواس شاستری مرتبہ ٹی این جگدیسن مطبوعہ لندن ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۹۷ء۔ اس میں شاستری نے کوئی چھ ہفتے قبل لکھا تھا: "مرزا ابھی تک براعظم یورپ میں ہیں .... بیکانیر کو امید ہے کہ وہ اپنے سارے گروہ کو کسی نہ کسی شکل میں وفاقی اسکیم قبول کرنے پر آمادہ کرلیں گے۔ ان کے پاس ایسی ایک اسکیم موجود ہے۔ اور ایک اسکیم مرزا نے بھی بظاہر تیار کر رکھی ہے۔ سپاراؤ آج مجھے اس کی ایک نقل فراہم کریں گے۔"

(۱۱۲) ملاحظہ ہو مہاراجہ بیکانیر کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء داخلی امور سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن ایچ جی ہیگ کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۳۱ اکتوبر اور مورخہ ۷، ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء سرجارج شوستر کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر اور مورخہ ۷، ۱۳ نومبر ۱۹۳۰ء اور ہیلے کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۹ نیز ویج ووڈ بین کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۸، ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔

Marfat.com

ف / ۱ اور ٹیلی گرام مورخہ ۷، نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۱ اس کے علاوہ اسی نوع کی معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں سری نو اس شاستری کے خطوط راما سوامی شاستری کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۳ نومبر ۱۹۳۰ء ونیز جگدیسن کی محولہ کتاب صفحات ۱۹۷ تا ۲۰۱

(۱۱۳) سپرو کا خط راجہ کے نام مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء ک۔ س

(۱۱۴) ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ پہلا اجلاس۔ ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحہ ۲۵۸

(۱۱۵) ملاحظہ ہو سری نو اس شاستری کا خط راما سوامی شاستری کے نام مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۰ء جگدیسن: محولہ کتاب صفحہ ۱۰۲ اس میں شاستری نے جو خود بھی کانفرنس کے شرکاء میں شامل تھے اور سپرو کی طرح ایک لبرل سیاست دان تھے وفاق کی تجویز کے منظر عام پر آنے سے قبل یہ لکھا: "والیان ریاست اپنی تجویزوں کو صیغہ راز میں رکھتے ہیں۔ میں نے ان کی اسکیم کا پتہ چلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔" اگلے مہینے انہوں نے لکھا کہ والیان ریاست پر سپرو کا زبردست اثر و رسوخ ہے۔ سری نواس شاستری بنام سوا سوامی آئیر مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۰ء ایضاً صفحہ ۲۰۴۔

(۱۱۶) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۷۷۸، ہ۔ گ۔ م۔ ک (پہلا اجلاس) (۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء تا ۱۹ جنوری ۱۹۳۱) کی کاروائی صفحات ۲۸ تا ۲۹

(۱۱۷) ایضاً صفحات ۳۶ تا ۳۷

(۱۱۸) جان وائی کاؤنٹ سینکی اول۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۱۹) وہ ارکان یہ تھے:۔

(ا) برطانوی مندوبین: ایچ بی لیتس اسمتھ (لیبر پارٹی) سر سیموئیل ہور، اور ارل پیل (کنزرویٹو پارٹی) مارکوئیس آف لوتھین اور مارکوئیس آف ریڈنگ (لیبر پارٹی)

(ب) ہندوستانی ریاستوں کے مندوبین: والیان ریاست۔ نواب بھوپال اور مہاراجہ بیکانیر وزراء سر اکبر حیدری، سر مرزا اسمٰعیل اور کرنل کے این ہکسار۔

(ج) برطانوی ہند کے مندوبین: سر سی پی راما سوامی آئیر ایم آر جایاکر، ایم اے جناح، ٹی ایف گیون جونز، دیوان بہادر راما سوامی مدالیر، سر سید سلطان احمد، سر تیج بہادر سپرو، سر محمد شفیع، سری نواس شاستری اور سردار اجل سنگھ۔

(۱۲۰) ریڈنگ کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۹

(۱۲۱) اس کمیٹی کے دو اجلاسوں کی کاروائی کی رودادیں بالترتیب ۲۹۱ اور ۵۲۴ مطبوعہ صفحات پر مشتمل تھیں۔

(۱۲۲) ہ۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحہ ۱

Marfat.com

(۱۲۳) ملاحظہ ہوں کتاب ہذا کے صفحات ۱۸۰ تا ۱۸۶

(۱۲۴) ملاحظہ ہوں کتاب ہذا کے صفحات ۱۱۶ تا ۱۱۸

(۱۲۵) سی ایم ڈی ۳۷۷۸، صفحات ۳۶ تا ۳۷

(۱۲۶) مثلاً ۵ دسمبر ۱۹۳۰ء کو مہاراجہ بیکانیر، نواب بھوپال اور کے این ہکسار نے جو تقریریں کی تھیں ان کے لئے ملاحظہ ہو۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحات ۴۶ تا ۴۹۔ نیز ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء اور ۸، ۱۳، جنوری ۱۹۳۱ء کی مہاراجہ بیکانیر کی تقریروں کے لئے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات، ۱۰۸، ۲۳۷، ۲۶۹ تا ۲۷۰

(۱۲۷) مہاراجہ بھوپیندرا سنگھ آف پٹیالہ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۲۸) ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل مراسلات جن کے ذریعہ دونوں فرماں رواؤں نے ایک دوسرے کے خلاف لندن سے وائسرائے کو شکایات پیش کیں۔

وائسرائے کا تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء۔ وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء، م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۱ مہاراجہ بیکانیر کے تار وائسرائے کے نام مورخہ ۲۴، ۲۷ نومبر ۱۹۳۰ء ارون کا خط مہاراجہ بیکانیر کے نام مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۳۰ء اور ارون کا نواب بھوپال کے نام ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف / ۱۹ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مہاراجہ پٹیالہ نہ تو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کا رکن تھا اور نہ اس نے وفاق کی تجویز پیش کرنے میں پہل کی تھی اگرچہ وہ اس وقت ایوان والیان ریاست کا چانسلر تھا۔ وہ مہاراجہ بیکانیر تھا جس نے ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو کانفرنس کے مکمل اجلاس میں سپرو کے بعد اہم تقریر کی تھی۔ گول میز کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں مہاراجہ بیکانیر، نواب بھوپال اور کچھ دوسرے فرماں روا شریک تھے جبکہ مہاراجہ پٹیالہ نے اس میں شرکت نہیں کی۔

(۱۲۹) اس مراسلے کے متن کے لئے جس پر ۸ دسمبر ۱۹۳۰ء کی تاریخ درج ہے اور جو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے چیرمین کے نام ڈاکٹر مونجے شیواراؤ جوشی، ڈاکٹر امبیڈکر، ٹامسے اور سری نواسن نے مشترکہ طور پر لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس (حصہ اول) صفحہ ۱۲۶۔ اس مراسلے پر دستخط کرنے والے افراد کانفرنس میں شرکت کرنے والے برطانوی ہند کے مندوبین تھے، لیکن وہ متذکرہ کمیٹی کے رکن نہیں تھے۔ چیئرمین نے یہ مراسلہ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۲ جنوری ۱۹۳۱ء میں پڑھ کر سنایا۔ دستخط کنندگان نے اپنے اس مراسلے میں کمیٹی کے مذکرات کے رجحانات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ مجوزہ آئین میں اس امر کی گنجائش رکھی جائے کہ وفاق کو ریاستوں پر ہر شعبے کے اندر بالادستی حاصل ہوگی اور یہ اصول شامل کیا جائے کہ وفاقی مقننہ کے انتخاب میں برطانوی ہند کے

Marfat.com

لوگوں کے ساتھ ریاست کے لوگوں کو بھی حصہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۳۰) کانفرنس کی سروسز کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۹ جنوری ۱۹۳۱ء میں سی وائی چنتامنی نے اس دعوے کی تردید کی تھی۔ ملاحظہ ہو ہ۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ دوم) صفحہ ۳۹۱۔

(۱۳۱) سری نواس شاستری، بتاریخ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء، ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحہ ۲۵۲

(۱۳۲) ملاحظہ ہوں اروِن کے نام ہیلے کے خطوط مورخہ ۲۸ نومبر مورخہ ۹، ۱۳ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ سر والٹر لارنس کا خط مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۳۰ء نواب بھوپال کا خط ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹ اور وتج وڈ بین کے خطوط مورخہ ۲۴، ۲۹ نومبر ۱۵، ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء و مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف۔ /۶

(۱۳۳) ملاحظہ ہو وتج وڈ بین کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۰ء ایضاً

(۱۳۴) ملاحظہ ہو اروِن کا خط وتج وڈ بین کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۰ ایضاً

(۱۳۵) ملاحظہ ہو سپرو کا خط چمن لال سیتل واڈ کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۰ ک۔ س

(۱۳۶) ملاحظہ ہوں ہ۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی، صفحہ ۲۶۵

(۱۳۷) ملاحظہ ہو سپرو کا خط ایچ ایس ایل پولک کے نام مورخہ ۲۱، جولائی ۱۹۳۱ ک۔ س۔ نیز ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ یکم و ۳ اگست بالترتیب جس میں ۳۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو بمبئی میں منعقد ہونے والے نیشنل لبریشن فیڈریشن کے اجلاس میں سی وائی چنتامنی کی صدارتی تقریر اور اسی اجلاس میں ۲ اگست ۱۹۳۱ء کو منظور ہونے والی قرار داد کا متن شائع ہوا تھا۔

(۱۳۸) گاندھی اروِن معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد گاندھی کے ۵ مارچ ۱۹۳۱ء کے اخباری انٹرویو کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۱ء

(۱۳۹) ملاحظہ ہوں سپرو کے خطوط بنام نواب بھوپال مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۱، بنام وتج وڈ بین مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء اور بنام رمزے میکڈ انلڈ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء ک۔ س۔

(۱۴۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۷ جون ۱۹۳۱ء۔ نیز ملاحظہ ہو ۱۰ جون ۱۹۳۱ء کا اسٹیٹسمین جس میں اس کے شملے کے نامہ نگار کی ایک طولانی رپورٹ شائع ہوئی تھی اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ مہاراجہ پٹیالہ وفاق کے خلاف تحریک کی قیادت کر رہا ہے اور اس میں دھولپور، اندور، پالن پور اور بھاولپور کے فرماں روا اس کے ساتھ ہیں۔

(۱۴۱) ملاحظہ ہو ہندوستان کے کمانڈر انچیف فلپ ڈبلیو چیٹ واڈ کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲ اپریل ۱۹۳۱، م۔ ک۔ ہ / ۲۰

Marfat.com

(۱۴۲) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۳ تا ۱۲۵، کتاب ہذا

(۱۴۳) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط سر فنڈ لیٹر اسٹیورٹ کے نام مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۱ء اور ارون کے نام مورخہ ۲۷ جون ۱۹۳۱ م۔ ک۔ ہ / ۲۱ نیز ٹی ایچ کیز کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۰ء د۔ ل / ۱۴۹

(۱۴۴) سر جارج شوسٹر (SCHUSTER) دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۱۴۵) ملاحظہ ہو قانون سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن بی ایل متر کا خط سپرو کے نام مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۱، ک۔ س

(۱۴۶) ایضاً

(۱۴۷) ملاحظہ ہو لوتھین کے نام ٹی ایچ کیز کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۰ و۔ ل /۱۴۹۔ یہ دستاویز ولنگڈن کے نام نظام کے خط مورخہ یکم اگست ۱۹۳۱ء پر مشتمل ہے

(۱۴۸) ملاحظہ ہو نواب بھوپال کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۶ اگست ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ / ۵۳ ا۔ ۱۲

(۱۴۹) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کا اجلاس منعقدہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۱ء ہ۔ گ۔ م۔ ک دوسرا اجلاس۔ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتوں سے متعلق کمیٹی کی کاروائی ۱۹۳۲ء

(۱۵۰) ملاحظہ ہو ہزہائی نس مہاراجہ آف اندور، ہزہائی نس مہاراجہ آف دھولپور نواب لیاقت حیات خاں اور سر پربھا شنکر پٹانی کی یادداشت۔ ایضاً نیز ملاحظہ ہوں مہاراجہ دھولپور کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۴ء ۳ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۷

(۱۵۱) ملاحظہ ہو سر سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ / ا نیز ملاحظہ ہو انتہائی خفیہ یادداشت مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء جو مجلس ہند کے ایک رکن سر رینا لڈ گلانسی نے "ہندوستانی ریاستوں کے مندوبین کا ردیہ" کے عنوان سے تیار کی تھی۔ م۔ ک۔ ٹ / ۱۵۳ ۔ ۱۲

(۱۵۲) ملاحظہ ہو ضمیمہ III کتاب ہذا

(۱۵۳) سیموئیل جان گرنی ہور دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۵۴) فری مین فری مین تھامس، اول مارکوئس آف ولنگڈن، دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۵۵) لارڈ سینکے مکمل اجلاس منعقدہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء سی ایم ڈی ۳۹۹۷ ہ۔ گ۔ م۔ ک (دوسرا اجلاس) (مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۱ء تا یکم دسمبر ۱۹۳۱ء) کاروائی (۱۹۳۲ء) صفحہ ۱۲۰

(۱۵۶) ۲۳ دسمبر ۱۹۳۱ء سی ایم ڈی ۴۲۳۸، صفحہ ۷۷

Marfat.com

(۱۵۷) ایضاً

(۱۵۸) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی، مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء ہ۔ گ۔ م۔ ک پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحہ ۲۵۰

(۱۵۹) ایضاً

(۱۶۰) دیکھئے پیرانمبر ۸۔ ہ۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحہ ۲۷۷

(۱۶۱) دیکھئے سی ایم ڈی، ۳۷۷۸، صفحہ ۵۰۵

Marfat.com

باب چہارم

گول میز کانفرنس

گول میز کانفرنس لندن میں ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو شروع ہوئی۔ اس میں کانگریس کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام سیاسی مکاتب فکر کے نمائندے شریک تھے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کی تینوں سیاسی جماعتوں لیبر، کنزرویٹو اور لبرل پارٹیوں کو بھی اس میں نمائندگی دی گئی تھی اور اس وقت لیبر پارٹی بر سراقتدار تھی۔ لیکن اس کانفرنس میں دو بڑی خامیاں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم کانگریس نے اس کا مقاطع کر دیا تھا اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرر کھا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کے لئے کوئی باضابطہ ایجنڈا مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ کانگریس نے ۱۹۲۸ء میں ملک کے لئے نہرو رپورٹ کے نام سے اپنا ایک آئین لکھ لیا تھا لیکن اگلے سال خود اسی نے اس آئین کو رد بھی کر دیا تھا۔ حکومت کے پاس اس نوعیت کی تین دستاویزیں موجود تھیں یعنی بٹلر رپورٹ، سائمن کمیشن رپورٹ اور ارون کا مراسلہ ہند۔ ان دستاویزات کی صورت یہ تھی کہ بٹلر رپورٹ کا تعلق صرف ہندوستانی ریاستوں کے مسائل سے تھا اور سائمن کمیشن رپورٹ نہ صرف اپنے مواد کے اعتبار سے ہندوستانیوں کے لئے قابل نفرت تھی بلکہ اس لئے بھی کہ اسے ایک ایسے کمیشن نے تحریر کیا تھا جس کی انہوں نے مذمت کی تھی۔ ان میں ارون کا مراسلہ ہند وہ واحد دستاویز تھی جو سب سے آخر میں قلم بند کئے جانے کی وجہ سے کانفرنس کے مذاکرات شروع کرنے میں مدد گار ثابت ہو سکتی تھی مگر برطانیہ کے سیاسی حلقے اس کے مافیہ سے آگاہ ہونے سے قبل ہی اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے (۱)۔ تاہم حکومت برطانیہ نے بعض وجوہ کی بناء پر (۲) اس مراسلے کو وصولی کے بعد چھ ہفتے تک صیغہ راز میں رکھا اور صرف کانفرنس کی تاریخ آغاز کے قریب اس کے متن کا انکشاف کیا۔ ان حالات میں کانفرنس کے ایجنڈے کی حیثیت سے

Marfat.com

تینوں دستاویزات کے قبول کئے جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیبر حکومت نے خود اپنی کوئی آئینی اسکیم مرتب نہیں کی تھی اور یہ طے کر رکھا تھا کہ کانفرنس میں ہونے والی بات چیت کو سن لیا جائے اور پھر کوئی پالیسی مرتب کی جائے (۳)۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے بعد ارون نے اپنی کوششوں سے ہندوستان کے مسئلے کو جو تقویت پہنچائی تھی اس سے کانفرنس کی فضا حوصلہ افزا ہو گئی تھی۔ اس مرحلے پر وزارت ہند اور حکومت ہند کے ایکے (۴) کے پیش نظر کنزرویٹو پارٹی کے ہوش مند عناصر کو بھی اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور وہ اس صورت حال کے تصور سے سخت پریشان ہو گئے تھے جو کانفرنس کے آغاز پر رونما ہونے والی تھی (۵)۔ کانفرنس میں برطانوی اور ہندوستانی دونوں فریقوں کی توجہ کا مرکز ہندوستان کے لئے مستعمرہ کے مرتبے کا مطالبہ تھا جو غیر واضح الفاظ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس مطالبے نے بے انتہا اہمیت حاصل کر لی اور اس کے بارے میں یہ تصور کر لیا گیا کہ اس سے نہ صرف برطانیہ میں برسراقتدار حکومت بلکہ ہندوستان پر برطانیہ کی حکمرانی کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا (۶)۔ برطانوی مندوبین اس ادھیڑ بن میں تھے کہ اس مطالبہ پر کیا ردعمل ظاہر کیا جائے (۷)۔ کانفرنس کے ابتدائی مراحل میں والیان ریاست برطانوی ہند کے آزاد خیال سیاست دانوں کے ساتھ متحد ہو گئے اور بعض شرائط کے تحت وفاق میں شمولیت پر رضامندی کا اظہار کیا۔ یہ ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی تھی جس کی بدولت بحران کا خطرہ ٹل گیا۔ چونکہ مستعمرہ کی حیثیت کا سوال پس منظر میں چلا گیا تھا اس لئے کانفرنس شروع ہی سے وفاق کی تجویز پر غور کرنے میں مصروف ہو گئی۔ لیکن برطانوی کیمپ کے لئے یہ صورت حال خوش آئند ہونے کے باوجود لبرل اور کنزرویٹو پارٹیوں کا رویہ بدستور محتاط رہا۔ کانفرنس کے آخری مرحلے میں کہیں جا کر لارڈ ریڈنگ نے اپنی پارٹی کی منظوری حاصل کرنے کے بعد سپرو کی اپیل کو تسلیم کیا (۸)۔ ۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو سپرو نے وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے انگریزوں کو خاص شرائط اور تحفظات کی پیش کش کی اور ان پر زور دیا کہ وہ اس پیش کش کا مثبت جواب دیں (۹)۔ اس کے نتیجے میں ریڈنگ نے تین روز بعد اسی کمیٹی کے اجلاس میں اعلان کیا کہ ریاستوں کی شمولیت کے ساتھ وفاق ہند کے مرکز میں ہندوستانیوں کے لئے ذمہ داری کا حصول ممکن ہے (۱۰)۔ اس طرح انتہائی کٹھن مرحلہ طے کر لیا گیا تھا۔ لیکن

Marfat.com

کنزرویٹو پارٹی جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی اب بھی اپنے موقف پر اڑی رہی نہ صرف اس کے وفد کے ارکان محتاط رہے (۱۱) بلکہ ان پر پارٹی کے ان ہٹ دھرم ارکان کا مسلسل دباؤ پڑتا رہا جو وفد میں شامل نہیں تھے۔ پارٹی کے مندوبین پر یہ بیرونی دباؤ ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے بارے میں کنزرویٹو پارٹی کی پالیسی پر اثر انداز ہوتا رہا۔ کانفرنس کے ابتدائی مرحلے پر وہ ۱۹۱۹ء کے آئین میں ترمیم پر رضا مند ہوگئے تھے اور سائمن رپورٹ اور مراسلہ ہند سے اتفاق کرتے ہوئے انہوں نے صوبوں میں ذمہ دار وزرا کو تقریباً تمام امور کی منتقلی کی تجویز کو منظور کرلیا تھا (۱۲)۔ لیکن وہ مرکز میں کسی بھی تبدیلی کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ بااین ہمہ وفاق ہند کے تصور کے پیش نظر انہوں نے اپنے موقف کا از سرنو جائزہ لیا۔ والیان ریاست کے طرز عمل اور برطانوی ہند کے آزاد خیال سیاست دانوں کی پیش کش میں لبرل پارٹی کی طرح انہوں نے بھی کشش محسوس کی تھی۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو سر سیموئیل ہور نے کنزرویٹو پارٹی کی مجلس کار (۱۳) سے رجوع کیا اور اسے ایک یاد داشت (۱۴) پیش کرتے ہوئے کانفرنس میں وفاق کی تجویز کو قبول کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن چرچل نے مرکزی ذمہ داری کی کسی بھی تجویز کی شدومد سے مخالفت کی خواہ اس میں ہر قسم کے تحفظات موجود ہوں (۱۵)۔ اور اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کی اولین خواہش یہ ہے کہ خود کانفرنس ہی کا خاتمہ کر دیا جائے (۱۶)۔

چنانچہ کنزرویٹو وفد کے ارکان نے اپنا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ اس طرح انہیں ہر لحاظ سے اور خصوصاً مرکزی ذمہ داری کو قبول کرنے کے بارے میں ریڈنگ کے اعلان کے بعد ایک مشکل صورت حال کا سامنا تھا۔ ایسی صورت میں جب سیموئیل ہور اور پیل (۱۷) نے بالترتیب ۶ اور ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء کو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کوئی ذمہ داری قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا تو گویا انہوں نے اپنی پارٹی کے ارکان کے نامساعد رویئے کو برملا ظاہر کر دیا (۱۸)۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء کو جب کانفرنس ملتوی ہوئی تو وہ اس موقف سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ لیکن پارٹی کے کٹر ارکان نے خود اس موقف کے عواقب کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھا (۱۹)۔ چرچل نے جلد ہی ہندوستان کے بارے میں پالیسی پر اختلاف رائے کی بناء پر کنزرویٹو پالیسی کی مجلس کار سے مستعفی ہونے

Marfat.com

کا اعلان کر دیا (۲۰) ۔ پھر اس نے مانچسٹر کے صنعتی شہر میں جسے کانگریس کی جانب سے بدیشی مال کے بائیکاٹ کے سبب شدید نقصان پہنچا تھا ،ہندوستان کو بچاؤ، کی مہم شروع کر دی (۲۱) ۔

با ایں ہمہ برطانوی لیڈروں نے وفاق کی تجویز کے نتیجے میں مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر ہندوستان کو ذمہ داری دینے کا مطالبہ تسلیم کرلیا (۲۲) ۔ اسی اجلاس میں کانفرنس نے اپنی چھ دوسری کمیٹیوں کا کام بھی مکمل کرلیا (۲۳) ۔ لیکن فرقہ وارانہ مسئلے اور کانگریس کی عدم شرکت کی وجہ سے کانفرنس میں نمایاں پیش رفت نہ ہو سکی۔ مختلف مواقع پر برطانیہ اور ہندوستان دونوں کے مندوبین نے کہا کہ کانفرنس کے فیصلے عارضی نوعیت کے ہیں اور ان میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے (۲۴) ۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم نے جو بیان دیا تھا اس میں اشارۃً یہ بات کہی گئی تھی کہ اس کے بعد مزید مذاکرات ہوں گے (۲۵) ۔ لیکن کانفرنس کا اجلاس آئندہ کارروائی کے لئے کسی خاص پروگرام کا خاکہ طے کئے بغیر ختم ہوگیا۔ تاہم کانفرنس کی طویل کاروائی کے بعض قابل ذکر نتائج بھی بر آمد ہوئے۔ کوئی دو مہینے تک کئی ممتاز برطانوی سیاست داں ہندوستانی نمائندوں کے ساتھ مذاکرات میں مصروف رہے۔ لہٰذا ہندوستان میں اس کانفرنس کو برطانیہ کی طرف سے اہل ہند کی امنگیں پوری کرنے کی سنجیدہ کوشش سے تعبیر کیا گیا۔ اس سے کانگریس کو حکومت کے ساتھ مصالحت اور اصلاحات کے کام میں شرکت پر آمادہ کرنے میں ہندوستان کے آزاد خیال سیاست دانوں کو مدد ملی۔

ستمبر ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس کے دوبارہ شروع ہونے سے قبل تین اہم واقعات رونما ہوئے۔ ایک تو یہ کہ مارچ میں گاندھی اور ارون کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا، دوسرے یہ کہ اپریل میں ولنگڈن نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا اور تیسرے یہ کہ اگست ۱۹۳۱ء میں برطانیہ میں قومی حکومت تشکیل دی گئی جس کی بدولت سیموئیل ہور اور لارڈ لوتھین (۲۶) وزارت ہند میں آگئے۔ ان واقعات کے درمیان ہندوستان میں رونما ہونے والے سیاسی حالات کی وجہ سے ہندوستان کی اصلاحات کے بارے میں برطانیہ کے لیڈروں نے سخت موقف اختیار کرلیا۔ اس ضمن میں باعث تشویش امور یہ تھے :۔

Marfat.com

کانگریس کے بارے میں حکومت ہند کے رویئے میں نرمی، گاندھی اور ارون کے درمیان طویل مذاکرات، کانپور کے فسادات اور کراچی میں منعقد ہونے والے کانگریس کے اجلاس کی قرار داد جس میں کہا گیا تھا کہ "پورن سوراج (مکمل آزادی) بدستور کانگریس کا نصب العین ہے (۲۷)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کانفرنس میں جن تحفظات اور تخصیصات کی رعایت رکھی گئی تھی انہیں برطانوی لیڈروں نے بنیادی عناصر قرار دے دیا حالانکہ (۲۸) پہلے برطانوی مندوبین نے یہ اقرار کرلیا تھا کہ سارے موقف کا ازسر نو جائزہ لیا جاسکتا ہے (۲۹)۔ آئرلینڈ میں شکست کے "افسوسناک واقعات" یاد دلائے گئے اور ہندوستان کو نہ چھوڑنے کے عزم کا اعلان کیا گیا (۳۰)۔ لیکن کٹر سیاست دانوں کو یہ بات بھی مطمئن نہ کرسکی۔ انہوں نے اپنی تحریک اسی زور و شور کے ساتھ جاری رکھی۔ کنزرویٹو پارٹی کی یونینسٹ انڈیا کمیٹی کے اجلاس میں چرچل کی کوششوں سے یہ قرار داد (۳۱) منظور کرلی گئی کہ پارٹی آئندہ کسی گول میز کانفرنس میں شرکت نہیں کرسکتی (۳۲)۔ اس سے برطانیہ اور ہندوستان دونوں ملکوں میں بہت سے لوگ پریشان ہوگئے، (۳۳) پارٹی میں اسٹانلے بالڈون کی قیادت متزلزل ہوگئی (۳۴) اور حکومت کانفرنس کا کام جاری رکھنے کے لئے برطانوی نمائندے ہندوستان بھیجنے کے بارے میں اپنا فیصلہ (۳۵) منسوخ کرنے (۳۶) پر مجبور ہوگئی۔ لیکن کنزرویٹو (۳۷) اور لبرل پارٹیوں (۳۸) کی صفوں میں جو تردد پیدا ہوگیا تھا وہ اس وقت تک بدستور برقرار رہا جب تک ۲۴ر اگست کو قومی حکومت نہیں بن گئی اور دو ہفتے بعد کانفرنس دوبارہ شروع نہیں ہوگئی۔

ادھر ہندوستان میں بھی وائسرائے کی تبدیلی کے نتیجے میں وفاق کی تجویز کے خلاف سیاسی رہنماؤں کا رویہ سخت ہوگیا تھا۔ ارون نے ہندوستان کے مسئلے میں جان ڈال کر اسے مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھا تھا اور اپنے مشیروں اور سرکاری افسروں کی خدمات سے بے نیاز ہوکر اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنے اس طرز عمل سے ان لوگوں کو ناراض کردیا تھا۔ چنانچہ ارون کے سبکدوش ہونے کے بعد اس حقیقت کا اظہار روز افزوں کیا جانے لگا تھا (۳۹)۔ ولنگڈن کی آمد کے ساتھ ہی صورت حال بالکل الٹ گئی۔ ولنگڈن اپنے کئی ہم وطنوں سے زیادہ ترقی پسند تھا اور یہ خوبی اس میں اس حد تک تھی کہ وہ

Marfat.com

جلد ہی ہندوستان کے قوم پرستوں میں مقبول ہوگیا (۴۰)۔ وہ خود بھی چونکہ آزاد خیال تھا لہٰذا اسے ہندوستانیوں کی امنگوں سے ہمدردی تھی اور وہ ہندوستان کی سیاسی پیش رفت کا خواہاں تھا (۴۱)۔ لیکن اب اس کی عمر پینسٹھ سال ہوگئی تھی اور پچھلے بیس سال میں یکے بعد دیگرے کئی گراں بار عہدوں پر فائز رہنے کے بعد لازمی طور پر تھک چکا تھا (۴۲)۔ نیز وہ سات سال کے طویل وقفے کے بعد ہندوستان آیا تھا۔ لہٰذا وہ ہندوستان کے نئے سیاسی رجحانات سے نابلد تھا اور اپنے عہدے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ دل میں کانگریس، جناح (۴۳) اور گاندھی (۴۴) جیسے اہم ہندوستانی لیڈرون سے جو بدگمانیاں ماضی میں جاگزیں ہوگئیں تھیں وہ برقرار تھیں۔ ان بدگمانیوں کو لندن کانفرنس میں شرکت کے لئے گاندھی کے لندن روانہ ہونے سے ولنگڈن کے ساتھ ان کے طویل مذاکرات سے مزید تقویت پہنچی۔ ان عوامل کے ساتھ ساتھ انگلستان میں حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے وائسرائے کے سرکاری ماتحتوں کے کردار اور اثر میں اضافہ ہوگیا۔ یہ بات اس لئے اہمیت رکھتی ہے کہ حکومت کے سول ملازمین گاندھی کو دی جانے والی رعایتوں (۴۵) کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور مبینہ طور پر کل ہند وفاق کے پروگرام پر یقین نہیں رکھتے تھے (۴۶)۔ جہاں تک ولنگڈن کا تعلق تھا، والیان ریاست کے رویئے کے پیش نظر وفاق سے اس کی دلچسپی ختم ہوگئی اور قانون ساز اسمبلی میں حکومت کو درپیش مشکلات کی بناء پر وہ اس فکر میں تھا کہ برطانوی ہند میں ذمہ دار حکومت جلد قائم کردی جائے (۴۷)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت ہند نے کانفرنس کے اگلے اجلاس کی تیاری کے سلسلے میں وفاق کی تجویز سے متعلق نہ تو تفصیلی مذاکرات کئے اور نہ اس کے بارے میں اپنا کوئی خاص موقف طے کیا جیسا کہ ستمبر ۱۹۳۰ء میں ارون نے کہا تھا۔ (۴۸)

مرکزی حکومت کے انداز فکر میں اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ صوبوں میں ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ سائمن رپورٹ اور مراسلہ ارون اور دسمبر ۱۹۳۰ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے فیصلے سب اس بات کے حق میں تھے کہ ساری صوبائی انتظامیہ عوام کے نمائندوں کو منتقل کردی جائے (۴۹)۔ لہٰذا موجودہ صوبائی نظام پر ایک مایوس کن تعطل کی کیفیت، طاری تھی اور یہ صورت حال نیا آئین وضع ہونے تک ختم نہیں ہونے والی تھی

Marfat.com

(۵۰)۔ اس سے صوبائی گورنروں، خصوصاً ہیلے کو یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ محض "دو مختلف حکومتوں کے درمیان خلیج" کو پر کر رہے ہیں (۵۱)۔ اور چونکہ وفاق کے وجود میں آنے کے امکانات تاریک ہو چلے تھے لہٰذا قوم پرستوں کی شورش کے مقابلے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ گورنروں نے جنہیں انتظامی ذمہ داریوں کا اصل بوجھ برداشت کرنا تھا اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی کہ لندن کانفرنس کے مذاکرات کا لحاظ کئے بغیر صوبوں میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کر دی جائے۔ (۵۲) ان کے نزدیک مرکز کی اتنی اہمیت نہیں تھی جتنی کہ خود ان کے اپنے نظام کی تھی۔ برطانیہ کے بعض سیاسی حلقے بھی ان کے اس نقطہ نظر سے متفق تھے (۵۳)۔ لہٰذا جب گول میز کانفرنس دوبارہ شروع ہوئی تو وفاق کے خلاف زبردست عوامل کار فرما ہو گئے تھے۔ والیان ریاست (۵۴)، مسلمان (۵۵)، وائسرائے (۵۶) ہندوستان کے مرکزی اور صوبائی افسر (۵۷) کانگریس اور (۵۸) برطانوی سیاست داں (۵۹) حتیٰ کہ ہندوستان کے آزاد خیال لیڈر (۶۰) سبھی کی دلچسپیاں وفاق سے ختم ہو گئی تھیں۔ واحد شخص جو پہلی کانفرنس میں پیش کی جانے والی وفاق کی تجویز پر قائم رہا وہ سیموئیل ہور تھا۔ ستمبر ۱۹۳۱ء سے جون ۱۹۳۵ء تک اپنے عہدے کی ساری معیاد کے دوران وہ وفاق کے تصور کو زندہ رکھنے کے لئے ان تھک محنت کرتا رہا۔

گول میز کانفرنس کا دوسرا اجلاس لندن میں ۷ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو شروع ہوا اور یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو ختم ہوا۔ اس وقت کی سیاسی فضا پہلے اجلاس کی فضا سے بالکل مختلف تھی۔ جب کانفرنس شروع ہوئی تو برطانیہ کی نو تشکیل حکومت کے وجود کا تمام تر دارومدار کساد بازاری کے اقتصادی اثرات پر تھا۔ (۶۱) ابھی کانفرنس جاری تھی کہ برطانیہ کو عام انتخابات کے مرحلے سے گزرنا پڑا جو کنزرویٹو پارٹی نے بھاری اکثریت سے جیت لئے (۶۲)۔ نومبر ۱۹۳۱ء میں میکڈانلڈ نے دوسری قومی حکومت تشکیل دی جس پر کنزرویٹو ارکان چھائے ہوئے تھے (۶۳)۔ ان واقعات کے نتیجے میں برطانوی سیاست دانوں کی توجہ گول میز کانفرنس کی طرف سے ہٹ گئی اور ہندوستان کے بارے میں حکومت کی ساری پالیسی کی باگ دوڑ سیموئیل ہور کے ہاتھ میں آ گئی۔ اب سابقہ لیبر حکومت کے مثبت ردعمل اور ہمدردی کی جگہ محتاط رویئے اور بردباری نے لے لی۔ اس اجلاس کے انعقاد کا مقصد پچھلے اجلاس کے کام کو آگے

Marfat.com

بڑھانا، اور ہندوستان کے لئے ایک وفاقی آئین وضع کرنا تھا۔ لیکن اس پر شرکا نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی اس کانفرنس کی نمایاں خصوصیات گاندھی کی شرکت اور فرقہ وارانہ اختلاف سے پیدا ہونے والا مسئلہ تھا جو شدت اختیار کر گیا تھا۔ گاندھی کے کردار اور بیانات کو خاص اہمیت دی گئی۔ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۵ر ستمبر میں گاندھی نے اپنی پہلی تقریر میں کانگریس کی نمائندہ حیثیت پر تفصیل سے اظہار خیال کیا اور آزادی کا وہ فیصلہ پڑھ کر سنایا جو کانگریس کے کراچی والے اجلاس نے انہیں دیا تھا (۶۴)۔ لندن میں قیام کے دوران وہ اپنے اس موقف پر جمے رہے (۶۵)۔ ان کے دعاوی اور بیانات سے دوسرے مفادات کی نمائندگی کرنے والے مندوبین میں تشویش پیدا ہوگئی (۶۶)۔ انہوں نے ہندوستانی وفد کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کرنے سے جو انکار کیا تھا اس سے خود سپرو بھی ناراض ہوگیا تھا (۶۷)۔ اس سے کانفرنس کے کام میں رکاوٹ پڑ گئی۔ لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ وارانہ مسئلہ تھا۔ اس مرتبہ مسلم مندوبین کو اتنی آزادی حاصل نہیں تھی جتنی کہ پہلے اجلاس میں تھی۔ اب کی دفعہ وہ متحکم ہو کر اور اس ہدایت کے ساتھ ہندوستان سے آئے تھے کہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں (۶۸)۔ اس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ سوال کو کانفرنس میں شروع سے آخر تک سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی اور اس کی وجہ سے کانفرنس کی کاروائی میں رکاوٹ پڑ گئی (۶۹)۔ جہاں تک والیان ریاست کا تعلق تھا وفاق کے معاملے پر ان کا جوش و خروش کم ہوگیا تھا۔ اب فرقہ وارانہ مسئلے کی وجہ سے انہیں اس مطالبے کے دباؤ سے نجات مل گئی کہ وہ وفاق میں شمولیت کی منظوری کا اعلان کر دیں (۷۰)۔ ۲۸ ستمبر کو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی نے لارڈ پیل کی سرکردگی میں ایک ذیلی کمیٹی مقرر کی جس کا مقصد اس اصول کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرنا تھا جن کی بنیاد پر وفاق اور اس کے عناصر ترکیبی کے درمیان وسائل کی تقسیم اور ذمہ داریوں کا تعین ہونا تھا (۷۱)۔ اس ذیلی کمیٹی کی تشکیل کا محرک والیان ریاست کا یہ احساس تھا کہ اگر انہوں نے برطانوی ہند کے ساتھ وفاق میں شمولیت قبول کر لی تو مالیاتی اعتبار سے وہ خسارے میں رہیں گے (۷۲)۔ لیکن فرقہ وارانہ سوال پر تعطل کے سبب اس ذیلی کمیٹی کی رپورٹ پر ۱۳ر اکتوبر تک غور نہیں کیا جاسکا اور جب اس پر غور ہوا تو اس میں اقلیتوں کا تعاون شامل نہیں تھا (۷۳)۔ چنانچہ

Marfat.com

والیان ریاست کو پتہ چل گیا کہ چونکہ برطانوی ہند کے نمائندوں کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہوسکا لہٰذا انہیں وفاق میں شمولیت کو تسلیم کرنے کے لئے نہیں کہا گیا۔ انہوں نے صرف اپنے ابتدائی موقف کا اعادہ کیا اور وطن لوٹ گئے (۷۴)۔

ان کاروائیوں سے ظاہر ہوگیا کہ مسلمان ایک مستحکم وفاق ہند کے قیام کے خلاف سخت مزاحمت کریں گے۔ ان کے رویئے سے والیان ریاست کو بھی کوئی پابندی قبول نہ کرنے میں مدد ملی اور اس کے ساتھ ہی ٹھوس اصلاحات کے خلاف ایک دلیل برطانیہ کے کٹر سیاست دانوں کے ہاتھ بھی آگئی لہٰذا ان خطوط پر مزید مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔ کانفرنس کے دوران میں ولنگڈن کے نام سیموئیل ہور نے تقریباً ہر خط میں یہ اطلاع دی کہ فرقہ وارانہ سوال پر تعطل کے نتیجے میں اور والیان ریاست اور گاندھی کے رویئے کی وجہ سے مذاکرات میں رکاوٹ پڑ گئی ہے (۷۵)۔ ولنگڈن نے بھی جواب میں یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر گاندھی لندن سے مطمئن ہو کر نہ لوٹے تو ہندوستان میں اس کا رد عمل خطرناک ہوگا (۷۶)۔ جواہرلال نہرو پہلے ہی حکومت کو خبردار کرچکے تھے کہ وہ یوپی میں ,لگان نہ دو، کی مہم شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (۷۷)۔ کانگریسی لیڈروں کے جو خط روک لئے گئے تھے ان سے بھی حکومت ہند کو یقین ہوگیا کہ اب کسی بھی وقت سول نافرمانی کی تحریک دوبارہ شروع کی جاسکتی ہے (۷۸)۔ ان حالات کے پیش نظر ولنگڈن کا اصرار تھا کہ کم از کم برطانوی ہند کے مرکز کی اصلاح میں جلد پیش رفت ہونی چاہئے (۷۹)۔ لیکن یہی اصل مسئلہ تھا۔ یہ راہ اختیار کرنے میں سیموئیل ہور نہ تو مسلمانوں (۸۰) کی تائید حاصل کر پایا اور نہ خود کو قائل (۸۱)۔ بہرکیف وزارت ہند کو کوئی ایسی متبادل صورت پیدا کرنی تھی جس میں آئینی اصلاحات کا پہلو موجود ہو۔ یہ صورت سائمن رپورٹ نے فراہم کردی جس میں کہا گیا تھا:

صوبوں کو فوری طور پر مکمل خود مختاری دے دی جائے اور وفاق کے نصب العین کو برقرار رکھا جائے۔ اس نصب العین کو برقرار رکھنے کے لئے یہ وعدہ کرلیا جائے کہ اسے جلد حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جائے گی (۸۲)۔ صوبائی خود مختاری سے مسلمان مطمئن ہوجائینگے اور صوبائی گورنروں کی مشکل آسان ہوجائے گی صوبائی خود مختاری دینے کے ساتھ ساتھ وفاق کے جلد قیام کے وعدے سے قوم پرستوں کے ساتھ چپقلش کا سدباب ہوجائے

Marfat.com

گا۔ لیکن ولنگڈن نے اس لائحہ عمل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا (۸۳)۔ تاہم وہ ولنگڈن نہیں بلکہ ہندوستان کے لبرل سیاست داں تھے جنہوں نے برطانوی حکومت کو یہ تجویز ترک کردینے پر مجبور کیا۔ نومبر ۱۹۳۱ء کے شروع میں گاندھی نے آکسفورڈ میں تقریر کرتے ہوئے بر سبیل تذکرہ وزیر اعظم کو صوبائی خود مختاری قبول کرنے کی پیش کش کی بشرطیکہ اس کے چھ مہینے کے اندر مرکزی ذمہ داری کے لئے راہ ہموار کی جائے (۸۴)۔ اس سے ہندوستانی آزاد خیال سیاست داں جنہیں حکومت کی نیت پر پہلے ہی شبہ تھا، سراسیمہ ہوگئے (۸۵) انہوں نے بلاتاخیر وزیر اعظم سے برملا (۸۶) رجوع کیا اور مخفی طور پر (۸۷) بھی رابطہ قائم کیا اور اسے نہایت سنجیدگی کے ساتھ دوبلوں کی پالیسی کے خلاف آواز اٹھائی جن میں سے ایک کا تعلق فوری طور پر صوبائی خود مختاری دینے سے تھا اور دوسرے کا بعد کے مرحلے پر مرکزی ذمہ داری سے۔ پھر انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ گزشتہ سال انیس جنوری کو وزیر اعظم نے جو اعلان کیا تھا اس پر عملدر آمد کیا جائے (۸۸)۔ لیکن انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے ہندو رفقا اور لیبر پارٹی کے نمائندوں کی حمایت سے وفاقی ڈھانچ سے متعلق کمیٹی کو اس کے ختم ہونے سے صرف تین دن قبل ایک ایسے معاملے پر غور کرنے پر مجبور کردیا جو اس کے امور مفوضہ میں شامل نہیں تھا۔ اس معاملے کا تعلق حکومت کے اس مبینہ منصوبے سے تھا کہ اصلاحات صرف صوبائی خود مختاری تک محدود رکھی جائیں (۸۹)۔ اس پر کمیٹی کے اجلاس میں دو دن تک بحث ہوتی رہی جس میں سپرو نے متذکرہ مندوبین کے جذبات کی ترجمانی مندرجہ ذیل الفاظ میں کی :-

> ”میں مرکزی ذمہ داری سے الگ صوبائی خود مختاری کو تسلیم کرنے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں۔ میں نہ تو خود اس تجویز کی حمایت کرتا ہوں اور نہ اپنے ہم وطنوں کو یہ مشورہ دینے کے لئے تیار ہوں کہ مرکزی ذمہ داری کے بغیر صوبائی خود مختاری کو قبول کرلیا جائے۔ میں دل کی گہرائیوں سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں اور میرے اس تیقن کا سلسلہ حکومت کے ساتھ میری وابستگی کے دور سے چلا ہے۔ ہمارے دوستوں کے لئے یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ ہمیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور یہ

Marfat.com

کہ صوبائی خود مختاری سے لامحالہ مرکزی ذمہ داری حاصل ہوجائے گی۔ میں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ میں اور میرے ہم وطن اس قسم کی یقین دہانیوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں ہم آج صوبائی خود مختاری کو قبول کرکے اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بالخصوص جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ انگلستان میں سیاسی رائے بڑی تیزی سے بدلتی ہے جیساکہ وہ گزشتہ چند ماہ کے دوران میں بدلتی رہی ہے اور یہ کہ ہمارے دوستوں کی تعداد نہایت قلیل اور دشمنوں کی تعداد کثیر ہے۔ میں نہ تو عدم تعاون کا حامی ہوں اور نہ کبھی عدم تعاون کی روش اختیار کی ہے۔ مجھے یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ جنہوں نے عدم تعاون کی روش اختیار کی ہے وہ دراصل اسی ملک کے لوگ ہیں۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے آپ سے اپیل کرتا ہوں اور اگر میں اپنی تقریر میں کسی قدر جذباتی ہوگیا ہوں تو میں ملتمس ہوں کہ آپ یہ تسلیم کرلیں اور یہ باور کرلیں کہ مجھ پر وہ خطرات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جو ہمیں سائمن کی سفارشات کی طرف واپس لے جانے کے لئے آپ کی تدبیروں سے پیدا ہوجائیں گے۔ اگر ہمیں دو صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کرنے کا اختیار دیا جارہا ہے یعنی یا تو آج صوبائی خودمختاری قبول کرلی جائے یا تین سال انتظار کرکے صوبائی خود مختاری اور مرکزی ذمہ داری سب کچھ حاصل کی جائے تو آج صوبائی خود مختاری قبول کرنے کی بجائے تین سال کے انتظار کو ترجیح دوں گا" (۹۰)۔

اس صورت حال کے پیش نظر سیموئیل ہرنے حزن و انتشار کی اس کیفیت کو دور کرنے کی کوشش کی جو کمیٹی کے متعدد ارکان پر طاری تھی (۹۱)۔ اس نے کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ ہندوستانیوں کی رضامندی سے اور ان کے ساتھ مل بیٹھ کر آگے بڑھنے کی پالیسی پر غور کیا جائے گا (۹۲)۔ اس طرح آزاد خیال سیاست دانوں کی مخالفت اس مرحلے پر بھی صوبائی خود مختاری کو دوسری اصلاحات سے علیحدہ کرکے نافذ کرنے میں

Marfat.com

مزاحم ہوگئی۔ ان حالات میں کانفرنس جس طرح شروع ہوئی تھی تقریباً اسی طرح ختم بھی ہوگئی۔ کانفرنس کے اختتام پر وزیر اعظم نے جو بیان دیا تھا اس کے مضمون کے بعض اہم پہلو اس بیان سے ملتے جلتے تھے جو پہلے اجلاس کے اختتام پر دیا گیا تھا۔ ان دونوں بیانات کا اصل موضوع حل طلب فرقہ وارانہ مسئلہ تھا (۹۳) اور دونوں ہی بیانات میں مرکزی ذمہ داری کو حسب سابق تحفظات اور تخصیصات کا پابند بنادیا گیا تھا اور کل ہند وفاق کو مرکز کی تشکیل کی بنیاد قرار دیا گیا تھا (۹۴)۔ البتہ دوسرے بیان میں اس بات اضافہ کیا گیا تھا کہ متعلقہ فریق آپس میں کسی سمجھوتے پر پہنچنے میں ناکام رہیں تو ملک معظم کی حکومت کا ارادہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے طور پر ایک عبوری اسکیم نافذ کرے اور وفاقی مقننہ میں متعلقہ ریاستوں کی نمائندگی کا کوٹا مقرر کردے (۹۵)۔ اس دوسرے بیان میں نئے آئین کے نافذ العمل ہونے تک شمال مغربی سرحدی صوبے کا آئینی درجہ بڑھانے اور ہندوستان میں گول میز کانفرنس کے کام کا سلسلہ جاری رکھنے (۹۶) کے لئے چار کمیٹیوں کے قیام کی ذمہ داری بھی قبول کی گئی تھی۔

دسمبر ۱۹۳۱ء میں کانفرنس برخاست ہونے کے بعد جو اہم واقعہ رونما ہوا وہ حکومت ہند کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی ہنگامی قوانین کا نفاذ تھا (۹۷)۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ سول نافرمانی دوبارہ شروع ہونے کی صورت میں اس سے نمٹا جائے۔ اس مرتبہ ہنگامی قوانین یہ طے کرکے نافذ کئے گئے تھے کہ ان پر سختی سے عملدر آمد کیا جائے گا (۹۸)۔ چنانچہ جوں ہی سول نافرمانی کی علامتیں رونما ہوئیں حکومت کی مرضی کو قوت سے نافذ کیا گیا (۹۹)۔ کانگریس کے تقریباً تمام بڑے بڑے لیڈروں کو فوراً جیل بھیج دیا گیا (۱۰۰)۔ ۱۹۳۲ء کے موسم بہار تک حکومت نے بزعم خود اس تازہ تحریک کی کمر توڑ دی تھی (۱۰۱)۔ ہندوستان کے آزاد خیال لیڈروں نے جو اس وقت تک بلا جبر و کراہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے رہے تھے ان اقدامات کے خلاف احتجاج کیا (۱۰۲)۔ لیکن انہیں نظر انداز کردیا گیا۔ ولنگڈن کو جسے غیر معمولی اختیارات حاصل تھے، کانگریس کو قابو میں رکھنے اور امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں اپنی حکومت کی طاقت پر یقین تھا بشرطیکہ اصلاحات کے پروگرام میں پیش رفت کے لئے تیزی سے اقدامات کئے جاتے (۱۰۳)۔ قانون ساز اسمبلی میں جو حکومت کے لئے ہمیشہ

Marfat.com

سے پریشانی کا باعث رہی تھی اب وٹھل بھائی موجود تھے نہ موتی لال، نہ مالویہ (۱۰۴) اور نہ جناح (۱۰۵)۔ لہٰذا جب کانفرنس کی تین کمیٹیاں ۱۹۳۲ء میں اپنے اس کام کو انجام دینے کے لئے ہندوستان پہنچیں جو انہیں لندن میں سونپا گیا تھا (۱۰۶) تو ہندوستان بادی النظر میں سیاسی اعتبار سے شکست خوردہ اور اداس معلوم ہوتا تھا (۱۰۷)۔ لیکن اس خاموشی میں بھی آئینی سوال پر چار عوامل نمایاں نظر آتے تھے۔ ایک تو مسلمانوں کا یہ پر زور مطالبہ کہ حکومت فرقہ وارانہ مسئلے کا جلد تصفیہ کرے (۱۰۸) دوسرے ہندوستان کے آزاد خیال سیاست داں جو برطانوی حکومت اور پارلیمان کو اس بنا پر شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ اس پر قدامت پسند پارٹی کا غلبہ تھا نیز ولنگڈن کی حکومت نے جبر و تشدد کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس پر یہ سیاست داں برہم تھے (۱۰۹)۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مرکز کی اصلاح کے بغیر صوبائی خود مختاری کے نفاذ کے بھی سخت خلاف (۱۱۰) تھے۔ ۱۹۳۲ء میں ایک یاد داشت کی اشاعت سے ان آزاد خیال سیاست دانوں کے شبہات کو اور تقویت پہنچی۔ یہ یاد داشت مبینہ طور پر ایڈورڈ بینتھال (۱۱۱) نے قلم بند کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ملک میں محض صوبائی خود مختاری کے نفاذ کے لئے برطانوی سیاست دانوں، ہندوستان کی پوری برادری اور مسلمانوں میں گٹھ جوڑ ہو گیا ہے (۱۱۲)۔ تیسرے یہ کہ سیموئیل ہور کو ہندوستان سے جتنے مراسلات موصول ہوئے ان سب میں یہ اطلاعات درج تھیں کہ والیان ریاست نے وفاق کی تجویز کے بارے میں مخالفانہ رویہ اختیار کر لیا ہے (۱۱۳)۔ چوتھے یہ کہ ولنگڈن برطانوی ہند میں مرکزی ذمہ داری کے قیام پر مصر تھا جبکہ سیموئیل ہور نے پختہ عہد کر رکھا تھا کہ مرکز کی اصلاح صرف اسی صورت میں کی جائیگی کہ برطانوی ہند اور والیان ریاست وفاق کے رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ اس نے ولنگڈن کی یہ تجویز تک مسترد کر دی کہ عبوری مدت کے لئے دو مزید ہندوستانیوں کو وائسرائے کی عاملہ میں شامل کیا جائے تاکہ وہ ہندوستان کی سیاسی رائے سے زیادہ ہم آہنگ ہو سکے (۱۱۴)۔ اس ضمن میں دونوں نے ایک دوسرے کو جو کچھ لکھا تھا اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

I آپ کا خیال ہے کہ کل ہند وفاق ناقابل عمل ہونے کی صورت میں حکومت ہند سے متعلق ایک مسودہ قانون پیش کیا جائے جس میں ایک ذمہ دار

حکومت ہند کے ساتھ وفاق کے قیام کی گنجائش رکھی گئی ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے ایسی کسی متبادل صورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت نے اور میں نے ہر مرحلے پر کل ہند وفاق کے قیام کا عہد کیا ہے۔ ہم نے جو دو قرطاس ابیض مرتب کئے ہیں ان میں مرکزی ذمہ داری کو خصوصیت کے ساتھ کل ہند وفاق سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ ہم نے بار ہا اس بات پر برملا اور خصوصاً پارلیمانی مباحث میں زور دیا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں کنزرویٹو ارکان کو اس شرط کے بغیر رضامند کرنے میں قطعی کامیاب نہ ہوتا اگر اسے پارلیمنٹ میں مسلسل واضح نہ کیا جاتا تو حکومت کو بیس سے زیادہ کنزرویٹو ارکان کی تائید حاصل نہ ہوتی۔ خواہ میرا یہ موقف درست ہو یا غلط، مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ پارلیمانی صورت حال کی حقیقی عکاسی ہے اور موجودہ حالات میں حکومت سے متعلق کسی ایسے بل کے پیش کئے جانے کا کوئی امکان نہیں جس میں کل ہند بنیاد کے بغیر مرکز کو ذمہ داری کی منتقلی کی گنجائش رکھی گئی ہو" (۱۱۵)۔

II "اگر اس وقت والیان ریاست شمولیت کے تیار نہ ہوں تو کیا آپ برطانوی ہند کے لیڈروں سے یہ کہنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں: ہمیں آپ لوگوں کے ساتھ وفاق برطانوی ہند کی طرف بڑھنے سے انکار ہے کیونکہ ہم والیان ریاست کو ایک ایسی محفوظ حیثیت تصور کرتے ہیں جو ہمارے نئے وفاقی نظام کی ابتدا میں وفاق کے شعبے کو سنبھال کر چلا سکتے ہیں۔ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر ہم نے یہ موقف اختیار کیا تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہر ہندوستانی کانگریسی ہو جائے گا (۱۱۶)۔

III "آپ نے برطانوی ہند کے وفاق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے میں نے دلچسپی سے پڑھا۔ شاید ہم دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کی مشکلات کا احساس نہیں ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں خلوص کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ یہاں مستقبل قریب میں مرکزی ذمہ

Marfat.com

داری کے ساتھ برطانوی ہند کے قیام کو سیاسی طور پر تسلیم کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس وقت دارالعوام کے دس میں سے نو ارکان میرے ساتھ ہیں اور ملک کی رائے عامہ کا بڑا عنصر میری تائید میں ہے۔ اگر کل ہند وفاق کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو ہم اسی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے جو گول میز کانفرنس سے پہلے تھی اور دارالعوام کے اسی فی صد ارکان دوبارہ من و عن سائمن رپورٹ کی حمایت کرنے لگیں گے" (۱۱۷)۔

اس طرح اتفاق رائے میں ناکام ہونے کی وجہ سے ولنگڈن اور سیموئیل ہور کی پوزیشن مارچ ۱۹۳۲ء میں زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ ادھر لاہور میں ۲۱ مارچ کو مسلمانوں کا اجلاس ہونے والا تھا تاکہ فرقہ وارانہ مسئلے کے جلد تصفیہ کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جائے (۱۱۸) اور اسی مہینے کے اختتام پر دہلی میں ایوان والیان ریاست کا اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا حکومت ایک اعلامیہ جاری کر کے کچھ عرصے کے لئے مسلمانوں کی تسلی کرنے میں کامیاب ہو گئی جس میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ کا تصفیہ ثالثی کے ذریعے کرائے گی (۱۱۹)۔ لیکن والیان ریاست کا معاملہ بدستور شدید تشویش کا باعث تھا۔ اگر ایوان والیان ریاست کے اگلے اجلاس میں وفاق کے لئے دروازے بند کر دیئے جاتے تو برطانیہ میں اس کے مصیبت خیز اثرات مرتب ہوتے جہاں دنیا بھر کا سارا تیل جلتی آگ پر پڑ جاتا، (۱۲۰)۔ لہٰذا سیموئیل ہور نے ولنگڈن ہیلے اور ولنگڈن پر جو ان دنوں ہندوستان میں تھے اور دوسرے لوگوں پر زور دیا کہ کسی بھی قیمت پر (۱۲۱) ایوان میں ایک مثبت قرار داد منظور کرانا اشد ضروری ہے۔ والیان ریاست نے وائسرائے کے دباؤ سے یکم اپریل ۱۹۳۲ء کو اپنی قرار داد منظور کی (۱۲۲)۔ وائسرائے نے گول میز کانفرنس کی تینوں کمیٹیوں کے بیشتر برطانوی ارکان کے زیر اثر جو اس وقت دلی میں موجود تھے (۱۲۳) والیان ریاست پر دباؤ ڈالا جبکہ اس قرار داد کے حق میں والیان ریاست کے ان وزراء نے بھی دلائل پیش کئے جو ہندوستان کے آزاد خیال سیاست دانوں کے دوست تھے (۱۲۴)۔ یہ کوششیں والیان ریاست کی طرف سے وفاق کی تجویز کے مسترد کئے جانے میں مزاحم ہوئیں۔ لیکن قرار داد میں ان کے صرف اس ارادے کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ

Marfat.com

وفاق میں شامل ہوجائیں گے بشرطیکہ ان کے لئے ضروری تحفظات کی گنجائش رکھی جائے (۱۲۵)۔ قرار داد میں ان کا یہ حق بھی محفوظ رکھا گیا تھا کہ وہ مکمل شکل میں سارے آئین اور مسودہ قانون کا از سر نو جائزہ لے سکیں گے قبل اس کے کہ ایوان اور انفرادی حیثیت سے ہر ریاست کی جانب سے اسکی قطعی توثیق کی جائے، (۱۲۶) اس سے سیموئیل ہور کی فوری تشویش تو دور ہوگئی لیکن والیان ریاست کے اس موقف میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی جو انہوں نے لندن کانفرنس کے پہلے اجلاس میں طے کیا تھا۔ ایوان کے اجلاس کے بعد ایک ریاست کے فرماں روا نے یہ بات زور دے کر کہی کہ والیان ریاست اپنے فیصلے کا اختیار لندن میں کسی وفد کو قطعی نہیں دیں گے اور مسودہ قانون تیار ہوتے ہی اسے والیان ریاست کے ایوان میں غور کے لئے بھیجنا لازمی ہے (۱۲۷)۔ ایک اور فرماں روا کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ وفاق کے سوال کا جائزہ لینے کی پیشگی شرط کے طور پر والیان ریاست کے کنفیڈریشن کی تجویز کو منظور کرلیا جائے (۱۲۸)۔ ایک اور والئی ریاست کا وزیر (۱۲۹) یہ خواہش ظاہر کرچکا تھا ایک طویل عبوری مدت رکھی جانی چاہئے جس کے دوران ریاستیں برطانوی ہند کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکیں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ صورت حال کیا رخ اختیار کررہی ہے اور یہ فیصلہ کرسکیں کہ کن شرائط پر انہیں وفاق میں شامل ہونا چاہئے (۱۳۰)۔ اس طرح ۱۹۳۲ء کے دوران آئینی مذاکرات میں مختلف فریقوں کا موقف ۱۹۳۰ء ۔ ۱۹۳۱ء کی کانفرنس کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوگیا۔

۱۹۳۲ء کے موسم بہار تک آئین سازی کا کام تعطل کا شکار ہوگیا تھا۔ لیکن سول نافرمانی کی تحریک ان ہنگامی قوانین کے ذریعے دبائے جانے کے باوجود جاری تھی جن کی مدت جون ۱۹۳۲ء میں ختم ہورہی تھی۔ لہٰذا حکومت کے لئے یہ تاریخ بھی پریشانی کا ایک اور سبب تھی۔ ولنگڈن کی حکمت عملی یہ تھی کہ ان ہنگامی قوانین کی تجدید کردی جائے اور اس کے ساتھ ہی مرکز کے اصلاح کے پروگرام کی رفتار تیز کردی جائے (۱۳۱)۔ ہنگامی قانون کے مسئلے اور اس تعطل کے حل کے لئے کئی اور تجاویز بھی پیش کی گئیں جس کی وجہ سے اصلاحات کا کام کھٹائی میں پڑ گیا تھا (۱۳۲)۔ ان امور کے پیش نظر سیموئیل ہور نے یہ رائے قائم کی کہ گول میز کانفرنس کے مزید اجلاس منعقد کرنا قرین مصلحت نہ ہوگا (۱۳۳)۔ ۱۹۳۲ء کے

Marfat.com

وسط تک کانفرنس کی تینوں کمیٹیوں نے اپنا کام مکمل کرلیا (۱۳۴)۔ وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی جمود کا شکار ہوگئی (۱۳۵)۔ فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیئے کی ذمہ داری ملک معظم کی حکومت نے سنبھال لی (۱۳۶) اور والیان ریاست نے ایک مرتبہ پھر وفاق کی تجویز کو تسلیم کرلیا (۱۳۷)۔ لہٰذا لندن کانفرنس کا ایک اور اجلاس منعقد کرنا بے سود تھا۔ ہندوستانیوں کے درمیان افہام و تفہیم کا کوئی امکان نہیں تھا اور ایک اور کانفرنس بیش قیمت وقت کی تضئیع تھی کیونکہ اس کی وجہ سے پارلیمنٹ میں بل پیش کرنے میں تاخیر ہوجاتی (۱۳۸)۔ جو چیز سب سے زیادہ ضروری تھی وہ تیز رفتاری تھی۔ سیموئیل ہور کو پارلیمنٹ کی صورت حال بھی ملحوظ رکھنی تھی ۳۱۔ ۱۹۳۰ء کے دوران کانفرنس کے طریقہ کار نے کانفرنس کو مضطرب کرر کھا تھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اسے حکومت اور گول میز کانفرنس کے درمیان کوئی ایسا طے شدہ معاہدہ نہ پیش کیا جائے جو معاہدہ آئرلینڈ کی قسم کا ہو اور جو اسے بعد میں طوعاً و کرہاً قبول کرلینا پڑے (۱۳۹)۔ پارلیمنٹ کی تشویش کا سبب وزیر اعظم (۱۴۰) اور وزیر ہند (۱۴۱) کی تقریریں تھیں جو انہوں نے کانفرنس کی کاروائی کے دوران کی تھیں۔

چنانچہ سیموئیل ہور نے فیصلہ کیا کہ سارے مسئلے کو کانفرنس سے علیحدہ کرلیا جائے اور صوبائی خود مختاری اور وفاق دونوں کی تجاویز پر مشتمل ایک جامع بل تیار کیا جائے۔ یہ تدبیر ولنگڈن کے لئے بھی تسلی بخش تھی (۱۴۲)۔ ۲۷ جون ۱۹۳۲ء کو سیموئیل ہور نے دارالعوام سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پروگرام کے خدوخال پیش کئے۔ اس نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سول نافرمانی سے پیدا ہونے والی صورت حال پر روشنی ڈالی اور حکومت کے اس ارادے کا اظہار کیا کہ نافذ الوقت ہنگامی قانون کی معیاد ختم ہونے سے قبل ایک نئے ہنگامی قانون کے ذریعے ان اختیارات میں سے بیشتر اختیارات برقرار رکھے جائیں جو حکومت کو اول الذکر ہنگامی قانون کی رو سے حاصل تھے (۱۴۳)۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حکومت فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ موسم گرما میں کر دے گی (۱۴۴)۔ ایک بل یا دو بل کے سوال پر اس نے اعلان کیا کہ حکومت نے واحد بل کے ذریعے اپنی پالیسی نافذ کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے اور اس بل میں خود مختار صوبوں، ریاستوں اور صوبوں کے وفاق دونوں کے

Marfat.com

دساتیر کی گنجائش رکھی جائے گی (۱۴۵)۔ سیموئیل ہور کی تقریر کا سب سے حساس جزو گول میز کانفرنس کے مزید اجلاسوں کے پروگرام کی منسوخی کا اعلان تھا (۱۴۶)۔ اس کی بجائے ہور نے تجویز پیش کی کہ پارلیمینٹ کے دونوں ایوانوں کو ایک مشترکہ کمیٹی قائم کرنے کی دعوت دی جائے جس کا مقصد پارلیمینٹ میں مجوزہ بل پیش کئے جانے سے قبل ہندوستانی نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورے سے آئینی اصلاحات کے بارے میں حکومت کی تجاویز کا جائزہ لینا ہو (۱۴۷)۔

پارلیمینٹ میں بل پیش کئے جانے سے قبل کسی پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل ایک غیر معمولی طریقہ کار تھی۔ لیکن اس کا مقصد ہندوستانیوں کو یہ تاثر دینا تھا کہ اس صورت میں بھی ہندوستانیوں کو اپنا معاملہ پیش کرنے کا معقول موقعہ فراہم کیا جائے گا قبل اس کے کہ حکومت قطعی فیصلے کے لئے پارلیمینٹ سے رجوع کرے اس طریقہ کار کی تائید میں سیموئیل ہور کی اصل دلیل یہ تھی کہ اسے اصلاح کے کام کی رفتار تیز کرنے کی فکر ہے (۱۴۸)۔ نئے منصوبے کی بدولت پارلیمینٹ میں حکومت کی مشکل آسان ہوگئی (۱۴۹)۔ دارالعوام نے سیموئیل ہور کی اسکیم بھاری اکثریت سے منظور کرلی اس کے حق میں دو سو بیالیس اور اس کے خلاف اٹھائیس ووٹ آئے (۱۵۰)۔ چرچل نے بھی اسے برکن ہیڈ کی تجاویز کی طرف مراجعت، قرار دے کر اس کا خیر مقدم کیا اور خیال ظاہر کیا کہ اس اسکیم سے ہندوستان کے مسئلے کے صحیح حل کی صورت نکل آئی جو گول میز کانفرنس کی وجہ سے معاہدہ آئرلینڈ کی طرح مذاکرات کے ذریعے طے پانے والے مذموم سمجھوتے کی شکل اختیار کرگیا تھا (۱۵۱)۔ لیکن ہندوستان میں اس پر سخت مخالفانہ رد عمل کا اظہار کیا گیا۔ ہندوستانی آزاد خیال سیاست دانوں نے اس اسکیم کو انہی وجوہ کی بنا پر مسترد کردیا جن کی بنا پر برطانوی کٹر سیاست دانوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ صوبائی خود مختاری کا قانون پہلے وضع کرنے کا خیال ترک کرکے صوبوں اور مرکز دونوں کے لئے ایک جامع بل مرتب کرنے کے فیصلے اور پارلیمینٹ میں اس بل کو پیش کرنے سے قبل ایک پارلیمانی کمیٹی مقرر کرنے کی تجویز نیز اصلاحات کے عمل کو تیز کرنے کے لئے سیموئیل ہور کی دلیل کو وہ پذیرائی نہیں ہوئی جس کی وہ مستحق تھی۔ گول میز کانفرنس اور وفاقی ڈھانچے کی کمیٹی کو ختم کرنے کا فیصلہ عہد شکنی تصور کیا گیا (۱۵۲)۔ اور

Marfat.com

اس خدشے کا اظہار کیا گیا کہ مجوزہ طریقہ کار کے تحت نئے آئین کی تیاری میں ہندوستانیوں کی رائے مناسب اہمیت کی حامل نہیں ہوگی اور اس طرح پارلیمنٹ میں جو قانون وضع ہوگا وہ ایک قدامت پسندانہ آئین ہوگا (۱۵۳)۔ اب ہندوستان میں پھر ویسی ہی صورت حال رونما ہوگئی جو سائمن کمیشن کے اعلان کے وقت تھی۔ لیکن حکومت نے ان آزاد خیال سیاست دانوں کے پیشگی احتجاجات (۱۵۴) کو اسی طرح نظر انداز کر دیا جس طرح سائمن کمیشن کے خلاف ایسے ہی احتجاجات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیموئیل ہور کی تقریر کے بعد ہی سپرو جایا کار اور شاستری نے وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا اور نئے منصوبے پر عملدر آمد میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا (۱۵۵)۔

جولائی سے ستمبر ۱۹۳۲ء کی تین ماہ کی مدت کے دوران حکومت ہند کو سیاسی اعتبار سے کونسل میں تقریباً اسی مشکل صورت حال کا سامنا تھا جو اسے سائمن کمیشن کے وقت درپیش تھی۔ تاہم اب کی دفعہ حکومت کی پوزیشن اتنی خراب نہیں تھی جتنی کہ ۹۔۱۹۲۷ء کی مدت کے دوران تھی۔ ایک تو یہ کہ اس مرتبہ سائمنِ کمیشن کی طرح حکومت کے خلاف مظاہروں کا کوئی سبب موجود نہیں تھا۔ وائسرائے کی طرف سے انگلستان کو یہ اطلاعات پہنچ رہی تھیں کہ سول نافرمانی کی تحریک دب گئی ہے اور ملک کے حالات اب خاصے تسلی بخش ہیں (۱۵۶)۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کے وہ امکانات باقی نہیں رہے تھے جو ۱۹۲۷ء میں تھے۔ قوم پرستوں کے سرخیل محمد علی جناح ہندوستان میں موجود نہیں تھے۔ فرقہ وارانہ مسئلے کے بارے میں فیصلے کی کنجی حکومت کے ہاتھ میں تھی اور وہ یہ فیصلہ جلد ہی کرنے والی تھی۔ تیسرے یہ کہ اگرچہ حکومت پر سے ہندوستانی لبرل سیاست دانوں کا اعتبار اٹھ چکا تھا لیکن اب ان کے فکر و عمل میں وہ ہم آہنگی نہیں رہی تھی جو ۱۹۲۷ء میں پائی جاتی تھی۔ سپرو نومبر ۱۹۳۰ء (۱۵۷) میں لبرل فیڈریشن آف انڈیا سے مستعفی ہوگئے تھے اور بعد میں بھی اپنے اس فیصلے پر جمے رہے (۱۵۸)۔ چنتامنی نے بنیادی طور پر وفاق کے تصور کی مخالفت کی (۱۵۹) اور سی پی راما سوامی آئیر وائسرائے کی عاملہ میں شامل ہوگیا اور قانون ساز اسمبلی میں حکومت کا ترجمان بن گیا (۱۶۰)۔ مزید براں وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی کی رکنیت سے سپرو جایا کار اور شاستری کے مستعفی ہونے کے بعد بھی

Marfat.com

کئی ارکان نے جن میں ہندو اور مسلمان یکساں شامل تھے بدستور کمیٹی کے رکن رہے (۱۶۱)۔

ان ساز گار عوامل کے باوجود حکومت اتنی پر اعتماد نہیں تھی جتنی کہ وہ ۱۹۲۷ء میں تھی۔ جلد ہی سیموئیل ہور (۱۶۲)، ارون (۱۶۳) سینکے (۱۶۴)، ولنگڈن (۱۶۵) اور ہیلے (۱۶۶) سب کے سب سائمن کے مقاطعے کے واقعات یاد کرکے پریشان ہوگئے اور انہیں اعتدال پسندوں کی اہمیت کا احساس ہوگیا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ حکومت پسپا ہونے کے بارے میں غور کرنے لگی اور پھر لبرل سیاست دانوں کے دباؤ کے آگے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ نئی اسکیم کے اعلان کے ایک ہی مہینے بعد سیموئیل ہور لندن میں ایک اور کانفرنس بلانے پر رضامند ہوگیا تاکہ لبرل سیاست دانوں کو تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے (۱۶۷)۔ ایسا کرتے ہوئے وہ بڑی چالاکی سے اپنے منصوبے کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری کو بروئے کار لے آیا جو ۲۷ جون ۱۹۳۲ء (۱۶۸) کو دی گئی تھی اور پارلیمنٹ کا مزید کوئی حوالہ دیئے بغیر وائسرائے کو یہ اعلان کرنے کا اختیار دے دیا کہ لندن میں ایک اور کانفرنس ۱۹۳۲ء میں منعقد کی جائے گی (۱۶۹)۔ لیکن سیموئیل ہور کی جو پوزیشن تھی اس کی بدولت اس پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی تھی ہندوستان اور برطانیہ کی متضاد سیاسی قوتوں کو متحکم رکھنے کے لئے اس نے دو رخی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی۔ ایک طرف اس نے وائسرائے کو لکھا کہ وہ آزاد خیال سیاست دانوں سے یہ بات زور دے کر کہے کہ ان سے جس کانفرنس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا مطلب دراصل کانفرنس کا طریقہ کار ہے (۱۷۰)۔ اس نے خود سپرو کو یہ لکھ کر یقین دلانے کی کوشش کی کہ انگریزوں کے ساتھ بات چیت میں اس کی پہلے جو حیثیت تھی اسے گھٹانا ہرگز مقصود نہیں (۱۷۱)۔ دوسری طرف اس نے اپنے، جست لگانے والے، کنزرویٹو رفقا سے کہا کہ اس پروگرام میں کوئی حقیقی تبدیلی نہیں ہوئی ہے جو پارلیمنٹ نے ۲۷ جون ۱۹۳۲ء کو منظور کیا تھا اور اس پروگرام میں موسم خزاں میں ایک مختصر پروگرام کے انعقاد کی تجویز شامل ہے (۱۷۲)۔ سیموئیل ہور کی وضاحت سے ہندوستان کے آزاد خیال سیاست دانوں کا تو اطمینان ہوگیا اور وہ حکومت کی صفوں میں واپس آنے کے لئے تیار ہوگئے (۱۷۳) لیکن اس سے برطانیہ کے کٹر سیاست دانوں کی تسلی نہیں ہوئی اور انہوں

Marfat.com

نے کانفرنس کے مذاکرات کی پھر سے مخالفت شروع کر دی (۱۷۴)۔

گویا اس مرتبہ بھی ہندوستان کے لبرل سیاست دانوں ہی نے ملک میں اصلاحات کی راہ متعین کی جس طرح ۹۔ ۱۹۲۷ء کی مدت کے دوران کی تھی انہی کے رویئے سے ارون کے بیان نے جنم لیا تھا پھر انہی کا رویہ نومبر ۱۹۳۱ء سے جون ۱۹۳۲ء تک کی مدت کے دوران میں اصلاحات کے عمل پر اثر انداز ہوا تھا اور حکومت مرکز کی اصلاح سے الگ محض صوبائی خود مختاری کا قانون وضع کرنے سے باز رہی۔ لیکن آزاد خیال حلقوں کے باہر ہندوستان کی قیادت کو اس مرحلے پر اصلاحات کے کام میں ہندوستانی اور برطانوی رہنماؤں کے اشتراک عمل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت ہندوستان کے ارباب سیاست کو جس بات سے سروکار تھا وہ فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ تھا جس کا اعلان حکومت عنقریب کرنے والی تھی (۱۷۵)۔ چنانچہ اگست ۱۹۳۲ء میں فرقہ وارانہ نمائندگی کا فیصلہ منظر عام پر آگیا اور اس کے بعد ہی ہندوستان بہ حیثیت عمومی اس فیصلے سے پیدا ہونے والے تنازعے میں الجھ گیا (۱۷۶)۔ لہٰذا تیسری گول میز کانفرنس کے شرکاء اور ایجینڈے میں ہندوستان کے لئے وہ کشش نہیں تھی جو پچھلی دو کانفرنسوں کے شرکا اور اس کے ایجینڈے سے تھی۔

آخری گول میز کانفرنس لندن میں ۱۷ار نومبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہوئی اور ۲۴ دسمبر تک جاری رہی۔ پچھلی دو کانفرنسوں کے مقابلے میں اس کانفرنس کی حیثیت اور کام کا اندازہ بہت کچھ اس کی مختصر مدت اور کاروائی کی مختصر رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے (۱۷۷)۔ ہندوستان کے لبرل لیڈروں نے کانفرنس کا طریقہ کار برقرار رکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا وہ کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین اور اس کے ایجینڈے کو طے کرنے کے معاملے سے دستبردار ہوگئے۔ ایک مرتبہ جب کانفرنس کے دوبارہ انعقاد پر اتفاق رائے ہوگیا تو انہوں نے یہ سوال حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیا (۱۷۸)۔ ان کے نزدیک جو سوال ناگزیر تھا وہ صرف یہ تھا کہ آیا حکومت صوبائی خود مختاری کو دوسرے امور سے الگ کر کے اس کے متعلق قانون وضع کرنے کی کاروائی شروع کرتی ہے یا نہیں (۱۷۹)۔ لیکن اس سوال پر بھی کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول کرنے سے قبل حکومت کو کسی شرط کا پابند کرنے کی کوشش نہیں کی گئی (۱۸۰)۔ اس کانفرنس میں ہندوستانی شرکا کی تعداد پچھلی کانفرنسوں کے

Marfat.com

مقابلے میں کم تھی (۱۸۱)۔ حکومت نے بڑی ہوشیاری سے تکلیف دہ ہندوستانیوں کو مدعوئین کی فہرست سے خارج کردیا تھا۔ ان میں پچھلی کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے لبرل سیاست دان بھی شامل تھے (۱۸۲)۔ سیموئیل ہور کے منصوبے پر جن ممتاز لبرل رہنماؤں نے نکتہ چینی کی تھی ان میں صرف سپرو اور جایاکار کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ سپرو نے مندوبین کی فہرست دیکھنے کے بعد کہا کہ ان میں وہ زیادہ سے زیادہ پانچ پر بھروسہ کرسکتے ہیں اور بحران کی صورت میں صرف تین پر (۱۸۳)۔ اس مرتبہ سرکاری نقطہ نظر یہ تھا کہ مندوبین کو اس طرح ترغیب دی جائے کہ وہ کنزرویٹو اور صوبائی زاویہ نگاہ کی ترجمانی کریں (۱۸۴)۔ لیکن کانفرنس کی اہمیت اس لئے کم نہیں ہوئی کہ برطانوی ہند کی نمائندگی کمزور تھی بلکہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے اعلان کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کے سیاسی مفادات میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور اسی مناسبت سے کانفرنس میں دونوں فرقوں کے مندوبین کے رویوں میں فرق پڑگیا تھا (۱۸۵)۔ نیز والیان ریاست نے اس کانفرنس میں شرکت سے اجتناب کیا اور محض وزیروں کو اپنی نمائندگی کے لئے بھیج دیا (۱۸۶)۔ ان وزیروں میں بھی ہندوستان کے آزاد خیال رہنماؤں کے دوستوں کو شامل نہیں کیا گیا (۱۸۷)۔ ان رہنماؤں نے ریاستوں کے وفد کی ترکیب کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ برطانوی وفد میں بھی اہم تبدیلی کی گئی تھی۔ پچھلی دو کانفرنسوں کے برعکس تیسری کانفرنس کا انعقاد برطانیہ کی تین سیاسی پارٹیوں کی مشترکہ کوشش نہیں تھا۔ لبرل پارٹی کے ارکان کانفرنس کے آغاز سے دو ماہ قبل حکومت سے علیحدہ ہوگئے تھے اور اس کی وجہ سے لوتھین کا تعلق وزارت ہند سے ختم ہوگیا تھا۔ تاہم لبرل پارٹی ہندوستانیوں کے سوال پر (۱۸۸) بدستور حکومت کا ساتھ دیتی رہی اور اس کی نمائندگی کے لئے لوتھین اور ریڈنگ کانفرنس میں شریک تھے۔ لیکن لیبر پارٹی نے کانفرنس میں مزید کوئی کردار ادا کرنے سے انکار کردیا اور اپنے موقف کو اصلاحات کا کام پارلیمانی مرحلے میں پہنچنے تک محفوظ رکھا (۱۸۹)۔ یہ بات سیموئیل ہور کے لئے خوش آئند تھی کیونکہ وہ خود بھی حزب اختلاف کے مندوبین کو شامل کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ (۱۹۰) لیکن ہندوستان کے لبرل سیاست داں لیبر پارٹی کی حمایت سے محروم رہے جو انہیں پچھلی دو کانفرنسوں میں حاصل تھی۔ اس سرکاری وفد میں ارون کی شمولیت آزاد خیال سیاست دانوں

Marfat.com

کے لئے ایک خوش آئند بات تھی (۱۹۱)۔ لیکن اسی وفد میں سائمن (۱۹۲) کو شامل کر کے اس میں توازن قائم کر دیا جس کی شرکت کے سوال پر ۱۹۳۰ء کی کانفرنس کے وقت ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اب چونکہ وزیر اعظم جو کانفرنس کے چیئرمین تھے۔ کانفرنس کے دوران بیشتر وقت علیل رہے (۱۹۳) اور انگلستان کے باہر رہے اور نائب چیئرمین لارڈ سینکے کی صحت کانفرنس کی کارروائی کے دوران جواب دے گئی لہذا کانفرنس کے کام کا سارا بوجھ سیموئیل ہور کے کندھوں پر آپڑا (۱۹۴)۔ خود سیموئیل ہور پر بھی کنزرویٹو پارٹی کی سالانہ کانفرنس کے باعث دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی طرف سے خاصا دباؤ پڑ رہا تھا۔ یہ کانفرنس بلیک پول میں اکتوبر ۱۹۳۲ء میں ہونے والی تھی (۱۹۵)۔ غرض کہ کانفرنس کی صورت حال مختصراً یہ تھی کہ ہندوستان کی آزادی کے حامیوں کی تعداد بہت کم تھی، ہندوستانی فرقوں کے نمائندوں نے خود کو فرقہ وارانہ مسئلے تک محدود کر رکھا تھا۔ والیان ریاست نفاق کا شکار ہوگئے تھے اور کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرپائے تھے (۱۹۶) اور برطانیہ کے کٹر سیاست دان اپنے موقف پر اڑے ہوئے تھے۔ اس طرح اس کانفرنس میں فراخ دلانہ فیصلوں کے لئے فضا سازگار نہیں تھی (۱۹۷)۔

اس تیسری کانفرنس کے انعقاد کے مقصد کی وضاحت وزیر اعظم نے ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو اپنی افتتاحی تقریر میں یوں کی تھی۔ ان کے بقول اس کا مقصد "پچھلی دو کانفرنسوں میں جو اہم امور تشنہ تکمیل رہ گئے تھے ان کی تفصیلات طے کر کے اب تک انجام پانے والے کام کا تکملہ کرنا ہے" (۱۹۸)۔ اس کانفرنس کا ایجینڈا محدود اور عملی نوعیت کا تھا۔ اس میں کوئی امر ایسا شامل نہیں تھا جس کا تعلق براہ راست صوبوں کی اصلاح سے ہو۔ یہ ایجینڈا جن نکات پر مشتمل تھا وہ یہ تھے: سال کے آغاز میں ہندوستان بھیجی جانے والی تین کمیٹیوں کی رپورٹوں کا جائزہ؛ گورنر جنرل اور گورنروں کے اختیارات اور ذمہ داریاں؛ تحفظات؛ دفاع؛ وفاقی مرکز اور وفاق میں شامل اکائیوں کے درمیان تعلقات؛ پارلیمنٹ کے مقابلے میں ہندوستانی مقننہ کے اختیارات اور ریاستوں کی دستاویزات الحاق کی شکل (۱۹۹)۔ کانفرنس شروع ہونے سے قبل سپرو نے مطالبہ کیا تھا کہ بری فوج پر کنٹرول اور اس میں انگریزوں کی جگہ ہندوستانیوں کی ماموری اور وزیر ہند اور مجلس ہند کی آئینی حیثیت کے سوال پر بات چیت کا

Marfat.com

موقع فراہم کیا جائے (۲۰۰) ۔ لیکن ان امور کو کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل نہیں کیا گیا۔ کمیٹیوں کی نشستوں اور کانفرنس کے مکمل اجلاسوں میں برطانوی مندوبین نے ایک واحد اور متحدہ وفد کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا (۲۰۱) ۔ لیکن ہندوستانیوں میں مقصد کی وحدت مفقود تھی۔ سکھوں اور ہندو مہاسبھا کے مندوبین کی توجہ فقط فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں مسلمانوں کو دی جانے والی حیثیت پر مرکوز تھی (۲۰۲) ۔ انہوں نے پنجاب میں کسی بھی اصلاح کی دو ٹوک مخالفت کی (۲۰۳) اس کے برعکس مسلمان اپنے مطالبے کے لئے ان پہلوؤں کی تکمیل کے منتظر تھے جن کا احاطہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں نہیں کیا گیا تھا (۲۰۴) ۔ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کے نمائندوں کے درمیان ایک طرح کا رد و ضبط کا تعلق قائم ہو گیا تھا (۲۰۵) ۔ ریاستوں کے مندوبین کے خیالات بھی ہم آہنگ نہیں تھے۔ وہ آپس میں مختلف نزاعی مسئلوں پر بحثوں میں الجھے ہوئے تھے جن میں وفاقی ایوان کی وسعت، مختلف ریاستوں کے لئے مخصوص کی جانے والی نشستوں کی تعداد، بالادستی اور خود وفاق کی نوعیت کا سوال شامل تھا(۲۰۶) ۔ مزید برایں ریاستی وزرا کو اپنے فرماں رواؤں کی طرف سے کوئی عہد و پیمان کرنے کی آزادی نہیں تھی (۲۰۷) ۔ ان حالات میں ہندوستان کے آزاد خیال سیاست دان سب سے الگ تھلگ اپنا کام کرتے رہے اور اس طرح کا ایک متحدہ محاذ قائم نہ کر پائے جیسا کہ انہوں نے اس وقت قائم کیا تھا جب پہلی کانفرنس میں وفاق کا تصور ابھرا تھا اور جب دوسری کانفرنس میں نری صوبائی خود مختاری کی تجویز مسترد کر دی گئی تھی۔ ان میں اضافہ ہو گیا (۲۰۸) ۔ اب معاملات کی باگ ڈور زیادہ تر سیموئیل ہور کے ہاتھ میں تھی۔ لہٰذا خود کو ساز گار فضا میں دیکھتے ہوئے اس نے لبرل سیاست دانوں کی چنداں پروا نہیں کی۔ سپرو نے ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ کو کانفرنس کے اختتام پر تقریر کرتے ہوئے وفاقی نظام کے نفاذ کی پیشگی شرط کی حیثیت سے مالیاتی تحفظات گورنروں کے خصوصی اختیارات گورنر جنرل کے مالیاتی مشیر کے تقرر اور ہندوستان کے ایک ریزرو بینک کے قیام کی مخالفت کی (۲۰۹) ۔ نیز اس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ بری فوج میں انگریزوں کی جگہ ہندوستانیوں کو ملازمتیں دینے کا عمل تیز کیا جائے۔ فوجی اخراجات میں کمی کی جائے ایک دفاعی کمیٹی تشکیل دی جائے اور وائسرائے کی عاملہ میں بری فوج سے متعلق ایک ہندوستانی رکن مقرر کیا جائے،

Marfat.com

وفاق کے افتتاح کی تاریخ متعین کی جائے اور گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کو جیل سے رہا کیا جائے (۲۱۰)۔ تیسری گول میز کانفرنس کی صورت حل کا اندازہ ایک مثال سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب عدالت عالیہ یا سپریم کورٹ کے قیام کے سوال پر غور کیا جارہا تھا تو سپرو نے اس کے حق میں مفصل دلائل پیش کئے لیکن اس کے ہندوستانی رفقا میں کوئی اس کی تائید کرنے والا نہیں تھا (۲۱۱)۔ اس طرح انتہائی اہمیت کے حامل امور کے لئے سپرو نے پرشوتم داس ٹھاکر داس (۲۱۲) اور جایا کار کے تعاون سے تن تنہا جدوجہد کی (۲۱۳)۔ کسی بھی مسئلے میں فرقہ وارانہ سوال یا ریاستوں کے مفادات کا معاملہ شامل ہوتا تو بات چیت میں تعطل پیدا ہوجاتا۔ بنا برایں کانفرنس میں کئی اہم مسئلے تصفیہ طلب چھوڑ دیئے گئے۔ اس نوع کے معاملوں پر غور یا تو سرے سے ترک کردینا پڑا یا غور اور فیصلے کے لئے ملک معظم کی حکومت کے سپرد کرنا پڑا (۲۱۴)۔ سیموئیل ہور کے ساتھ اختلافات سپرو راہ میں ایک اور رکاوٹ تھے۔ یہ اختلافات دوسری گول میز کانفرنس میں صوبائی خود مختاری کے سوال پر پیدا ہوئے تھے اور بعد میں ہور کے ۲۷ جون ۱۹۳۲ء والے منصوبے کی وجہ سے اگلے دن سیموئیل ہور نے تقریر جو مصالحانہ تو تھی لیکن سپرو کی طرف سے اٹھائے جانے والے مذکورہ بالا نکات کے بارے میں اس کا جواب یا تو ناکافی تھا یا منفی (۲۱۵)۔ برطانوی ہٹ دھرم سیاست دانوں اور لندن شہر کے تجارتی مفادات کے دباؤ سے اس نے تحفظات کو مزید سخت کردیا (۲۱۶)۔ وہ وفاقی تصور پر ثابت قدمی سے جما رہا اور یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ اٹھائیس کلیدی ریاستیں مسئلے کے حل کی بنیاد فراہم کریں گی اور ان میں حیدر آباد کو اہم ترین اور فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی (۲۱۷)۔ لیکن اس نے پہلی مرتبہ وفاق کے قیام کے لئے دو مزید شرطیں لگا دیں جنہیں پورا کرنا کسی طرح آسان نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ وفاق کا افتتاح ریاستوں کی اتنی تعداد کے الحاق کے بعد عمل میں آئے گا جن کی نشستیں وفاقی مقننہ میں ریاستوں کے لئے مخصوص نشستوں کی نصف تعداد سے کم نہ ہوں اور جن کی آبادی کا تناسب ریاستوں کی مجموعی آبادی میں پچاس فیصد سے کم نہ ہو (۲۱۸)۔ دوسرے یہ کہ وفاقی نظام کے نفاذ کے لئے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی منظور شدہ قرار داد اور مثبت ووٹ ضروری ہوگا (۲۱۹)۔ والیان ریاست کے دو مطالبات ان کے علاوہ تھے جو کانفرنس نے تسلیم کرلئے تھے۔ اول یہ

Marfat.com

کہ ہر ریاست انفرادی حیثیت سے تاج کے ساتھ دستاویز الحاق کی تکمیل کرے گی (۲۲۰)۔ دوم یہ کہ ریاستوں اور تاج کے درمیان باضابطہ معاہدات اس وقت تک طے نہیں پائیں گے جب تک پارلیمنٹ وفاقی آئین منظور نہ کرلے (۲۲۱)۔ ان شرائط اور والیان ریاست کو ملنے والے رضاکارانہ الحاق کے حق کی وجہ سے وفاق کا قیام لازماً مشکل ہوگیا تھا۔ لیکن ہندوستان کے لبرل لیڈروں کی طرف سے جس شرط کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا وہ ریزرو بینک کا قیام تھا۔ اس شرط کے تحت ضروری تھا کہ مجوزہ بینک کامیابی کے ساتھ اور موثر طور پر اپنا کام انجام دے (۲۲۲)۔ پھر خود یہ بینک اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا تھا جب تک کہ ملک کی میزانی پوزیشن مستحکم نہیں ہوجاتی، لندن اور ہندوستان میں مختصر مدت کے قرضوں میں نمایاں حد تک کمی نہیں ہوجاتی۔ محفوظ رقم معقول حد تک اکٹھی نہیں ہوجاتی اور ہندوستان کی فاضل برآمد معمول پر نہیں آجاتی (۲۲۳)۔ لہٰذا یہ صورت حال ہندوستانی لبرل لیڈروں کے لئے پرکشش نہیں ہوسکتی تھی اور یہ وہی لیڈر تھے جنہوں نے حکومت کو تیسری گول میز کانفرنس منعقد کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ان کے لئے کانفرنس کا صرف ایک پہلو تسلی بخش تھا اور وہ یہ تھا کہ دوسرے امور سے قطع نظر محض صوبائی خود مختاری کو مسلط کرنے کی کوشش انجام کار ناکام ہوگئی تھی (۲۲۴)۔ نیز انہیں یہ باور کرنے کی کافی وجہ موجود تھی کہ سیموئیل ہور وفاق کے بارے میں بے حد سنجیدہ تھا اور وفاق کا تصور مرکزی ذمہ داری کے معاملے کو کھٹائی میں ڈالنے کے لئے حربے کے طور پر استعمال نہیں کیا جارہا ہے (۲۲۵)۔ ان امور پر انہیں اطمینان تھا لیکن وہ وفاقی نظام اور مرکزی ذمہ داری کے نفاذ کی تاریخ کے تعین کے بغیر کانفرنس سے بے یقینی کی حالت میں رخصت ہوگئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کئی تقاضے ایسے تھے کہ کوئی برطانوی مندوب ان کے پورا ہونے کا تصور نہیں کرسکتا تھا (۲۲۶)۔

اس طرح گول میز کانفرنس ختم ہوگئی۔ یہ کانفرنس ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کی ایک منفرد صورت اور ہندوستان پر برطانوی حکمرانی کا ایک اہم موڑ تھی۔ وہ ہندوستانیوں کے دس سالہ دباؤ کا نتیجہ اور لارڈ ارون کے فکر و عمل کی رہین منت تھی۔ لیکن اس کا براہ راست محرک سائمن کمیشن میں ہندستانیوں کی عدم شمولیت تھی۔ اس کانفرنس نے محض اس

Marfat.com

خلا کو پر نہیں کیا جو سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہ کرنے سے پیدا ہوا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بہت کچھ کیا۔ اس کی بدولت اہل ہندوستان کو وہ حیثیت ملی جس سے ماضی میں انہیں محروم رکھا گیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے کانگریس سمیت ہندوستان کے تمام سیاسی طبقوں کے لئے اس کے اندر کشش پیدا ہوگئی تھی۔ نیز وہ برطانیہ کے ممتاز سیاست دانوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برطانیہ کی تینوں سیاسی جماعتیں اس میں اپنی نمائندگی کی شدت سے خواہش مند تھیں اور برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دان اسے مسلسل ہدف تنقید بناتے رہے۔

ادھر ہندوستان میں اس کانفرنس کے ذریعے قوم پرست محاذ میں جس نے ۲۹-۱۹۲۷ء کے دوران انتہاپسندانہ روش اختیار کرلی تھی، افتراق پیدا کرنا ممکن ہوگیا۔ نیز اس کی بدولت سول نافرمانی کے ہنگاموں اور فرقہ وارانہ کشیدگی کی فضا میں ہندوستانیوں کو مصروف اور پر امید رکھنے میں مدد ملی اور اس طرح خانہ جنگی اور فرقہ وارانہ فسادات کا سدباب ہوگیا۔ کانفرنس کا اہم نتیجہ وفاق کی تجویز تھی۔ کانفرنس کے اختتام پر وفاق کے قیام کا سمجھوتہ اگرچہ ابھی دور کی بات تھی لیکن ہندوستان کے دونوں حصوں کے وفاق کے متضمنات اور کئی آئینی مسائل پر تفصیل سے غور کیا گیا اور اس کام میں تمام فریقوں نے بھرپور حصہ لیا۔ اقلیتوں، دفاع، ملازمتوں، اثاثوں، واجبات اور برطانیہ و خود مختار ہندوستان کے تعلق سے متعلق سوالوں کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا اور جب ہندوستان کی آزادی کا وقت آیا تو یہ سارا کام بے انتہا مفید ثابت ہوا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں اقتدار کی منتقلی سے قبل اس قسم کی کسی اور کانفرنس کی نہ تو ضرورت محسوس کی گئی اور نہ کوئی ایسی کانفرنس منعقد کی گئی۔

کانفرنس کا تاریک پہلو برطانیہ میں سیاست دانوں ایک مخصوص گروہ کا وجود میں آنا تھا جنہیں ہٹ دھرم یا کٹر سیاست دانوں کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ سیاست داں سیموئیل ہور اور اس کے حامیوں پر مسلسل نکتہ چینی کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ ہندوستانیوں کے مطالبات پورے کرنے میں نمایاں حد تک آگے نہ بڑھ سکے ان کی سرگرمیوں کے باعث کانفرنس کے کام میں پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں اور ہندوستانیوں میں اشتعال پیدا ہوگیا۔ دوسری طرف اس کانفرنس نے برطانوی سیاست دانوں کو تعلیم یافتہ ہندوستانیوں

Marfat.com

کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھنے، مسائل پر غور کرنے اور انہیں سمجھنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس رابطے کی بدولت برطانیہ میں اہل الرائے کا ایک اور طبقہ ابھر کر سامنے آیا جس میں لوتھین اور سینکے جیسے لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ ہندوستانیوں کی امنگوں کو جائز سمجھتے تھے اور ہندوستانیوں کے ایک ایسے ہی طبقے سے مطابقت رکھتے تھے جو سپرو، جایا کار، سری نواس شاستری اور سیتلواڈ جیسے لوگوں پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں اعتدال پسند طبقے برطانیہ کے غیر متحرک گروہ اور ہندوستان کے انقلاب پسندوں کے بین بین تھے جس کے دونوں ملکوں کے تعلقات پر مفید اور دیرپا اثرات مرتب ہوتے رہے۔

حوالہ جات :

(۱) ملاحظہ ہو جارج آرلین فاکس کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۰ء اور امور داخلہ سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن ایچ۔ جی۔ ہیگ کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء اور مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف (ہیگ کو اروِن نے کانفرنس کے کام میں برطانوی حکومت کی مدد کے لئے انگلستان بھیج دیا تھا) ان خطوط میں کانفرنس شروع ہوتے وقت انگلستان کی سیاسی صورت حال بیان کی گئی ہے

(۲) ملاحظہ ہو وِیج وڈبین کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۶۔ اس میں بین نے لکھا تھا: مراسلے کی اشاعت کے لئے لبرل اور کنزرویٹو سیاست دانوں نیز پارلیمنٹ کی طرف سے یقیناً مجھ پر سخت دباؤ ڈالا جائے گا۔ اور معاً مجھے خیال آیا کہ اس کے متن کا بعجلت ممکنہ انکشاف کر دوں، لیکن پھر میں یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ مراسلے کا متن منظر عام پر آنے کی صورت میں کہیں مندوبین قبل از وقت اپنی رائے کا اظہار نہ کر دیں اور کہیں کانگریس اس مراسلے کو بھی رد نہ کر دے۔ جیسا کہ اس نے ہندوستان کی مرکزی کمیٹی اور ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن کی رپورٹوں کو رد کر دیا تھا اور اس طرح ہمیں کانفرنس میں نئی تجاویز پیش کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔

(۳) ملاحظہ ہوں وِیج وڈبین کے خطوط اروِن کے نام ۱۷ اکتوبر، ۴ نومبر ۱۹۳۰ء ایضاً

(۴) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ٹ /۸۰

(۵) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۳۰ء سیموئیل ہور کے خطوط لارڈ پیل کے نام مورخہ ۳ ستمبر ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء اور سیموئیل ہور کا خط

Marfat.com

وتج وڈبین کے نام مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء ایضاً

(۶) ملاحظہ آسٹن چیمبرلین بنام اسٹانلے بالڈون مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۳۰ء ک۔ آ۔ ح۔ ۲۲/ ۱۸/۳

(۷) ملاحظہ ہو ارون کے نام کانفرنس میں برطانیہ کی لبرل پارٹی کے وفد کے سیکرٹری جے کوٹ مین کے مراسلے کے ساتھ ملفوف دستاویز مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹ جو کانفرنس میں شرکت کرنے والے لبرل اور کنزرویٹوں کے وفد کے مشترکہ اجلاس کی روداد پر مشتمل ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ریڈنگ کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۱، نومبر ۱۹۳۰ء ایضاً

(۸) ملاحظہ ہوں لائڈ جارج کے خطوط ریڈنگ اور لوتھین کے نام مورخہ ۴ فروری ۱۹۳۱ء د۔ م ۲۵۱/

(۹) ہ۔ گ۔ م۔ ک پہلا اجلاس، وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی (حصہ اول) صفحات ۱۳۸ تا ۱۵۲

(۱۰) ایضاً

(۱۱) وہ ارکان یہ تھے: لارڈ پیل، لارڈ زیٹ لینڈ، سر سیموئیل ہور اور آلیور اسٹانلے۔ لارڈ پیل کو وفد کا قائد نامزد کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط وتج وڈبین کے نام، مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء ک۔ ٹ/ ۸۰) لیکن کانفرنس میں وفد کی اصل قیادت سیموئیل ہور نے کی۔

(۱۲) زیٹ لینڈ، صوبائی مشاورتی کمیٹی، ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء ہ۔ گ۔ م۔ ک پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کی کاروائی (حصہ دوم) صفحات ۱ تا ۴۔

(۱۳) پارٹی کی ظلی کابینہ کچھ عرصہ پہلے توڑ دی گئی تھی اور ظلی کابینہ کی جگہ لے لی تھی اس کے اجلاس دارلعوام کے مفوضہ کام کی انجام دہی کے لئے وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے۔ ان اجلاسوں میں شرکت کرنے والے پارٹی کے ارکان یہ تھے: اسٹانلے بالڈون، چیمبرلین، چرچل، ہیل شم، پیل، آلیور اسٹانلے اور سیموئیل ہور، ملاحظہ ہو وائی کاؤنٹ ٹیمپل وڈ، "نائن ٹروبلڈ ایرز" (مطبوعہ لندن ۱۹۵۴) صفحہ ۴۸

(۱۴) ملاحظہ ہو ضمیمہ II کتاب ہذا

(۱۵) ملاحظہ ہو ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب، صفحہ ۴۸

(۱۶) ہیلے کا خط ارون کے نام مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/ ۱۹ (ارون نے ہیلے کو کانفرنس کے کام میں حکومت برطانیہ کی مدد کے لئے انگلستان بھیج رکھا تھا)

(۱۷) ولیم رابرٹ ویلزلے پیل۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۸) ملاحظہ ہو۔ ہ۔ گ۔ م۔ ک، پہلا اجلاس، وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی صفحہ

Marfat.com

اول، صفحات ۱۷۸ تا ۱۷۹ اور ۲۵۲ علی الترتیب

(۱۹) ملاحظہ ہو ڈیلی میل مورخہ ۵، ۷، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی خبریں، مضامین اور اداریے۔

(۲۰) ملاحظہ ہو چرچل کا خط اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۳۱ء اور اسٹانلے بالڈون کا خط چرچل کے نام مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۱ء : دی ٹائمز مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۱ء۔

(۲۱) ملاحظہ ہو ڈیلی میل مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۳۱ء۔

(۲۲) ملاحظہ ہوں حواشی ۱، ۲ صفحہ ۱۵، کتاب ہذا۔

(۲۳) ملاحظہ ہو ہ۔ گ۔ م۔ ک پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی، حصہ دوم صفحات ۷۸ تا ۷۹، ۲۱۳ تا ۲۱۴، ۲۸۸ تا ۲۸۹، ۳۲۴ تا ۳۲۵، ۴۲۴ تا ۴۲۶، ۴۶۴ میں علی الترتیب حسب ذیل کمیٹیوں کی رپورٹیں :۔
صوبائی آئین سے متعلق کمیٹی (جس کی رپورٹ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۳۰ء کو دستخط ہوئے) شمال مغربی صوبہ سرحد سے متعلق کمیٹی (ایضاً ایضاً کیم جنوری ۱۹۳۱ء ایضاً) حق رائے دہی سے متعلق کمیٹی (ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً) دفاع سے متعلق کمیٹی (ایضاً ایضاً ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء ایضاً) ملازمتوں سے متعلق کمیٹی (جس کی رپورٹ پر ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء کو دستخط ہوئے) اور سندھ سے متعلق کمیٹی (جس کی رپورٹ پر ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو دستخط ہوئے)

(۲۴) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو مہاراجہ بیکانیر کا بیان جو انہوں نے وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۸ جنوری ۱۹۳۱ء میں دیا تھا، نیز ملاحظہ ہوں ریڈنگ، شفیع، جناح، پٹیل اور سردار اجل سنگھ کی ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء کی تقریریں، ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ پہلا اجلاس۔ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی حصہ اول، صفحات ۲۳۷، ۲۴۹، ۲۵۲، اور ۲۵۸ علی الترتیب نیز ملاحظہ ہو سپرو کا نوٹ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۳۱ء ک۔ س۔ جس میں اس موقف کی تائید میں کانفرنس کی کاروائی سے کئی اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

(۲۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۸۷۷، صفحہ ۵۰۶

(۲۶) فلپ ہنری کیریاز دہم مارکوئیس آف لوتھین۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۷) سیتار امیہ محولہ کتاب ۳۷۷

(۲۸) ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات :۔
(I) لوتھین کا خط سپرو کے نام مورخہ ۴ مئی ۱۹۳۱ء ک۔ س۔ (II) لارڈ زیٹ لینڈ کا مقالہ بہ عنوان "گول میز کانفرنس اور اس کے بعد" جو ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے اجلاس منعقدہ ۱۹ مئی ۱۹۳۱ء میں پڑھ کر سنایا گیا : جرنل آف ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن، نیو سیریز، جلد

Marfat.com

XXII (مطبوعہ لندن ۱۹۳۱ء) صفحات ۱۹۲ تا ۱۹۳ (III) اسٹانلے بالڈون بنام میکڈ انلڈ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء اور رمزے میکڈ انلڈ بنام اسٹانلے بالڈون مورخہ ۵ جون ۱۹۳۱ء: دی ٹائمز مورخہ ۸ جون ۱۹۳۱ء (IV) سر سیموئیل کی تقریر جو انہوں نے بتاریخ ۲ جولائی ۱۹۳۱ء کیکسٹن ہال میں منعقد ہونے والے یونینسٹ کینوینگ کور میں کی تھی: دی ٹائمز مورخہ ۳ جولائی ۱۹۳۱ء اور (V) نیشنل یونین آف کنزرویٹو اینڈ یونینسٹ ایسوسی ایشن، کنزرویٹو پالیسی کی توضیح مکرر A RE- STATEMENT OF CONSERVATIVE (مطبوعہ لندن، جولائی ۱۹۳۱ء)

(۲۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷، صفحہ ۱۲۰ کتاب ہذا

(۳۰) سر سیموئیل ہور کا مضمون بہ عنوان "ترددات اور حقائق" (ANXIETIES AND RE-ALITIES) مطبوعہ مارننگ پوسٹ، مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۱ء

(۳۱) ملاحظہ ہو وائی کاؤنٹ گاسچن بنام اروِن، مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء اور جارج آرلین فاکس بنام اروِن مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹

(۳۲) ملاحظہ ہو اس اجلاس کی رپورٹ کے لئے دی ٹائمز مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۱ء

(۳۳) ملاحظہ ہو لایونل کرٹس بنام مالکم میکڈ انلڈ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۱ء د۔ ل /۷/۲۴۔ ریورنڈ ای کے ٹالبوٹ بنام اروِن مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۱ء وائی کاؤنٹ گاسچن بنام اروِن مورخہ ۱۲، مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۳۱۔ اروِن بنام سپرو مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء سپرو بنام رمزے میکڈ انلڈ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء ک۔ س۔ اور ٹائمز مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء کا اداریہ

(۳۴) جیفری ڈاسن بنام اروِن مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف اس میں ڈاسن نے یہ اطلاع دی کہ اسٹانلے بالڈون چرچل کی ہنگامہ آرائی کے سبب چند روز قبل پارٹی کی قیادت سے مستعفی ہونے والے تھے۔

(۳۵) ملاحظہ ہو خفیہ دستاویز بہ عنوان "سیکریٹ بی ڈی جی (۳۱) مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء کابینہ، برطانوی وفد (سرکاری ارکان) کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۰۔ ڈاؤ ننگ اسٹریٹ بتاریخ ۹ فروری ۱۹۳۱ء کے فیصلوں کا مسودہ م۔ ک۔ ہ /۳۱

(۳۶) ملاحظہ ہو وزیر ہند کا ٹیلی گرام وائسرائے کے نام مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۱ اور رمزے میکڈ انلڈ کا خط سپرو کے نام مورخہ ۵ اپریل ۱۹۳۱ء ک۔ س

(۳۷) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط بالڈون کے نام مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۳۱ء۔ م۔ ک۔ ٹ /۸۰

Marfat.com

(۳۸) ملاحظہ ہو لوتھین کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۱ء د۔ ل /۲۵۹

(۳۹) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۱ء ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۰ اور مانیٹگو بٹلر (صوبہ جات متوسط کے گورنر) کا خط ہارکورٹ بٹلر کے نام مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ب /۸۵

(۴۰) ملاحظہ ہوں سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء جس میں وائسرائے کی حیثیت سے ولنگڈن کے تقرر کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اور اس رائے کا اظہار کیا گیا تھا کہ اس کی ذات میں ہندوستان کو ایک سچا اور صاحب فہم دوست مل گیا ہے۔

(۴۱) ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات:

(I) ولنگڈن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹ جس میں اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہندوستان سے رخصت ہونے سے قبل وہ "گاندھی کے ساتھ مصالحت کرلے۔" (II) ولنگڈن کی اس تقریر کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو ۱۰ مارچ ۱۹۳۱ء کا روزنامہ ٹائمز جو اس نے لندن میں ہندوستان روانہ ہونے سے قبل ۹ مارچ کو برٹش انڈین یونین کی طرف سے اپنے اعزاز میں دیئے جانے والے ظہرانے میں کی تھی۔ اس تقریر میں ولنگڈن نے گاندھی اروِن سمجھوتے کے برطانوی نکتہ چینوں سے لاتعلقی ظاہر کی تھی اور "برطانیہ کے پرچم تلے سلطنت میں دوسری مستعمرات کے ساتھ ہندوستان کی مکمل شرکت" کی حمایت کی تھی (III) شملے میں چیمسفورڈ کلب کے عشائیے میں ولنگڈن کی ۲۷ جون ۱۹۳۱ء والی تقریر کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۹ جون ۱۹۳۱ء اس تقریر میں ولنگڈن نے امید ظاہر کی کہ گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین کی ان تھک کوششوں کے نتیجے میں ہندوستان میں اس کی زندگی کے ایام ان چار برسوں کے مماثل ہوں گے جو اس نے گورنر جنرل کی حیثیت سے کینیڈا میں گزارے تھے اور یہ کہ وہ ہندوستان کے وائسرائے کے عہدے کے متعدد انتظامی فرائض کے بار گراں سے جلد سبکدوش ہو جائے گا۔

(۴۲) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط اروِن کے نام مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹ جس میں وہ خود یہ لکھتا ہے "میں مانتا ہوں کہ میں اس عہدے کا خواہاں نہیں تھا۔ لیکن میں اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرسکا۔ میری خواہش تھی کہ مجھے آرام کے لئے مزید وقت دیا جاتا۔ مگر میرے خیال میں ایسا نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا مجھے بدستور خدمات انجام دینی ہوں گی۔

(۴۳) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط زیٹ لینڈ کے نام مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز جس میں

Marfat.com

اس نے گاندھی کے طریقوں کی مذمت کی تھی اور گاندھی پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے کانگریس کو ایک انتہا پسند سیاسی جماعت بنا دیا ہے اور ملک کی معیشت کی تباہ کر دیا ہے۔

(۴۴) ولنگڈن بنام زیٹ لینڈ مورخہ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء ایضاً اس خط میں ولنگڈن نے اسمبلی میں جناح کی طرف حکومت کی مخالفت پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اور جناح ایک دوسرے کو اس وقت سے ناپسند کرتے ہیں۔ جبکہ ولنگڈن بمبئی کا گورنر تھا نیز اس نے لکھا ہے کہ وہ لن لتھ گو کو جناح کے خلاف خبردار کرے گا۔

(۴۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵، صفحہ ۱۲۳۔ کتاب ہذا

(۴۶) ملاحظہ ہو حواشی نمبر ۳، ۵ اور ۶ صفحہ ۱۱۱ کتاب ہذا

(۴۷) ملاحظہ ہو ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۵، ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء اور مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۴۸) ملاحظہ ہو ایچ جی ہیگ کا خط ہیلے کے نام مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء اور ہیلے کا خط ایچ جی ہیگ کے نام مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲

(۴۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵، صفحہ ۱۱۸، کتاب ہذا

(۵۰) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط۔ ایچ جی ہیگ کے نام مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲

(۵۱) ہیلے بنام رمزے میکڈانلڈ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۰

(۵۲) ملاحظہ ہو ہیلے بنام ارون مورخہ ۹ مئی ۱۹۳۱ء ہیلے بنام جیفری ڈاسن مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۳۱ء ہیلے بنام ریڈنگ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۳۱ء ہیلے بنام رمزے میکڈانلڈ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۳۱ء ایضاً ہیلے بنام لارڈ سینکے مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۱ء، ہیلے بنام لوتھین مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۱ اور ہیلے بنام ایچ جی ہیگ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۵۳) ملاحظہ ہو لارڈ سینکے کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۱ء اور جیفری ڈاسن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۱

(۵۴) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۱۰ تا ۱۱۴ کتاب ہذا

(۵۵) ایضاً صفحات ۱۹۱ تا ۱۹۳ کتاب ہذا

(۵۶) ایضاً حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۲۵ کتاب ہذا

(۵۷) ملاحظہ ہوں حواشی ۳، ۵ اور ۶ صفحہ ۱۱ کتاب ہذا

(۵۸) مذکورہ بالا حاشیہ نمبر ۳

(۵۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۱۰ کتاب ہذا

(۶۰) ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۱۲۱ کتاب ہذا

Marfat.com

(۶۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۱۰ کتاب ہذا

(۶۲) ان انتخابات میں کنزرویٹو پارٹی نے ۵۲۱ نشستیں حاصل کیں۔ لیبر پارٹی نے ۳۳ اور لیبر پارٹی نے ۵۲۔ سوائے رمزے میکڈانلڈ اور جارج لینس بری کے سابقہ لیبر حکومت کے تمام ارکان اپنی نشستوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ملاحظہ ہو ٹیلر کی محولہ کتاب صفحہ ۲۳۶

(۶۳) کابینہ کے بائیس میں سے گیارہ ارکان کا تعلق کنزرویٹو پارٹی سے تھا۔ ایضاً

(۶۴) ملاحظہ ہو ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتوں کی کمیٹی کی کاروائی صفحہ ۱۶ تا ۱۸

(۶۵) ملاحظہ ہوں گاندھی کی تقریریں جو انہوں نے حسب ذیل اجلاسوں میں کی تھیں :۔
(I) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۷ ستمبر ۱۶، ۲۲ اور ۲۳ اکتوبر اور ۱۷، ۱۹ اور ۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء ایضاً۔ صفحات ۵۸ تا ۶۲، ۲۲۰ تا ۲۲۱، ۲۵۴ تا ۲۵۵، ۲۶۷ تا ۲۶۸، ۳۸۷ تا ۳۸۹، ۴۲۵ تا ۴۲۹، ۴۵۳ تا ۴۵۴، اور ۴۵۹ تا ۴۶۰ علی الترتیب۔
(II) اقلیتوں کی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۸ اکتوبر اور ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء ایضاً صفحات علی الترتیب ۵۳۰ تا ۵۳۱ اور ۵۴۳ تا ۵۴۴ اور کانفرنس کا مکمل اجلاس منعقدہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء سی ایم ڈی ۳۹۹۷ صفحات ۳۸۹ تا ۳۹۹

(۶۶) سر محمد شفیع اور ڈاکٹر امبید کر کی تقریریں : اقلیتوں کی کمیٹی کا اجلاس منعقدہ ۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء ہ۔ گ۔ م۔ ک دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتوں کی کمیٹی کی کاروائی صفحات علی الترتیب ۵۳۱ تا ۵۳۲ اور ۵۳۳ تا ۵۳۴

(۶۷) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۱

(۶۸) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۱ تا ۱۹۲ کتاب ہذا

(۶۹) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۱ تا ۱۹۵ کتاب ہذا

(۷۰) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵، صفحہ ۱۱۲ کتاب ہذا

(۷۱) ہ۔ گ۔ م۔ ک، دوسرا اجلاس، وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتوں کی کمیٹی کی کاروائی صفحہ ۱۵۸

(۷۲) ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۵، ۶ صفحہ ۱۱۱ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۱۲ نیز نواب بھوپال کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ یہ بیان انہوں نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن پہنچنے پر دیا تھا۔

(۷۳) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۳ تا ۱۹۵، کتاب ہذا

(۷۴) ملاحظہ ہوں نواب بھوپال اور مہاراجہ بیکانیر کی تقریریں جو انہوں نے وفاقی ڈھانچے سے

Marfat.com

متعلق کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں کی تھیں۔ ہ۔ گ۔ م۔ ک۔ دوسرا اجلاس، وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتوں کی کمیٹی، صفحات ۱۹۰ تا ۱۹۲

(۷۵) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۷، ۲۵ ستمبر ۲، ۹، ۱۶، ۲۲ اکتوبر اور مورخہ ۶، ۱۹، ۲۶ نومبر ۱۹۳۱ء

(۷۶) ملاحظہ ہوں ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۶، ۲۴ اکتوبر اور مورخہ ۲، ۲۲، ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء۔ م۔ ک۔ ٹ /۵

(۷۷) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط سر جیمز کریرار (CRERAR) کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲

(۷۸) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط سرفائنڈ لٹر اسٹیورٹ کے نام مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء اور سرجیمز کریرار کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء ایضاً

(۷۹) ولنگڈن کا خط سیموئیل ہور کے نام ۱۵، ۲۲، ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۸۰) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۰ تا ۱۹۱، کتاب ہذا

(۸۱) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۱۷ تا ۱۲۰، ۱۲۱ تا ۱۲۳ کتاب ہذا نیز حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱۳۵، حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۳۶

(۸۲) ملاحظہ ہو لوتھین بنام ہیلے مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲، ۲۲ اکتوبر اور مورخہ ۶، ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ اور اروِن بنام ہیلے مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۳

(۸۳) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور، مورخہ ۱۵، ۲۲، ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۸۴) ملاحظہ ہو چمن لال، ایچ سیتل واڈ، ری کلکشنز اینڈ ریفلیکشنز این آٹو بایوگرافی (RECOLLECTIONS AND REFLECTIONS AN AUTOBIOGRAPHY) (مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۶ء) صفحات ۳۶۶ تا ۳۶۷

(۸۵) ایضاً

(۸۶) ملاحظہ ہو دی ٹائمز، مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۱ء جس میں وزیر اعظم کے نام کانفرنس میں شریک ہندو مندوبین کے مشترکہ خط کا متن شائع ہوا تھا۔ ان مندوبین میں ہندو لبرل لیڈر بھی شامل تھے۔

(۸۷) ملاحظہ ہو سپرو کا خط رمزے میکڈانلڈ، سینکے اور اروِن کے نام مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹ

(۸۸) ملاحظہ ہو متذکرہ مندوبین کے مشترکہ بیان کے لئے روزنامہ ٹائمز مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء یہ

Marfat.com

بیان اخبارات کو بتاریخ ۲۴ نومبر ۱۹۳۱ء جاری کیا گیا تھا۔

(۸۹) ملاحظہ ہو ہ۔ گ۔ م۔ ک، دوسرا اجلاس۔ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائیاں۔ صفحات ۴۴۷ تا ۴۵۶، ۴۶۴ تا ۴۷۱

(۹۰) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کا اجلاس، مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء ایضاً صفحات ۴۴۸ تا ۴۴۹

(۹۱) ایضاً صفحہ ۴۵۶

(۹۲) ایضاً صفحہ ۴۵۵

(۹۳) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی صفحات ۵۰۵ تا ۵۵۸ اور سی ایم ڈی ۳۷۲ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس (۷ ستمبر تا یکم دسمبر ۱۹۳۱ء) وزیر اعظم کا بیان جو اس نے یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو کانفرنس کے دوسرے اجلاس کے اختتام پر دیا (۱۹۳۱ء)

(۹۴) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۷۷۸ صفحات ۵۰۵ تا ۵۰۸۔ اور سی ایم ڈی ۳۹۷۲

(۹۵) ایضاً

(۹۶) بعد میں جو چار کمیٹیاں تشکیل دی گئیں وہ یہ تھیں :۔
وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی۔ وفاقی مالیاتی کمیٹی لارڈ ایوسٹیس پرسی کی قیادت میں حق رائے دہی سے متعلق کمیٹی لوتھین کی سرکردگی میں اور ہندوستانی ریاستوں سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی (مالیاتی) سرجان ڈیوڈسن کی قیادت میں۔

(۹۷) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۰۱۴۔ تدابیر جو تحریک سول نافرمانی کا مقابلہ اور بنگال میں تحریک دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے اختیار کی گئیں۔ آرڈیننس نمبر II تا V مجریہ ۱۹۳۲ء مع متعلقہ سرکاری بیانات و خط و کتابت نیز آرڈیننس نمبر IX تا XI مجریہ ۱۹۳۱ء (۱۹۳۲ء)

(۹۸) ملاحظہ ہو سر جیمز کریرار بنام ہیلے مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء، ہیلے بنام سر جیفری ڈی مانٹ مورینسی (گورنر آف پنجاب) مورخہ ۳، ۲۳ دسمبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ/۲۲، ہیلے بنام اروِن مورخہ ۲ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ/۲۳ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء، ۸ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/ولنگڈن بنام سیموئیل ہور، مورخہ ۴، ۱۰ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۵

(۹۹) ملاحظہ ہوں حکومت کے جوابات اور بیانات جو قانون ساز اسمبلی میں دیئے گئے I سر جیمز کریرار کا بیان جو انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۳۲ء کو دیا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ جنوری ۱۹۳۲ء کے اختتام تک ۲۹۱۹ افراد کو مقدمہ چلائے بغیر نظر بند کیا گیا۔ م۔ م۔ ق جلد II نمبر ۷ صفحہ ۲۴۰۹۔ (II) ایچ جی ہیگ کا بیان بتاریخ ۷ ستمبر ۱۹۳۲ء جس میں بتایا گیا کہ ۳۰ جون ۱۹۳۲ء تک ۵۲۱۳۶ اشخاص کو سزا

Marfat.com

دی گئی اور ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء کو ۳۲۷۴۴ افراد جیل میں تھے۔ ان میں ایک ہزار تین عورتیں تھیں۔ م۔ م۔ ق، جلد چہارم نمبر ۳ صفحہ ۲۲۳ اور (III) ایچ جی ہیگ کا بیان بتاریخ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء جس میں بتایا گیا کہ یکم جنوری سے ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء تک ہنگامی قوانین کے تحت حکومت نے جن چھاپہ خانوں سے ضمانت طلب کی ان کی تعداد سو تھی۔ م۔ م۔ ق جلد چہارم نمبر ۲ صفحات ۱۰۸۵ سے ۱۰۹۳ تک۔

(۱۰۰) ملاحظہ ہو اسمبلی میں سر جیمز کریرار کے پیش کردہ بیان مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۲ء کے لئے م۔ م۔ ق جلد اول نمبر ۲ صفحات ۱۴۳ تا ۱۴۴ اس میں ان کانگریس لیڈروں کے نام درج ہیں جو ضابطہ III مجریہ ۱۸۱۸ اور ضابطہ بمبئی XXV مجریہ ۱۸۲۷ء کے تحت جیل بھیجے گئے۔

(۱۰۱) ملاحظہ ہو مطبع ہند، سول نافرمانی کی تحریک ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۴ء : ان عام اقدامات سے متعلق نوٹ جو اس تحریک سے نمٹنے کے لئے کئے گئے۔ (نئی دہلی، ۱۹۳۶ء) صفحہ ۱۹۔ مجموعہ کاغذات ہیلٹ /۳۴

(۱۰۲) سپرو بنام جارج لینسبری، مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء، سپرو بنام لوتھین مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء ک۔ س۔ سری نواس شاستری بنام الیس ایل پولک مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء، سپرو بنام لوتھین مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء ک۔ س۔ سری نواس شاستری بنام پولک مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۳۲ء اور سری نواس شاستری بنام رمزے میکڈانلڈ مورخہ ۱۵ اپریل ۶ مئی ۱۹۳۲ء : جگدیسن، محولہ کتاب صفحات ۲۲۲ تا ۲۳۰

(۱۰۳) ملاحظہ ہو، ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۱ء، ۴، ۱۰، ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ۔ لوتھین بنام رمزے میکڈانلڈ و سیموئیل ہور مورخہ ۴ فروری ۱۹۳۲ء۔ د۔ ل۔ /۱۶۰ اور قانون ساز اسمبلی میں ولنگڈن کی تقریر بتاریخ ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ م۔ ق، جلد اول، نمبر ۱ صفحات ۹، ۱۲۔

(۱۰۴) پنڈت مدن موہن مالویہ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۰۵) جناح نے اگست ۱۹۳۱ء میں قانون ساز اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے رپورٹ کے لئے دی ٹائمز مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۱ء

(۱۰۶) ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۹۶ صفحہ ۱۳۲، کتاب ہذا

(۱۰۷) ملاحظہ ہو لوتھین بنام رمزے میکڈانلڈ سیموئیل ہور مورخہ ۴ فروری ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۱۶۰

(۱۰۸) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۷ تا ۱۹۸ کتاب ہذا

(۱۰۹) ملاحظہ ہو کے این ہکسار بنام سپرو مورخہ ۱۹ جنوری ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء سپرو بنام کے

Marfat.com

این ہکسسار ۹ اپریل اور مورخہ ۲۰، ۲۷ مئی ۱۹۳۲ء ک۔ س۔ ہیلے بنام ایچ جی ہیگ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ/۵ اور جیفری ڈاسن بنام ہیلے مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ/۲۴

(۱۱۰) ملاحظہ ہو سپرو بنام لارڈ سینکے مورخہ ۲۴ جنوری و ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء ک۔ س۔ سری نواس شاستری بنام رمزے میکڈانلڈ مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء: جگدیسن کی محولہ کتاب صفحات ۲۲۴ تا ۲۲۷۔ لوتھین کے نام سپرو کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۹ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل/۱۵۲۔ یہ دستاویز سپرو کے نوٹ مورخہ ۸ اپریل ۱۹۳۲ء پر مشتمل ہے۔ لوتھین بنام رمزے میکڈ انلڈ اور سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء، د۔ ل/۱۶۲ اور سی وائی چنتامنی بنام لوتھین مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۲ء د۔ ل/۲۶۲

(۱۱۱) یہ کلکتہ میں مقیم تھا اور اس نے گول میز کانفرنس میں ہندوستان کی یورپی برادری کی نمائندگی کی تھی۔

(۱۱۲) ملاحظہ ہو سیتل واڈ کی محولہ کتاب صفحات ۳۷۱ تا ۳۷۳

(۱۱۳) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ یکم فروری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۵ لوتھین بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء د۔ ل/۱۶۱ اور سر جان ڈیوڈسن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۳ فروری ۶، ۱۴، ۹، ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱۴

(۱۱۴) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء ۱۵ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱

(۱۱۵) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱

(۱۱۶) ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۸ فروری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۵

(۱۱۷) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱

(۱۱۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱۹۸ کتاب ہذا

(۱۱۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۹۸ کتاب ہذا

(۱۲۰) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱ اور سیموئیل ہور بنام لوتھین مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۲ء د۔ ل/۱۲۵

(۱۲۱) سیموئیل ہور بنام ہیلے مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ/۲۳ سیموئیل ہور بنام سرجان ڈیوڈسن مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۲ء سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/۱ اور سیموئیل ہور بنام لوتھین د۔ ل/۱۵۲

(۱۲۲) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ یکم فروری اور مورخہ ۲۱، ۲۷ مارچ ۱۹۳۲ء ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۲ء د۔ ل/۱۶۱ اور ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ

Marfat.com

۷ اپریل ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۳

(۱۲۳) ملاحظہ ہو سرجان ڈیوڈسن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۴، ۲۲، ۳۱ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۴ اور لوتھین بنام سیموئیل ہور مورخہ ۳ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۲

(۱۲۴) ملاحظہ ہو کے این ہکسسار بنام سپرو مورخہ ۱۳، ۲۸ مارچ، ۳ اپریل ۱۹۳۲ء ک س

(۱۲۵) ملاحظہ ہو اس قرار داد کے متن کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ اپریل ۱۹۳۲ یہ قرار داد نواب بھوپال نے پیش کی تھی اور اس کی تائید مہاراجہ پٹیالہ نے کی تھی۔

(۱۲۶) ایضاً

(۱۲۷) ملاحظہ ہو لوتھین بنام سیموئیل ہور مورخہ ۳ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل اس خط میں مہاراجہ بیکانیر کے ساتھ لوتھین کی گفتگو کی تفصیلات درج ہیں۔

(۱۲۸) ملاحظہ ہو مہاراجہ رانا آف دھولپور کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۳۲ء بنام سیموئیل ہور جو جام صاحب آف ناوانگر کے نام مہاراجہ رانا آف دھولپور کے خط مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۳۲ء پر مشتمل ہے۔ م۔ ک۔ ٹ /۱۷

(۱۲۹) سر اکبر حیدری

(۱۳۰) ملاحظہ ہو سرجان ڈیوڈسن کی ملفوفہ دستاویز سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۴۔ یہ ولنگڈن لوتھین حیدری اور خود ان کے درمیان ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء کو ہونے والی گفتگو سے متعلق ایک نوٹ پر مشتمل ہے

(۱۳۱) ملاحظہ ہو ولنگڈن کے خطوط بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۱ مارچ مورخہ ۷، ۱۵، مئی مورخہ ۵ جون ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۱۳۲) ملاحظہ ہوں ہیلے کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۸ فروری اور مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۳ سرجان ڈیوڈسن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ/ ۱۴ لوتھین بنام رمزے میکڈ انلڈ و سیموئیل ہور مورخہ ۱۹، ۲۵ فروری ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۰ اور مورخہ ۴، ۱۲، ۲۷ مارچ ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۱۶۱ اور مورخہ ۱۷، ۲۴ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۲

(۱۳۳) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام لوتھین مورخہ ۴ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۶

(۱۳۴) وزیر ہند نے پارلیمنٹ میں درج ذیل تین رپورٹوں میں سے پہلی دو رپورٹیں مئی ۳۲ میں اور تیسری رپورٹ جولائی ۱۹۳۲ء میں پیش کی: ملاحظہ ہوں سی ایم ڈی ۴۰۶۹ وفاقی مالیاتی کمیٹی کی رپورٹ (۱۹۳۲ء) صفحہ I اور سی ایم ڈی ۴۰۸۶ ہندوستان سے متعلق حق رائے دہی کمیٹی کی رپورٹ (۱۹۳۲ء) صفحہ I اور سی ایم ڈی ۴۱۰۳ ہندوستانی ریاستوں سے متعلق

Marfat.com

تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ (مالیاتی) (۱۹۳۲) صفحہ I

(۱۳۵) حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱۹۹، کتاب ہذا

(۱۳۶) حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱۹۸ کتاب ہذا

(۱۳۷) حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۳۷ کتاب ہذا

(۱۳۸) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۵، ۲۷ مئی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

(۱۳۹) ملاحظہ ہو لوتھین کا خط راما سوامی مدالیرم کے نام مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۱۵۳

(۱۴۰) وزیر اعظم کی تقریر کے لئے ملاحظہ ہوں مباحث دارلعوام 5S کالم ۱۱۱۲ تا ۱۱۱۳ وزیر اعظم نے ۲ دسمبر ۱۹۳۱ء کو پارلیمنٹ میں یہ تقریر کرتے ہوئے حکومت کی اس پالیسی کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے ایک قرار داد پیش کی تھی جوان کے یکم دسمبر ۱۹۳۱ء والے بیان میں پیش کی گئی۔ یہ بیان انہوں نے کانفرنس میں دیا تھا۔ اور اس میں کہا تھا کہ کانفرنس کی بحثوں کی نوعیت مذاکرات کی ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اگر پارلیمنٹ نے کانفرنس کے فیصلوں کو تسلیم نہ کیا تو حکومت مستعفی ہوجائے گی۔

(۱۴۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۳۱ کتاب ہذا

(۱۴۲) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۵ جون ۱۹۳۲ م۔ ک۔ ٹ /۵ اور ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ۷ جون ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۱۵۳

(۱۴۳) ملاحظہ ہو مباحث دارلعوام ۲۶۷۔ ۵۸ کالم ۱۴۸۹

(۱۴۴) ایضاً کالم ۱۴۹۲

(۱۴۵) ایضاً کالم ۱۴۹۶

(۱۴۶) ایضاً ۱۴۹۶ تا ۱۴۹۷

(۱۴۷) ایضاً کالم ۱۴۹۷ تا ۱۴۹۸

(۱۴۸) ایضاً کالم ۱۴۹۳ تا ۱۴۹۸، ۱۵۹۸

(۱۴۹) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲ اس خط میں سیموئیل ہور نے لکھا کہ اس کے نئے منصوبے کی بدولت ہندوستان سے متعلق مسودہ قانون کی منظوری آسان ہوجائے گی۔

(۱۵۰) ملاحظہ ہو مباحث دارلعوام ۲۶۷۔ ۵۸ کالم ۱۶۰۳ تا ۱۶۳۶

(۱۵۱) ملاحظہ ہو دارلعوام میں چرچل کی تقریر کے لئے مذکور الصدر مباحث دارلعوام۔ یہ تقریر اس نے ۲۷ جون ۱۹۳۲ء کو کی تھی۔

(۱۵۲) ملاحظہ ہو سپرو کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۸ جولائی ۱۹۳۲ء ک۔ س

Marfat.com

(۱۵۳) ایضاً۔ نیز سپرو بنام ارون مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء سپرو بنام لارڈ سینکے مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء۔ ایضاً

(۱۵۴) سپرو بنام لارڈ سینکے مورخہ ۱۰ اپریل، ۱۹ جون ۱۹۳۲ء، سپرو اور جایاکار کا ٹیلی گرام بنام رمزے میکڈ انلڈ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۳۲ء سپرو بنام ای۔ سی مائی ویل (Mieville) (وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری) مورخہ ۲۲ جون ۱۹۳۲ء ایضاً۔ راما سوامی مدالیر بنام لوتھین مورخہ ۱۷ جون ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۵۳ اور ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۹، ۲۷ جون ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۱۵۵) ان اطلاعات نیز اس قرار داد کے متن کے لئے ملاحظہ ہو۔ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۹، ۱۱ جولائی ۱۹۳۲ء جو آزاد خیال سیاست دانوں نے اس وقت اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی میں منظور کی تھی۔

(۱۵۶) ولنگڈن بنام سیموئیل ہور ۶، ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۱۵۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷ صفحہ ۱۰۹ کتاب ہذا

(۱۵۸) ملاحظہ ہو نیشنل لبریشن فرنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری ایس ایم بوس کا خط سپرو کے نام مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۲ء اور سپرو کا خط بنام بوس مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء ک س۔ اس خط میں سپرو نے کلکتے میں فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں شرکت کی دعوت کو مسترد کر دیا۔

(۱۵۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، صفحہ ۱۰۹ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۱۰ کتاب ہذا

(۱۶۰) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۱۶۱) قانون ساز اسمبلی میں ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء کو حکومت کے پیش کردہ بیان کے لئے ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد چہارم، نمبر ۹ صفحہ ۸۲۱۔ اس میں کمیٹی کے اس وقت کے ارکان کی فہرست شامل ہے۔

(۱۶۲) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن کیم، ۸ جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

(۱۶۳) ملاحظہ ہو ارون کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۴ اور اس کے ساتھ ملفوف دستاویز جو سپرو کے نام ارون کے خط مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۳۲ء پر مشتمل ہے۔

(۱۶۴) ملاحظہ ہو لارڈ سینکے کے خطوط سپرو کے نام مورخہ ۲۳، ۲۹ جولائی اور مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۳۲ء ک۔ س

Marfat.com

(۱۶۵) ملاحظہ ہو ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۶، ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵ ولنگڈن کے خطوط ہیلے کے نام مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ اور ولنگڈن کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۱۵۳

(۱۶۶) ملاحظہ ہو ہیلے بنام اروِن مورخہ ۱۴ جون ۱۹۳۲ء، ہیلے بنام وائی کاؤنٹ چیمسفورڈ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۲ء ہیلے بنام سری واستوا (یوپی کے وزیر تعلیم) مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۲ء جے پی سری واستوا بنام ہیلے مورخہ ۶، ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء اور ہیلے بنام سی وائی چنتامنی مورخہ کیم ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۴

(۱۶۷) وزیر ہند کا ٹیلی گرام وائسرائے کے نام مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۴

(۱۶۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۴۱ کتاب ہذا

(۱۶۹) ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۴۔ سپرو بنام لارڈ سینکے مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ س۔ ولنگڈن نے یہ اعلان ۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو مجلس قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کیا ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد چہارم نمبر ۱ صفحہ ۱۲

(۱۷۰) وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۴

(۱۷۱) سیموئیل ہور بنام سپرو مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۱۷۲) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

(۱۷۳) ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ نیز سپرو بنام لوتھین مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۱۷۴) ملاحظہ ہو چرچل کا مضمون، ڈیلی میل، ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۱۷۵) ملاحظہ ہو گاندھی کا خط بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء اور گاندھی کا خط بنام رمزے میکڈ انلڈ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۶ ڈاکٹر بی ایس مونجے بنام لوتھین مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۲۵۔ سندر سنگھ ماجیھٹیا بنام لوتھین مورخہ ۳۰ جولائی ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء د۔ ل / ۱۵۴۳

(۱۷۶) صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۲ کتاب ہذا

(۱۷۷) تیسری گول میز کانفرنس کے سرکاری ریکارڈ کے طور پر صرف دو سو سات صفحوں کی ایک مختصر رپورٹ شائع کی گئی جس میں چون صفحات یادداشت پر مشتمل تھے۔ اس رپورٹ میں مختلف نکات پر بات چیت کا خلاصہ اور آخری دو دن کی کاروائی کی حرف بہ حرف تفصیلات شامل تھیں۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ برخلاف اس کے پچھلی دو کانفرنسوں کا ریکارڈ مکمل اجلاس اور کانفرنس کی کئی کمیٹیوں کے اجلاسوں میں کی جانے والی تقریروں کی حرف بہ حرف

Marfat.com

روداد پر مشتمل تھا۔

(۱۷۸) ملاحظہ ہو سپرو کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء، سپرو کا خط لارڈ سینکے کے نام مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء ک۔ س ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ/ ۲۴۔ اور سپرو بنام ولنگڈن مورخہ ۱۵ اکتوبر، ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۱۷۹) ملاحظہ ہو سپرو بنام کے این ہکسار (HAKSAR) مورخہ ۱۷، ۲۴ اکتوبر سپرو بنام برج نارائن مورخہ ۴ نومبر ۱۹۳۲ء ایضاً

(۱۸۰) سپرو بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء ایضاً

(۱۸۱) تینوں کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے ہندوستانی مندوبین کی تعداد بالترتیب حسب ذیل تھی :۔

برطانوی ہند : ۵۲، ۶۹ اور ۲۲۔ ہندوستانی ریاستیں ۱۶، ۲۳ اور ۱۱

(۱۸۲) وہ لبرل سیاست دان یہ تھے : سری نواس شاستری، چمن لال سیتل واڈ، سی وائی چنتامنی اور جناح۔ ملاحظہ ہو حسب ذیل خط وکتابت :۔

سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲ اور ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۹، ۲۶ ستمبر اور مورخہ ۱۹، ۲۶، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۶

(۱۸۳) ملاحظہ ہو سپرو کا خط این ہکسار کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۱۸۴) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۶

(۱۸۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۱۴۹ کتاب ہذا

(۱۸۶) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۶

(۱۸۷) مثال کے طور پر کے این ہکسار دوسری طرف ایل ایف رش بروک ولیمز کو ریاست ناوانگر کے نمائندے کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ رش بروک ولیمز کی شمولیت آزاد خیال سیاست دانوں کی نگاہ میں مستحسن نہیں تھی کیونکہ وہ مبینہ طور پر وفاق کے مقصد کو ناکام بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ ملاحظہ ہو سپرو کا خط کے این ہکسار کے نام مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۱۸۸) وزیراعظم کے نام استعفیٰ کے مراسلے کے متن مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۲ء کے لئے دی ٹائمز مورخہ ستمبر ۱۹۳۲ء اس مراسلے پر لبرل پارٹی سے تعلق رکھنے والے وزیروں نے مشترکہ طور پر دستخط کئے تھے۔ ٹائمز کی اس اشاعت میں ملاحظہ ہو لوتھین کا بیان۔ نیز ملاحظہ ہو سرہربرٹ سیموئیل کا خط رمزے میکڈانلڈ کے نام مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۴۵ اور سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

Marfat.com

(۱۸۹) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء ایضاً

(۱۹۰) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲ ستمبر و ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء ایضاً

(۱۹۱) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۶۔ ارون جولائی ۱۹۳۲ء میں بورڈ آف ایجوکیشن کے صدر کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہو گیا تھا ملاحظہ ہو ٹیلر کی محولہ کتاب صفحہ ۶۴۷۔

(۱۹۲) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸۔ سائمن کو ۱۹۳۱ء میں قومی حکومت میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے شامل کیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ٹیلر کی محولہ کتاب صفحہ ۶۴۶۔

(۱۹۳) ملاحظہ ہو رمزے میکڈانلڈ کا خط سپرو کے نام مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س اس خط میں جو میکڈانلڈ نے لوسائی موتھ سے لکھا تھا، اپنی کیفیت بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ جینوا کانفرنس کے بعد وہ بالکل نڈھال ہو گئے تھے اور چونکہ ان کی توجہ دوسرے امور پر مرکوز ہے لہٰذا وہ ہندوستان سے متعلق کانفرنس میں شرکت کے قابل نہیں۔

(۱۹۴) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن، مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

(۱۹۵) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن، مورخہ ۹ ستمبر ۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء ایضاً

(۱۹۶) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۳۶ تا ۱۳۸ کتاب ہذا

(۱۹۷) سپرو بنام ولنگڈن مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء سپرو بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء سپرو بنام کے این ہکسار مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء سپرو بنام ایس مشرم مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء اور سپرو بنام برج نارائن مورخہ ۴، ۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ س نیز ملاحظہ ہو ہیلے بنام ارون مورخہ ۳ نومبر ۱۹۳۲ء، جے ٹی گوائن بنام ہیلے مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۲ء، ارون بنام ہیلے مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۵ اور اسٹانلے ریڈ بنام لوتھین مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۳

(۱۹۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۴

(۱۹۹) ایضاً

(۲۰۰) ملاحظہ ہو سپرو کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۰۱) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲

(۲۰۲) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۹۹ تا ۱۰۲، ۱۱۴ تا ۱۲۲، ۱۶۲ تا ۱۶۳، ۱۶۹ تا ۱۷۲ اور ۱۸۳ تا ۱۸۴۔ اس میں سردار تارا سنگھ اور پنڈت نانک چند کی ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء والی تقریروں کے متن اور سکھوں اور ہندو مہاسبھا کے مندوبین کی طرف سے پیش کی جانے والی یادداشتیں شامل ہیں۔

(۲۰۳) ملاحظہ ہو سپرو کا خط بنام برج نارائن مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

Marfat.com

(۲۰۴) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۲۰۶ کتاب ہذا

(۲۰۵) سپرو بنام برج نارائن مورخہ ۴، ۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء اور سپرو بنام ہکسار مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۰۶) ملاحظہ ہو مہاراجہ رانا آف دھولپور بنام سیموئیل ہور مورخہ ۳ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۷ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۸ و ۲۵ نومبر اور مورخہ یکم ۹، ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲ جے ٹی گوائن بنام ہیلے مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۲ء، اروِن بنام ہیلے مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ /۲۵۔ سپرو بنام برج نارائن مورخہ یکم، ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء، سپرو بنام کے این ہکسار مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س اور ریاست پٹیالہ کے وزیر لیاقت حیات علی خان بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۷ اس کے علاوہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو کانفرنس کے اجلاس میں راجہ آف سریلا اکبر، حیدری لیاقت حیات خاں، بیکانیر کے منو بھائی آف مہتا اور بھوپال کے راجہ اودھ نارائن بساریہ کی تقریروں کے لئے ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۹۶ تا ۹۹۔

(۲۰۷) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲ اور سپرو بنام برج نارائن مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۰۸) سپرو اور جایا کرنے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان پہنچنے پر وزیر اعظم سے ملاقات کی جس کی وجہ سے سپرو اور سیموئیل ہور کے درمیان اختلافات اور شدت اختیار کر گئے اس ملاقات میں دونوں ہندوستانی لیڈروں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں حکومت کی طرف سے پھر نری صوبائی خود مختاری کے نفاذ کی کوشش نہ کی جائے۔ اس پر سیموئیل ہور ناراض ہوگیا۔ اروِن نے دونوں فریقوں کے درمیان رسمی طور پر مصالحت کرادی تھی لیکن جیسا کہ بعد کی کاروائی سے عیاں تھا۔ وہ ایک دوسرے سے بدستور بدظن رہے۔ ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۲ سپرو بنام اروِن مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء اور سیموئیل ہور بنام سپرو مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۰۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۴۰ اور ۴۷ تا ۷۸

(۲۱۰) ایضاً

(۲۱۱) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸

(۲۱۲) پرشوتم داس ٹھاکر داس دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۱۳) ملاحظہ ہو سپرو بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۹، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء اور سپرو اور جایا کر بنام ریمزے میکڈانلڈ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

Marfat.com

اس کے علاوہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو کانفرنس میں سپرو اور پرشوتم داس کی تقریروں اور سپرو اور جایا کر کی طرف سے پیش کی جانے والی مجوزہ آئین سے متعلق مشترکہ یادداشت مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۲ء کے لئے ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۴۷ تا ۸۷، ۱۰۴ تا ۱۰۷ اور ۱۹۷ تا ۲۰۳

(۲۱۴) ان امور کا تعلق وفاق کے ایوان بالا کے انتخاب کے طریقہ کار، وفاقی ایوانوں کی نشستوں کی تعداد ان ایوانوں میں ریاستوں کو نمائندگی کی مراعات، وفاق اور اس کی اکائیوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور ان دونوں کے درمیان انتظامی رشتے اور وفاق اور ریاستوں کے درمیان مالیاتی امور کے بندوبست سے تھا۔ ایضاً صفحات ۱۳ تا ۲۴ اور ۶۴ تا ۶۶

(۲۱۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی صفحات ۱۳۷ تا ۱۴۷

(۲۱۶) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۸ نومبر، یکم دسمبر ۱۹۳۲ء نیز ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق کابینہ کی کمیٹی کے ۲۰ ویں اور ۲۱ ویں اجلاسوں منعقدہ ۳، و ۴، نومبر ۱۹۳۲ء کی روداد م۔ ک۔ ٹ /۵۹۔ ان اجلاسوں میں سیموئیل ہور نے مالیاتی تحفظ اور ریزروبینک کے قیام کے حق میں دلائل پیش کئے۔

(۲۱۷) ملاحظہ ہو م۔ ک۔ ٹ /۵۳، ۲ میں ہندوستان سے متعلق کابینہ کی کمیٹی کے لئے تیار کی جانے والی "انتہائی خفیہ یادداشت" نمبر سی I (۳۲) ۴۹ بابت نومبر ۱۹۳۲ء بہ عنوان "وفاق کے تحت ہندوستانی ریاستوں کی حیثیت" نیز ملاحظہ ہو م۔ ک۔ ٹ /۵۲ میں سیموئیل ہور کا نوٹ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

(۲۱۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۱۳۹

(۲۱۹) ایضاً صفحہ ۱۴۱

(۲۲۰) ایضاً صفحہ ۶۷

(۲۲۱) ایضاً

(۲۲۲) ایضاً صفحات ۳۷ تا ۳۹

(۲۲۳) ایضاً

(۲۲۴) ملاحظہ ہو سپرو کا خط برج نارائن کے نام مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۲۵) ملاحظہ ہو سپرو مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۱۳۵۔ نیز ملاحظہ ہو روزنامہ لیڈر مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء جس میں سپرو کا وہ بیان شائع ہوا تھا جو اس نے اخبار کے نامہ نگار کو لندن میں دیا تھا۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو لوتھین بنام ولنگڈن مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۵ اور ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۳ء م۔ ک۔

Marfat.com

ٹ/٦

برطانوی رہنماؤں نے اپنے خطوط میں ہندوستان لبرل لیڈروں سپرو اور ان کے رفقاء کے ساتھ ملاقات کے بعد ان کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے۔

(۲۲٦) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا بیان مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۱۴۰ تا ۱۴۳۔ لارڈ ریڈنگ واحد برطانوی مندوب تھا جس نے اتفاقیہ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ریزرو بینک کے قیام کو جو کئی شرائط میں سے ایک شرط تھا تین سے چھ برس تک کا وقت لگ جائے گا۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء ایضاً صفحہ ۹۵

Marfat.com

باب پنجم

فرقہ وارانہ مسئلہ

برصغیر میں آباد مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت نے برطانوی ہند کے آئینی ارتقا میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ لیکن عرف عام میں جس سوال کو فرقہ وارانہ مسئلہ کہا جاتا ہے اس کا تعلق دراصل ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت سے تھا۔ اقتدار کی منتقلی سے قبل موجودہ صدی میں اس گتھی کو سلجھانے کے عمل میں جو واقعات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں وہ تھے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام، ۱۹۱۶ء کا معاہدہ لکھنو، ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی اشاعت اور ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور۔ ان میں سے پہلے دو واقعات کی پشت پر مسلمانوں کی یہ خواہش کارفرما تھی کہ ایسے وقت میں جبکہ جمہوری اداروں کی تیزی سے نشونما ہو رہی ہے جداگانہ انتخاب کا نظام رائج کیا جائے کیونکہ مشترکہ طریقہ انتخاب میں وہ ہندوؤں کے ساتھ مسابقت کے قابل نہیں تھے۔ تاہم جب نہرو رپورٹ کی تیاری کا وقت آیا تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات میں فقط طریقہ انتخاب ہی ایک اہم مسئلہ نہیں رہا تھا۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے نتائج کی رو سے پنجاب اور بنگال کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ یہ اکثریت اگرچہ نمایاں نہیں تھی لیکن مسلمان چاہتے تھے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے (۱)۔ ان کی اس خواہش کی وجہ سے فرقہ وارانہ مسئلے نے شدت اختیار کرلی تھی۔ پنجاب اور بنگال سے متعلق مسلمانوں کے مطالبات پر ان کے یہ مطالبات مستزاد تھے کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے اور سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحد کو جن میں مسلمانوں کی اچھی خاصی اکثریت تھی، صوبوں کی حیثیت دی جائے اور صوبوں کو وسیع پیمانے پر خود مختاری دے کر ہندوستان میں وفاقی حکومت قائم کی جائے۔ اگر یہ مطالبات تسلیم کرلئے جاتے تو ظاہر تھا کہ مسلمان ہندوستان کے نظام سیاست میں شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں خاص کر موخر

Marfat.com

الذکر علاقے کے اندر ایک بلاک کی حیثیت اختیار کرلیتے۔ اس طرح وہ اس قابل ہوجاتے کہ پورے ہندوستان میں اپنے ہم مذہبوں کی خبر گیری کرسکیں۔ ہندوؤں نے پنجاب اور بنگال کے بارے میں ان کے مطالبات مسترد کردیئے۔ پنجاب میں سکھوں کی موجودگی کی وجہ سے دونوں فرقوں کے درمیان اتفاق رائے اور بھی مشکل ہوگیا۔ البتہ انہوں نے سندھ، بلوچستان اور سرحد کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبات طوعاً و کرہاً تسلیم کرلئے۔ بالآخر سارا مسئلہ ہندوستان کی تقسیم اور قیام پاکستان کی صورت میں انہی خطوط پر حل ہوا جو مسلمانوں کے اصل مطالبات کی بنیاد تھے۔ ۱۹۱۹ء میں دوسری عالمی جنگ کے بعد جنوری ۱۹۲۴ء تک فرقہ وارانہ مسئلہ ایک مرتبہ پھر سنگین صورت اختیار کرگیا۔ اس سال ملک کے اندر اور باہر کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جو ہندوستانیوں کے لئے بڑی سیاسی اہمیت کے حامل تھے۔ ایک تو یہ کہ جنوری ۱۹۲۴ء میں برطانیہ کی لیبر پارٹی برسراقتدار آگئی (۲) جس سے ہندوستانی لیڈروں کی یہ توقع وابستہ تھی کہ وہ مصالحانہ رویہ اختیار کرے گی۔ دوسرے یہ کہ اسی مہینے سوراج پارٹی کے ارکان اور جناح مع اپنے پیرو کاروں کے ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہو کر آئے (۳)۔ جناح کے ساتھ ان کے کئی پیرو کار بھی تھے جو آزاد خیال ارکان ہونے کے مدعی تھے۔ سوراجیوں اور جناح گروپ نے اسمبلی میں آتے ہی پہلی کاروائی یہ کی کہ ہندوستان کے لئے مستعمراتی حیثیت اور گول میز کانفرنس کے انعقاد کا مطالبہ کردیا (۴)۔ تیسرے یہ کہ ترکی کی حکومت نے مارچ میں خلافت کی منسوخی کا اعلان کردیا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں بھی تحریک خلافت ختم ہوگئی (۵) چوتھے یہ کہ مئی میں حکومت ہند نے سخت دباؤ کے تحت موجودہ قانون کی تحقیقات اور اس میں اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی (۶)۔ اور آخر میں یہ کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی جانب سے تبلیغی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ مسلمانوں کے آدمی ہندوؤں کو دعوت دین دینے اور ہندوؤں کے آدمی مسلمانوں کو شدھی کرنے میں سرگرم عمل ہوگئے (۷)۔ اس پس منظر میں مسلم قائدین نے تحریک خلافت سے علیحدگی اختیار کرلی جس سے وہ کئی سال تک منسلک رہے تھے اور جب اصلاحات کے مسئلے نے زور پکڑا تو ان کی تمام تر توجہ خود اپنی قوم کے سیاسی مستقبل پر

Marfat.com

مرتکز ہوگئی۔ چنانچہ جلد ہی مسلم لیگ کا احیاء عمل میں آیا جو چار سال سے جمود کا شکار تھی مئی ۱۹۲۴ء میں جناح کے زیر صدارت اور مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر کی رضا مندی (۸) سے لاہور میں اس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی کاروائی ہندی مسلمانوں کی سیاسی سوچ میں نئے رجحانات کی آئینہ دار تھی۔ صدارتی خطبے میں قوم پرستوں کے اس مطالبے کی صدائے بازگشت تو ضرور سنائی دی کہ ہندوستان میں فوری طور پر مستعمرہ کے درجے کی ذمہ دار حکومت قائم کی جائے (۹)۔ لیکن دوسری تقریروں میں میثاق لکھنؤ پر نکتہ چینی کی گئی اور مسلمانوں پر زور دیا گیا کہ وہ تھم جائیں، اور مزید قربانیاں دینے سے احتراز کریں (۱۰)۔ لیگ کے اس اجلاس میں جو قرار دادیں منظور کی گئیں ان میں بعض ایسے مطالبات شامل تھے جو پہلے کبھی نہیں پیش کئے گئے تھے۔ وہ مطالبات یہ تھے کہ قانون ساز اسمبلیوں اور دوسرے منتخب اداروں میں مختلف فرقوں کو خالصتاً آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے (۱۱)۔ اگر کبھی علاقوں کی از سر نو حد بندی کی جائے تو اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ بنگال، پنجاب اور سرحد کے صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت متاثر نہ ہونے پائے (۱۲) اور یہ کہ صوبہ سرحد کو ہندوستان کے بڑے صوبوں کے مساوی حیثیت دی جائے (۱۳)۔ خود ان صوبوں سے آنے والے مندوبین بھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اس بات کے متمنی تھے کہ پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کو برتر حیثیت حاصل ہوجائے۔ خواہ اس میں خود یہ مسلمان خسارے میں رہیں (۱۴)۔ جہاں تک فرقہ وارانہ بنیاد پر انتخابات کا تعلق تھا، رائج الوقت طریقے کی توثیق کی گئی لیکن اس شرط پر کہ ہر فرقے کو اس بات کی آزادی ہوگی کہ وہ جب چاہے جداگانہ انتخابات کے طریقے کو ترک کر کے مخلوط طریقہ انتخاب اختیار کرلے (۱۵)۔ آئندہ دو سال کے دوران بھی لیگ کے اجلاسوں کا موضوع بحث یہی رہا (۱۶)۔ ۱۹۲۵ء میں لیگ کے پلیٹ فارم سے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کا مطالبہ کیا گیا (۱۷)۔ اب صورت یہ تھی کہ مسلمانوں نے طریقہ انتخاب کے بارے میں تو اپنے موقف کو تغیر پذیر رکھا، لیکن صوبوں کے بارے میں وہ اپنے مطالبات پر قائم رہے (۱۸)۔ لیکن ۱۹۲۷ء تک جبکہ دونوں فرقوں کے تعلقات زیادہ خراب ہوگئے تھے اور آئینی کمیشن کا تقرر عنقریب عمل میں آنے والا تھا لیگی رہنماؤں نے ہندوؤں کی اس تجویز کا مثبت جواب نہیں دیا کہ جداگانہ طریقہ انتخاب ترک کردیا جائے اور

Marfat.com

میثاق لکھنؤ پر نظر ثانی کی جائے۔ دلی میں ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو مختلف نظریات کے نمائندہ (۱۹) کوئی بیس مسلمان لیڈروں کا اجلاس جناح کی صدارت میں منعقد ہوا تاکہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی پوزیشن کا تعین کیا جائے۔ اس اجلاس کے نتیجے میں وہ تجاویز مرتب ہوئیں جو تجاویز دہلی کے نام سے معروف ہیں۔ ان تجاویز میں یہ پیش کش کی گئی تھی کہ اگر ہندوؤں کی طرف سے صوبوں کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبات اور یہ مطالبہ تسلیم کرلیا جائے کہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کی ایک تہائی نشستوں کا انتخاب مخلوط حق رائے دہی کی بنیاد پر عمل میں آئے گا تو اس کے عوض مسلمان فرقہ وارانہ بنیاد پر انتخابات کا طریقہ ترک کردیں گے (۲۰)۔ یہ ایک سودا تھا۔ تجاویز دہلی ہندوؤں کے لئے پرکشش تھیں کیونکہ ان تمام مرحلوں پر مخلوط طریقہ انتخاب کی پیش کش کی گئی تھی، لیکن ان کے لئے یہ سودا بڑا مہنگا تھا۔ ٹائمز آف انڈیا نے اپنے اداریے میں اس پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے باہمی رواداری پیدا کرنے کی کوشش قرار دیا جو مزید پیش رفت کے لئے ناگزیر تھی اور ہندوستانیوں پر زور دیا کہ وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں (۲۱)۔ لیکن کانگریس کے باہر ہندو حلقوں میں ان تجاویز پر سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا۔ پنجاب (۲۲) میں سکھوں کو اپنی حیثیت کے بارے میں تشویش پیدا ہوگئی اور انہوں نے گاندھی سے یقین دہانی کرالی کہ مختلف فرقوں کے درمیان تعلقات میں رد و بدل کے وقت ان کے مطالبات پر مناسب توجہ دی جائے گی (۲۳)۔ ٹائمز آف انڈیا کے ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء والے پرچے میں لاہور سے موصول ہونے والی مندرجہ ذیل اطلاع مورخہ ۲۳ مارچ شائع ہوئی تھی:۔

> "پنجاب کی ہندو مہا سبھا نے ایک قرار داد منظور کی ہے جس میں مسلمانوں کی تنظیم کے ساتھ مذاکرات میں ہندوؤں کی نمائندگی کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کی مسلمہ حیثیت سے انکار کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ہندو ان مذاکرات میں طے پانے والے کسی سمجھوتہ کے پابند نہیں ہوں گے نیز یہ کہ اس قسم کے امور طے کرنے والی صحیح جماعت ہندو مہا سبھا ہے"۔

یہ تھا اس وقت تجاویز دہلی پر ہندوؤں کا عمومی مخالفانہ رد عمل۔ ہندوؤں نے ان تجاویز کے صرف اس حصے کا خیر مقدم کیا جس میں مخلوط طریقہ انتخاب کی پیش کش کی گئی تھی

Marfat.com

(۲۴)۔ چنانچہ اجلاس میں دہلی کے چند روز بعد جناح کو یہ بتانا پڑا کہ تجاویز دہلی کی نوعیت کچھ لو اور کچھ دو کی ہے۔ انہوں نے ہندوؤں سے کہا کہ وہ ان تجاویز کو بہ حیثیت مجموعی قبول کرلیں (۲۵)۔ سپرو شاید واحد ہندو لیڈر تھے جنھوں نے مسلمانوں کے اقدام کو سراہا۔ انہوں نے چار مہینے بعد بمبئی میں ایک عام تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مخلوط انتخابات کی تجویز کے محرکوں کی جرات مندی کی تعریف کی اور کہا:۔

"تجاویز دہلی میں جس جذبے کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ اس بات کا مستحق تھا کہ ہندوؤں کی طرف سے ظاہر کیے جانے والے رد عمل کی بجائے اس پر بہتر طریقے اور زیادہ سنجیدگی سے غور کیا جاتا اور زیادہ دانشمندانہ ردعمل کا اظہار کیا جاتا۔ میرے خیال میں ان لوگوں کو جن پر ہندوؤں کی رائے عامہ کی ترجمانی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس موقع پر زیادہ تدبر اور فراخ دلی سے کام لینا چاہئے تھا اور اپنی طرف بڑھنے والے دوستی کے ہاتھ کو تھام لینا چاہئے تھا" (۲۶)۔

مسلمانوں کی طرف سے بھی تجاویز دہلی کی پذیرائی کچھ آسان نہیں تھی۔ ان تجاویز کی اشاعت کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بعض مسلم زعما جداگانہ طریقہ انتخاب سے دستبرداری کی مذمت کر چکے تھے (۲۷)۔ لیکن پنجاب میں جہاں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات انتہائی ناخوشگوار تھے مسلمانوں کی طرف سے ان تجاویز کی نہایت شدومد سے مخالفت کی گئی۔ تاہم وہ اسی صوبے کی صورت حال تھی جس سے ہندوستان میں اصلاحات کی سمت متعین ہونی تھی۔ مارچ ۱۹۲۶ء ایک پنجابی مسلمان نے قانون ساز اسمبلی کے بعض ممتاز ہندو ارکان کو صوبہ سرحد میں اصلاحات کی مخالفت پر نشانہ ملامت بنایا (۲۸)۔ ۱۹۲۷ء میں فسادات اور رنگیلا رسول نامی کتابچے کی اشاعت پر پنجاب میں شدید فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوگئی (۲۹)۔ لہٰذا اس صوبے میں بھی مسلمانوں میں مظلومیت کا احساس پایا جاتا تھا جہاں وہ خود کو اکثریت میں سمجھتے تھے۔ اقبال نے سخت ذہنی کرب کی حالت میں اس کی روداد فضل حسین کو لکھ بھیجی جو اس وقت صوبائی دارالحکومت کے باہر تھے۔

Marfat.com

"کاش اس وقت آپ لاہور میں ہوتے تاکہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ صورت حال روح فرسا ہے جس سے مملکت کی غیر جانبداری پر اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ میں ضروری مواد جمع کر رہا ہوں جو ایک نہ ایک دن برطانوی عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ فی الحال ہم حالات سے گورنر کو آگاہ کرنے کے سوال پر غور کر رہے ہیں۔ یہ نہایت سنگین صورت حال ہے۔ مجھے امید ہے کہ حکومت کو اس کا پورا پورا احساس ہے" (۳۰)۔

چنانچہ شفیع نے جو تجاویز دہلی مرتب کرنے میں حصہ لے چکے تھے بحالت ناراضگی ڈیڑھ ماہ بعد لاہور میں پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔ اس اجلاس میں تجاویز دہلی کو ہندو مہاسبھا کے رویئے کے پیش نظر کالعدم قرار دے دیا گیا (۳۱)۔ اسی اجلاس میں یہ بھی کہا گیا کہ اس وقت جو سیاسی صورت حال ہے اس میں صرف فرقہ وارانہ انتخابات ہی کے ذریعے مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیاں صحیح معنوں میں ہندوستانی عوام کی نمائندہ بن سکتی ہیں (۳۲)۔ لہٰذا آئندہ مہینے جب جناح نے لاہور کا دورہ کیا تو انہیں دہلی میں ہونے والی مفاہمت کے لئے پنجاب کے مسلمانوں کی رائے ہموار کرنے میں سخت دشواری پیش آئی۔ اس وقت پنجاب کے گورنر نے لکھا:۔

"اس وقت میرے لئے جو بات سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ جناح کل لاہور کے دورے پر آئے ہیں تاکہ دلی و بمبئی والی مفاہمت کو قبول کرنے پر مقامی مسلمانوں کو رضامند کر سکیں۔ میں نے فقط سنا ہے کہ شام سات بجے تک کیا کچھ ہوا ہے .... اس وقت تک انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا خلافت کے ایک حامی نے ان سے کہا کہ پنجاب فرقہ وارانہ طریقہ انتخاب سے دستبردار ہونے کی بجائے مزید چالیس سال تک نوکر شاہی برقرار رکھنے کو ترجیح دے گا۔ لاہور کے بلوے کے بعد ہندوؤں کے رویئے سے مسلمانوں کو یہ درس ملا ہے کہ ان کے ساتھ تعلق رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ اعتدال پسند مسلمانوں نے کہا کہ وہ مزید پانچ سال تک

فرقہ وارانہ طریقہ انتخاب کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہندوؤں نے (ان میں بعض اس موقع پر موجود تھے) مخلوط طریقہ انتخاب کی بھرپور حمایت کی لیکن وہ سندھ اور صوبہ سرحد میں ہندوؤں کی مجوزہ قربانیوں کے حق میں نہیں تھے" (۳۳)۔

اس کے بعد جیسے جیسے فرقہ وارانہ صورت حال بگڑتی گئی اور آئینی کمیشن کی تشکیل کا وقت قریب آتا گیا مسلمانان پنجاب اور جناح گروپ کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں پنجاب قانون ساز اسمبلی کے ستائیس ارکان نے فیروز خان نون کی قیادت میں ایک مشترکہ اخباری اعلان جاری کیا جس میں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں جداگانہ طریقہ انتخاب پر اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا (۳۴)۔ پھر انہوں نے اپنے موقف کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے اپنے نمائندے برطانیہ (۳۵) بھیج دیئے جیسا کہ اس سے قبل اقبال نے فضل حسین کے نام اپنے خط میں تجویز کیا تھا۔ اس صورت حال سے پنجاب کے زیرک گورنر ہیلے نے فائدہ اٹھایا اور پنجابی مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی جماعت کے قیام کی حوصلہ افزائی کی (۳۶)۔ گویا یہ مسلمان سائمن کمیشن کی ہیئت ترکیبی پر اختلاف رائے کی وجہ سے ہندوستان کے باقی قوم پرستوں سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ بھی سائمن کمیشن کی ہیئت ترکیبی پر اسی طرح ناراض تھے جس طرح دوسرے سب ہندوستانی ناراض تھے۔ مسلم لیگ میں جو پھوٹ پڑی اس کی اصل وجہ تجاویز دہلی تھیں جن میں شدید فرقہ وارانہ فسادات کے دوران میں جداگانہ طریقہ انتخاب ترک کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں لیگ کے دو علیحدہ اجلاس ایک ساتھ منعقد ہوئے۔ ایک کلکتے میں اور دوسرا لاہور میں (۳۷)۔

تجاویز دہلی ہندوؤں کے لئے خواہ کتنی ہی ناگوار خاطر رہی ہوں ان کی بنیاد کانگریس کے ۱۹۲۶ء والے اجلاس کی کاروائی تھی جو آسام کے شہر گوہاٹی میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں کانگریس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلاف پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنی مجلس عاملہ کو ہدایت کی کہ وہ دونوں فریقوں کے رہنماؤں کے مشورے سے ان اختلافات کو دور کرنے کی تدابیر تجویز کرے اور اپنی رپورٹ ۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء سے

Marfat.com

پہلے پہلے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پیش کردے (۳۸)۔ اس تاریخ سے گیارہ دن قبل جناح نے دلی میں اپنے مسلم رفقائے کار کا اجلاس طلب کیا اور انہیں بتایا کہ کانگریسی لیڈروں نے ان سے رابطہ قائم کر کے انہیں موجودہ معاہدے کے نعم البدل کے طور پر کانگریس کے صدر کی طرف سے ,پانچ آزمائشی تجاویز, پہنچائی ہیں (۳۹)۔ یہ تجاویز انہوں نے اجلاس میں پڑھ کر سنائیں۔ عین اسی وقت دلی میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا بھی اجلاس منعقد کیا گیا تاکہ ان تجاویز پر مسلم لیڈروں کا رد عمل معلوم کیا جائے۔ جوں ہی مسلمانوں کی تجاویز سامنے آئیں کانگریس کی مجلس عاملہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان پر تفصیل سے غور کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کردی (۴۰)۔ اس نے امید ظاہر کی کہ ,ان کی بنیاد پر، فرقہ وارانہ مسئلے کا تسلی بخش تصفیہ تیزی سے ہوسکتا ہے (۴۱)۔ اس کے دو ماہ بعد (۱۵ تا ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء) بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں مجلس عاملہ کا تیار کردہ فارمولا منظور کرلیا گیا۔ اس فارمولے میں مخلوط طریقہ انتخاب اس شرط کے ساتھ تجویز کیا گیا تھا کہ آبادی کی بنیاد پر صوبوں میں نیز مرکزی مقننہ میں نشستیں مخصوص کی جائیں (۴۲)۔ اس طرح کانگریس نے سال کے اختتام پر اپنے مدراس میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس سے قبل مخلوط طریقہ انتخاب کی خاطر صوبوں کے نہایت اہم مسئلے پر مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا۔ سال کی باقی ماندہ مدت میں فرقہ وارانہ کشیدگی کی شدت خصوصاً پنجاب میں بدستور موجود رہی۔ تاہم ہندوستانی لیڈروں کی توجہ آئینی کمیشن کے متوقع اعلان پر مرکوز رہی اور یہ اعلان نومبر میں ہوا۔ مدراس والا اجلاس ڈاکٹر انصاری کے زیر صدارت منعقد ہوا جنہوں نے تجاویز دہلی مرتب کرنے میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس میں کانگریس کو فرقہ وارانہ سوال سے نمٹنے کے علاوہ دو اہم کام کرنے تھے۔ ایک تو اسے یہ طے کرنا تھا کہ سائمن کمیشن کے اعلان کے بعد کیا اقدامات کئے جائیں۔ دوسرے اسے اپنے نوجوان رہنماؤں خاص کر سبھاش چندر بوس اور جواہر لال نہرو کو قابو میں رکھنا تھا۔ ان میں بوس انقلاب پسند تھا جو چند ماہ قبل جیل سے رہا ہوا تھا او نہرو سوشلسٹ تھا جو حال میں ماسکو سے لوٹا تھا۔ یہ اس قدر گراں بار کام تھے کہ کانگریس نے اپنی مجلس عاملہ کی سفارشات کی توثیق ان کا اچھی طرح جائزہ لئے بغیر کردی۔ سفارشات کی چھان پھٹک کا کام نہرو کمیٹی پر چھوڑ دیا گیا (۴۳) جو بمبئی میں مئی ۱۹۲۸ء

Marfat.com

میں منعقد ہونے والی کل جماعتی کانفرنس میں تشکیل دی گئی تھی (۴۴)۔ اس کمیٹی کو کل جماعتی کانفرنس کی مطابقت میں آئندہ جولائی کی پہلی تاریخ (۴۵) سے قبل ہندوستان کے لئے سوراج کا آئین مرتب کرنا تھا جس کے بعد اسے حکومت کی منظوری کے لئے پیش کیا جانا تھا۔

نہرو کمیٹی نے زبردست دباؤ کے تحت اور عجلت میں کام کیا۔ اسے نہ صرف مستعمراتی حیثیت اور مکمل آزادی کے مطالبات کو ہم آہنگ کرنا تھا بلکہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے متناقص دعاوی کے درمیان مطابقت بھی پیدا کرنی تھی۔ اس کمیٹی نے تین مہینے سے بھی کم مدت میں اپنی رپورٹ پیش کر دی (۴۶)۔ اس رپورٹ کی تسوید کا کام زیادہ تر موتی لال اور ان کے فرزند نے انجام دیا (۴۷)۔ یہ امر کہ مسلمانوں کی طرف سے کل جماعتی کانفرنس اور نہرو کمیٹی کا ہر مرحلے پر مقاطعہ کیا گیا ان دستاویزات میں قلم بند کر لیا گیا تھا جو اس عہد کے مستند مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں (۴۸)۔ یہ بات خود رپورٹ کے صفحات میں بھی اظہر من الشمس تھی (۴۹)۔ کمیٹی کے دو مسلم ارکان میں ایک رکن نے (۵۰) صرف ایک نشست میں شرکت کی اور دوسرے (۵۱) نے رکنیت ہی سے استعفیٰ دے دیا۔ کمیٹی کی رپورٹ میں دو امور کا جائزہ لیا گیا: ایک ہندوستان کی سیاسی پیش رفت اور دوسرے تجاویز دہلی۔ یہ دونوں امور ہندو مسلم تعلقات میں بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ اس کا قومی تر جمانی کا دعویٰ جامع اور حوصلہ مندانہ تھا۔ اس میں ہندوستان کے لئے مستعمرہ کی حیثیت کو ملک کے سیاسی ارتقا میں دور کا مرحلہ نہیں بلکہ اگلا قدم قرار دیا گیا (۵۲)۔ اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس میں جس آئین کے خدوخال پیش کئے گئے ہیں اس کے بیشتر اصول تمام و کمال آزادی کے آئین پر منطبق ہو سکتے ہیں (۵۳)۔ رپورٹ کا بڑا حصہ فرقہ وارانہ سوال کے لئے وقف تھا (۵۴)۔ لیکن اس سوال کو ایک سیاسی مسئلے کی بجائے سماجی اور ثقافتی مسئلے کی حیثیت سے دیکھا گیا۔ رپورٹ میں لکھا گیا کہ آئینی نقطہ نظر سے فرقہ وارانہ تنازعات کوئی بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور یہ کہ اگر مکمل مذہبی آزادی دے دی جائے اور ثقافتی خود مختاری کی گنجائش رکھی جائے تو فرقہ وارانہ مسئلہ عملاً حل ہو جائے گا، اگرچہ لوگوں کو شاید اس کا احساس نہ ہو۔ (۵۵) مخلوط انتخاب کے اصول کو تسلیم کیا گیا (۵۶) لیکن دوسرے اعتبارات سے نہرو

Marfat.com

رپورٹ تجاویز دہلی کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکی۔ کمیٹی کی رپورٹ میں تجویز کیا گیا کہ مرکزی مقننہ اور ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں مسلم نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے متجاوز نہ ہو اور ساتھ ہی انہیں دس سال کی مقررہ مدت تک اضافی نشستوں کا انتخاب لڑنے کا حق حاصل رہے (۵۷)۔ اس طرح نہرو رپورٹ میں میثاق لکھنؤ کے تحت مسلمانوں کو ملنے والی رعایت پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا اور انہیں مرکزی مقننہ میں صرف ایک چوتھائی نشستیں دی گئیں جبکہ ان کا مطالبہ ایک تہائی نشستوں کا تھا۔ اس میں مرکز کے لئے زیادہ اور صوبوں کے لئے کم اختیارات کی سفارش کی گئی (۵۸)۔ جہاں تک سندھ کا تعلق تھا، اس کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے مطالبے کی پشت پر کارفرما فرقہ وارانہ جذبے کی مذمت کی گئی تاہم سفارش کی گئی کہ حسب ضرورت مالیاتی پوزیشن کی تحقیقات کے بعد سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے (۵۹)۔ نہرو کمیٹی نے پنجاب اور بنگال کے بارے میں معلمانوں کے مرکزی مطالبے پر تفصیل سے غور کرنے کے بعد اسے کلیتاً مسترد کر دیا (۶۰)۔ کمیٹی کی رپورٹ میں پنجاب اور بنگال میں ہندوؤں (پنجاب میں سکھوں) کو آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کے اس اصول کے اطلاق سے مستثنٰی قرار دیا گیا جو اس میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ الاان صوبوں کے جہاں ان کی اکثریت تھی (۶۱)۔ البتہ مسلمانوں کا صرف ایک مطالبہ ایسا تھا جسے بلاپس و پیش تسلیم کر لیا گیا اور وہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ تھا (۶۲)۔ بہ حیثیت مجموعی اس رپورٹ میں مسلمانوں کو ان فوائد سے محروم کر دیا گیا جو انہیں میثاق لکھنؤ کی رو سے جداگانہ انتخاب اور بطور پاسنگ نشستوں کی رعایت کی صورت میں حاصل تھے اور ان کے عوض کسی اور ٹھوس فائدے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ لہٰذا قومی پیش رفت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ رپورٹ ہندوؤں کے حق میں ایک خوش آئند دستاویز تھی لیکن مسلمانوں کے حق میں نہیں۔

چنانچہ نہرو رپورٹ پر مسلمانوں کا رد عمل خلاف توقع نہیں تھا۔ اسے ,مفسدانہ، (۶۳) قرار دیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے اس کی ظاہری حمایت کو بھی ,غلطی، سے تعبیر کیا گیا (۶۴)۔ لہٰذا مسلمانوں خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ اس رپورٹ پر غور کرنے کے لئے لکھنؤ میں اگست میں منعقد ہونے والی کل جماعتی کانفرنس میں شرکت نہ کی

Marfat.com

جائے (۶۵) ۔ بعض مسلمان اس میں شریک بھی ہوئے تو محض اس لئے کہ اپنے کم سے کم مطالبات پیش کرنے کے بعد واپس چلے جائیں (۶۶) ۔ جناح وہ واحد مسلمان تھے جنہوں نے نہرو رپورٹ پر نسبتاً نرم رد عمل کا اظہار کیا۔ وہ انگلستان میں سائمن کمیشن کی صورت میں تبدیلی کے لئے اپنی کوششیں ناتمام چھوڑ کر حال ہی میں وطن لوٹے تھے۔ لیکن خود انہوں نے اس رپورٹ کو کسی اٹل قانون سے تعبیر نہیں کیا اور مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ منظم و متحد ہو جائیں اور اپنی ملت کے تحفظ کے لئے اپنا ہر جائز و معقول مطالبہ منوانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں (۶۷) ۔ اب صورت حال بالکل عیاں تھی۔ ارون نے شاہ برطانیہ کو پیش کی جانے والی دو رپورٹوں میں صورت حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی :۔

I میں نے اس سے قبل اپنے معروضے میں حضور والا سے کل جماعتی کانفرنس کی رپورٹ کا ذکر کیا تھا۔ اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگرچہ ہندو اخبارات میں اس رپورٹ پر تحسین و آفریں کے نعرے بلند کئے گئے لیکن جیسا کہ لازمی تھا مسلمانوں اور والیان ریاست دونوں کی طرف سے اس پر نہ صرف مایوسی کا اظہار کیا گیا بلکہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ میری دانست میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اس رپورٹ کی مرتبین اور اس کا ڈھنڈورا پیٹنے والے افراد نے اس کے عام فقروں اور اس کے مصنوعی طور پر متفقہ نکات کی قدر و قیمت کے بارے میں مبالغہ آرائی کی ہے اور اگلے چند ماہ میں اس پر مختلف حلقوں کی جانب سے تنقید کا سلسلہ شروع ہو جائے گا (۶۸) ۔

II میں نے اس وقت موتی لال نہرو کی رپورٹ سے پیدا ہونے والے شبہات کے بارے میں پیش گوئی کرنے کی جو جسارت کی تھی وہ بڑی حد تک درست ثابت ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کا تردد کسی طرح دور نہیں ہوا ہے اور وہ سر جان سائمن کمیشن کو شہادتیں پیش کرنے میں اپنے فرقے کے مستقبل کے بارے میں تشویش کے اظہار کا موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دے رہے ہیں (۶۹) ۔

Marfat.com

اس کے بعد سیاسی میدان عمل کلکتہ میں منتقل ہوگیا۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں یہیں کل جماعتی کانفرنس کا آخری اجلاس اور کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ایک ساتھ ہوئے۔ پھر اسی شہر نے خلافت کے حامیوں سکھوں، مہا سبھا اور ہندو لبرل لیڈروں کے اجتماعات کا موقع فراہم کیا۔ ان تمام کیمپوں کی فضا پر نہرو رپورٹ چھائی ہوئی تھی۔ اس موقع پر رپورٹ کے مرتبین کو انہی دو مسئلوں کا سامنا کرنا پڑا جو سال بھر قبل مدراس میں کانگریس کو اپنے سالانہ اجلاس میں اور خود انہیں رپورٹ مرتب کرتے وقت درپیش تھے یعنی تشدد پسندانہ اور محتاط عناصر کے درمیان محاذ آرائی اور متضاد فرقہ وارانہ مطالبات۔ کلکتے میں بالآخر محتاط عنصر کامیاب ہوگیا۔ یہی عنصر مدراس اور نہرو کمیٹی کی کاروائی کے دوران میں کامیاب ہوا تھا۔ مکمل آزادی کا سوال مزید ایک سال تک ملتوی کر دیا گیا اور مستعمرہ کی حیثیت کو بدستور قومی مطالبے کی حیثیت حاصل رہی (۷۰)۔ لیکن فرقہ وارانہ مسئلے پر کلکتے میں مکمل نااتفاقی رہی اور نہ صرف ہر کیمپ کے اندر بلکہ مختلف کیمپوں کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ سکھوں نے پنجاب کی مقننہ میں تیس فی صد نشستوں کا مطالبہ کیا اور یہ مطالبہ منوانے میں ناکام رہنے پر، جو نہرو رپورٹ میں شامل تھا۔ کل جماعتی کانفرنس سے من حیث الکل واک آؤٹ کر گئے (۷۱)۔ خلافت کے حامیوں نے رپورٹ کی مذمت کی اور آپس ہی میں جھگڑ پڑے (۷۲)۔ مسلم لیگ نے جناح کے توسط سے کانفرنس میں نہرو رپورٹ کو تجاویز دہلی کے قریب ترلانے کی کوشش کی (۷۳) اور اس میں ناکام رہنے کے بعد اس کا اجلاس کوئی فیصلہ کئے بغیر ملتوی ہوگیا (۷۴)۔ ہندو کیمپ میں فقط سپرو ایک ایسے لیڈر تھے جنھوں نے اعتدال پسندانہ روش اختیار کی اور کانفرنس میں جناح کی پیش کردہ بعض ترامیم کے حق میں آواز اٹھائی (۷۵)۔ انہوں نے کلکتے کے اجلاس کو خبردار کیا کہ کسی کا یہ سوچنا خود فریبی ہوگی کہ ایک فرقے اور دوسرے فرقے کے درمیان وسیع بنیادوں پر اصولوں کی مکمل ہم آہنگی کے بغیر ہندوستان ڈومینین کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے چہ جائیکہ آزادی (۷۶)۔ لیکن کانفرنس میں ہندو مہا سبھا کے مندوبین کے اس موقف کے پیش نظر نہ صرف کل جماعتی کانفرنس (۷۷) نے بلکہ کانگریس (۷۸) نے بھی نہرو رپورٹ کی توثیق کر دی کہ اس میں فرقہ وارانہ تصفیئے کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اسے دوبارہ معرض بحث نہیں لانا

Marfat.com

چاہئے (۷۹)۔ اس سے مسلمانوں کا وہ واحد طبقہ بھی ہندوؤں سے برگشتہ ہو گیا جس نے جناح کی قیادت میں ان سے تعاون کیا تھا۔ جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے تجویز کی جانے والی ترامیم مسترد کئے جانے کے بعد اعلان کیا کہ نہرو رپورٹ کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے (۸۰)۔ ایک اور مسلمان نے جو اپنے قوم پرستانہ خیالات کی وجہ سے مشہور تھے کانفرنس پر الزام لگایا کہ اس نے ہندو مہا سبھا کی متعصبانہ ہٹ دھرمی کے زیر اثر ناچارگی کا رویہ اختیار کیا ہے (۸۱)۔ انہوں نے جرات مندی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ کانفرنس ہندوستان میں ایک بھی مسلمان کے ساتھ تصفیہ نہیں کر پائے گی (۸۲)۔

اس طرح ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۸ء تک ایک سال کی مدت میں مسلم لیگ کے یکے بعد دیگرے جو اجلاس ہوئے ان میں لیگ نے جناح کے ذریعے ہندوستان کے مشترکہ سیاسی نصب العین اور فرقہ وارانہ اتحاد کی حمایت کی اور از کار رفتہ ہو کر رہ گئی۔ اب ان مسلم رہنماؤں نے جو کلکتے کے اجتماعات سے بالکل الگ تھلگ رہ کر حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے اور موقع کے منتظر تھے ۱۹۲۹ء کے آغاز میں کل جماعتی مسلم کانفرنس کے نام سے اپنا ایک اجلاس منعقد کیا۔ کلکتے کی کارروائی کی بدولت ان کے ہم خیالوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا، ان کے اندر اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور ہندوؤں کے ساتھ سمجھوتے کے خلاف ان کا موقف مستحکم ہو گیا تھا۔ آغا خان نے دلی کے اس عظیم الشان اجتماع کی صدارت کی جو اس سے قبل ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ کی صفوں میں نفاق کی وجہ سے (۸۳) اس کی قیادت سنبھالنے سے انکار کر چکے تھے۔ تحریک خلافت کے زعمانے ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کی تشکیل (۸۴) پر اقبال اور شفیع کو چیلنج کیا تھا لیکن اب کلکتے سے واپس پہنچ کر انہوں نے اپنے انہی حریفوں کے اشتراک سے دلی کانفرنس میں ایک قرار داد پیش کی اور اس میں مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کر دی (۸۵)۔ جناح وہ واحد ممتاز مسلمان تھے جو اس موقع پر کلکتے سے دلی نہیں گئے۔ عصری احوال کے مطابق دہلی کانفرنس مسلمانوں کی نمائندہ اجتماع تھی (۸۶)۔ اس کانفرنس کی نمایاں خصوصیت کامل اتفاق رائے اور جناح اور ان کی لیگ کے ساتھ طنزیہ ہمدردی تھی (۸۷)۔ اس کانفرنس میں جو قرار داد بلا اختلاف رائے منظور کی گئی اس میں آزادی مستعمرہ کے مرتبے اور نہرو رپورٹ کسی کا بھی تذکرہ نہیں تھا (۸۸)۔ اس میں

Marfat.com

آغاخان کے اس کے نظریئے کے مطابق جو انہوں نے گزشتہ اکتوبر (۸۹) میں ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے دو مضامین میں پیش کیا تھا یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان میں وفاقی طرز کی حکومت قائم کی جائے اور اس میں شامل ہونے والے صوبوں یا اکائیوں کو مکمل خود مختاری اور اختیارات مابقیٰ حاصل ہوں۔ نیز اس قرارداد میں طریقہ انتخاب کو چھوڑ کر تجاویز دہلی کے سارے مافیہ کا احاطہ کیا گیا تھا (۹۰)۔ طریقہ انتخاب کے اہم سوال پر قرارداد میں کہا گیا کہ:۔

"ہر گاہ مسلم جمعیت کو ہندوستان کے قانون ساز اداروں کے لئے جداگانہ نظام انتخاب کے ذریعے اپنے نمائندوں کے چناؤ کا حق، اب ملک کا قانون ہے؛ اور ہر گاہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں اور جب تک یہ حالات برقرار ہیں مختلف قانون ساز اداروں اور قانون کے تحت قائم کئے جانے والے بلدیاتی اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی ان کے جداگانہ انتخاب کے ذریعے انتہائی ضروری ہے تاکہ حقیقی جمہوریت قائم کی جاسکے اور ہر گاہ مسلمان اس امر کی طرف سے مطمئن نہ ہوجائیں کہ ان کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی آئین میں مناسب گنجائش رکھی گئی ہے مسلمان مخلوط نظام انتخاب کے قیام پر مشروط یا غیر مشروط طور پر قطعی رضامند نہ ہوں گے" (۹۱)۔

لیکن آغا خاں کے صدارتی خطبے کا یہ فقرہ مسلم کانفرنس کا ماحصل تھا:۔

"ہندوستان کے مسلمان محض ایک جمعیت نہیں بلکہ خصوصی معنیٰ میں مختلف جمعیتوں پر مشتمل ایک قوم ہیں جس کی مجموعی آبادی جنگ سے قبل کی جرمن سلطنت کی آبادی سے بھی زیادہ ہے" (۹۲)۔

اس طرح جداگانہ طریقہ انتخاب کو ختم کرنے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ سے نکل گیا نیز مسلمانوں کے ایک اہم پلیٹ فارم سے ایک اہم شخصیت نے مسلمانان ہند کی علیحدہ قومیت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد فرقہ وارانہ بنیاد پر ملک کی تقسیم کا تصور ایک سنجیدہ منصوبے کی

Marfat.com

حیثیت اختیار کرتا گیا۔

۱۹۲۹ء کے دوران نہرو رپورٹ کا بڑا چرچا رہا لیکن اس کی حیثیت ایک متنازعہ دستاویز کی تھی۔ تاہم اس رپورٹ کے بارے میں ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے موقف نے سال کے شروع ہی میں قطعی شکل اختیار کرلی۔ کانگریس نے اسے قومی مطالبہ قرار دیا کیونکہ اس میں ایک سال کے اندر ڈومینین کا مرتبہ دینے کا مطالبہ دیا گیا تھا۔ مہا سبھا فرقہ وارانہ مسئلے کے بارے میں سفارشات کی وجہ سے اس رپورٹ میں جمی رہی۔ لیکن مسلمانوں کے لئے جو مسلم کانفرنس کی قرارداد پر قائم تھے نہرو رپورٹ ایک مذموم دستاویز تھی۔ اس سلسلے میں فرقہ وارانہ جذبات کی شدت کا مظاہرہ ۱۲ مارچ ۱۹۲۹ء کو قانون ساز اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران کیا گیا۔ اس موقع پر موتی لال نہرو نے تحریک پیش کی کہ وائسرائے کی مجلس عاملہ کی مد میں رکھی جانے والی رقم گھٹا کر ایک روپیہ کردی جائے (۹۳)۔ مسلمانوں نے حکومت کو شکست دینے کے لئے (۹۴) سوراجیوں کے ساتھ صرف اس وقت ووٹ دیا جب محرک نے دو ٹوک الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ قومی مطالبہ ڈومینین کا مرتبہ ہے، نہرو رپورٹ نہیں (۹۵)۔ لیکن اس تحریک پر جو گرما گرم بحث ہوئی اس سے متذکرہ مسئلے پر جذبات کی شدت اور نہرو رپورٹ پر نفاق عیاں تھا۔ اروِن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

> ''گزشتہ ہفتہ نام نہاد قومی مطالبہ پیش کرنے کے لئے ان کی (ہندوستانی لیڈروں کی) سالانہ بحث ہوئی۔ اس سال قومی مطالبہ نہرو رپورٹ تھی اور اس سلسلے میں جذبات کا اظہار میری مجلس عاملہ کے لئے مطالبہ زر کی منظوری سے انکار کی صورت میں کیا گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کاروائی کی اہم بات یہ تھی کہ بحث بڑی تیزی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تکرار میں تبدیل ہوگئی۔ پٹیل نے مجھے بتایا کہ یہ بڑی تکلیف دہ بحث تھی اور ایک ہندوستانی سیکریٹری نے جس سے میں نے اگلے دن صبح ملاقات کی، مجھ سے کہا کہ یہ بحث سن کر اسے اپنے ہندوستانی ہونے پر شرم آئی'' (۹۶)۔

جس وقت کانگریس اور لبرل لیڈر سائمن اسکیم کو ناکام بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ مارچ ۱۹۲۹ء کے اختتام پر بالترتیب سورت اور دلی میں

Marfat.com

اپنے اجلاس ایک ساتھ منعقد کر رہی تھیں۔ ہندو مہا سبھا نے مسلم کانفرنس کے فیصلوں کو دیکھتے ہوئے صوبہ سرحد میں اصلاحات اور بمبئی سے سندھ کی علیحدگی دونوں کی مخالفت کی (۹۷)۔ اس نے انتظامیہ کے ان احکام کی بھی مذمت کی جن میں شاہی سڑکوں پر ہندوؤں کے گانے بجانے کے حقوق پر پابندی عائد کی گئی تھی (۹۸)۔ مسلم لیگ کا دلی والا اجلاس بھی دسمبر میں منعقد ہونے والے کلکتے کے اجلاس کی طرح ملتوی کر دیا گیا۔ یہ اجلاس دلی میں ۳۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوا اور اگلے دن ملتوی کر دیا گیا اور اس دفعہ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کیا گیا۔ اس اجلاس میں نہرو رپورٹ کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان جھڑپ ہوگئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی تھی (۹۹)۔ لیکن اس موقع پر مسلمانوں کے کیمپ میں جو اہم واقعہ رونما ہوا وہ شفیع اور جناح کے گروپوں کے درمیان مصالحت (۱۰۰) نیز جناح کی طرف سے نہرو رپورٹ کا مسترد کیا (۱۰۱) جانا اور ایک قرار داد کے مسودے کا اعلان تھا جو بعد میں جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئی (۱۰۲)۔ یہ مسودہ قرار داد بڑی حد تک مسلم کانفرنس کے فیصلے پر مبنی تھا۔ لیکن جناح کی قرار داد طریقہ انتخاب پر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان مصالحت کی ایک کوشش تھی اور اس میں رد و بدل کی گنجائش موجود تھی۔ اس میں چودہ نکات پیش کئے جانے کے بعد مخلوط طریقہ انتخاب اس شرط پر تسلیم کرنے کی پیش کش کی گئی تھی کہ پہلے سندھ کو فی الحقیقت ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے، سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات کا نفاذ عمل میں آجائے اور صوبائی مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نشستیں ان کی آبادی کے بموجب مخصوص کر دی جائیں (۱۰۳)۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جناح تجاویز دہلی کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اگرچہ مسلم کانفرنس بادی النظر میں اپنے موقف پر زیادہ سختی سے جمی ہوئی تھی لیکن وہ بھی جداگانہ طریقہ انتخاب سے دست بردار ہونے کی طرف مائل تھی بشرطیکہ مسلمانوں کے باقی تمام مطالبات مان لئے جاتے۔ ۱۹۳۰ء کے شروع میں سپرو کی قیادت میں آزاد خیال ہندو لیڈروں نے مخلوط نیابت کی بنیاد پر ہندو مسلم تنازعے کے تصفیئے کی کوشش کی (۱۰۴)۔ اس کوشش میں خود ان آزاد خیال لیڈروں کے بیان کے مطابق تقریباً تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلم رہنماؤں نے بھرپور تعاون کیا جن میں مسلم کانفرنس کے ممتاز زعما بھی شامل تھے۔ مہا سبھا کو بھی اس سلسلے میں

Marfat.com

ہونے والے مذاکرات میں شرکت کی ترغیب دی گئی لیکن آزاد خیال رہنماؤں پر عدم اعتماد کی بنیاد پر ابتدائی کاروائی ختم ہوتے ہی اس نے ان مذاکرات سے علیحدگی اختیار کرلی (۱۰۵)۔ جیسا کہ اروِن لکھا ہے " اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم ہندو مہاسبھا (مالویہ، کلیکار، جایا کار مونجے وغیرہ) کو جائز یا ناجائز کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے ساتھ رعایت نہیں تو کم از کم انصاف کرنے پر آمادہ کر پائیں گے؟" (۱۰۶) سپرو اور ان کے مکتبہ فکر کے لیڈروں کے درمیان ساری خط و کتابت میں مسلمانوں کے رویئے کی غیر مشروط طور پر تعریف کی گئی جبکہ ہندوؤں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کی طرف مخلوط نیابت ترک کئے جانے کا ایک اور موقع ضائع کردیا (۱۰۷)۔

اب صورت حال یہ تھی کہ مسلمان ہندو ہم وطنوں کے ساتھ قومی جدوجہد میں شانہ بشانہ حصہ لینے کے لئے تیار تھے بشرطیکہ انہیں ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی خطوں میں جہاں ان کی اکثریت تھی اور جہاں ان کی سیاسی قوت مرتکز تھی سیاسی کنٹرول کا حق دے دیا جاتا۔ اگر ہندوؤں کے ساتھ معاملہ طے پاجاتا تو وہ جداگانہ حق انتخاب کی متاع عزیز اور ان صوبوں میں اضافی نشستوں کی رعایت سے دستبردار ہوجاتے جہاں وہ اقلیت میں تھے۔ لیکن ہندوؤں کی رائے عامہ کا غالب عنصر انہیں نہ تو فرقہ وارانہ حق رائے دہی دینے پر رضامند تھا اور نہ ان کی علاقائی اکثریت تسلیم کرنے پر۔ چنانچہ ہندو مسلم مذاکرات کی بار بار ناکامی اور اروِن کی حکومت پر کانگریس کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث اس کی جانب سے کانگریس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوششوں کے پیش نظر اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کی تشویش میں اضافہ ہوگیا (۱۰۸)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائمن کمیشن کے تشکیل پر جو متحدہ محاذ قائم ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں نے سائمن کمیشن کا جو مقاطعہ کیا تھا اس سے کہیں زیادہ شدومد سے گاندھی کی سول نافرمانی کا بائیکاٹ کیا۔ اروِن رقمطراز ہے:۔

"ہم آئین میں ترمیم کے جس قدر قریب آتے جارہے ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ بنگال کے ایک غزنوی جو اسمبلی کے رکن ہیں دو ایک روز قبل مجھ سے ملنے آئے اور مجھے ایک پمفلٹ دکھایا جو انہوں نے علی برادران کی شرکت میں مرتب کیا

Marfat.com

ہے اور جس میں گاندھی کی تحریک کی مذمت کی گئی ہے۔ وہ یہ پمفلٹ عام لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ارادہ ہے کہ گاندھی کے خلاف ایک ملک گیر مہم شروع کی جائے" (۱۰۹)۔

حکومت ہند کے محکمہ تشہیر کے سیکریٹری نے جو خود بھی ہندو تھا یہ کیفیت بہ صیغہ راز قلم بند کی:۔

"مسلمانوں کے تمام طبقے جوش و خروش سے کانفرنس کی حمایت کر رہے ہیں اور سول نافرمانی کے خلاف ہیں۔ مسٹر جناح رکن مجلس قانون ساز مسٹر اے ایچ غزنوی رکن قانون ساز اسمبلی، مولوی محمد یعقوب، سر محمد شفیع، مولانا محمد علی اور کئی دوسرے مسلم قائدین نے واشگاف الفاظ میں سول نافرمانی کی مذمت کی ہے۔ مسلمانوں نے پبلک پلیٹ فارم پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی قیادت قابل تعریف ہے کہ اس کی کوششوں کے سبب مسلمان سول نافرمانی کے ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ ہیں مسلم رہنماؤں کا کام یوں بھی آسان تھا کہ ان کے اختلافات ہندوؤں کے ساتھ تھے حکومت کے ساتھ نہیں" (۱۱۰)۔

سائمن کمیشن کی رپورٹ مئی و جون ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آئی۔ غالباً کمیشن نے ارون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے (۱۱۱) مخلوط طریقہ انتخاب کو برقرار رکھنے کی سفارش کی بشرطیکہ خود مسلمان اس سے دستبردار ہونے پر رضامند نہ ہو جائیں (۱۱۲)۔ جہاں تک علاقائی اکثریت کا تعلق تھا شمالی ہند میں مسلمانوں کے ولولہ انگیز ماضی کے پیش نظر سائمن کمیشن اس خطے میں ایک مسلم بلاک کے قیام کے امکان کو پہلے ہی خطرناک قرار دے چکا تھا (۱۱۳)۔ اب کمیشن کے لیبر ارکان کے موقف اور کمیشن کی اس خواہش کے پیش نظر کہ ایک متفقہ فارمولا مرتب کیا جائے رپورٹ میں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی باضابطہ اکثریت کو قبول کرنے سے انکار کیا گیا۔ واضح رہے کہ پنجاب وہ صوبہ تھا جس سے کمیشن اپنی کامیابی کی توقع وابستہ کر سکتا تھا (۱۱۴) اور جہاں اسے مسلمانوں کے ایک طبقے کی طرف سے (۱۱۵) تعاون کے کچھ آثار نظر آئے تھے (۱۱۶)۔ کمیشن کا ایک ممبر رقمطراز ہے:۔

Marfat.com

"جہاں تک مسلمانوں کی شکایت کا تعلق ہے آپ کو یاد رکھنا چاہئے ہماری سفارشات اتفاق رائے سے قلم بند کی گئی ہیں۔ ہمیں کمیشن کے لیبر ارکان کو فرقہ وارانہ طریقہ انتخاب کی سفارش پر رضامند کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ہم نے پنجاب اور بنگال کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبے کو مسترد کرنے پر آمادگی ظاہر کی تب کہیں جاکر لیبر ارکان فرقہ وار طریقہ انتخاب اور دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کو بطور پاسنگ (Whei-ghtage) اضافی نشستیں دینے پر راضی ہوئے" (۱۱۷)۔

لہٰذا سائمن رپورٹ سے مسلمانوں کو بڑا دکھ ہوا (۱۱۸) اگرچہ اس میں مسلمانوں کے کئی مطالبات کو جائز قرار دے دیا گیا تھا جن میں طریقہ انتخاب کے علاوہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی (۱۱۹)، ان صوبوں کو بطور پاسنگ اضافی نشستوں کی رعایت جہاں وہ اقلیت میں تھے (۱۲۰)۔ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ (۱۲۱) اور مرکزی مقننہ میں نمائندگی (۱۲۲) کے مطالبات شامل تھے۔ تاہم یہ امر مسلمانوں کے لئے باعث اطمینان تھا کہ کمیشن کی سفارشات حرف آخر نہیں تھیں۔ چنانچہ سائمن کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ارون نے مرکزی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے اس کی قدر و قیمت کو محل نظر قرار دیا۔ خود ہندوؤں نے بھی جو کمیشن سے پہلے ہی نفور تھے، اس کی سفارشات کا پرجوش خیر مقدم نہیں کیا۔ تاہم برطانیہ میں لیبر حکومت کی موجودگی، لندن میں گول میز کانفرنس کے پروگرام اور ہندوستان کو مستعمرہ کی حیثیت دینے کے عہد کے اعادے نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا تھا۔ اب انہوں نے سوچا کہ اب ان کی کامیابی کا تمام تر دارومدار لندن کانفرنس میں ان کی نمائندگی کے لئے صحیح وفد کی تشکیل پر ہے (۱۲۳)۔ اس موقع پر فضل حسین نے مسلمانوں کی پوزیشن کو مستحکم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے وفد میں اپنی پسند کے مسلمانوں (۱۲۴) کی شمولیت کے لئے کامیابی کے ساتھ اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور خاص کر ظفر اللہ خاں (۱۲۵) اور شفاعت احمد خاں (۱۲۶) کو اس میں شامل کرلیا کیونکہ اس سے قبل ان دونوں نے لندن میں جو کردار ادا کیا تھا اس سے فضل حسین متاثر ہوچکے تھے (۱۲۷)۔ اس کے علاوہ انہوں نے وائسرائے کو مسلمانوں کے

Marfat.com

مطالبے کا کماحقہ، جائزہ لینے کی ترغیب دی (۱۲۸)۔ چنانچہ اروِن نے اپنے ستمبر ۱۹۳۰ء والے مراسلے میں سائمن رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی تعداد کم از کم موجودہ نمائندگی کو برقرار رکھنے کی حمایت کی (۱۲۹)۔

گول میز کانفرنس میں فرقہ وارانہ مذاکرات نے جو رخ اختیار کیا اس کا جائزہ دو نکات کے تناظر میں لینا چاہئے۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ فضل حسین کی کوششوں کی بدولت مسلمانوں کے وفد میں مسلم موقف پر ثابت قدمی سے قائم رہنے والے بعض ارکان شامل کر لئے گئے تھے اور اگرچہ آغا خان اس وفد کے سربراہ تھے لیکن اس کی عنان قیادت اب بھی شفیع اور جناح کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ دونوں رہنما خاص طور پر جناح گزشتہ سال فرقہ وارانہ مذاکرات کے ہر مرحلے پر جداگانہ حق رائے دہی سے دستبردار ہونے کی پیش کش کر چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ مسلم لیگ ۱۹۲۴ء میں اپنے احیا کے بعد سے ہندوستان کے لئے مسلسل وفاقی طرز حکومت کا مطالبہ کرتی رہی تھی (۱۳۰)۔ مسلم کانفرنس (۱۳۱) اور جناح (۱۳۲) نے اپنے چودہ نکات میں بھی وفاق کی سفارش کی تھی۔ اس سلسلے میں آغا خان ٹائمز میں دو مضامین لکھ کر پہل کر چکے تھے۔ ان میں پہلا مضمون اکتوبر ۱۹۲۸ء (۱۳۳) میں اور دوسرا نومبر ۱۹۲۹ء (۱۳۴) میں شائع ہوا تھا۔ اول الذکر مضمون میں نہرو رپورٹ پر تنقید کی گئی تھی اور دوسرے مضمون میں اروِن کے بیان کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ نیز حیدر آباد، بھوپال اور میسور کے وفد کے سربراہ مسلمان تھے جنہوں نے وفاق کی تجویز پیش کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ لہٰذا برطانوی ہند کے وفد کے مسلم ارکان کے لئے بھی یہ تجویز باعث کشش رہی ہوگی جو والیان ریاست کی طرح اپنے جداگانہ انداز میں وفاقی آئین کی خواہش ظاہر کر چکے تھے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۳۰ء میں کانفرنس کے ابتدائی مرحلے پر وہ وفاق کے تصور سے گہری دلچسپی لینے لگے اور ہندو لبرل لیڈروں کی وساطت سے جو دوسرے ہندو زعما کے مقابلے میں مسلمانوں کے مطالبے کو بہتر طور پر سمجھتے تھے فرقہ وارانہ سوال پر مذاکرات میں مصروف ہوگئے (۱۳۵)۔

شفیع نے لندن سے اروِن کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے تقریباً تمام مندوبین اب اکٹھے ہوگئے ہیں اور ان کے مختلف گروپ کانفرنس کی تیاری کے لئے اپنے اپنے

Marfat.com

اجلاس منعقد کر رہے ہیں۔ برطانوی ہند سے تعلق رکھنے والے مسلم مندوبین کے دو اجلاس ہوئے جن میں متفقہ فیصلے کئے گئے۔ انہوں نے ہزہائی نس آغا خان، مسٹر جناح اور مجھے ہندو مندوبین کے ساتھ پیش آنے والے مسائل پر بات چیت کے لئے منتخب کیا ہے اور فضامفاہمت کے لئے کسی قدر سازگار معلوم ہوتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صحیح خطوط پر فیصلہ ہوجائے گا۔ اگر ایسا ہوگیا تو گول میز کانفرنس میں ہمارا کام آسان ہوجائے گا اور کانفرنس کی کامیابی کے امکانات روشن ہوجائیں گے۔ میری دعا ہے کہ تمام متعلقہ فریقوں ہندوستانی اور برطانوی دونوں کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوجائے اور ایک تسلی بخش حل تلاش کرلیا جائے جسے تاریخ ہند میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوگی" (۱۳۶)۔

اس کے دو ہفتے بعد آغا خان نے کانفرنس کے مکمل اجلاس سے خطاب کیا اور اس میں وزیر اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"جناب والا آپ اور مملکت کی تینوں پارٹیوں کے نمائندوں نے عملاً ہندوستان کے تمام سیاسی مکاتب فکر کی تقریریں سنی ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں تقریباً سبھی کے دبستان سیاست کی طرف سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ عزت مآب والیان ریاست نے بھی خطاب فرمایا ہے۔ اگر ہم تمام اختلافات سے قطع نظر کرلیں تو صرف ایک نکتہ ایسا رہتا ہے جس پر کامل اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ ہم سب ایک مکمل خود مختار حکومت کے طلب گار ہیں۔ میں برطانوی ہند کے چیئرمین کی حیثیت سے اور دیگر وفود کی شرکت میں کام کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم سب متحد ہو کر اسی کے خواست گار ہیں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کا (خود مختار حکومت کا) خاکہ تیار کرنے کا وعدہ فرمائیں۔ ہمیں اس کی بنیاد پر جو تصویر بنانی ہے وہ اگر ہندوستان کی اہم اقلیتوں، یا والیان ریاست یا اقلیتوں کے

Marfat.com

کسی مختصر طبقے کے لئے اطمینان بخش نہ ہو تو ہم دوبارہ تصویر بنانے کی کوشش کریں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ایسی تصویر تیار نہ ہوجائے جو بہ حیثیت عمومی قابل قبول ہو" (۱۳۷)۔

اس کے علاوہ انہوں نے وزیر ہند کو مطلع کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ ہو جائے گا (۱۳۸)۔ لیکن یہ محض ایک خواہش کا اظہار تھا۔ کیونکہ جوں ہی مذاکرات شروع ہوئے ایک مرتبہ پھر مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۵ نومبر کو برطانوی ہند کا وفد آغاخان اور سپرو کو ان افواہوں کی تردید کا اختیار دے چکا تھا کہ اس کے ارکان کے درمیان فرقہ وارانہ نوعیت کے شدید اختلافات پائے جاتے ہیں (۱۳۹)۔ اس سوال پر لندن مذاکرات میں انہی خطوط پر استدلال کیا گیا جن پر پہلے کئی مرتبہ ہندوستان میں کیا جاچکا تھا۔ مسلمان صرف جداگانہ طریقہ انتخاب سے دستبردار ہونے کو تیار تھے اور اپنے دوسرے مطالبات بالخصوص صوبوں کے بارے میں اپنے موقف پر سختی سے قائم تھے۔ اس بنیاد پر لبرل لیڈر تو بات چیت پر آمادہ تھے لیکن سکھ اور ہندو مہاسبھا کے نمائندے اس کے لئے تیار نہیں تھے اور یہی لوگ ہندو مندوبین میں اہمیت رکھتے تھے (۱۴۰)۔ اروِن کو لندن کانفرنس کے قریبی مبصرین سے جتنے پیغامات موصول ہوئے ان سب میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ مسلمان اور ہندو مندوبین کے درمیان خلیج وسیع تر ہوتی جارہی ہے (۱۴۱)۔ چند ہفتوں کے مذاکرات کے بعد ان لیڈروں کے مزاج کی وہی کیفیت ہوگئی جو ہندوستان میں تھی۔ دسمبر کے تیسرے ہفتے میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مذاکرات کا مزید جاری رکھنا بے سود ہوگا۔ چنانچہ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے ۲۳ دسمبر کو وزیر اعظم کی سرکردگی میں اقلیتوں سے متعلق ذیلی کمیٹی III قائم کی گئی جو بعد میں اقلیتی کمیٹی کہلائی (۱۴۲)۔ اس کے بعد حکومت کی سرپرستی میں مذاکرات کی کھلی اور خفیہ کارروائیاں دوبارہ شروع ہوگئیں۔ لیکن ان میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اقلیتی کمیٹی نے اپنا اجلاس موقوف ہونے سے قبل اپنی رپورٹ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو لکھا:۔

"اقلیتوں اور پست طبقوں کا قطعی موقف یہ ہے کہ جب تک معقول طریقے سے ان کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا وہ کسی بھی آئین خود

Marfat.com

اختیاری کو قبول کرنے پر رضامند نہیں ہوں گے" (۱۴۳)۔

اس کمیٹی کے تعطل کا عکس دوسری کمیٹی کی کارروائیوں پر بھی پڑا۔ جناح اور شفیع نے وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی میں اعلان کیا کہ مسلمانوں کے لئے کسی کا بھی مرتب کردہ آئین اس وقت قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ مسلمانوں کے حقوق کو معقول تحفظ نہ دیا جائے (۱۴۴)۔ اس سلسلے میں سندھ کمیٹی کی مثال خاص حیثیت رکھتی ہے جس کا اجلاس کشیدگی کی فضا میں ۱۴ جنوری کو ختم ہوگیا۔ اس میں ہندو مہا سبھا کے نمائندوں نے سندھ کے ایک علیحدہ صوبے کے قیام کی مخالفت کی جبکہ باقی نمائندوں نے اس کی تائید کی (۱۴۵)۔ یہ تھی کھلے اجلاسوں کی کاروائی۔ خفیہ مذاکرات میں مسلم مندوبین نے محسوس کیا کہ انہیں ناکامی کا سامنا ہے۔ انہیں یہ شک پیدا ہوا کہ لیبر حکومت نے ہندوؤں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ مہا سبھا کے مندوبین نے عام (۱۴۶) اور خفیہ (۱۴۷) دونوں کارروائیوں میں وزیر اعظم پر زور دیا کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلے پر ثالث کی حیثیت سے فیصلہ دیں۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے اس تجویز کو مسترد کردیا گیا (۱۴۸)۔ اس کے علاوہ انہوں نے کنزرویٹو اور لبرل مندوبین سے رجوع کیا اور ان سے اپنے موقف کی حمایت کے طلب گار ہوئے (۱۴۹)۔

کانفرنس کے اختتامی مراحل میں حکومت پر مسلمانوں کے عدم اعتماد میں اضافہ ہوگیا۔ کانفرنس ختم ہونے سے ایک دن قبل آغا خان نے وائسرائے کے نام حسب ذیل تار بھیجا:۔

"معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ وزیر اعظم کے بیان میں مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔ آپ ہندوستان کے حالات کے علم کی بنا پر جانتے ہیں کہ اس کے نتائج مصیبت خیز ہوں گے۔ براہ کرم مداخلت کیجئے اور بلا تاخیر مناسب کاروائی کیجئے" (۱۵۰)۔

انہوں نے وزیر اعظم کے نام ایک تعجیلی مراسلہ بھی بھیجا (۱۵۱) جس میں پر زور الفاظ میں خبردار کیا گیا کہ اگر مستقبل کے سارے کام کی بنیاد مسلمانوں کی مشکلات کے حل پر نہ رکھی گئی تو مسلمان کانفرنس سے واپس چلے جائیں گے (۱۵۲)۔

ادھر ہندوستان میں اس خبر سے مسلمانوں میں تشویش پیدا ہوگئی کہ لندن کانفرنس میں مسلمان مندوبین جداگانہ طریقہ انتخاب ترک کرنے پر رضامند ہوگئے ہیں اور انہیں

Marfat.com

ہندوؤں کی طرف سے مخالفت کا سامنا ہے۔ لیبر پارٹی کے اقتدار اور لندن میں جناح اور شفیع (۱۵۳) کی موجودگی سے اس تشویش کو اور تقویت پہنچی۔ نیز مسلم مندوبین جس طرز کے وفاق پر بات چیت کر رہے تھے وہ بھی ان کی امنگوں کے مطابق نہیں تھا۔ ان کی دانست میں اگر مجوزہ وفاق وجود میں آجاتا تو ہندو اکثریتی صوبوں کے ساتھ ہندو والیان ریاست کے اشتراک کے نتیجے میں وہ مغلوب ہو کر رہ جاتے۔ لہٰذا لندن کانفرنس کی کاروائی ان کے لئے مستحسن نہیں تھی۔ گول میز کانفرنس کو شروع ہوئے چند روز گزرے تھے کہ لکھنؤ میں مسلم کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس کانفرنس نے اپنے صدر کی وساطت سے لارڈ ریڈنگ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہندی مسلمان صرف اسی صورت میں اپنے مندوبین کا ساتھ دیں گے جبکہ وہ مسلم کانفرنس کی جنوری ۱۹۲۹ء کی قرار داد کی پابندی کریں گے (۱۵۴)۔ فضل حسین نے اپنے نامزد کردہ ایک مندوب (۱۵۵) اور شفیع (۱۵۶) کو لکھا کہ مخلوط طریقہ انتخاب کو قبول نہ کیا جائے۔ انہوں نے وائسرائے سے بھی رجوع کیا اور اس کی وساطت سے وزیر ہند پر زور دیا کہ وہ والیان ریاست اور ملک معظم کی حکومت کو طریقہ انتخاب قبول کرنے پر مسلم مندوبین کو آمادہ کرنے سے باز رکھیں (۱۵۷)۔ ہندوستان میں لندن مذاکرات کا سب سے اہم نتیجہ علامہ اقبال کا وہ صدارتی خطبہ تھا جو انہوں نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں دیا۔ اس میں اقبال نے لندن کانفرنس میں مسلم مندوبین کے کردار کی مذمت کی اور وفاق کی اسکیم کو ہندوؤں اور برطانوی سامراج کا مشترکہ منصوبہ قرار دے کر کہا کہ یہ ہندوستان میں اسلام کے لئے ایک خطرہ ہے (۱۵۸)۔ اسی خطبے میں انہوں نے شمال مغربی ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے اندر یا باہر، ایک مسلم مملکت کے قیام کی تجویز پیش کی (۱۵۹)۔ لہٰذا لندن کانفرنس ختم ہونے سے پہلے اروِن نے وزیر ہند کو بعجلت ممکنہ یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو کسی بنا پر اس بات کا شبہ نہیں ہونے دیا جائے کہ بعد میں ان کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا جائے گا یا یہ کہ انہیں اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے گا کیونکہ اس سے ہندوستان میں انتہائی سنگین صورت حال پیدا ہوجائے گی (۱۶۰)۔ اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور برآمد ہوا کیونکہ وزیر اعظم نے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کو جو بیان دیا اس میں انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین میں ایسی ضمانتیں موجود ہوں گی "جو اقلیتیں اپنی آزادیوں اور

Marfat.com

حقوق کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھتیں ہوں (۱۶۱)۔

اس طرح کانفرنس سے فرقہ وارانہ مسئلہ بڑی حد تک اسی شکل میں ابھرا جس میں وہ تین ماہ قبل پیش کیا گیا تھا۔ کانفرنس کی بدولت نہ تو اس کے حل میں درپیش دشواری کم ہوئی اور نہ اس اصل موقف میں کوئی مثبت تبدیلی رونما ہوئی جو مختلف فرقوں کے زعماء نے اختیار کیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ کانفرنس فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے بڑی اہم ثابت ہوئی۔ ایک تو یہ کہ اس کے بعد جداگانہ طریقہ انتخاب کو ختم کرنے کا موقع پھر کبھی میسر نہیں آیا۔ کانفرنس کے اختتام کے ساتھ ہی یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہندوؤں کا موقف متعین کرنے والی جماعت حقیقی معنی میں ہندو مہا سبھا تھی، خواہ ہندو لبرل رہنما کچھ ہی سوچتے یا کہتے رہے ہوں۔ دوسرے یہ کہ لندن کانفرنس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قیادت جناح اور شفیع جیسے اعتدال پسند رہنماؤں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کی وجہ سے فرقہ وارانہ تصفیئے کے امکانات تاریک ہوگئے۔ اب مسلمانوں کی قیادت کی باگ دوڑ سخت گیر ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ تیسرے یہ کہ اقبال کا خطبہ الہ آباد اسی کانفرنس کا نتیجہ تھا جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ اس کی بدولت مسلمانوں کے اندر علیحدگی پسندی کا رجحان اس شدت سے پیدا ہوا کہ اس کی مثال ماضی کے کسی دور میں نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کا یہ عقیدہ پختہ ہوگیا کہ صوبوں کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبے کا مقصد برصغیر ہند کے جسم میں ایک ناسور پیدا کرنا ہے (۱۶۲)۔ اقبال نے اپنے خطبے میں (۱۶۳) جو تصور پیش کیا اس سے ان کی مراد خواہ کچھ ہی رہی ہو، ہندوستانیوں نے اسے ایک ایسی مسلم مملکت کے قیام کی تجویز سے تعبیر کیا جو ہندوؤں کے دائرہ اثر سے خارج ہو۔ چوتھے یہ کہ فرقہ وارانہ مسئلہ سنگین شکل میں ابھر کر برطانوی عوام کے سامنے آیا اور برطانوی مندوبین کو اسے بہ نظر غائر دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس کے علاوہ مارچ ۱۹۳۱ء میں منعقد ہونے والی آئندہ کانفرنس پر اس کے نمایاں اثرات مرتب ہوئے جبکہ سیموئیل ہور وزیر ہند مقرر ہوا۔

اگرچہ وفاق، مرکزی ذمہ داری اور تحفظات کے اصول کانفرنس کے التوا سے قبل متعین ہوچکے تھے لیکن اس کے فیصلوں کو محض عارضی تصور کیا گیا (۱۶۴)۔ فرقہ وارانہ مسئلہ جوں کا توں رہا، والیان ریاست نے کوئی عہد نہیں کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

Marfat.com

کانگریس نے کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔ پہلی اور دوسری گول میز کانفرنسوں کی درمیانی مدت میں جس معاملے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی وہ کانگریس کا رویہ تھا۔ حکومت کی خواہش تھی کہ کانگریس کو کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کیا جائے اور اسی اثنا میں ملک کے اخبارات گاندھی اور ارون کے درمیان طویل مذاکرات کی خبروں کو وسیع پیمانے پر شائع کررہے تھے۔ یہ دونوں باتیں مسلمانان ہند کے لئے پریشان کن تھیں (۱۶۵)۔ کانپور کے فسادات مسلمہ طور پر گاندھی ارون مذاکرات کا براہ راست نتیجہ تھے (۱۶۶)۔ حکومت پر الزام لگایا گیا کہ اس نے کمزور فرقے کی بات سنے بغیر درپردہ کانگریس کے ساتھ عارضی تصفیہ کرلیا ہے (۱۶۷)۔ خود وزیر اعظم نے بھی خیال ظاہر کیا کہ مسلمانوں میں اس بات کا قوی شبہ پایا جاتا ہے کہ حکومت انہیں موبنج قسم کے ہندوؤں کے حوالے کرنا چاہتی ہے (۱۶۸)۔ لہٰذا مسلمانوں نے اہل برطانیہ کو خبردار کیا کہ وہ کانگریس کے ساتھ مسلسل ساز باز سے باز رہیں اور یہ اعلان کیا کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو وہ گول میز کانفرنس کا مقاطع کریں گے اور مستعمراتی حیثیت اور مرکزی ذمہ داری کی مخالفت کریں گے (۱۶۹)۔ انہوں نے نواب بھوپال کے اثر و رسوخ سے شروع کئے جانے والے گاندھی جی کے مجوزہ فرقہ وارانہ مذاکرات میں حصہ لینے سے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی (۱۷۰)۔ انہوں نے وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے دائرہ کار کو توسیع دے کر ہندوستان میں اس کے کام کو جاری رکھنے سے متعلق حکومت کے منصوبے میں اس سے تعاون کرنے سے بھی انکار کردیا (۱۷۱)۔ لیکن جب اپریل ۱۹۳۱ء میں ولنگڈن نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا اور چار ماہ بعد وتج وڈبین وزیر ہند کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو سخت گیر مسلم زعماء کے لئے سیاسی فضا بہتر ہوگئی۔ وائسرائے کے مشوروں (۱۷۲) میں فضل حسین کا عمل دخل بڑھ گیا اور وہ نئی گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے وفد کو تقویت پہنچانے اور لندن میں اس کی کارکردگی متعین کرنے کے قابل ہوگئے (۱۷۳)۔

ستمبر ۱۹۳۱ء میں جب گول میز کانفرنس کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو فرقہ وار صورت حال یہ تھی۔ گاندھی نے اپنا موقف اپنی اس رائے میں پیش کردیا تھا جس کا اظہار انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مذاکرات میں ناکامی کے بعد مبینہ طور پر اپنے ایک معتمد خاص (۱۷۴)

Marfat.com

سے کیا تھا۔ ان کے اس معتمد خاص کے الفاظ یہ ہیں :۔

"انہیں (گاندھی کو) توقع نہیں تھی کہ ہندو مسلم مسئلہ حل ہو جائے گا۔ (ان کی رائے میں) یہ انگریزوں کا پیدا کردہ ہے اور جب مسلمان تعاون کرنے لگیں گے تو وہ اسے حل کرلیں گے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کانگریس حکومت سے انتظامیہ کے امور کو اپنے ہاتھ میں لے لے" (۱۷۵)۔

مزید برایں اگرچہ گاندھی تن تنہا کانگریس کی نمائندگی کررہے تھے لیکن پنڈت مالویہ ان کے ساتھ تھے۔ یہ ہندوانہ احساسات رکھنے والے ایک کانگریسی رہنما تھے (۱۷۶) جن کا گاندھی کو لندن میں قریبی اشتراک عمل حاصل رہا (۱۷۷)۔ لہٰذا اس امر سے قطع نظر کہ ان کے اپنے خیالات کیا تھے، دوسرے فریق کے مطالبات ماننے کے سلسلے میں ان کی استعداد محدود تھی۔ مسلم مندوبین کا موقف بھی اسی طرح سخت تھا۔ وہ نہ تو مفاہمت پر آمادہ تھے او نہ انہیں ایسا کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ تاہم اب حالات ان کے لئے سازگار تھے کیونکہ برطانیہ اور ہندوستان دونوں ملکوں میں برسراقتدار حکومتیں ان کے ساتھ ہمدردی رکھتی تھیں۔ کانفرنس کی کاروائی کے دوران ایک قریبی مبصر نے یہ روداد قلم بند کی :۔

"اب کانفرنس کی کاروائی میں وقفہ ہوگیا ہے جس کے بعد وہ حتمی فیصلے کرکے ختم ہوجائے گی خود اس کانفرنس نے بہت کم تعمیری کام کیا ہے۔ اب فضا گزشتہ سال کی نسبت بالکل مختلف ہے۔ اس وقت جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہندوؤں کا پلہ بھاری تھا۔ حکومت کا رویہ ان کے ساتھ نہایت دوستانہ تھا۔ مسلمانوں میں نااتفاقی اور بے یقینی تھی۔ والیان ریاست ان کی حمایت پر آمادہ تھے۔ مگر اب حالات اس کے بالکل برعکس ہیں غالباً ہندوؤں نے خود کو فریب دیا ہے .... گزشتہ سال کے مقابلے میں اب اقلیتوں کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہے۔ گاندھی کی چالوں نے انہیں متحد کردیا ہے اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ حکومت کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں ان کے حوصلے بہت بلند ہوگئے ہیں" (۱۷۸)۔

Marfat.com

لہٰذا اب ان کے کیمپ میں تجاویز دہلی کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی وہ طریقہ انتخاب کو قابل گفت و شنید سمجھتے تھے (۱۷۹)۔ اب انہیں وفاق اور مرکزی ذمہ داری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور ان کی تمام تر کوششیں مکمل صوبائی خود مختاری کے جلد حصول پر مرتکز تھیں۔ ایک آزاد خیال ہندو رہنما نے مسلمانوں کے موقف کا جائزہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"اس مرتبہ مسلمانوں میں زیادہ برہمی اور تشدد کا رجحان پایا جاتا ہے۔ کنزرویٹو ارکان کے ساتھ ان کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ وہ ہندوستان کے لئے صوبائی خود مختاری چاہتے ہیں اور مرکزی ذمہ داری کے خواہاں نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو مرکزی ذمہ داری کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہیں ہندوؤں کی بالادستی کا اندیشہ ہے۔ والیان ریاست کی شمولیت سے بالادستی کا خطرہ اور بھی شدت اختیار کر جائے گا۔ وہ والیان ریاست کے نظام کی مخالفت مول لینے پر آمادہ نظر آتے ہیں" (۱۸۰)۔

خود ایک مسلم مندوب نے لکھا:۔

"اب یہ بات رفتہ رفتہ واضح ہوتی جارہی ہے کہ وفاق کے تصور پر جسے گزشتہ سال تمام مشکلات کا حل سمجھ لیا گیا تھا، عمل درآمد چنداں آسان نہیں۔ مسٹر گاندھی خود کوئی عہد لئے بغیر یا کانگریس کی طرف سے کوئی پابندی قبول کئے بغیر مسلمانوں کے ساتھ گفت و شنید میں مصروف ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ نکلے گا۔ مسلمانوں میں صوبائی خود مختاری کی تجویز مقبول ہو رہی ہے اور میں نے بھی لوگوں کی رائے اس نکتے کے حق میں ہموار کی ہے کہ ابتدائی مرحلے میں صوبائی خود مختاری ہی بہترین صورت ہے" (۱۸۱)۔

لیکن یہ روداد یں نجی نوعیت کی تھیں۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے جس نے ۱۹۲۸ء میں کلکتے میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد مسلم لیگ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، لندن کانفرنس میں شریک مسلم مندوبین کو دو مرتبہ ہدایات جاری کی گئیں۔ پہلی بار کانفرنس کی

Marfat.com

ابتدائی نشست کے دوران جو ایک ہفتے جاری رہی اور دوسری بار کانفرنس کے التواء سے کوئی ایک ہفتے قبل۔ وہ ہدایات حسب ذیل تھیں :۔

I ا۔ جب تک اقلیتوں کا مسئلہ مسلمانان ہند کے لئے تسلی بخش طور پر طے نہ ہو جائے وفاقی آئین پر مذاکرات سے احتراز کیا جائے۔

ب۔ اپریل میں دلی میں طے پانے والے مطالبات کو پیش نظر رکھا جائے کیونکہ ان مطالبات کے منافی کوئی بھی تصفیہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہو گا۔

ج۔ برطانوی حکومت کو مشورہ دیا جائے کہ وہ وفاق میں شامل ہونے والے صوبوں کی مرضی معلوم کئے بغیر مرکز کو اختیارات کی منتقلی کی ذمہ داری قبول نہ کرے (۱۸۲)۔

II مجلس عاملہ سمجھتی ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے تسلی بخش تصفیے سے قبل وفاقی ڈھانچے سے متعلق ذیلی کمیٹی میں مسلم مندوبین کی شرکت اس کانفرنس کی ہدایات کے منافی ہوگی اور مسلم ارکان کو خبر دار کیا جاتا ہے کہ مجلس عاملہ ایسے امور کے بارے میں کسی بھی فیصلے کو تسلیم کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دے گی جن کے بارے میں مسلم کانفرنس نے اپنی قطعی رائے کا اظہار نہ کیا ہو (۱۸۳)۔

ان رویوں کا مظاہرہ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کے اجلاسوں میں کیا گیا۔ اس مرتبہ گول میز کانفرنس میں زیادہ تر انہی دو کمیٹیوں کی کاروائیاں عمل میں آئیں۔ ان کمیٹیوں میں اگرچہ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کو آئین مرتب کرنے کا کام سونپا گیا تھا لیکن اس کام میں اس کی کامیابی کا انحصار اقلیتی کمیٹی کے کام کی رفتار پر تھا۔ اقلیتی کمیٹی کا اجلاس ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو (۱۸۴) دوبارہ شروع ہوا جبکہ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی تین ہفتے قبل شروع ہو چکی تھی (۱۸۵)۔ اس کے دو مختصر اجلاس ہوئے ایک ۲۸ ستمبر کو اور دوسرا یکم اکتوبر کو اور ہر مرتبہ اس کا اجلاس آئینی تفصیلات پر غور کئے بغیر یہ فیصلہ کر کے ملتوی کر دیا گیا کہ گاندھی کی قیادت میں خفیہ مذاکرات کئے جائیں (۱۸۶)۔ کمیٹی کے

Marfat.com

تیسرے اجلاس میں جو ۸ اکتوبر کو منعقد ہوا گاندھی نے یہ رپورٹ پیش کی کہ "میں غیر رسمی مذاکرات کے ذریعے فرقہ وارانہ مسئلے کے متفقہ حل کی تلاش میں بری طرح ناکام ہو گیا ہوں" (۱۸۷)۔ اس سے قبل انہیں سارے ہندوستانی وفد پر نمائندہ حیثیت سے گرفت حاصل تھی (۱۸۸)۔ اب انہوں نے مطالبہ کیا کہ اقلیتی کمیٹی کا اجلاس بلا تعین تاریخ ملتوی کر دیا جائے۔ اور وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی کاروائی ایک منٹ بھی ضائع کئے بغیر جاری رکھی جائے بلا لحاظ اس کے کہ اقلیتوں کے سوال پر کیا صورت پیش آتی ہے اور یہ کہ ملک کے لئے جلد از جلد آئین مرتب کر لیا جائے (۱۸۹)۔ لیکن اقلیتوں کے مندوبین کا مطالبہ اس کے بالکل برعکس تھا (۱۹۰)۔ اس کے بعد کمیٹی کا تقریباً ایک مہینے تک کوئی اجلاس نہیں ہوا۔ اس کا آخری اجلاس ۱۳ نومبر (۱۹۱) کو محض آغا خان کی وہ دستاویز وصول کرنے کے لئے ہوا جو بعد کو میثاق اقلیات کے نام سے موسوم ہوئی (۱۹۲)۔ یہ سکھوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے پست طبقات اور دیگر اقلیتوں کے درمیان طے پانے والے معاہدے پر مشتمل تھی اقلیتی کمیٹی کی رپورٹ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۱ء میں جس پر وزیر اعظم کے دستخط ثبت تھے کمیٹی کی ان ناتمام کوششوں کی روداد بیان کی گئی جو اس نے فرقہ وارانہ مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے کی تھیں اور یہ کہا گیا کہ :-

"ان حالات میں کمیٹی انتہائی افسوس کے ساتھ یہ بات قلم بند کرتی ہے کہ وہ جس مشکل اور متنازعہ موضوع پر سوچ بچار کرتی رہی ہے اس کے بارے میں وہ کسی متفقہ فیصلے پر پہنچنے سے قاصر رہی" (۱۹۳)۔

اس رپورٹ میں مزید یہ کہا گیا کہ :-

"مذاکرات کے دوران یہ تجاویز پیش کی گئیں کہ حکومت برطانیہ اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے خود اس تنازعے کو طے کر دے۔ لیکن ان تجاویز کے ساتھ یہ اہم تخصیصات بھی شامل تھیں کہ ان کی بدولت کسی اہم فیصلے تک پہنچنے کا امکان نہیں لیکن وزیر اعظم نے کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے عارضی نوعیت کا فیصلہ دینے کی پیش کش کی بشرطیکہ کمیٹی کا ہر رکن ان سے ایسا کرنے کی درخواست کرے

Marfat.com

اور ایک سمجھوتے پر دستخط کر کے اس بات کا عہد کرے کہ وہ ان کے فیصلے کی حمایت کا پابند ہوگا اور اسی اثنا میں کل ہند تصفیے کی کوششیں جاری رکھی جائیں" (۱۹۴)۔

جہاں تک وفاقی ڈھانچے کی کمیٹی کا تعلق تھا اس کی کاروائی ۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو دوبارہ شروع ہوئی اور کوئی اہم معاملے طے کئے بغیر اسی مہینے کی ۲۵ تاریخ تک جاری رہی (۱۹۵)۔ اس کے اجلاس ۵ اور ۹ اکتوبر کو پھر ہوئے لیکن سرسری کاروائی کے بعد فرقہ وارانہ مسئلے سے پیدا ہونے والی مشکلات کے پیش نظر ملتوی کر دیئے گئے (۱۹۶)۔ لیکن ۱۳ اکتوبر (۱۹۷) کو اس کمیٹی کا اجلاس ایک مرتبہ پھر شروع ہوا اور مسلم اور دیگر اقلیتوں کے مندوبین کے تعاون کے بغیر اس کی کاروائی ۲۷ نومبر (۱۹۸) کو منعقد ہونے والے آخری اجلاس تک جاری رہی۔ ۹ نومبر کو اس نے اپنی تیسری رپورٹ قلم بند کی جس کا تعلق وفاقی مقننہ، وفاقی مالیات اور وفاقی عدالت سے متعلق مسائل سے تھا (۱۹۹)۔ لیکن دفاع، خارجہ تعلقات، مالیاتی تحفظات اور تجارتی امتیاز جیسے امور سے نمٹنا ابھی باقی تھا۔ لہٰذا اقلیتی کمیٹی کے ختم ہونے کے تین دن بعد ۱۶ نومبر کو وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کا اجلاس ایک بار پھر منعقد ہوا۔ اس مرتبہ وزیر اعظم نے جو کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے مندوبین سے خطاب کیا اور ان پر زور دیا کہ باقی ماندہ امور پر غور کریں اور احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے اور خود کو کسی بات کا پابند کئے بغیر اپنی آراء کا اظہار کریں (۲۰۰)۔ جناح اور شفیع اور دوسری اقلیتوں کے نمائندوں نے صرف اسی شرط پر متذکرہ موضوعات پر مذاکرات جاری رکھنے پر رضامندی ظاہر کی (۲۰۱)۔ لیکن انہوں نے عملاً تعاون سے بدستور گریز کیا اور کمیٹی کاروائی میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان میں مسلم کانفرنس (۲۰۲) اور لندن میں اقبال نے مسلم مندوبین کے اس اقدام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا (۲۰۳)۔ اقبال تو جناح اور شفیع کے اس اقدام پر اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے مسلم وفد سے اپنا تعلق منقطع کر لیا (۲۰۴)۔ لہٰذا وفاقی ڈھانچے کی کمیٹی نے ۲۷ نومبر کو اپنی آخری رپورٹ لکھی جس کا آغاز اس پیراگراف سے کیا:۔

"اس کمیٹی کو ان امور پر غور کرنے میں جو اس رپورٹ کا موضوع تھیں یعنی دفاع، خارجہ تعلقات، مالیاتی تحفظات اور تجارتی امتیاز برطانوی ہند کے

Marfat.com

مسلم ارکان کے خیالات سننے کا موقع نہیں ملا۔ انہوں نے اس قسم کے امور پر اپنی رائے اس وقت محفوظ رکھی جب تک اقلیتی کمیٹی کو در پیش مسائل کا تسلی بخش حل تلاش نہیں کرلیا جاتا۔ اسی طرح اقلیتوں کے بعض دوسرے ارکان نے بھی اپنی رائے محفوظ رکھی" (۲۰۵)۔

اس طرح اس گول میز کانفرنس نے سکھوں کے سوا تمام اقلیتوں کو کانگریس اور ہندوؤں کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج کو اور وسیع کر دیا۔ اس سے برطانوی حکومت پر بھی یہ بات واضح ہوگئی تاکہ اگر آئین سازی کا کام کلیتاً ترک کرنا نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ فرقہ وارانہ سوال پر ثالث کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرے۔ خود بعض ہندوستانیوں کی طرف سے بھی (۲۰۶) یہی طریقہ کار اختیار کرنے کی تجاویز موصول ہوئی تھیں جن میں سے چند تجاویز کا حوالہ اقلیتی کمیٹی اپنی ۱۸ر نومبر والی رپورٹ میں دے چکی تھی (۲۰۷)۔ یہ راہ عمل اختیار کرنے میں تاخیر صرف اس لئے ہوئی کہ حکومت اس کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی (۲۰۸)۔ تاہم اس کانفرنس کے اختتام پر وزیر اعظم نے یکم دسمبر کو جو بیان دیا اس میں ایک عبوری اسکیم نافذ کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی گئی بشرطیکہ درمیانی عرصے میں خود متعلقہ فریق سب کے لئے قابل قبول کوئی ایسا سمجھوتہ طے کرلیں جس پر ایک آئین کی بنیاد رکھی جاسکے (۲۰۹)۔

دوسری گول میز کانفرنس ختم ہونے کے بعد گاندھی اور ان کے ساتھ کانگریس اور اس کے ہندو حامیوں نے دوسری مرتبہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ لیکن مسلمانوں نے صرف اپنے دعاوی کے فوری تصفیے اور صوبائی خود مختاری کے جلد حصول سے سروکار رکھا۔ لندن کانفرنس کے برخاست ہوتے ہی صرف یہی وہ ایک موضوع تھا جس پر ان کے لیڈروں (۲۱۰) نے بیانات جاری کئے اور ان کی جماعتوں کے جلسوں میں قرار دادیں منظور کی گئیں (۲۱۱)۔ حکومت اس خبر سے پریشان ہوگئی کہ مسلمان اقبال کی صدارت میں مسلم کانفرنس کے زیر اہتمام مارچ ۱۹۳۲ء میں لاہور میں ایک بڑا جلسہ عام منعقد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (۲۱۲)۔ چنانچہ اس جلسے سے تھوڑے ہی عرصے قبل برطانوی حکومت نے علی

Marfat.com

الاعلان یہ عہد کیا کہ وہ مداخلت کر کے بلا تاخیر ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے کا ایک عبوری تصفیہ نافذ کر دے گی (۲۱۳)۔ لیکن یہ اعلان مسلمانوں کے عزم کو کمزور نہ کر سکا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق مسلم کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا جس میں حکومت کو تقریباً تین مہینے کی مہلت دی گئی۔ اقبال نے اپنے صدارتی خطبے میں مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنا فرض ادا کریں یا فنا ہو جائیں (۲۱۴)۔ خود کانفرنس نے یہ قرار داد منظور کی کہ اگر حکومت نے فرقہ وارانہ مسئلے کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان جون کے اختتام تک نہ کیا تو کانفرنس ۳ جولائی کو اپنی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کرے گی تاکہ گول میز کانفرنس اور اس کی ذیلی کمیٹیوں کے مقاطعے کے لئے موثر تدابیر طے کی جائیں (۲۱۵)۔ ۳ر جولائی کو مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کی دھمکی پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس وقت اصل سوال اعلان کی نوعیت کا تھا، اجلاس کے انعقاد کی تاریخ کا نہیں (۲۱۶)۔ لیکن مسلمانوں نے ہندوستان میں گول میز کانفرنس توسیع شدہ کام میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ لوتھین ہندوستان میں حق رائے دہی سے متعلق اپنے کام کے آغاز پر وزیر اعظم کو مطلع کر چکے تھے کہ:۔

> "دلی میں حق رائے دہی سے متعلق کمیٹی کے ابتدائی اجلاس میں تین مسلم ارکان نے ایک نوٹ پڑھ کر سنایا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کو قوی امید ہے کہ ملک معظم کی حکومت فرقہ وارانہ مسئلے پر جلد اپنا فیصلہ سنا دے گی۔ مگر جب میں نے ان ارکان سے ملاقات کی تو انہوں نے وضاحت پیش کرتے ہوئے کہ ان کے مسلم رفقائے کار کی طرف سے بڑا دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ کمیٹی کے کام میں تعاون کرنے سے اس وقت تک انکار کرتے رہیں جب تک کہ ایک جمعیت کی حیثیت سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ حاصل نہ ہو جائے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی جمعیت ہندوستان کے لئے نئے آئین کی تیاری میں صرف اسی صورت میں تعاون کرے گی جب انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے حقوق محفوظ نہیں اور اگر کوئی ایسا فیصلہ کیا جائے جس سے انہیں یہ محسوس ہو کہ ان کے

Marfat.com

حقوق محفوظ نہیں ہیں تو وہ ہر صورت میں سیاسی پیش رفت کی مخالفت کریں گے (۲۱۷) اب کمیٹی کے کام میں روز افزوں رکاوٹ پیدا ہونے لگی کیونکہ فرقہ وارانہ سوال اس میں روزانہ دخل انداز ہوتا رہا (۲۱۸)۔ لوتھین کی کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا کہ فرقہ وارانہ مسئلہ تصفیہ طلب رہ جانے کی وجہ سے قانون ساز اداروں کی ہئیت ترکیبی اور ان کے اندر نشستوں کی تعین جیسے اہم آئینی امور پر کوئی مفصل اسکیم مرتب کرنا تقریباً محال ہوگیا (۲۱۹)۔ ولنگڈن کی مشاورتی کمیٹی بھی اس مسئلے کے بوجھ تلے دم توڑ گئی (۲۲۰)۔ جون ۱۹۳۲ء میں سیموئیل ہور نے اصلاحات کے جس طریقہ کار کا اعلان کیا تھا اس سے آزاد خیال ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی لیکن مسلمانوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ سیموئیل ہور کے نئے منصوبے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مسلم رہنما نے گول میز کانفرنس کو ایک غیر منظم مجلس قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ صوبوں کو جلد از جلد خود مختار اکائیوں کی حیثیت دے دی جائے۔ نیز انہی رہنما نے کہا کہ جب فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ ہوگا تو وہ ساری اسکیم کا محور ہوگا (۲۲۱)۔ ایک اور مسلم لیڈر نے اقلیتوں کے مطالبات کو جلد تسلیم کرنے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ زبردست انتظامی انتشار کا انسداد ہوسکے" (۲۲۲)۔

ملک معظم کی حکومت نے اگست ۱۹۳۲ء میں فرقہ وارانہ تصفیے کا اعلان کیا جو ,فرقہ وارانہ نمائندگی کا فیصلہ، کہلایا (۲۲۳)۔ اس فیصلے کا دائرہ صوبوں کے قانون ساز اداروں میں برطانوی ہند کے مختلف فرقوں کی نمائندگی کے لئے کئے جانے والے انتظامات تک محدود تھا (۲۲۴)۔ تاہم اس محدود دائرے کے اندر فیصلے کا مجوزہ منصوبہ تفصیل کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا۔ اس میں مسلمانوں اور پست طبقات کے لئے جو کچھ گنجائش رکھی گئی تھی وہ اہمیت کی حامل تھی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا، انہیں وہ سب کچھ نہیں دیا گیا جس کے وہ طلب گار تھے۔ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کو "اطمینان بخش مالیاتی تحقیقات" (۲۲۵) کے ساتھ اسی طرح مشروط رکھا گیا جس طرح نہرو رپورٹ میں رکھا گیا تھا۔ فیصلے میں بلوچستان کی حیثیت

Marfat.com

کا کوئی ذکر نہیں تھا، پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لئے مختص کی جانے والی نشستیں نہ صرف انکی آبادی کے تناسب سے بلکہ ان میں ہر اسمبلی کی مجموعی نشستوں کی نصف تعداد سے بھی کم تھیں (۲۲۶)۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان مناصب کی تقسیم اور مرکزی مقننہ میں نیابت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔ لیکن مراسلہ ارون کی طرح فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں بھی مسلمانوں کے موقف کے دو اہم پہلوؤں کو تسلیم کرلیا گیا۔ ایک تو یہ کہ فرقہ وارانہ رائے دہی کے جس اصول کی تائید مسلمان کررہے تھے اور جس کی مذمت ہندوؤں کی طرف سے کی جارہی تھی "اس کی توثیق کردی گئی، (۲۲۷)۔ بلکہ زیر بحث فیصلے میں ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھایا گیا اور خصوصی حلقہ ہائے انتخاب میں پست طبقات کو بھی بیس سال تک جداگانہ رائے دہی کا حق دے دیا گیا (۲۲۸)۔ دوسرے یہ کہ پنجاب اور بنگال کے قانون ساز اداروں کی نشستوں کو کھلے انتخاب کے لئے نہیں چھوڑا گیا جیسا کہ ہندوؤں کا مطالبہ تھا۔ نیز مسلمانوں کو ان صوبوں کی اسمبلیوں میں جہاں وہ اقلیت میں تھے بطور پاسنگ اضافی نشستوں کی رعایت دی گئی (۲۲۹)۔ صوبہ سرحد کا آئینی درجہ اپریل ۱۹۳۲ء میں پہلے ہی بڑھایا جاچکا تھا۔ اس طرح اگرچہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں مسلمانوں کے مجموعی مطالبے کا احاطہ نہیں کیا گیا لیکن اس میں جداگانہ رائے دہی کے اس اصول کی توثیق کردی گئی جسے حکومت نے ۱۹۰۶ء میں اور ہندوؤں نے ۱۹۱۶ء میں مان لیا تھا اور اس سوال پر پیدا ہونے والے تنازعے پر ۱۹۲۴ء میں مہر تصدیق ثبت کردی گئی تھی۔ نیز اس فیصلے کی بدولت خصوصاً ان علاقوں میں مسلمانوں کی حیثیت کے استحکام کی راہ ہموار ہوگئی جہاں وہ اکثریت میں تھے۔ لہٰذا مسلمانوں نے ان مراعات کے ساتھ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کو قبول کرلیا اور اس پر وہ اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ اس کی شرائط کو قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں شامل نہیں کرلیا گیا۔ اس فیصلے پر غور کرنے کے لئے مسلم کانفرنس کی عاملہ کا اجلاس ۲۱ اگست کو دلی میں منعقد ہوا۔ اس میں فیصلے کے بعض پہلوؤں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی کہی گئی جو اہمیت سے خالی نہیں تھی:۔

"یہ مجلس عاملہ واشگاف الفاظ میں یہ بھی کہے دیتی ہے کہ مسلمانان ہند کسی

بھی ایسے آئین کو قبول نہیں کریں گے جس میں مساوی حیثیت کے مکمل طور پر خود مختار صوبوں کے قیام کی گنجائش نہ رکھی جائے اور یہ اصول تسلیم نہ کرلیا جائے کہ اقتدار پارلیمینٹ سے مرکزی حکومت کو نہیں بلکہ پارلیمینٹ سے صوبوں کو منتقل کیا جائے گا" (۲۳۰)۔

تین دن بعد اقبال نے علی الاعلان اس موقف کا اعادہ کیا (۲۳۱)

غیر کانگریسی ہندوؤں (۲۳۲) اور سکھوں کی طرف سے (۲۳۳) فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کی فوری طور پر مذمت کی گئی۔ پست اقوام کی طرف سے بھی اس پر اس بنا پر نکتہ چینی کی گئی کہ انہیں خصوصی حلقہ ہائے انتخاب صرف بیس سال کے لئے دیئے گئے تھے (۲۳۴)۔ ہندوؤں میں صرف لبرل سیاست دانوں خاص کر سپرو نے یہ فیصلہ دینے میں برطانوی حکومت کی پوزیشن کو سراہا۔ انہوں نے اسے ناگزیر قرار دے کر قبول کرلیا کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ متعلقہ فریق طویل مدت تک کوئی متفقہ اسکیم پیش کرنے میں ناکام رہے جس کے بعد اس فیصلے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا (۲۳۵)۔ اس فیصلے کے ساتھ وزیر اعظم نے جو وضاحتی نوٹ جاری کیا اس میں انہوں نے اس پر نظر ثانی کی پیش کش کی بشرطیکہ مجوزہ بل کے قانون بننے سے قبل کسی بھی مرحلے پر متعلقہ فرقے آپس میں کوئی سمجھوتہ طے کرلیں (۲۳۶)۔ لیکن کم از کم ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس قسم کے سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں تھا جبکہ برطانوی حکومت کے فیصلے کا تعین بنیادی طور پر انہی دو فرقوں سے تھا۔ جداگانہ طریقہ انتخاب کا نعم البدل طے کرنے کی دو مرتبہ کوششیں کی گئیں۔ ایک مرتبہ اکتوبر و دسمبر ۱۹۳۲ء کے دوران مولانا شوکت علی اور پنڈت (۲۳۷) مالویہ نے اور دوسری مرتبہ مارچ و اپریل ۱۹۳۴ء کے دوران مالویہ اور جناح نے (۲۳۸)۔ فضل حسین کی قیادت میں صرف پنجاب کی حد تک اسی سلسلے میں جو محدود اقدام کیا گیا اس کا بھی وہی حشر ہوا (۲۳۹)۔ غرضیکہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے اعلان سے قبل یہ اور ایسی ہی کئی کوششیں ناکام ہوگئی تھیں۔ وزیر اعظم کی پیش کش کے تحت اس فیصلے کو جس واحد جز میں رد و بدل کیا گیا اس کا تعلق پست طبقات کی خصوصی رائے دہی سے تھا۔ گاندھی کے سخت موقف کے پیش نظر خصوصی حلقہ ہائے انتخاب سے متعلق فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے

Marfat.com

کی شق میثاق پونا (۲۴۰) کے تحت حذف کردی گئی (۲۴۱)۔ لیکن گاندھی کی اس کامیابی کے لئے پورے ہندوستان (۲۴۲) بالخصوص بنگال کے اونچی ذات کے ہندوؤں کو بڑی قربانی دینی پڑی (۲۴۳)۔ بنگالی ہندوؤں نے فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے اور گاندھی کے تصفیے کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے نہ صرف اس موقع پر (۲۴۴) بلکہ بعد میں لارڈ زیٹ لینڈ (۲۴۵) کی وساطت سے اس وقت بھی احتجاج کیا جب ۳۴ - ۱۹۳۳ء کے دوران مشترکہ پارلیمانی کمیٹی اصلاحات کے کام پر غور کررہی تھی (۲۴۶)۔

فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے اعلان کے بعد سے ۱۹۳۵ء کا قانون وضع ہونے تک فرقہ وارانہ مسئلے کی تاریخ میں کوئی ڈرامائی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ حکومت برطانیہ اپنے اس عہد پر قائم رہی کہ متعلقہ فریقوں کی مرضی کے بغیر اس فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ نیز حکومت جس طرح فرقہ وارانہ مذاکرات میں دو گول میز کانفرنسوں کے دوران حصہ لے چکی تھی، اس طرح فیصلے کے بعد اس قسم کے مذاکرات میں اس نے خود کوئی حصہ نہیں لیا (۲۴۷)۔ مسلمان اس فیصلے اور حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کے رویئے سے بڑی حد تک مطمئن تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے موقف میں نرمی پر آمادگی ظاہر نہیں کی (۲۴۸)۔ لوتھین کی دانست میں فرقہ وارانہ نمائندگی کا فیصلہ, ہندی مسلمانوں کو فی الوقت ہندوستان میں رکھنے کی واحد صورت، تھی (۲۴۹)۔ یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں جناح کی مفاہمانہ قرار داد میں جو قانون ساز اسمبلی نے فروری ۱۹۳۵ء میں منظور کی اس رپورٹ کو مسترد کردیا گیا اور فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کو قبول کرلیا گیا (۲۵۰)۔ ہندو لبرل لیڈروں نے اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے قبول کرلیا۔ گاندھی اور کانگریس کے نزدیک بھی وہ مستحسن نہیں تھا لیکن تصفیہ طلب بڑے امور کے پیش نظر اسے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی گئی بجز اس حصے کے جس کا تعلق پست طبقات سے تھا (۲۵۱)۔ لہٰذا کانگریس کی مجلس عاملہ نے جس کا اجلاس ۱۷ اور ۱۸ فروری کو بمبئی میں ہوا، اس کے بارے میں غیر جانبدار رہنے کا دعویٰ کیا گیا صرف مہا سبھائیوں اور سکھوں کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کا قلع قمع کردیا جائے گا اور اس کی حمایت کرنے والی قوتوں کا مقابلہ کیا جائے گا (۲۵۲)۔ لیکن کسی قابل قبول

Marfat.com

متبادل تجویز کی غیر موجودگی میں خود ان کے پاس بھی اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ برقرار رہا۔

تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والا مسلم وفد اگرچہ مختصر تھا لیکن سخت رویہ اختیار کرنے والے ارکان پر مشتمل تھا (۲۵۳)۔ شفیع (۲۵۴) اور جناح (۲۵۵) کو جو دو اعتدال پسند رہنما تھے، وفد سے خارج کر دیا گیا۔ اس مرتبہ مسلم مندوبین آزاد خیال ہندو رفقائے کار سے بھی الگ تھلگ رہے (۲۵۶)۔ کیونکہ حکومت سے سامنا کرنے میں ان کے ساتھ اشتراک عمل اب بے سود تھا۔ وہ اپنی حکمت عملی اور استقامت کی بدولت کانفرنس ختم ہونے سے قبل دو اور اہم مطالبات منوانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں ایک سندھ سے متعلق تھا اور دوسرا مرکزی مقننہ میں مسلمانوں کی نشستوں کے تناسب سے (۲۵۷)۔

اب فرقہ وارانہ صورت حال بالکل واضح تھی۔ حکومت کی طرف سے مارچ ۱۹۳۳ء میں جاری ہونے والے قرطاس ابیض میں مرکزی مقننہ نشستوں کے تعین اور انتخابی طریقہ کار کے اصول میثاق پونا کے بموجب ترمیم شدہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے پر مبنی تھے (۲۵۸)۔ یہی اصول مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ میں شامل تھے جو نومبر ۱۹۳۴ء (۲۵۹) میں شائع کی گئی اور انہی کو قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں بھی شامل کر لیا گیا (۲۶۰)

سیاسی اعتبار سے ہندوستانی معاشرے کی تعددی نوعیت کو فقط ۱۹۳۵ء ہی کے قانون میں تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ۱۹۰۶ء والے شملہ وفد، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ، اور قوانین مجریہ ۱۹۰۹ء و مجریہ ۱۹۱۹ء سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی۔ قانون ۱۹۳۵ء کے اجرا سے قبل جو فرقہ وارانہ مذاکرات ہوئے وہ اس سے قبل بار بار ہونے والے فرقہ وارانہ مذاکرات سے مختلف تھے جو دس سال تک ایسے دور میں جاری رہے جبکہ سیاسی آزادی کی جدوجہد شدت اختیار کر گئی تھی۔ یہ مذاکرات ہر مرحلے میں ناکام ہوگئے۔ چنانچہ ہندوستانیوں کو رعائتیں دینے سے برطانوی حکومت کے گریز سے کہیں زیادہ فرقہ وارانہ نوعیت کی مشکلات ہندوستان کی سیاسی پیش رفت کی راہ میں حائل ہوتی رہیں۔ سپرو نے دسمبر ۱۹۳۳ء میں اصلاحات کے صبر آزما کام کے اختتام پر اپنے تاثرات ان الفاظ میں قلمبند کئے:۔

Marfat.com

"گزشتہ تین چار سال کے دوران گول میز کانفرنس اور دوسری کانفرنسوں میں کام کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں جس قدر کامیابی ہو سکتی تھی یا اغلباً ہوئی ہوتی وہ اس لئے نہ ہو سکی کہ ہمارے اندرونی اختلافات خاص کر فرقہ وارانہ اختلافات دور کرنے میں ہماری ناکامی کی وجہ سے رکاوٹ واقع ہوتی رہی۔ بدقسمتی سے ہم یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس ہم اپنے طرز عمل کے لئے عذر تلاش کرتے رہے ہیں۔ مثلاً یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ انگریزوں کا دخل نہ ہوتا تو ہم اپنے اختلافات طے کر چکے ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ گول میز کانفرنس کا نتیجہ بالکل مختلف ہوتا اگر ہم فرقہ وارانہ مسئلے کا کوئی متفقہ حل اہل برطانیہ کو پیش کر سکتے۔ تحفظات کم تر اور نرم تر ہوتے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم مستعمرہ کی حیثیت کے قریب تر ہوتے جس کا حصول مجھے اندیشہ ہے کہ اب برسوں ممکن نہیں" (۲۶۱)۔

ان فرقہ وارانہ مذاکرات کا مطالعہ کرنے والا بعض عوامل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو یہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ فرقہ وارانہ تصفیے کے لئے ہندو لبرل لیڈروں اور گاندھی جی کی خواہش اور کوششیں خواہ کتنی ہی پر خلوص رہی ہوں، ان کی طرف تمام مراحل میں کلیدی حیثیت مہا سبھا کے لیڈروں کو حاصل رہی۔ دوسرے یہ کہ یہ ہندو اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایسے وقت میں جبکہ اچھے خاصے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے والے تھے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی اہمیت اور ان کے ساتھ مصالحت کی ضرورت کو تسلیم کر لینا چاہئے جن کی تعداد ملک کی آبادی میں تقریباً دس کروڑ ہے اور وہ ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے وسیع خطوں کے اندر اکثریت میں ہیں۔ ارون نے وائسرائے کی حیثیت سے اپنے عہدے کی معیاد کے اختتام پر مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا:۔

"کسی سیاسی معاشرے کو اس وقت تک خوشحالی اور اندرونی امن و امان میسر نہیں آ سکتا جب تک اس میں شامل اقلیتیں معقول حد تک اپنے حالات سے مطمئن نہ ہوں۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ اقلیتیں اپنے

Marfat.com

مفادات کے لئے جن خصوصی شرائط کو بنیادی اہمیت کی حامل تصور کرتی ہیں وہ ہندوستانی قومیت کے ارتقا کے لئے منافی ہیں کیونکہ اس کا انحصار ایک ایسے امر کو ملحوظ رکھنے پر ہے جو کہیں زیادہ اساسی حیثیت رکھتا ہے یعنی ان لوگوں کی طمانیت جو سارے معاشرے کا نہایت اہم جزو ہیں۔ اور یہی وہ مقصد ہے جسے ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ لہٰذا جیسا کہ میں سمجھتا ہوں اقلیتوں میں خوف پھیلا ہوا ہے۔ میرا ذاتی مشورہ یہ ہے کہ اکثریتی فرقے کے لئے دانش مندانہ راہ عمل یہ ہوگی کہ وہ ان کے خدشات کو بلا جھجک تسلیم کرلے، اگرچہ یہ خدشات شاید اس کی دانست میں بے بنیاد ہوں اور ان کو یقین دلادے کہ .... ؟" (۲۶۲)۔

بعد میں اس دور کے واقعات کو یاد کرتے ہوئے اس نے لکھا:۔

"ممکن ہے کہ جب اہل برطانیہ سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں اقتدار کی مکمل منتقلی کو ایسا واقعہ سمجھا جاتا جو مستقبل بعید کی بجائے واقعی کسی طے شدہ تاریخ کو پیش آنے والا ہو تو ملک کی تقسیم کو اختیارات منوانے کے لئے زبردست دباؤ ڈالا جاتا تاکہ ہر فرقے کو اختیارات میں اپنا اپنا حصہ ملنے کا مکمل اطمینان ہوجائے۔ اس بات کا خطرہ ہمیشہ موجود تھا اور برسوں قبل وائسرائے کی حیثیت سے اپنی معیاد کے دوران میں مسلسل اپنے ہندو دوستوں سے درخواست کرتا رہا کہ وہ اس سوال پر غور کریں کہ کسی ایسی حوصلہ مندانہ تجویز کی طاقت کیا ہوگی جو کوئی حد یا شرط عائد کئے بغیر فراخ دلی سے پیش کی جائے؟ اگر ہندو اپنے اندر مسلمانوں سے کسی بھی ایسے تحفظ کی فراہمی کا وعدہ کرنے کا حوصلہ پیدا کر لیتے جس کی موخر الذکر کی طرف سے خواہش کی جاتی تو کیا یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ دس یا بیس سال بعد جو ایک قوم کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے دونوں فرقوں کے درمیان اعتماد اس حد تک فروغ پا جاتا کہ اس قسم کی خصوصی دفعہ یا شرط کی گنجائش رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ ایک تاریخی روداد کی حیثیت سے جب ہم ماضی کے

Marfat.com

چند برسوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سارے قصے میں ملک کی تقسیم کا تصور کتنی دیر بعد ایک ناگزیر سیاسی منصوبے کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا" (۲۶۳)۔

یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ مذاکرات میں حصہ لینے والے کسی بھی مسلم رہنما نے ملک کی تقسیم کی کوئی تجویز نہیں پیش کی اور نہ اس قسم کی کسی تجویز کی حمایت کی اقبال نے مربوط شمالی مسلم ریاست کا جو تصور پیش کیا اس سے مراد خود اقبال کے مطابق اور ان کی ۱۹۳۰ء والی تقریر میں بھی یہ تھی: "مملکت ہند کے اندر ترقی کے بھرپور مواقع (مل جائیں) تو شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمان بیرونی حملے کے خلاف ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے"۔

وفاق میں شامل ہونے والے صوبوں یا ریاستوں کے نمائندوں کی اسمبلی کے قیام اور اس مقصد کے لئے بعض علاقوں میں رد و بدل (مثلاً پنجاب سے امبالا ڈویژن اور غالباً بعض غیر مسلم اکثریت کے اضلاع کی علیحدگی) کی صورت میں وفاق کا جو تصور پیش کیا گیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے اقبال نے کہا کہ میں اس تجویز کی بھرپور حمایت کرتا ہوں۔ انہوں نے نہرو اور سائمن دونوں کی رپورٹوں میں تجویز کردہ خطوط پر ہندوستان کی ایسے صوبوں میں تقسیم نو کی تائید کی جن میں کسی نہ کسی فرقے کی موثر اکثریت ہو (۲۶۴)۔

ہندوستان کی تقسیم کے بارے میں تجاویز دراصل مسلمانوں کے سیاسی حلقہ قیادت کے باہر سے پیش کی گئیں۔ ایک مسلم ماہر تعلیم نے ترقی یافتہ افغانستان اور ایران کے وفاق کے پس منظر میں ان کے اتحادیوں کے آزاد سرحدی علاقوں کے قیام کا تصور پیش کیا (۲۶۵)۔

ارون نے ہندوستان سے رخصت ہونے کے ایک سال بعد لکھا:۔

"میں تسلیم کرتا ہوں، اگرچہ یہ بات برملا کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ مجھے کل ہند وفاق کے قیام کے امکانات بعید از حصول نظر آتے ہیں اور ان کی جگہ کسی ایسی شکل میں ہندوستان کی تقسیم کے امکانات روشن ہوتے جارہے ہیں جو فرقہ وارانہ مسئلے کے امید افزا حل کی حامل ہو" (۲۶۶)۔

Marfat.com

لیکن ملک کی تقسیم کا غیر مبہم اور دو ٹوک منصوبہ چودھری رحمت علی (۲۶۷) کی قیادت میں کیمبرج کے مسلم طلبہ کے ایک گروپ نے پیش کیا۔ اس میں انہوں نے مسلم مندوبین کی طرف سے وفاق کی تجویز قبول کئے جانے کی مذمت کی اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اقبال کے خطبہ الہ آباد سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کے پانچ شمالی یونٹوں پنجاب، صوبہ سرحد، (افغان صوبہ) کشمیر، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل پاکستان کے نام سے ایک علیحدہ وفاق قائم کیا جائے۔ (۲۶۸) لیکن اس وقت سیاسی مذاکرات کا جو سلسلہ جاری تھا اس میں شریک ذمہ دار مسلم لیڈروں نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ برصغیر کے اندر ایک جداگانہ مسلم ہندوستان قائم کرنے کے آرزو مند ہیں اور اقرار کیا کہ وہ آزاد ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ اپنے مشترکہ مستقبل پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے کیمبرج کے طلبہ کی طرف سے پیش کردہ منصوبہ پاکستان کو، محض ایک خیالی اور ناقابل عمل اسکیم، قرار دیا (۲۶۹)۔ اس سے قبل شفیع نے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو اقلیتی کمیٹی کے اجلاس میں مسلم وفد کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر اقبال نے الہ آباد میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کے سلسلے میں کچھ کہا ہو تو ان کی اس قسم کی تجویز کو رد کیا جاتا ہے (۲۷۰)۔ بعد میں سخت رویہ اختیار کرنے والے ایک مسلم رہنما نے کہا:۔

> "مسلمان حکومت در حکومت قائم کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک علیحدہ مملکت کے خواہاں نہیں ہیں۔ وہ ہنگامی صورت حال میں اپنی مدد کے لئے ملک کی سرحدوں کے پرے نہیں دیکھتے اور نہ ہی وہ ہندوستان کو متحدہ کرنے کی راہ میں ناقابل عبور رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے اندر ایک علیحدہ مسلم مملکت قائم کرنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں۔ مسلمان بھی ہندوستان کے ویسے ہی حقیقی فرزند ہیں جیسا کہ کوئی اور فرقہ اور وہ بھی بعینہ انہی مقاصد کے جذبے سے سرشار ہیں جنہوں نے دوسرے فرقوں میں ولولہ پیدا کر رکھا ہے (۲۷۱)۔

کم از کم ۱۹۳۶ء کے آغاز تک آغاخان جیسے لوگ "تحریک پاکستان کو مسلمانان برصغیر کے لئے پر خطر سمجھتے رہے (۲۷۲)۔

بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ۱۹۳۵ء کے قانون میں شامل کی جانے والی فرقہ وارانہ دفعات کے پس منظر میں جو طولانی اور نامکمل مذاکرات ہوئے ان کے اہل ہندوستان پر فوری اور دور رس مضر اثرات مرتب ہوئے۔ ایک تو ان کی وجہ سے اصلاحات کے نفاذ میں بڑی تاخیر ہوگئی اور قانون میں کئی ایک ایسی غیر حریت پسندانہ دفعات شامل کرنی پڑیں جن سے صوبوں اور مرکز دونوں میں ہندوستانیوں کی ذمہ داری کی خاصی حد تک نفی ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ ان مذاکرات سے ہندوستانیوں کے مختلف طبقوں میں علیحدگی پسندی کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس کے بعد ہندوستانی معاشرے پر ان مٹ نقش مرتسم ہوگئے۔ ہندوستان اور لندن میں طویل مباحثوں کے دوران اس علیحدگی پسندی کا جو مظاہرہ کیا گیا اس سے دنیا کی نظروں میں اس معاشرے کی ساکھ گر گئی۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کے اتحاد کے بارے میں ہندی مسلمانوں کے دعوے خواہ کچھ ہی رہے ہوں، ان مذاکرات کے نتیجے میں وہ من حیث الکل خطرناک حد تک علیحدہ قومیت کی منزل کے قریب پہنچ گئے جس کے بعد صرف ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کرنا باقی رہ گیا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ چند سال بعد جب جناح ایک علیحدہ مسلم مملکت کے مطالبے کی علامت بن کر ابھرے تو مسلمانوں نے کیوں بلا تامل ان کی آواز پر لبیک کہا۔

شاید یہ تند و تلخ بحثیں صرف اس ایک اعتبار سے ہندوستان کی گتھی سلجھانے میں مدد گار ثابت ہوئیں کہ ان کی بدولت برطانیہ کے ارباب اقتدار فرقہ وارانہ عقدے کو سمجھنے کے قابل ہوگئے۔ اس سے ان کے جانشینوں کا کام آسان ہوگیا جنہیں بعد میں دور رس نتائج کے حامل تاریخی فیصلے عجلت میں کرنے پڑے۔

حوالہ جات :

(۱) ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس، کمیٹی کی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) ضمیمہ جات کتاب ہذا ا۔ و۔ ب جن میں اس مردم شماری کی بنیاد پر پنجاب اور بنگال کی آبادی کا فرقہ وار تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

(۲) ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۱، ۲ صفحہ ۶ کتاب ہذا۔

(۳) ملاحظہ ہوں صفحات ۵ تا ۶ کتاب ہذا۔

Marfat.com

(۴) ملاحظہ ہوں صفحات ۶ تا ۷ کتاب ہذا۔

(۵) ملاحظہ ہو چودھری خلیق الزماں کی محولہ کتاب، صفحات ۳۷ تا ۴۷۔ خود مصنف نے تحریک خلافت میں حصہ لیا تھا اور اس سے متعلق واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔

(۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۸ کتاب ہذا

(۷) ملاحظہ ہو چودھری خلیق الزماں کی محولہ کتاب، صفحہ ۷۰

(۸) اس اجلاس کے شرکاء میں مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری اور فضل حسین شامل تھے۔ اجلاس میں جو لوگ شریک نہیں ہوئے لیکن ہمدردی کے تار ارسال کئے ان میں راجہ محمود آباد، حسن امام، ڈاکٹر سہروردی اور حکیم اجمل خاں شامل تھے۔ ملاحظہ ہوں ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والی رپورٹیں۔

(۹) ایضاً

(۱۰) ملاحظہ ہو اجلاس میں فضل حسین کی تقریر ایضاً

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً مورخہ ۲۷، مئی ۱۹۲۴ء

(۱۴) ملاحظہ ہو یوپی کے چودھری خلیق الزماں کی تحریک کے بارے میں رپورٹ جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ لیگ کو ان صوبوں میں مسلمانوں کی نیابت کے لئے رعائت دینے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے جہاں وہ اقلیت میں ہیں، کیونکہ اس سے پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کا دعویٰ کمزور پڑجائے گا۔ ایضاً ۲۶ مئی ۱۹۲۴ء

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ملاحظہ ہو لیاقت علی خاں کی محولہ کتاب

(۱۷) ملاحظہ ہو ایس ایم اکرام: ماڈرن مسلم انڈیا اینڈ برتھ آف پاکستان، (۱۸۵۸ء تا ۱۹۵۱ء) (لاہور ۱۹۶۵ء) صفحہ ۲۳۲

(۱۸) بمبئی میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں سید رضا کے خطبہ صدارت کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۴ء۔ نیز ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۵ء میں جناح اور شفیع کی تقریریں جو انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجلس مباحثہ منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۵ء میں حصہ لیتے ہوئے کی تھیں۔ ان تقریروں میں مسلم لیگ کا یہ موقف پیش کیا گیا تھا۔

(۱۹) ان میں راجہ محمود آباد، شفیع، سر عبدالقیوم، ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی شامل تھے۔ ایضاً

Marfat.com

مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۷ء۔

(۲۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء جس میں ان تجاویز کا متن طبع ہوا تھا۔

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ملاحظہ ہو سینٹرل سکھ لیگ کے جنرل سیکرٹری سردار منگل سنگھ کا مراسلہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کے نام مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء بہ عنوان "سکھوں کا کیا ہوگا؟"۔ ایضاً یہ مراسلہ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں سردار منگل سنگھ نے نہرو کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے کام کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۱۶۴ کتاب ہذا

(۲۳) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۲۷ء میں شائع ہونے والی رپورٹ۔

(۲۴) لالہ لاجپت رائے کے نظریات کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء

(۲۵) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۲۷ء میں جناح کے بیان کی اخباری رپورٹ۔ اس بیان کا عنوان تھا "جداگانہ طریقہ انتخاب کی تنسیخ نہیں ہوسکتی۔"

(۲۶) ایضاً مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۲۷ء

(۲۷) ملاحظہ ہو مسلم لیگ کی یو پی کی شاخ کے فیصلے کے بارے میں اخباری رپورٹ نیز ڈاکٹر عبداللہ سہروردی کا بیان۔ ایضاً ۲، ۲۹ مارچ ۱۹۲۹ء

(۲۸) راجہ غضنفر علی خاں، مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء م۔ م۔ ق جلد ہفتم، نمبر ۳ صفحات ۲۷۱۳ تا ۲۷۲۰

(۲۹) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۴ تا ۱۸ کتاب ہذا

(۳۰) اقبال کا خط فضل حسین کے نام مورخہ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء، م۔ ک۔ ۱۰/۵ فضل حسین نے اصل خط اپنے نوٹ مورخہ ۱۴ جون ۱۹۲۷ء کے ساتھ ہیلے کو بھیج دیا جس میں اقبال کی رائے کی تاکید کی گئی تھی۔

(۳۱) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۵ مئی ۱۹۲۷ء

(۳۲) ایضاً

(۳۳) ہیلے کا خط وائسرائے کی عاملہ کے رکن متعلقہ امور داخلہ سرالکزانڈر مڈی مین کے نام مورخہ ۱۳ جون ۱۹۲۷ء م۔ ک۔ ۱۰/۵

(۳۴) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء

(۳۵) جن افراد کو اس مقصد کے لئے برطانیہ بھیجا گیا تھا وہ شفاعت احمد خاں اور ظفر اللہ خاں

Marfat.com

تھے۔ ملاحظہ ہوں ایف ایچ بر آؤن کے خطوط ہیلے کے نام مورخہ ۲۲ ستمبر، ۳ نومبر ۱۹۲۷ء م۔ ک۔ ہ/۱۱۔ اس میں دونوں مسلم لیڈروں کے اس پروپیگنڈے کی رپورٹ پیش کی گئی ہے جو انہوں نے برطانیہ میں جداگانہ طریقہ انتخاب کے حق میں رائے ہموار کرنے کی غرض سے شروع کیا تھا۔ نیز فضل حسین کے اخباری انٹرویو کے لئے ملاحظہ ہو انڈین نیشنل ہیرالڈ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء۔ یہ انٹرویو انہوں نے یورپ سے واپسی پر بمبئی میں دیا تھا اور اس میں انہوں نے متذکرہ دونوں مسلم لیڈروں کے کام کو سراہا تھا

(۳۶) ملاحظہ ہو حواشی نمبر ۴، ۵ صفحہ ۳۴ کتاب ہذا

(۳۷) ملاحظہ ہوں صفحات ۳۳ تا ۳۸ کتاب ہذا

(۳۸) ملاحظہ ہو صادق علی (مستقل سیکرٹری)، کانگریس اینڈ دی پرابلم آف مائناریٹز (دی ریزولیشنز ایڈ ایٹیڈ بائی دی کانگریس دی ورکنگ کمیٹی اینڈ دی اے۔ آئی۔ سی سنس ۱۹۸۵ء اینڈ کنکٹڈ میٹرز) (الہ آباد ۱۹۴۷ء) صفحات ۹۴ تا ۹۵

(۳۹) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۷ء

(۴۰) ایضاً مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء۔ یہ ذیلی کمیٹی مسز سروجنی نائیڈو۔ سری نواس آئنگر (صدر کانگریس) موتی لال نہرو اور مولانا محمد علی پر مشتمل تھی۔ مولانا محمد علی نے تجاویز دہلی مرتب کرنے میں بھی حصہ لیا۔

(۴۱) ایضاً

(۴۲) ملاحظہ ہو سیتا رامیہ محولہ کتاب صفحات ۵۲۸ تا ۵۲۹

(۴۳) یہ کمیٹی موتی لال نہرو (چیئر مین) سپرو، علی امام، پرادھان، شعیب قریشی، سبھاش چندر بوس، ایم آئینے، جایاکار، این ایم جوشی اور سردار منگل سنگھ پر مشتمل تھی۔ ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحہ ۱۷

(۴۴) ایضاً

(۴۵) ایضاً

(۴۶) یہ کمیٹی ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء کو تشکیل دی گئی اور اس کے چیئرمین موتی لال نے کل جماعتی کانفرس کے صدر ڈاکٹر انصاری کو اپنی رپورٹ ۱۰ اگست ۱۹۲۸ء کو پیش کر دی۔ ایضاً ملاحظہ ہو موتی لال نہرو کا خط ڈاکٹر ایم اے انصاری کے نام مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۸ء۔

(۴۷) ملاحظہ ہو موتی لال نہرو کے خطوط گاندھی کے نام مورخہ ۱۱، ۱۹ جولائی ۱۹۲۸ء نیز جواہر لال نہرو A BUNCH OF OLD LETTERS (مطبوعہ لندن ۱۹۶۰ء) صفحات ۶۰، ۶۵۔

(۴۸) ملاحظہ ہوں اروِن کے خطوط برکن ہیڈ کے نام مورخہ ۸، ۲۵، ۱۷ مارچ ۱۹۲۸ء م۔ ک۔

Marfat.com

ہ۔ ف /۲۹ نیز ارون کا خط وائی کاؤنٹ ہیلی فیکس کے نام مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۲۸ء م۔ ک۔
ہ۔ ف /۲۷ نیز ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۹ جس میں جناح کے اس بیان کے متن شائع ہوا تھا جو انہوں نے دلی مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء میں تقسیم کرایا تھا اس بیان میں ۱۹۲۴ء کے بعد سے اجلاس کے انعقاد کے وقت تک فرقہ وارانہ تنازع کی تاریخ پیش کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو۔ چودھری خلیق الزماں کی محولہ کتاب صفحات ۹۳ تا ۱۰۲۔ مصنف کی متعلقہ عصری سیاست سے گہری وابستگی تھی

(۴۹) کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحات ۱۷ تا ۲۳۔ ۳۴ تا ۳۵، ۴۹ تا ۵۰، ۵۴ تا ۵۸ اور ۱۲۴۔ نیز ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس، کمیٹی کی ضمنی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۱ء) صفحات ۱۷ تا ۲۵ یہ ضمنی رپورٹ کل جماعتی کانفرنس کے کلکتے کے اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں پیش کی گئی تھی۔ اس ضمنی رپورٹ میں زیادہ تر نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر اگست ۱۹۲۸ء میں اس کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی نکتہ چینی کا جائزہ پیش کیا گیا تھا۔

(۵۰) یہ رکن علی امام تھے۔ ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحہ ۲۳۔

(۵۱) یہ شعیب قریشی تھے، ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی ضمنی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحہ ۳۰

(۵۲) ملاحظہ ہو کل جماعتی کانفرنس کمیٹی کی رپورٹ (الہ آباد ۱۹۲۸ء) صفحہ ۱

(۵۳) ایضاً صفحہ ۲۴

(۵۴) رپورٹ کے ۱۳۳ مطبوعہ صفحات میں ۱۷ تا ۶۹ کلیتاً فرقہ وارانہ مسئلے کے لئے وقف ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے کئی صفحوں میں بھی اس موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے تین ضمیموں کا تعلق پنجاب اور بنگال کے انتخابی اداروں میں فرقہ وارانہ نمائندگی سے ہے۔ نیز رپورٹ کی دو جدولوں میں مرکز اور صوبوں کے لئے امور مختص کئے گئے ہیں۔ ان سب باتوں کا فرقہ وارانہ مسئلے سے براہ راست تعلق تھا۔

(۵۵) ایضاً، صفحات ۲۵ تا ۲۹

(۵۶) ایضاً صفحات ۳۰ اور ۱۲۳

(۵۷) ایضاً صفحات ۵۳ تا؟

(۵۸) ایضاً صفحات ۱۲۷ تا ۱۳۳ جدول II, I جن میں بالترتیب مرکز اور صوبوں کے تفویض کئے جانے والے مجوزہ امور کی تفصیلات درج ہیں۔

Marfat.com

(۵۹) ایضاً صفحات ۳۱ تا ۳۳، ۱۲۴

(۶۰) ایضاً، باب بہ عنوان، فرقہ وارانہ پہلو (نشستوں کی تخصیص) صفحات ۱۲۴ اور ۳۴ تا ۶۰۔ رپورٹ کے تین ضمیموں کا تعلق بھی اسی سوال سے ہے۔

(۶۱) ایضاً صفحات ۵۴ تا ۵۵

(۶۲) ایضاً صفحات ۳۱، ۱۲۴

(۶۳) ملاحظہ ہو فضل حسین کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۸ م۔ ک۔ ہ / ۱۳

(۶۴) ملاحظہ ہو فضل حسین کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء ایضاً

(۶۵) ملاحظہ ہو فیروز خان نون کا تار یوپی کے وزیر بلدیات نواب محمد یوسف کے نام مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۲۸ء، ایضاً، موخرالذکر نے یہ تار اپنے خط محولہ حاشیہ ذیل کے ساتھ ہیلے کو ارسال کر دیا نیز ملاحظہ ہو خلیق الزماں کی محولہ کتاب صفحہ ۹۶

(۶۶) ملاحظہ ہو نواب محمد یوسف کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۲۸ء م۔ ک۔ ہ /۱۳

(۶۷) جناح کے اخباری بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء یہ بیان انہوں نے بمبئی سے واپس پہنچنے پر ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو دیا۔

(۶۸) اروِن بنام ملک معظم مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۸ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱

(۶۹) اروِن بنام ملک معظم مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۸ء۔ ایضاً

(۷۰) ملاحظہ ہو کانگریس کے کلکتے کے اجلاس میں گاندھی کی پیش کردہ قرار داد کے متن کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء یہ قرار داد انہوں نے گزشتہ روز نصف شب کو پیش کی تھی

(۷۱) اس خبر کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۷۲) ملاحظہ ہو کلکتے میں ۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء کو منعقد ہونے والے خلافت کانفرنس کے اجلاس میں مولانا محمد علی کی تقریر کی رپورٹ کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۸ء۔ نیز ملاحظہ ہو متذکرہ اخبار کی اسی اشاعت میں خلافت کے بعض حامیوں کی طرف سے اس گڑبڑ کے بارے میں جاری ہونے والا بیان جو بنگال کی صوبائی خلافت کانفرنس کے ارکان نے اسی دن کی تھی۔

(۷۳) ایضاً مورخہ ۲۹، ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۷۴) ملاحظہ ہو مسلم لیگ کے کلکتے کے اجلاس منعقدہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۸ء میں جناح کی پیش کردہ قرار داد کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

Marfat.com

(۷۵) ایضاً مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۷۶) ایضاً

(۷۷) ایضاً مورخہ ۲۹، ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۷۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۲۶۱

(۷۹) کلکتے کی کل جماعتی کانفرنس میں ہندو مہاسبھا کے مندوبین نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی خبر کیلئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۸۰) جناح کے اخباری انٹرویو کے لئے جو انہوں نے بمبئی روانہ ہونے سے قبل کلکتے میں ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دیا تھا، سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۳ جنوری ۱۹۲۹ء

(۸۱) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء میں ایم سی چھاگلا کے اخباری انٹرویو کا متن جو انہوں نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دیا تھا۔

(۸۲) ایضاً

(۸۳) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۷ء میں آغا خان کا بیان جو انہوں نے ۱۰ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بمبئی پہنچنے پر دیا تھا۔

(۸۴) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۸ نومبر میں شفیع اور اقبال کو مولانا محمد علی کے چیلنج کی خبر۔ انہوں نے دونوں رہنماؤں سے کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ پنجاب کے کسی بھی علاقے میں جلسہ عام سے خطاب کرکے عوام سے سائمن کمیشن کے مقاطع کے سوا کوئی اور فیصلہ حاصل کرلیں۔

(۸۵) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء میں اس قرار داد کا متن جو کانفرنس میں، یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو شفیع نے پیش کی۔ اور مولانا محمد علی نے اس کی تائید کی۔

(۸۶) ایضاً مورخہ یکم، ۲ جنوری ۱۹۲۹ء جس میں کانفرنس کا چشم دید احوال شائع ہوا تھا۔

(۸۷) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء میں شفیع کی تقریر کی رپورٹ جو انہوں نے اس کانفرنس میں یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو کی تھی۔ اس میں جناح کا ذکر دوسرے حوالوں کے علاوہ ان الفاظ میں کیا گیا تھا: مسٹر جناح نے مقرر کے متعدد مراسلات کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں دیا کہ اسے کلکتہ جانا چاہئے کیا مسٹر جناح کی خواہش یہ تھی کہ ہم بھی کلکتہ میں انہی حالات کا سامنا کرتے جو انہیں اور ان کے دوستوں کو کرنا پڑا! (ہیر ہیر) یہ پہلا موقع ہے کہ کسی مسلم تنظیم کے ساتھ اس قدر برا سلوک کیا گیا اور میں اسے نہ صرف لیگ بلکہ تمام مسلمانوں کی توہین سمجھتا ہوں (شیم شیم !!)

(۸۸) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء میں اس قرار داد کا متن۔

Marfat.com

(۸۹) ملاحظہ ہو ٹائمز مورخہ ۱۲، ۱۳، اکتوبر ۱۹۲۸ء میں آغا خان کے مضامین بہ عنوان
'A Constituion for India-I : The Nehru Scheme, Some Fatal Defects' and
'A Constitution for India-II : Grouping for Free State, the Bavarian Model'.

(۹۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۹ء

(۹۱) ایضاً

(۹۲) ایضاً کیم جنوری ۱۹۲۹ء

(۹۳) ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد کیم نمبر ۲۶ صفحہ ۱۷۳۶

(۹۴) ایضاً جلد کیم، نمبر ۲۷ صفحہ ۱۹۷۸

(۹۵) ایضاً صفحہ ۱۸۴۰

(۹۶) ارون بنام ہارکورٹ بٹلر مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۹ م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۸

(۹۷) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ کیم، ۲ اپریل ۱۹۲۹ء میں مہاسبھا کے سورت والے اجلاس منعقدہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء کی منظور کردہ قرار دادوں کے بارے میں اخباری رپورٹیں۔

(۹۸) ایضاً

(۹۹) ایضاً مورخہ کیم اپریل ۱۹۲۹ء میں اس واقعہ کی خبر ملاحظہ ہو

(۱۰۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ اپریل ۱۹۲۹ء میں شفیع کا اخباری بیان جو کیم اپریل کو جاری کیا گیا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کے اجلاس دہلی سے قبل ان کے اور جناح کے درمیان مفاہمت ہوچکی تھی۔ نیز ٹائمز آف انڈیا کی اسی اشاعت میں ملاحظہ ہو ۳۱ مارچ کو دلی میں مسلم رہنماؤں کی طرف سے جاری ہونے والا مشترکہ بیان جس میں دونوں لیڈروں کے درمیان مصالحت کی تفصیلات درج ہیں۔

(۱۰۱) ایضاً مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۹ء میں وہ بیان جو جناح نے ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں تقسیم کرایا تھا۔ اس بیان میں انہوں نے نہرو رپورٹ میں تجویز کردہ فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیئے کی مذمت کی اور اس رپورٹ کو مسلمانوں کی تجاویز دہلی کے مقابلے میں جوابی تجاویز قرار دیا۔

(۱۰۲) ایضاً مورخہ کیم اپریل ۱۹۲۹ء میں جناح کی اس قرار داد کا متن جس کا اعلان انہوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو کیا تھا یہ قرار داد مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں پیش کی جانے والی تھی۔ لیکن چونکہ اجلاس ملتوی کردیا گیا لہٰذا وہ پیش ہونے سے رہ گئی۔

(۱۰۳) ایضاً

(۱۰۴) یہ اقدام سپرو نے جنوری ۱۹۳۰ء میں کیا تاکہ آئندہ گول میز کانفرنس میں ایک متحدہ محاذ

Marfat.com

قائم کیا جاسکے وہ حال میں کانگریسی لیڈروں کو کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کرنے میں ناکام ہوگئے تھے اور اس امر کے پیش نظر لندن کانفرنس کی کامیابی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تصفیہ اور بھی ضروری ہوگیا تھا۔ اس کالم میں جن دوسرے آزاد خیال لیڈروں نے سپرو کا ساتھ تو دیا وہ سیتل واڈ، سی پی راما سوامی آئیر اور اے پی پیٹرو تھے۔ فروری، مارچ ۱۹۳۰ء میں اس مقصد کے لئے دلی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ مندرجہ ذیل زعماء شریک ہوئے۔ سپرو سیتل واڈ، پیٹرو اور سی پی راما سوامی آئیر کے علاوہ مونجے، مالویہ، جایاکار کیلکار، راجہ نریندر نارتھ ایم ایس اینے۔ بھائی پرمانند، جناح، شفیع، ابراہیم رحمت اللہ، عبدالقادر، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی، اے ایچ غزنوی، نواب محمد اسماعیل خاں، صاحبزادہ عبدالقیوم، ذوالفقار علی خان سردار کھڑک سنگھ، ماسٹر تارا سنگھ، گیانی شیر سنگھ، اور سردار بہادر مہتاب سنگھ۔
کانفرنس اگلے مہینے بمبئی میں دوبارہ منعقد ہونے کا فیصلہ کرنے کے بعد ملتوی ہوگئی۔ لیکن بمبئی میں وہ اس لئے منعقد نہیں ہوسکی کہ ہندو مہاسبھا نے لبرل لیڈروں پر عدم اعتماد کی بنا پر مذکرات میں شرکت سے انکار کردیا۔ اس کی بجائے مہاسبھائی لیڈروں نے مارچ ۱۹۳۰ء میں گاندھی کی سول نافرمانی کی تحریک میں شرکت کی اور سائمن کمیشن کی رپورٹ اور گول میز کانفرنس کا انتظار کرتے رہے۔ مندرجہ معلومات کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۷۶ اور حاشیہ نمبر ۱، صفحہ ۱۷۶ کتاب ہذا

(۱۰۵) ملاحظہ ہو سپرو کے نام مونجے کے خطوط مورخہ ۲۶ جنوری ۵ مئی ۱۹۳۰ء اور سپرو کے نام جایاکار کے خطوط مورخہ ۲۳، ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء۔ ک۔ س

(۱۰۶) ارون کا خط جارج آرلین فاکس کے نام مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف ۱۹/

(۱۰۷). ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات :۔
سپرو بنام گراھم پول مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۰ء۔ سپرو بنام سی پی راماسوامی آئیر مورخہ ۱۴، ۲۱، ۲۳، ۲۴ جنوری اور مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۰ء ان مذاکرات کے بارے میں سپرو کا خفیہ نوٹ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۰ء
چمن لال سیتل واڈ بنام سپرو مورخہ ۸، ۲۲ جنوری ۱۹۳۰ء اور اے پی پیٹرو بنام سپرو مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۰ء ک۔ س

(۱۰۸) ملاحظہ ہو ونج وڈبین کے نام ارون کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء م۔ ک۔ ہ۔ ف جو وائی کاؤنٹ گاسچن کے نام مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ نیز ہیلے کا خط بنام ارون

Marfat.com

مورخہ ۳۰ نومبر ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ /۱۶ نواب آف بھوپال کا خط اروِن کے نام مورخہ ۳۱ مارچ ۷ اپریل ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۲۴ اور وِیج وڈ بین کے نام اروِن کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف جو مولانا محمد علی کے ساتھ انٹرویو کے بارے میں اروِن کے نوٹ پر مشتمل ہے۔ یہ انٹرویو ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو ہوا تھا۔

(۱۰۹) اروِن بنام وِیج وڈ بین مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۰۔ ایضاً

(۱۱۰) وِیج وڈ بین کے نام اروِن کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۳۰ء۔ ایضاً۔ یہ جی ایس باجپائی کے نوٹ پر مشتمل ہے جس میں اس نے تعاون کرنے والے عناصر کے موقف بیان کئے ہیں۔

(۱۱۱) اروِن بنام سائمن مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۳۰ نیز اروِن بنام جارج آرلین فاکس مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹

(۱۱۲) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹ پیراگراف ۷۲، ۷۵۔ تاہم سی آر ایٹلی نے اپنے رفقائے کار سے اختلاف کرتے ہوئے مخلوط انتخابات سے متعلق خود اپنی ایک متبادل اسکیم کا رپورٹ میں اضافہ کر دیا۔ ایضاً صفحات ۸۶ تا ۸۷

(۱۱۳) ملاحظہ ہو اسٹانلے بالڈون کے نام سائمن کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۸ء جو سائمن کے نوٹ، بہ عنوان "ہندوستان اور کمیشن" مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۸ء پر مشتمل ہے۔ ک۔ ب۔ /۱۰۲ /۲۱۴ تا ۲۲۳

(۱۱۴) حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۱ کتاب ہذا

(۱۱۵) صفحات ۳۴ تا ۳۷ کتاب ہذا

(۱۱۶) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۶۵۶۹ پیراگراف ۳۸

(۱۱۷) جارج آرلین فاکس بنام اروِن مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹

(۱۱۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۶۸ کتاب ہذا

(۱۱۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹ پیراگراف ۳۸

(۱۲۰) ایضاً پیراگراف ۳۸

(۱۲۱) ایضاً پیراگراف ۱۲۱ تا ۱۲۳

(۱۲۲) ایضاً پیراگراف ۱۴۳

(۱۲۳) ملاحظہ ہو شفاعت احمد خاں کا خط ہیلیے کے نام مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ /۱۸ نیز ملاحظہ ہو وِیج وڈ بین کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۶ اس خط میں وِیج وڈ بین نے آغا خان کے ساتھ اپنی گفتگو کا حال لکھا ہے جو اسی دن ہوئی تھی۔

Marfat.com

اس گفتگو میں آغا خان نے امید ظاہر کی کہ مسلم نمائندے فی الحقیقت ایسے افراد ہوں گے جو ہندی مسلمانوں کی رائے عامہ کو متاثر کر سکتے ہوں انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ کانفرنس کی کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ حقائق کا سامنا کیا جائے اور ہندی مسلمانوں کی ترجمانی کرنے والے افراد اس قابل ہوں کہ ہندوستان واپس پہنچ کر مسلمانوں سے اپنی رائے منوا سکیں۔

(۱۲۴) ملاحظہ ہو فضل حسین بنام ہیلے مورخہ ۲۰، ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء ارون بنام ہیلے مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ/۱۸۔ نیز ملاحظہ ہو عظیم حسین کی کتاب: فضل حسین: سیاسی سوانح حیات، (مطبوعہ ۱۹۴۶ء) صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۲ اور شفاعت احمد خاں کی تصنیف، دی انڈین فیڈریشن (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء) صفحات ۳۲۸، ۳۳۳

(۱۲۵) ظفر اللہ خاں۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۲۶) شفاعت احمد خاں۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۱۲۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۶۲ کتاب ہذا

(۱۲۸) ملاحظہ ہو ارون کا خط ودیج وڈبین کے نام مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۶ اس کے ساتھ ارون نے فضل حسین کا نوٹ (حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۱۷۸، کتاب ہذا) ارسال کیا اور لکھا: چند روز قبل فضل حسین نے مجھے ایک نوٹ بھیجا جس میں مسلمانوں کے احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے یہ نوٹ دلچسپ ہے لہذا میں نے اسے آپ کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ یہ نوٹ خود مکتفی ہے، لیکن کئی نکات پر مجھے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ بہر حال آپ اسے مسلمانوں کی غالب رائے عامہ کا آئینہ دار تصور کر سکتے ہیں جس کا آزادانہ اظہار کانفرنس میں کیا جانے والا ہے۔

(۱۲۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۷۰۰ پیراگراف ۳۰ تا ۳۱

(۱۳۰) ملاحظہ ہو لیاقت علی خان، ریزولوشنز آف آل انڈیا مسلم لیگ (۱۹۲۴ تا ۱۹۳۶ء این ڈی)

(۱۳۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۷۱ کتاب ہذا

(۱۳۲) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۶ کتاب ہذا

(۱۳۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۱ کتاب ہذا

(۱۳۴) آغا خان، BRITISH POLICY IN INDIA: THE HISTORICAL SETTING, AN AMBITION AND A GOAL دی ٹائمز مورخہ ۷ نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۳۵) ملاحظہ ہو ان مذکرات کا احوال جو بعض شرکاء نے قلمبند کیا ہے:۔

Marfat.com

(I) سپرو بنام ایشور سرن مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء۔ سپرو بنام رنجیت مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۳۰ء اور سپرو بنام راجہ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء (II) نواب بھوپال بنام اروِن مورخہ ۲۱ نومبر، ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء نواب چھتاری بنام اروِن مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹ (III) سیتل واڈ، محولہ کتاب۔ ۳۵۷ تا ۳۵۹ اور (IV) آغا خان MEMOIRS (مطبوعہ لندن ۱۹۵۴ء) صفحات ۲۱۷ تا ۲۲۵

(۱۳۶) سر محمد شفیع کا خط اروِن کے نام مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹

(۱۳۷) ۲۱ نومبر ۱۹۳۰ء سی ایم ڈی ۳۸۷۷ صفحہ ۱۸۰

(۱۳۸) ملاحظہ ہو ویج وڈبین کا خط اروِن کے نام ۲۴ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۶

(۱۳۹) ملاحظہ ہو اس خبر کے لئے دی ٹائمز ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء

(۱۴۰) اس ضمن میں حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۸۱ کتاب ہذا

(۱۴۱) ملاحظہ ہوں ویج وڈبین کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۱، ۱۵، ۲۲، ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء اور مورخہ ۴، ۱۲، ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۶ وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۱ ایچ جی ہیگ کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۷، ۱۴، ۲۷ نومبر مورخہ ۵، ۱۰، ۱۸، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء اور مورخہ ۲، ۱۴، ۲۲ جنوری ۱۹۳۱ء جے کوٹ مین کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء اور ہیلے کے خطوط اروِن کے نام مورخہ ۱۴، ۲۰، ۲۸ نومبر ۴، ۹، ۱۳، ۲۴، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء اور ۱۲، ۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۹

(۱۴۲) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کی کاروائی حصہ دوم صفحہ ۸۰

(۱۴۳) ایضاً پیراگراف ۱۸ صفحہ ۱۴۱

(۱۴۴) ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کا کاروائی صفحات ۲۴۹ تا ۲۵۰۔ یہ شرط اسی کمیٹی کی رپورٹ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء میں بھی رکھی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو پیراگراف ۳ ایضاً صفحہ ۲۷۶

(۱۴۵) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس پہلا اجلاس ذیلی کمیٹی کی کاروائی حصہ دوم صفحات ۴۵۱ تا ۴۶۴

(۱۴۶) ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء جس میں ڈاکٹر بی ایس مونجے، جایا کار اور ایس بی ٹیمبے (TAMBE) کا ٹائمز کے ایڈیٹر کے نام مشترکہ مراسلہ شائع ہوا۔

(۱۴۷) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط اروِن کے نام مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

(۱۴۸) ایضاً

(۱۴۹) ملاحظہ ہو جے کوٹ مین کا خط اِروِن کے نام مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو وارث امیر علی بنام ریڈنگ مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء سرمائیکل اوڈائر بنام اروِن مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء اور ریڈنگ بنام سرمائیکل اوڈائر مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ر/۵۶ ج

(۱۵۰) ملاحظہ ہو وائسرائے کا ٹیلی گرام وزیر ہند کے نام مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۱۱ جس کے ذریعہ ویج وڈبین کو آغا خان کے محولہ بالا تار کا مضمون ارسال کیا گیا۔ اسی تار میں اروِن نے یہ بھی بتایا کہ اسے ڈاکٹر امبیڈ کر کی طرف سے بھی ایسا ہی تار موصول ہوا ہے۔

(۱۵۱) ملاحظہ ہو ویج وڈبین بنام اروِن مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۶

(۱۵۲) ایضاً

(۱۵۳) ملاحظہ ہوں اروِن کے ملفوفات بنام ویج وڈبین مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۵، مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۶۔ یہ ملفوفات بالترتیب سرجیفری ڈی مانٹ مورینسی کے خط بنام وائی کاؤنٹ گوسچن مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء اور سرجیفری ڈی مانٹ مورینسی کے خط بنام اروِن مورخہ ۶ فروری ۱۹۳۱ء پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط میں پنجاب کے گورنر نے بیان کیا ہے کہ پنجاب کے مسلمان جناح اور شفیع سے کس حد تک بدظن ہیں نیز یہ کہ وہ کانفرنس میں شفیع کے کردار کو ناپسند کرتے ہیں۔

(۱۵۴) ملاحظہ ہو اسمٰعیل خاں کا تار ریڈنگ کے نام مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ر/۵۶ج

(۱۵۵) ملاحظہ ہوں فضل حسین کے خطوط شفاعت احمد خاں کے نام مورخہ ۲۰، ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء عظیم حسین کی محولہ کتاب صفحات ۲۵۵ تا ۲۵۶۔ نیز ملاحظہ ہو فضل حسین کا روزنامچہ مورخہ ۳، ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء ایضاً صفحات ۲۵۴ تا ۲۵۵

(۱۵۶) ملاحظہ ہو فضل حسین کا خط سر محمد شفیع کے نام مورخہ ۵ جنوری ۱۹۳۱ء ایضاً صفحہ ۲۵۵

(۱۵۷) ملاحظہ ہو اروِن بنام ہیلے مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ/ ۳۴ اور وائسرائے کا تار بنام وزیر ہند مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۰ء م۔ ک۔ ہ۔ ف/۱۱

(۱۵۸) ملاحظہ ہو لیڈر مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء جس میں اقبال کے اس خطبے کی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔

(۱۵۹) ایضاً

(۱۶۰) ملاحظہ ہوں وائسرائے کے تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۱۵، ۱۸ جنوری ۱۹۳۱ء م۔ ک۔

Marfat.com

ہ۔ ف /۱۱

(۱۶۱) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۷۷۸ صفحہ ۵۰۵

(۱۶۲) حوالے کے لئے ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات : (I) لیڈر مورخہ ۲ جنوری، ۵ جنوری مورخہ ۱۹۳۱ء کے اداریے بہ عنوان مسلم راج، جو اسی اخبار کی اشاعت مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ جنوری ۱۹۳۱ء کے دوران لیڈر میں ایسے ہی کئی اداریئے اور مراسلات شائع ہوئے۔ (II) ڈاکٹر بی ایس مونجے اقلیتی کمیٹی، مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس، ذیلی کمیٹی کی کاروائی حصہ دوم صفحہ ۹۶ اور (III) سردار اجل سنگھ اور سردار سمپورن سنگھ کی مشترکہ یادداشت مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء بہ عنوان "سکھ اور ہندوستان کے لئے نیا آئین۔" ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحات ۵۵۵ تا ۵۵۶

(۱۶۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۰۹ کتاب ہذا

(۱۶۴) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷ صفحہ ۱۲۰، کتاب ہذا

(۱۶۵) اروِن بنام ودیج وڈبین مورخہ ۲۳ فروری مورخہ ۹ مارچ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۶۔ وائسرائے کا تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۱ سرجیفری ڈی مانٹ مورینسی کا خط اروِن کے نام مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۲۶ اور ہیلے کا خط جیفری ڈاسن کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۲۰

(۱۶۶) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۸۹۱ (فسادات کانپور) تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ اور یوپی کی حکومت کی قرار داد (۱۹۳۱ء) صفحات ۱۳ تا ۱۴

(۱۶۷) مولوی محمد یعقوب ۳۰ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ م۔ ق، جلد چہارم نمبر ۴ صفحہ ۲۸۹۵

(۱۶۸) رمزنے میکڈانلڈ کا خط سپرو کے نام مورخہ ۵ اپریل ۱۹۳۱ء ک۔ س

(۱۶۹) ملاحظہ ہو مولانا شوکت علی عبداللہ ہارون اور شفیع داؤدی کا تار اسٹانلے بالڈون کے نام مورخہ ۸ اپریل ۱۹۳۱ء ک۔ ب /۱۰۵/ ۳۔ ۱۱۔ یہ ایک طوالانی تار ہے جس میں اس وقت منظور کی جانے والی مسلم کانفرنس کی قرار دادوں کا متن شامل ہے

(۱۷۰) ملاحظہ ہو عظیم حسین، محولہ کتاب صفحات ۲۵۷ تا ۲۶۰۔ سپرو بنام کے این ہکسار مورخہ ۲۷ اپریل ۲۳، ۲۵ مئی اور یکم جون سپرو بنام لارڈ سینکے مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء سپرو بنام ایچ ایس ایل پولک مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء سپرو بنام سی پی راما سوامی آئیر مورخہ

Marfat.com

۲۷ مئی، ۱۰ جون ۱۹۳۱ء اور سپرو بنام سر بی ایل مٹر (وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن متعلقہ قانون) مورخہ ۵ جون ۱۹۳۱ء ک۔ س

(۱۷۱) ملاحظہ ہو وائسرائے کے تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۳، ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۱۱ جس میں اروِن نے اس سلسلہ میں فضل حسین اور شفیع کے ساتھ اپنی گفتگو کی تفصیلات ارسال کی تھیں۔

(۱۷۲) .ملاحظہ ہو عظیم حسین کی محولہ کتاب صفحات ۲۵۱ تا ۲۵۲۔ سپرو کا خط بی ایل مٹر کے نام مورخہ ۳۰ مئی، ۵ جون ۱۹۳۱ء سر بی ایل مٹر کا خط سپرو کے نام مورخہ ۲ جون ۱۹۳۱ء سپرو کا خط کے این ہکسار کے نام مورخہ یکم جون ۱۹۳۱ء اور کے این ہکسار کا خط سپرو کے نام مورخہ یکم جون ۱۹۳۱ء

(۱۷۳) ملاحظہ ہو گول میز کانفرنس میں وزیر اعظم کے ذاتی سیکریٹری گلبرٹ لیتھ ویٹ (LAITH-WAITE) کا نوٹ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۱ء و گول میز کانفرنس میں اقلیتوں کا مسئلہ یکم ستمبر تا ۴ نومبر ۱۹۳۱ء کاغذات ٹیمپل وڈ /۶۵۔ یہ نوٹ کانفرنس میں گاندھی اور مسلم مندوبین کے درمیان فرقہ وارانہ مسئلے پر مذاکرات کے لئے وزیر اعظم کے ملاحظہ کے لئے لکھا گیا۔ اس نوٹ میں گلبرٹ لیتھ ویٹ نے لکھا: اگر چہ فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیہ کے لئے شفیع اور سلطان احمد کا رویہ بظاہر معقول ہے لیکن اصل کنٹرول پارٹی کے نوجوان عنصر کے ہاتھوں میں ہے (یعنی ظفر اللہ، شفاعت وغیرہ) معلوم ہوا ہے اس عنصر کا وائسرائے کی مجلس عاملہ کے مسلم رکن (فضل حسین) اور ہندوستان کے صاحب الرائے کٹر مسلمانوں سے قریبی رابطہ ہے اور وہ اپنی جمعیت کے مطالبات میں ذرا سی بھی کمی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

(۱۷۴) پرشوتم داس ٹینڈن

(۱۷۵) سپرو کا خط کے این ہکسار کے نام مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۳۱ء ک۔ س چھ سال بعد خود گاندھی نے بھی زمہ دار، برطانوی مدبرین کو ایسے ہی الفاظ لکھے تھے۔ ملاحظہ ہو گاندھی کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء د۔ ل /۱۶۶

(۱۷۶) ملاحظہ ہو ایس گوپال THE VICEROYALIY OF LORD IRWIN (۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء) (مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء) صفحہ ۹۷

(۱۷۷) ملاحظہ ہوں ان لوگوں کے بیانات کے لئے مندرجہ ذیل دستاویزات جو یا تو فرقہ وارانہ مسئلے پر مذاکرات میں عینی شاہد تھے۔ یا خود ان میں شریک تھے۔ سری نواس شاستری بنام وینکٹ رام شاستری مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء اور سری نواس شاستری بنام گنڈ اپا مورخہ ۷

Marfat.com

اکتوبر ۱۹۳۱ء جگدیسن کی محولہ کتاب صفحات ۲۱۹، ۲۲۱۔ آغا خان کی محولہ کتاب صفحہ ۲۲۹لارڈزیٹ لینڈ کا مقالہ بہ عنوان "ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس : دوسرا مرحلہ" یہ مقالہ ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے اجلاس منعقدہ ۲۵ اپریل ۱۹۳۲ء میں پڑھا گیا۔ جرنل آف دی ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن نیو سیریز جلد XXXIII (لندن ۱۹۳۲) صفحہ ۱۴۸ اور گلبرٹ لیتھ ویٹ کانوٹ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۱ء جو وزیر اعظم کے ملاحظے کے لئے لکھا گیا تھا۔ حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۸۹۔ کتاب ہذا

(۱۷۸) ایچ جی ہیگ کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۳

(۱۷۹) کانفرنس میں شرکت کرنے والے نئے مندوب علی امام مخلوط طریقہ انتخاب کی تائید کرنے والے واحد مسلمان تھے، لیکن ان کے بارے میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ جداگانہ انتخاب کے علمبرداروں نے ان کی حمایت حاصل کرلی ہے۔ ملاحظہ ہو نواب چھتاری کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۴ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲

(۱۸۰) سری نواس شاستری کا خط راما سوامی آئیر کے نام مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ ملاحظہ ہو جگدیسن کی محولہ کتاب صفحہ ۲۱۹۔

(۱۸۱) نواب چھتاری کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۲ نیز اسی قسم کی اطلاعات کے لئے ملاحظہ ہو ایچ جی ہیگ کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ہ /۲۳ اور سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۲ اکتوبر، ۶ نومبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ٹیمپل وڈ۔

(۱۸۲) مسلم کانفرنس کے شملے کے اجلاس منعقدہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء میں منظور کی جانے والی قرار داد جو لندن کانفرنس میں شریک مندوبین کو ارسال کی گئی۔ ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

(۱۸۳) مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے دلی کے اجلاس منعقدہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء میں منظور شدہ قرار داد جو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو شائع ہوئی

(۱۸۴) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحہ ۵۲۵

(۱۸۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۱۹۵ کتاب ہذا

(۱۸۶) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحات ۵۲۵ تا ۵۲۹

(۱۸۷) ایضاً صفحہ ۵۳۰

Marfat.com

(۱۸۸) وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ ایضاً صفحہ ۵۸

(۱۸۹) اقلیتی کمیٹی اور وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاسوں کی کاروائی منعقدہ ۸ اکتوبر، ۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء بالترتیب صفحات ۵۳۰ اور ۱۶۰

(۱۹۰) شفیع اور امبیڈ کر، اقلیتی کمیٹی مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء ایضاً بالترتیب صفحات ۵۳۲ اور ۵۳۴

(۱۹۱) ایضاً صفحہ ۵۳۷

(۱۹۲) ملاحظہ ہو اس میثاق کے متن کے لئے ایضاً صفحات ۵۵۰ تا ۵۵۲۔

(۱۹۳) ایضاً صفحہ ۵۴۷

(۱۹۴) ایضاً

(۱۹۵) ایضاً صفحات ۱ تا ۱۵۸

(۱۹۶) ایضاً صفحات ۱۵۸ تا ۱۶۱۔ ۹ اکتوبر کو یعنی گاندھی کی طرف سے اقلیتی کمیٹی میں فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیہ میں اپنی ناکامی کے اعتراف کے ایک دن بعد وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے اجلاس میں ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کے موقف کے بارے میں شفیع کے بیان کی تصدیق کر دی اور مسلم وفد کی جانب سے اعلان کیا کہ جب تک اقلیتوں کے لئے تحفظات کا سوال تصفیہ طلب رہے گا اور اس سوال کے تصفیہ کے اصول طے نہیں پائیں گے اس کمیٹی کے مذاکرات میں شامل ہونا ممکن نہیں ہے۔

(۱۹۷) ایضاً صفحہ ۱۶۲

(۱۹۸) ایضاً صفحہ ۴۸۴

(۱۹۹) ملاحظہ ہو اس رپورٹ کے متن کے لئے ایضاً صفحات ۳۴۷ تا ۳۶۰

(۲۰۰) ایضاً صفحہ ۳۷۳۔ نیز ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۹، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۱ء م۔ ک۔ ث /۱/ ان خطوط میں سیموئیل ہور نے اپنی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے مسلم مندوبین کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لئے کی تھیں کہ وہ وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کے کام سے لاتعلق نہ رہیں

(۲۰۱) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس، دوسرا اجلاس مالیاتی ذیلی کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحات ۳۷۳ تا ۳۷۴

(۲۰۲) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۱۹۳ کتاب ہذا

(۲۰۳) ملاحظہ ہو اقبال کا خط آغا خان کے نام مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL مرتبہ بشیر احمد ڈار (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء) صفحہ ۸ تا ۹

Marfat.com

(۲۰۴) ملاحظہ ہو اقبال کے اخباری بیان کے لئے دی ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۱

(۲۰۵) ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحہ ۴۸۵

(۲۰۶) ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات :-

I حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۱۸۴ کتاب ہذا (II) شفیع اور جناح کی جانب سے اقلیتی کمیٹی اور وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی مورخہ ۸ اکتوبر، ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس، دوسرا اجلاس وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی بالترتیب صفحات ۵۳۲، ۴۶۵- (III) ڈاکٹر مونجے کی جانب سے اس کی یادداشت مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء کے پیراگراف نمبر ۱۱ میں جو اقلیتی کمیٹی کو پیش کی گئی، ایضاً، صفحہ ۵۶۰- (IV) پنڈت مالویہ کے بیان میں جو اس نے ٹائمز مورخہ ۲۶ اکتوبر کو دیا- (V) گاندھی کی جانب سے اقلیتی کمیٹی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء- ایضاً صفحات ۵۴۲، ۵۴۵- نیز سیتل واڈ کی یادداشت مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۱ء جو اقلیتی کمیٹی کو پیش کی گئی ایضاً، صفحات ۵۷۱ تا ۵۷۲- اس کے علاوہ ملاحظہ ہو سری نواس شاستری کا خط رمزے میکڈانلڈ کے نام مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء جگدیسن کی محولہ کتاب صفحہ ۲۲۶ (VI) سپرو کی جانب سے ملاحظہ ہو وزیر اعظم کی قیام گاہ سے ارسال کیا جانے والا مراسلہ سپرو کے نام مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۳۱ء ک- س VII اور کانفرنس کی مشاورتی کمیٹی کی جانب جس کی ولنگڈن نے صدارت کی- ملاحظہ ہوں ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۲ فروری اور مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۲ ک- ٹ/۵

(۲۰۷) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ کتاب ہذا صفحہ ۱۹۴

(۲۰۸) ملاحظہ ہو رمزے میکڈانلڈ کی تقریر، اقلیتی کمیٹی ۲۸ ستمبر، ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس دوسرا اجلاس، وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی اور اقلیتی کمیٹی کی کاروائی صفحات بالترتیب ۵۲۵ تا ۵۲۶، ۵۴۴ تا ۵۴۵ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۳۱ء- م- ک- ٹ- رمزے میکڈانلڈ کا انتہائی خفیہ نوٹ نمبر بی- ڈی- جی (۳۰) ۳۰ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء بہ عنوان ہندو مسلم نمائندگی م- ک- ہ/۳۱ اور سیموئیل ہور کا خط بنگال کے گورنر سرجان اینڈرسن کے نام مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء - ک- ٹ/۹

(۲۰۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۹۷۲

(۲۱۰) ملاحظہ ہوں اقبال اور شفاعت احمد خان کے بیانات بالترتیب ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۱ء اور ۱۴ جنوری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئے- نیز مولانا شوکت علی کے اخباری انٹرویو کے

Marfat.com

لئے ملاحظہ ہو۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۲ء

(۲۱۱) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء جس میں بالترتیب مسلم لیگ کونسل کی قرار دادیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں منظور ہونے والی قرار دادیں شائع ہوئیں۔

(۲۱۲) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵ ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۲ء د۔ ل / ۱۶۱۔ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱ اور سیموئیل ہور بنام جارج اینڈرسن مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۹

(۲۱۳) ملاحظہ ہو ۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء کو جاری ہونے والے حکومت کے اعلامیے کے متن کے لئے سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء

(۲۱۴) ایضاً مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۲ء

(۲۱۵) ایضاً

(۲۱۶) اقبال کے اخباری بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ کیم جولائی ۱۹۳۲ء جس میں انہوں نے جولائی کے اختتام تک مجلس عاملہ کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کیا۔ مجلس کا اجلاس انجام کار فرقہ وار فیصلے کے اعلان کے بعد ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوا۔ حاشیہ نمبر۴ صفحہ ۲۰۱ کتاب ہذا

(۲۱۷) لوتھین کا خط رمزے مکیڈ انلڈ کے نام مورخہ ۴ فروری ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶

(۲۱۸) ملاحظہ ہو لوتھین بنام سیموئیل ہور مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء د۔ ل۔ /۶۲

(۲۱۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۰۸۶ پیراگراف ۱۱۔

(۲۲۰) ملاحظہ ہو وائسرائے کا تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۰ اور ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۲ فروری ۶، ۱۴ مارچ، ۱۲ جون اور مورخہ ۱۶، ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۵

(۲۲۱) ملاحظہ ہو پایونیر مورخہ ۳ جولائی ۱۹۳۲ء میں سرذوالفقار علی خاں کا اخباری بیان

(۲۲۲) نواب چھتاری کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۵۲

(۲۲۳) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۱۴۷ (آئینی اصلاحات) فرقہ وارانہ مسئلہ کا فیصلہ (۱۹۳۲ء) نیز ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء جس میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلہ کا متن مع وزیر اعظم کے نوٹ کے شائع ہوا

(۲۲۴) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۱۴۷۔ پیراگراف ۳۔ مرکزی متقفہ میں نمائندگی کا فیصلہ ملتوی رکھا

Marfat.com

گیا کیونکہ ہندوستانی ریاستوں کی نیابت کے کوٹے کا فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔ ایضاً۔ پیراگراف ۲۰۔

(۲۲۵) ایضاً۔ پیراگراف ۲۱

(۲۲۶) ان صوبوں میں مسلمانوں کے لئے نشستوں کی جو تعداد مخصوص کی گئی وہ یہ تھی : پنجاب اسمبلی کی ۱۷۵ نشستوں میں سے ۸۶ اور بنگال اسمبلی کی ۲۵۰ نشستوں میں سے ۱۱۹۔ تاہم فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کی رو سے پنجاب کے زمینداروں کے لئے محفوظ رکھی جانے والی ان چار نشستوں میں جو انتخابات کے ذریعہ پر کی جانے والی تھیں وہ مسلمانوں کے لئے وقف تھیں اس طرح پنجاب کی مقننہ میں مسلم نشستوں کی تعداد بڑھ کر ۸۸ ہو گئی ایضاً۔ پیرا ۲۴۔ اگر نشستوں کا یہ تخمینہ درست ثابت ہوتا تو مسلمانوں کو پنجاب میں تو نہایت معمولی اکثریت حاصل ہوجاتی لیکن بنگال میں نہیں۔

(۲۲۷) ایضاً، پیرا۔ ۶

(۲۲۸) ایضاً، پیرا ۹۔

(۲۲۹) ایضاً، پیرا ۲۴۔

(۲۳۰) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء میں ان قرار دادوں کا متن جو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اس اجلاس میں منظور کی گئیں۔

(۲۳۱) ایضاً مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء میں اقبال کا بیان جو ایک روز قبل جاری کیا گیا

(۲۳۲) ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات :۔

: دی ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء میں بالترتیب ڈاکٹر مونجے کا بیان اور یوپی کے لبرلز ایسوسی ایشن کے اجلاس میں منظور شدہ قرار داد جس کی صدارت چنتامنی نے کی۔

(II) نانک چند پنڈت کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۵۶ مورخہ ۷، ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۵۷ اور THE COMMUNEL AWARD : WHAT IT MEANS TO THE FUTURE OF TH: WHOLE COUNTRY ? مرتبہ چنتامنی (مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۴ء)

(۲۳۳) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۹، ۲۰ اگست میں بالترتیب سکھ لیڈروں کی طرف سے جاری کردہ بیان اور سکھ کونسل آف ایکشن کی منظور کردہ قرار داد۔ نیز ملاحظہ ہوں سندر سنگھ ماجیٹھا کے خطوط لوتھین کے نام مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۲ء، د۔ ل /۱۶۳ اور پنجاب کے وزیر زراعت جوگندر سنگھ کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۲ء د۔ ل اور مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۴

Marfat.com

(۲۳۴) ملاحظہ ہو ڈاکٹر بی آر امبیڈ کر کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ٹ /۱۶ نیز ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر امبیڈ کر کا بیان

(۲۳۵) ایضاً مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء میں سپرو اور سیتل واڈ کے بیانات د۔ ل /۱۵۳ سپرو کا خط لارڈ سینکے کے نام مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء اور سپرو کا خط ایڈروڈ تھامپسن کے نام ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء ک۔ س

(۲۳۶) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء

(۲۳۷) گاندھی کی کوششوں کے بعد جن کا نتیجہ میثاق پونا تھا، پنڈت مالویہ نے ایسا ہی سمجھوتہ طے کرنے کی کوشش میں مولانا شوکت علی سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ تاکہ یہ سمجھوتہ بھی حکومت کو پیش کر کے اسے میثاق پونا کی طرح فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں شامل کرا لیا جائے۔ یہ مذاکرات جو الہ آباد اتحاد کانفرنس کے نام مشہور ہوئے۔ اکتوبر سے دسمبر ۱۹۳۲ء تک کی تین ماہ کی مدت کے دوران لکھنؤ الہ آباد اور دلی میں جاری رہے اور دسمبر میں ناکام ہوگئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک طرف مالویہ کو مہاسبھائیوں اور سندھی ہندوؤں کی طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دوسری طرف مسلم لیگ کونسل نے جس کا اجلاس ۲۴ دسمبر کو لاہور میں ہوا ان مذاکرات کی مذمت کی اور ملک کی دوسری تمام مسلم تنظیموں پر زور دیا کہ وہ ان سے اجتناب کرلیں۔ لندن کانفرنس میں شرکت کرنے والے مسلم وفد نے بھی الہ آباد مذاکرات کی مذمت کی۔ مندرجہ معلومات کی مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: عظیم حسین محولہ کتاب صفحات ۲۶۲ تا ۲۶۳۔ خلیق الزماں کی محولہ تصنیف صفحات ۱۱۸ تا ۱۲۰ دی لیڈر مورخہ ۲۸، ۳۰ اکتوبر ۲، ۱۹ نومبر ۵، ۲۶، ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء سپرو بنام مالویہ، مولانا شوکت علی، مولانا ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر سید محمود مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء ک۔ س ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء د۔ ل /۱۶۳۔ نواب چھتاری بنام ہیلے مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔ ہیلے بنام اروِن مورخہ ۳، ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء ہیلے بنام سرجینری ڈی مانٹ مارینسی مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۲ء۔ ہیلے بنام ریڈنگ مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ۔ ف /۲۵ اور سیموئیل ہور بنام ولنگڈن ۲۲ دسمبر ۱۹۳۲ء ۔ م۔ ک۔ ٹ /۲۔

(۲۳۸) مالویہ شوکت علی مذاکرات کی طرح مارچ اپریل ۱۹۳۴ء میں مالویہ اور جناح کے درمیان بھی مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات کا مقصد بھی جداگانہ طریقہ انتخاب کا نعم البدل تلاش کرنا تھا۔ لیکن یہ مذاکرات جلد ہی پنجاب اور بنگال کے قانون ساز اداروں میں نمائندگی کے سوال پر ناکام ہوگئے۔ ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۵ تا ۷ اپریل ۱۹۳۴ء میں شائع

Marfat.com

ہونے والی رپورٹیں

(۲۳۹) ملاحظہ ہو عظیم حسین کی محولہ کتاب صفحات ۲۷۹ تا ۲۸۵۔ اس ضمن میں تجویز یہ پیش کی گئی تھی کہ پنجاب میں جداگانہ طریقہ انتخاب کی جگہ مخلوط طریقہ انتخاب اختیار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس صوبے میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کی عکاسی ووٹنگ کی تعداد میں ہو۔ ۱۹۳۳ء کے نصف اول میں طویل مذاکرات کے دوران ہندو اور سکھ لیڈر اس پر متفق ہوگئے لیکن بعد میں وہ اپنے اپنے فرقوں کو اس پر رضامند نہ کرپائے اور اپنے عہد سے پھر گئے۔

(۲۴۰) اس میثاق کے متن کے لئے ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحات ۹۲۸ تا ۹۳۱

(۲۴۱) گاندھی کی ان کوششوں کی تفصیلات کے لئے جن کے نتیجے میں میثاق پونا طے پایا ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۸۹۶ تا ۹۳۲

(۲۴۲) اس کا اندازہ حسب ذیل تقابلی اعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے جو سی ایم ڈی ۴۱۴۷ پیراگراف ۲۴ اور سیتارامیہ کی محولہ کتاب کے صفحہ ۹۲۹ میں دیے گئے ہیں۔

	پست طبقات کے لئے فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے تحت مخصوص کی جانے والی نشستیں۔	پست طبقات کے لئے میثاق پونا کے تحت مخصوص کی جانے والی نشستیں یہ الگ الگ صوبوں کی قانون ساز اسمبلیوں کی نشستوں کی اسی مجموعی تعداد پر مبنی ہیں جو فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں دی گئی ہے۔
مدراس	۱۸	۳۰
بمبئی بمعہ سندھ کے	۱۰	۱۵
پنجاب	صفر	۸
بہار اور اڑیسہ	۷	۱۸
صوبہ جات متوسط	۱۰	۲۰
آسام	۴	۷
بنگال	۱۰	۳۰ (زیادہ سے زیادہ)
یوپی	۱۲	۲۰
میزان	۷۱	۱۴۸

Marfat.com

(۲۴۳) جہاں فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں پست طبقات کو بنگال میں زیادہ سے زیادہ دس نشستیں دی گئی تھیں۔ وہاں میثاق پونا میں انہیں ڈھائی سو کے ایوان میں ہندوؤں کی اسی نشستوں میں سے ۳۰ نشستیں مختص کی گئیں۔ ملاحظہ ہو مندرجہ بالا حاشیہ۔

(۲۴۴) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ جس میں اس نے ہور کو مطلع کیا کہ بنگالی ہندوؤں کے ایک وفد نے اس سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ وزیر اعظم سے رجوع کیا جائے اور جہاں تک بنگال کا تعلق ہے میثاق پونا پر از سر نو غور کیا جائے۔

(۲۴۵) لارنس جان لملے ڈنڈس دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۴۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۲۲۷ کتاب ہذا

(۲۴۷) ایضاً

(۲۴۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ (II) صفحہ ۲۵۸

(۲۴۹) لوتھین کا خط سپرو کے نام مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۶۷

(۲۵۰) ملاحظہ ہو ۷ فروری ۱۹۳۵۔ م۔ م۔ ق جلد اول نمبر ۷ صفحات ۵۷۵ تا ۵۷۶

(۲۵۱) ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحات ۹۲۴ تا ۹۶۵

(۲۵۲) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۴۹ کتاب ہذا

(۲۵۳) وہ ارکان یہ تھے : آغا خان۔ اے ایچ غزنوی۔ حافظ ہدایت حسین۔ علامہ اقبال۔ بیگم شاہنواز۔ شفاعت احمد خان اور ظفر اللہ خان ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۷

(۲۵۴) وہ لندن میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے وطن واپس آنے کے تھوڑے عرصے کے بعد جنوری ۱۹۳۲ء میں انتقال کر گئے تھے۔

(۲۵۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ایک صفحہ ۱۴۶ کتاب ہذا

(۲۵۶) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۱۴۹ کتاب ہذا

(۲۵۷) مرکزی مقننہ میں برطانوی ہند کی ۱/۳ ۳۳ نشستیں مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنے اور سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنانے کے فیصلے کا اعلان سیموئیل ہور نے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء کو گول میز کانفرنس کے اختتام پر کیا۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحات ۱۴۰ تا ۱۴۲

(۲۵۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۶۸ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق تجاویز (۱۹۳۳ء) پیراگراف ۴۹۔ دیباچہ

(۲۵۹) ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی (اجلاس ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء) جلد اول (حصہ اول) رپورٹ، ایچ ایل۔ ۶ (I حصہ I) ایچ سی ۵ (I حصہ I)

Marfat.com

(۱۹۳۴ء) پیراگراف ۱۱۸ تا ۱۲۲)

(۲۶۰) قانون ۱۹۳۵ء جدول پنجم صفحہ ۲۴۵

(۲۶۱) سپرو بنام کے ایم منشی مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء۔ ک۔ س

(۲۶۲) مطبع حکومت ہند SPEECHES OF LORD IRWIN جلد دوم (شملہ ۱۹۳۱ء) صفحات ۳۸۰ تا ۳۸۱۔ یہ بات اروِن نے ۱۶ اپریل ۱۹۳۱ء کو بمبئی کے مسلمانوں کی طرف سے الوداعی خطبہ پیش کیے جانے کے بعد اپنی جوابی تقریر میں کہی تھی۔

(۲۶۳) ہیلی فیکس محولہ کتاب صفحات ۱۲۶ تا ۱۲۷

(۲۶۴) ملاحظہ ہو اقبال کا خط مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء روزنامہ ٹائمز کے نام جو اس اخبار میں بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء شائع ہوا یہ خط اقبال نے ڈاکٹر ایڈ ورڈ تھامپسن کے خط کے جواب میں لکھا جو ٹائمز مورخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۳۱ء میں چھپا تھا۔ جس میں تھامپسن نے اقبال پر اپنے خطبہ الہ آباد میں اتحاد عالم اسلام کی سازش کے ارتکاب کا الزام لگایا تھا۔

(۲۶۵) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط اروِن کے نام مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۳۹ء م۔ ک۔ ہ /۱۶۔ اس میں ہیلے نے علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر راس مسعود سے اپنی گفتگو کا حال لکھا ہے۔

(۲۶۶) اروِن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۲ء م۔ ک۔ ہ / ۲۴

(۲۶۷) چودھری رحمت علی دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۶۸) ملاحظہ ہو ریڈنگ کے نام چودھری رحمت علی کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ر/۵۵ س۔ یہ چار صفحوں کے ایک مطبوعہ کتابچے بہ عنوان NOW OR NE-VER ARE WETO LIVE OR PERISH FOR EVER پر مشتمل ہے اور اس پر ان مصنفین کے نام درج ہیں چودھری رحمت علی، محمد اسلم خان، شیخ محمد صادق اور عنائت اللہ خاں، لارڈ ریڈنگ کے نام خط بھی مطبوعہ ہے۔

(۲۶۹) ملاحظہ ہوں عبد اللہ یوسف علی، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین اور ظفر اللہ خاں کے بیانات جوانہوں نے یکم اگست ۱۹۳۳ء کو دیئے ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت جلد II سی صفحہ ۱۴۹۶

(۲۷۰) ملاحظہ ہو ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس پہلا اجلاس ذیلی کمیٹیوں کی کاروائیاں (حصہ دوم) صفحات ۱۰۲ تا ۱۰۳۔

(۲۷۱) ملاحظہ ہو شفاعت احمد خاں کا مقالہ بہ عنوان MUSLIMS IN NEW INDIA یہ مقالہ ایسٹ انڈیا ایسوی ایشن کے جلسے منعقدہ ۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں پڑھا گیا۔ جرنل آف ایسٹ انڈیا ایسوی ایشن نیو سیریز (جلد XXIII مطبوعہ لندن ۱۹۳۲ء) صفحات ۵

Marfat.com

اور ۲۲۔

(۲۷۲) ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں آغا خان کے اخباری انٹرویو کی رپورٹ جو انہوں نے یکم فروری ۱۹۳۶ء کو کراچی میں دیا تھا۔

Marfat.com

باب ششم

اصلاحات پارلیمنٹ میں

۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جب گول میز کانفرنس ختم ہوئی ہندوستان کی اصلاحات کے اصل اصول طے ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے سوال پر اب رہنمائی بڑی حد تک سیموئیل ہور کو منتقل ہو چکی تھی۔ یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ گول میز کانفرنس کے پہلے دو اجلاسوں کے برخلاف جو وزیر اعظم کے پالیسی متعین کرنے والے بیانات پر ختم ہوئے یہ تیسرا اجلاس (یا تیسری گول میز کانفرنس) محض وزیر ہند کی تقریر کے ساتھ ختم ہو گیا۔ نیز ماضی کے دستور کے برعکس حکومت نے کانفرنس کے اختتام کے بعد فوری طور پر اس کے فیصلوں کی منظوری کے لئے پارلیمنٹ سے رجوع نہیں کیا بلکہ ہندوستان کے بارے میں قرطاس ابیض ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو جاکر کہیں شائع ہوا (۱) اور دس روز بعد اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا (۲)۔ گویا اس بار حکومت نے اپنی اسکیم کی تفصیلات کی تیاری میں دسمبر ۱۹۳۲ء سے اپریل ۱۹۳۳ء تک تین مہینے لگا دیئے۔ قرطاس ابیض کی تجاویز کے پس منظر کے مطالعے کے لئے یہاں اس وقت کے ہندوستان اور برطانیہ کے سیاسی حالات کے نمایاں پہلوؤں کا ذکر ضروری ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس ملک میں سیاسی صورت حال پر سکون تھی۔ گاندھی کی سول نافرمانی کی تحریک تقریباً سرد پڑ چکی تھی (۳)۔ خود انہوں نے بھی فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے میں پست اقوام سے متعلق ترمیم کرا لینے کے بعد سیاسی سرگرمیاں ختم کر دی تھیں اور ہریجنوں کی بہتری کے کام میں لگ گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں ولنگڈن کو کانگریس کے خلاف اقدامات کرنے یا گاندھی کے ساتھ اس وقت تک بات چیت کرنے سے بدستور انکار کرنے کا موقع مل گیا جب تک کہ سول نافرمانی کی تحریک یکطرفہ طور پر ختم نہ کر دی جائے (۴)۔ اس موقع پر ولنگڈن نے

Marfat.com

کانگریس کو خوش کرنے کی پالیسی کے حامیوں کو یہ لکھا :-

"میں یہ بات سپرو اور وطن میں آپ سب کے ذہن نشین کرادینا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو ہمیشہ یہ نہیں سوچتے رہنا چاہئے کہ کانگریس کیا کرنے والی ہے۔ وہ خواہ کچھ ہی کرے، ہمیں آگے بڑھنا چاہئے۔ میثاق پونا سے گاندھی کی پوزیشن بہتر نہیں ہوئی ہے .... انہوں نے کٹر ہندوؤں کو اپنے خلاف سرگرم عمل کردیا ہے.... پورے ملک میں سیاسی فضا جس طرح بدل رہی ہے وہ انتہائی دلچسپی کا باعث ہے .... آپ اپنے ان تمام ساتھیوں کو جو فراخ دلی کا مظاہرہ کرکے عام معافی کے ذریعے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے خواہاں ہیں یہ بتادیں کہ اس وقت سیاسی وجوہ کی بنا پر قید کئے جانے والے افراد کی تعداد سولہ ہزار ہے ... عام معافی جیسی فراخ دلی کا مظاہرہ کمزوری کی علامت سمجھا جائے گا اور مستقبل کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا" (۵)۔

مزید برایں ہندوستان کے آزاد خیال لیڈر اگرچہ سرکاری اور برطانوی سیاسی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے (٦) لیکن وہ گول میز کانفرنس کے عمومی فیصلوں پر قانع تھے (۷)۔ حکومت پر اپنی نکتہ چینیوں کے باوجود انہیں آئین کے مقاطع کی توقع نہیں تھی (۸)۔ ان میں ایک نے علی الاعلان گاندھی کو ,سیاست کے لئے کلیتاً غیر موزوں، قرار دیا اور انہیں یاد دلایا کہ ان پر ,صریح فرض، عائد ہوتا ہے کہ وہ تحریک کو ختم کرکے ہزاروں گمراہ ہندوستانیوں کو مصائب سے نجات دلائیں (۹)۔ فرقہ وارانہ سوال پر بھی ہندوستان کی فضا نسبتاً پرسکون تھی۔ اب جبکہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کو چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور قرطاس ابیض جاری ہوا چاہتا تھا ہندوستان کے فرقہ وار لیڈروں کو حکومت کے منصوبے اور پارلیمانی کمیٹی کے لئے ہندوستانی مندوبین کے ناموں کے اعلان کا سخت انتظار تھا (۱۰)۔ ان سازگار عوامل کے پیش نظر سیموئیل ہور نے قرطاس ابیض مرتب کرنے میں ہندوستانیوں کی امنگوں کو ملحوظ نہیں رکھا۔ لیکن وہ جہاں ہندوستانیوں کے دباؤ سے آزاد تھا وہاں اس پر خود اس کی پارٹی کے انتہا پسندوں کا دباؤ پڑ رہا تھا۔ ان کی

Marfat.com

مزاحمت ہندوستان کے بارے میں برطانوی پالیسی کے خلاف بڑی شدت اختیار کرگئی تھی اب ولنگڈن کے نام ہور کے ہر خط کا زور اس بات پر تھا کہ اسے اپنے برافروختہ ساتھیوں کے ہاتھوں میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے (۱۱)۔ اس کے نزدیک زبردست بحران (۱۲) پیدا ہورہا تھا جس سے کنزرویٹو پارٹی کے تین چوتھائی ارکان کے ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ کنزرویٹو ایسوسی ایشنز کی نیشنل یونین کے اجلاس میں جو فروری کے آخر میں منعقد ہوا ونسٹن چرچل نے قرطاس ابیض کی پالیسی کے خلاف قرار داد منظور کرانے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا (۱۳)۔ اس اجلاس کے ایک چشم دید گواہ نے لکھا :-

> "مسٹر چرچل اور ان کے دوستوں نے ہندوستان کے بارے میں حکومت کی پالیسی کے خلاف ووٹ حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور عام خیال یہ تھا کہ چرچل کے بیٹھنے پر رائے شماری کرائی جاتی تو یہ لوگ کامیاب ہوجاتے۔ جس چیز نے صورت حال کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا وہ وزیر ہند کا روکھا اور تند و تیز جواب تھا۔ لیکن اس نے (چرچل نے) ہور پر زبردست دباؤ ڈالا کہ ایوان میں آزادانہ رائے شماری کی اجازت دی جائے۔ لیکن اس کی اجازت یقیناً نہیں دی جاسکتی تھی۔ . . . اگر ایوان کی مرضی پر آزادانہ رائے شماری چھوڑ دی جاتی جو حکومت کی پیشگی وضاحت کے مطابق عدم اعتماد کا اظہار نہیں قرار دی جائے گی تو میں سمجھتا ہوں کہ کنزرویٹو پارٹی کے ارکان کی اکثریت قرطاس ابیض کی تجاویز کی مخالفت کرتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ کنزرویٹو پارٹی کی صفوں میں بڑا تردد پایا جاتا ہے اور اس کا ہٹ دھرم طبقہ اس تردد سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کررہا ہے" (۱۴)۔

سیموئیل ہور کا کمزور پہلو والیان ریاست کا غیر یقینی موقف تھا اور انہی پر اس کے سارے منصوبے کا انحصار تھا۔ اس صورت حال سے کنزرویٹو پارٹی کے ہٹ دھرم ارکان نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف تو انہوں نے حیدر آباد، میسور اور کشمیر جیسی ریاستوں

Marfat.com

اور ان کے وزیروں کو وفاق کی حمایت کرنے پر مبینہ طور پر مورد الزام قرار دیا (۱۵) اور دوسری طرف ان کا دعویٰ یہ تھا کہ مجوزہ وفاق مصنوعی وفاق ہے اور اس میں والیان ریاست فی الحقیقت شامل نہیں ہورہے ہیں (۱۶)۔ لہٰذا سیموئیل ہور کو جس چیز کی سخت ضرورت تھی وہ اس امر کی ٹھوس دلیل تھی کہ والیان اس موقف سے نہیں ہٹیں گے جو انہوں نے اس وقت تک اختیار کر رکھا تھا (۱۷)۔ اس نے ولنگڈن پر زور دیا کہ وہ وفاق کے حق میں والیان ریاست سے ایک قرار داد منظور کرالیں تاکہ اس کے موقف کو تقویت پہنچ سکے (۱۸)۔ اب گویا سال بھر پہلے کی کہانی دہرائی جارہی تھی (۱۹)۔ ولنگڈن کی مداخلت نے والیان ریاست کو ایک مرتبہ پھر وفاق کی تجویز سے رو گردانی کرنے سے باز رکھا اور ایوان والیان ریاست کو ایک سال پہلے کی کاروائی کا اعادہ کرنے پر مجبور کردیا (۲۰)۔ لیکن سیموئیل ہور سے ہمدردی اور اصلاحات کے کام سے لگاؤ کے باوجود ولنگڈن اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ساری مشکل برطانیہ میں رونما ہوئی ہے لہٰذا وہ برطانیہ میں موجود رہ کر سیموئیل ہور کی مدد کرنا چاہتا تھا، سپرو نے تجویز پیش کی کہ وہ اروِن کی طرح ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کی تحریک کی قیادت کرے اور خود انگلستان جاکر نزاعی مسائل پر ہٹ دھرم عنصر سے بات چیت کرے (۲۱)۔ یہ تجویز اس کے دل و دماغ پر چھا گئی اور اس نے سیموئیل ہور کو حسب ذیل تار ارسال کردیا:۔

> "آپ یہ جو کہتے ہیں کہ ہٹ دھرم عنصر کی نکتہ چینی روز بروز زور پکڑتی جارہی ہے اس سے مجھے تشویش پیدا ہوگئی ہے۔ میں یہ اندازہ لگانے کے موقف میں نہیں ہوں کہ اس نکتہ چینی نے کس حد تک شدت اختیار کی ہے۔ تاہم آپ کے تار سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی دانست میں وہ سنگین صورت اختیار کرگئی ہے۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ موجودہ حالات میں میرے لئے بہترین لائحہ عمل یہ ہوگا کہ میں وطن پہنچ جاؤں ... اس تجویز سے میرا مدعا صرف یہ ہے کہ میں وہاں رہ کر بہتر طور پر آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔ یہ بات میں تہہ دل سے محسوس کرتا ہوں اور میں یہ بھی

Marfat.com

محسوس کرتا ہوں کہ میرے لندن کے دورے کا ہندوستان کے سیاسی اہل الرائے میری اور آپ کی اس خواہش کے خلوص کی دلیل سمجھ کر خیر مقدم کریں گے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر اصلاحات کی منظوری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے" (۲۲)۔

لیکن ولنگڈن ارون نہیں تھا۔ وہ کانگریس کو ایک ایسے وقت قابو میں رکھ سکتا تھا جبکہ اس کی بغاوت کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن اس میں نہ تو ارون کی سی سرگرمی تھی اور نہ سوجھ بوجھ۔ وہ سیموئیل ہور کے اس جواب سے مطمئن ہو کر بیٹھ رہا کہ اس کے وطن آنے سے پریشان کن افواہیں، پھیل جائیں گی اور یہ کہ آپ کے ہندوستان ہی میں ڈٹ رہنے سے، فائدے کا توازن قائم رہے گا (۲۳)۔

اس پس منظر میں سیموئیل ہور نے قرطاس ابیض تفصیل کے ساتھ تیار کرنا شروع کر دیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ مزید تاخیر کے بغیر وہ تقریباً ۲۰ مارچ تک اس کا اعلان کر دے گا اور پارلیمنٹ کی ایسٹر کی تعطیلات سے قبل پارلیمانی کمیٹی قائم کر دے گا تاکہ ہٹ دھرم عنصر کے حملے کا زور کم کیا جائے (۲۴)۔ وہ پارلیمانی کمیٹی میں اپنی مدد کے لئے خاص طور پر دو افراد کو دعوت دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ دو افراد ہیلے اور آسٹن چیمبرلین (۲۵) تھے۔ سیموئیل ہور کا کہنا تھا کہ اول الذکر کے ملازمت کے زبردست تجربے اور قابلیت سے اسے برطانیہ میں ان لوگوں کی تسلی کرنے میں مدد ملے گی جو انتظامی امور کی تفصیلات کے بارے میں (۲۶) شکوک میں مبتلا ہیں جبکہ موخر الذکر (۲۷) کا اثر و رسوخ غیر جانبداری اور فراخ دلی کنزرویٹو پارٹی کے انتہا پسندوں کے مقابلے میں اس کے لئے مددگار ثابت ہوں گے۔

بہ حیثیت عمومی قرطاس ابیض ان تمام بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ تھا جو تیسری گول میز کانفرنس میں طے پائے تھے۔ اس میں واحد مسودہ قانون کے خدوخال پیش کئے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ صوبوں میں آئین ایسی شرائط کے ساتھ نافذ نہیں کئے جائیں گے جن کی بدولت مستقبل میں وفاق صوبوں کا دست نگر ہو کر نہ رہ جائے (۲۸)۔ اس طرح قرطاس ابیض میں سپرو اور ان کے رفقا کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا کہ ایک ہی قانون میں وفاق کے قیام اور صوبائی خود مختاری کا احاطہ کیا جائے۔ لیکن قرطاس میں

Marfat.com

سیموئیل ہور نے وفاق کے افتتاح کی ان شرطوں میں کوئی کمی نہیں کی جو اس نے گزشتہ دسمبر میں گول میز کانفرنس میں مقرر کی تھیں (۲۹)۔ وفاق کو وجود میں لانے کے لئے ریزرو بینک کا قیام، والیان ریاست کی مطلوبہ تعداد کی رضاکارانہ شمولیت اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے خطبہ پیش کئے جانے کے بعد شاہی اعلان اب بھی ضروری تھا (۳۰)۔ تاہم قرطاس ابیض میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ اگر اس پروگرام کی راہ میں ایسے اسباب کی بنا پر رکاوٹیں حائل ہوں جو ملک معظم کی حکومت کے قابو سے باہر ہوں تو ہندوستان کے اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے گا (۳۱)۔ لیکن صوبائی خود مختاری کو اتنے عرصے تک ملتوی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس کا نفاذ وفاق کے مکمل قیام اور مذکورہ بالا شرائط کی تکمیل سے قبل عمل میں آنا تھا (۳۲)۔ اس طرح اگرچہ مجوزہ آئین واحد قانون پر مشتمل تھا لیکن اس کے باوجود مرکز اور صوبوں میں اصلاحات بہ یک وقت نافذ نہیں ہو سکتی تھیں۔ قرطاس ابیض کی رو سے وزیر ہند کا عہدہ عملاً جوں کا توں رہتا۔ اس کے علاوہ انڈیا کونسل کی موقوفی (۳۳) سے جو ۱۸۵۸ء سے قائم تھی وزیر ہند کو کچھ اور آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ اس کونسل کی جگہ مشیروں کی ایک مختصر مجلس کے قیام کی گنجائش رکھی گئی تھی جس کے ارکان بڑی احتیاط سے منتخب کئے جانے تھے۔ یہ کونسل اپنی مدد کے لئے وزیر ہند خود مقرر کرتا۔ اس کے قیام کا مقصد وزیر ہند کی معاونت کرنا تھا جو اس مدد کے علاوہ تھی جو وزیر ہند دوسرے وزرا کے اشتراک سے اپنے محکمے کے عملے سے حاصل کرتا (۳۴)۔ دو کلیدی ملازمتوں میں جنہیں سائمن کمیشن کی رپورٹ میں ,حفاظتی ملازمتوں، سے تعبیر کیا گیا تھا (۳۵) یعنی سول سروس اور پولیس سروس میں بھرتی اور ان کے حقوق و مراعات کا تحفظ وزیر ہند اور اس کے مشیروں پر چھوڑ دیا گیا تھا (۳۶)۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے محاصل کے ایک اہم ذریعے ریلویز کی حقیقی نگرانی، اور انتظام کی ذمہ داری وفاقی انتظامیہ سے لے کر قانون کے تحت قائم کئے جانے والے ایک آئینی بورڈ کو تفویض کی جانی تھی (۳۷)۔ اس بورڈ کی تشکیل ایسے طریقے سے عمل میں آنی تھی اور اسے ایسے اختیارات دیئے جانے تھے جن کی بدولت وہ سیاسی مداخلت کے بغیر کاروباری اصول پر اپنے فرائض انجام دینے کے قابل ہوتا (۳۸)۔ قرطاس ابیض کے یہ وہ نکات تھے جو یقیناً ہندوستان کو

Marfat.com

ناگوار خاطر ہوتے۔ لیکن اس قرطاس ابیض کا سب سے ناخوشگوار پہلو گورنر جنرل کے اختیارات و فرائض تھے (۳۹)۔ اقلیتوں، والیان ریاست، سرکاری ملازمتوں، برطانوی تجارتی مفادات اور برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاسی عنصر کے دباؤ کی وجہ سے وائسرائے کے کندھوں پر سرکاری فرائض کا ناقابل برداشت بوجھ ڈال دیا گیا تھا (۴۰)۔ مرکز میں ہندوستانیوں کی ذمہ داری کو اس حد تک محدود کر دیا گیا تھا کہ قرطاس ابیض میں وائسرائے نئے آئین کے تحت ایک فوق البشر بن گیا تھا۔ پھر یہ ذمہ داری بھی جس کی گنجائش دوعملی کی (۴۱) شکل میں رکھی گئی تھی صرف وفاق ہند کے قیام کے بعد ہندوستانیوں کو سونپی جانے والی تھی (۴۲)۔ اس ذمہ داری سے سیموئیل کی اس تقریر کے بعض حصوں کی بموجب لیاقت کا معیار بھی خارج ہوگیا تھا جو اس نے پارلیمنٹ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء میں کی تھی اور جس میں اس نے پارلیمنٹ سے درخواست کی تھی کہ قرطاس ابیض کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اس تقریر میں اس نے سائمن کمیشن کی سفارشات سے اپنے انحراف کا جواز یہ پیش کیا کہ والیان ریاست کو کسی ایسی حکومت میں شمولیت سے انکار ہے جو تمام و کمال وہائٹ ہاؤس کے زیر نگرانی ہو (۴۳)۔ ہور نے یہ بھی کہا تھا کہ قرطاس ابیض میں شامل تحفظات ,محض کاغذی تحفظات، نہیں ہیں بلکہ ایسے تحفظات ہیں جنہیں ضرورت پڑنے پر اور جب کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہے تو گورنر جنرل اور گورنروں کی مدد کے لئے فوج طلب کرکے مکمل طور پر بروئے کار لایا جاسکتا ہے (۴۴)۔ البتہ قرطاس ابیض میں فقط صوبوں کی حد تک ہندوستانیوں کے لئے معتد بہ ذمہ داری کی گنجائش رکھی گئی تھی اور تمام امور ذمہ دار وزیروں کو منتقل کئے جانے تھے (۴۵)۔ لیکن صوبوں میں بھی ہندوستانیوں کی ذمہ داری گورنر کے متعدد خصوصی اور صوابدیدی اختیارات، مرکزی حکومت اور گورنر جنرل کی نگرانی کی پابند کردی گئی تھی (۴۶)۔ یہ حال تھا برطانوی حکومت کے اس عہد کا جو اس نے سولہ سال پہلے کے اعلان مانٹیگو کے بعد کیا تھا۔ غرضیکہ ہندوستانیوں کی امنگیں پوری کرنے کے سلسلے میں سیموئیل ہور بہ حیثیت مجموعی اس سے زیادہ کچھ نہ پیش کرسکا جس کی سفارش تین سال قبل سائمن کمیشن کی رپورٹ میں کی گئی تھی بجز اس کے کہ اس کی پیش کش سے وفاق کی صورت میں

Marfat.com

کسی حد تک مرکزی ذمہ داری کا امکان موجود تھا (۴۷)۔

قرطاس ابیض کی تجاویز پر ہندوستانیوں کا مخالفانہ رد عمل قدرتی بات تھی۔ یہ تجاویز جن کا اعلان برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاسی عنصر کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے پس منظر میں کیا گیا تھا اہل ہندوستان کو ,ایک سخت صورت، (۴۸) میں ڈھلی ہوئی بے لچک شے معلوم ہوئیں اور ہندوستانی قیادت نے اس پر سرد مہری ظاہر کی (۴۹)۔ بعض وزراء اور والیان ریاست کے سوا جنھوں نے وفاقی اسکیم (۵۰) کو قبول کرلینے کی پر زور اپیل کی ہندوستانیوں نے ان تجاویز کے جواب میں کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مختلف فرقوں کے لیڈروں (۵۱)، قوم پرستوں (۵۲)، ماہرین مالیات (۵۳) حتیٰ کہ لبرل رہنماؤں (۵۴) سب نے کم و بیش ان تجاویز کی مذمت کی۔ لیکن سپرو نے اس مرتبہ بھی مصالحانہ رویہ اختیار کیا اور قرطاس ابیض کی اسکیم کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیا (۵۵)۔ اس نے قرطاس ابیض کی تجاویز پر نکتہ چینی کی اوران میں ٹھوس تبدیلیوں کا مطالبہ کیا (۵۶) لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا کام "بنیادوں پر ضرب لگانا نہیں ہے بلکہ اس پر تعمیر کئے جانے والے ڈھانچے کو بہتر بنانا ہے" (۵۷)۔ اس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا :-

"میں صاف کہتا ہوں کہ مجھے قرطاس ابیض کے بعض پہلوؤں سے بڑی مایوسی ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی میں بنیادوں کو ڈھانے کے لئے قطعی تیار نہیں ہوں گا۔ مجھے آج صبح کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ بمبئی میں ہمارے بعض آزاد خیال دوست بنیاد اور اس پر تعمیر کئے جانے والے ڈھانچے دونوں کو تہس نہس کرنے کے درپے ہیں۔ میں اس قسم کی مبالغہ آمیز باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ قرطاس ابیض کے بدنما پہلو یقیناً سزاوار تنقید میں اور ان پر بے لوث اور کڑی نکتہ چینی کی جانی چاہئے اور ان میں ضروری ترامیم کرانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے۔ بہت سے لوگوں کا ابتدائی ردعمل یہ ہے کہ ہمیں اب مشترکہ پارلیمانی کمیٹی سے کوئی تعاون نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم سے کہا جائے کہ ہندوستانی ارکان کو کمیٹی کے مذاکرات میں شرکت یا

Marfat.com

گواہوں سے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں نہ صرف خود داری بلکہ ہمارے دورے کی عدم افادیت کے پیش نظر کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے نہ جانے میں ہم حق بجانب ہوں گے" (۵۸)۔

سپرو اپنے ایک اور خط میں لکھتا ہے :۔

"قرطاس ابیض کے حامیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ عام اعتراض یہ ہے کہ اس میں ذمہ داری کے کسی عنصر کا پتہ چلانے کے لئے تحفظات اور تخصیصات کی دبیز تہوں کو چیر کر گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کب مجوزہ تحفظات ختم ہوں گے، دفاع کا محکمہ کب مستقل کیا جائے گا یا وزیر ہند اپنے عہدے سے کب دستبردار ہوگا۔ کوئی شخص اس قرطاس ابیض کو خود مختاری کی اسکیم نہیں سمجھتا، ہماری دل شکنی کرنے والے مسٹر چرچل اور ان کے پیرو کار نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو خود مختار حکومت اور زبردست پیش رفت کا راگ الاپتے ہیں ... مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ آیا مجھے (مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں شرکت کی) دعوت دی جائے گی یا نہیں ... اگر دعوت دی گئی تو مجھے ایک مرتبہ پھر عام رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور میری کیفیت یہ محسوس کرتے ہوئے جواری کی سی ہوگی کہ اس کا پانسا پلٹ رہا ہے ... یہ نہ بھولئے کہ تین سال سے کم عرصے میں یہ میرا چوتھا دورہ ہوگا اور ان میں ہر دورہ پچھلے دورے سے کم حوصلہ افزا ثابت ہوا ہے" (۵۹)۔

اس نے کانگریسی لیڈروں سے بھی رابطہ قائم کیا تاکہ انہیں سول نافرمانی کی تحریک ترک کرنے اور اپریل ۱۹۳۳ء میں کانگریس کے مجوزہ اجلاس کے پروگرام کی منسوخی پر آمادہ کیا جائے (۶۰)۔ لیکن ان میں اس کی ایک بھی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس نے کانگریسی رہنماؤں پر زور دیا کہ مجوزہ آئین خواہ کتنا ہی غیر تسلی بخش ہو، وہ انتخابات کی حمایت کریں تاکہ رجعت پسند اور کمزور افراد نئی قانون ساز اسمبلیوں میں داخل نہ ہونے پائیں (۶۱)۔

Marfat.com

ہندوستان کی طرح برطانیہ میں بھی قرطاس ابیض کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ سیموئیل ہور کی دعوت پر لندن پہنچنے کے بعد جلد ہی ہیلے نے ولنگڈن کو لکھا :۔

I "ہندوستان سے انگلستان آنے پر دو متضاد کیفیتوں کا عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ وہاں صرف یہ سننے میں آتا ہے کہ قرطاس ابیض کی تجاویز ناکافی ہیں اور یہاں ان تجاویز کی وسعت کے بارے میں مشکوک بلکہ ناراضگی کی فضا پائی جاتی ہے" (٦٢)۔

II "میں نے بالڈون اور دوسرے لیڈروں سے گفتگو کی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ قرطاس ابیض کی اسکیم کی منظم مخالفت پر روز بروز بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔ آپ نے لارڈ ونٹرٹن کی مقامی ایسوسی ایشن کی رائے شماری کا حال یقیناً پڑھا ہوگا۔ اس کے ارکان نے عام امور میں ونٹرٹن پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا لیکن ان کی بھاری اکثریت نے قرطاس ابیض کے سوال پر اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ یہ رویہ بڑی حد تک ملک میں عام صورت حال کا آئینہ دار ہے" (٦٣)۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے قرطاس ابیض کی تجاویز کی قطعی اکثریت سے توثیق کردی (٦٤)۔ لیکن ان تجاویز میں سیموئیل ہور نے جو سخت شقیں شامل کی تھیں ان کے باوجود اس کے لئے اپنی پارٹی کی رائے کو ہموار رکھنا بڑا کٹھن کام تھا۔ لیبر پارٹی (٦٥) اور لبرل پارٹی (٦٦) کے ارکان پارلیمانی کمیٹی کے کام میں شرکت کے خواہشمند تھے۔ لیکن سیموئیل ہور کو خود اپنی پارٹی کے ارکان کا تعاون حاصل کرنے میں سخت مشکل کا سامنا تھا (٦٧)۔ چرچل نے کمیٹی میں شمولیت سے یہ کہہ کر قطعی انکار کردیا کہ وہ (ہندوستان سے) انخلا کی پالیسی میں شریک ہونے سے قاصر ہے (٦٨)۔ اس کے جتھے نے وفاق کے تصور کو مسترد کرنے میں والیان ریاست کی بھی حوصلہ افزائی کرنی چاہی جنہیں اپنے طبقے کے لئے وفاق کی افادیت میں شبہ تھا (٦٩)۔ قرطاس ابیض کے اعلان کے بعد مارچ ۱۹۳۳ء میں ایوان والیان ریاست کے انتخابات کے نتیجے میں صورت حال اور بگڑ گئی۔ ایوان کی نئی مجلس قائمہ بہ حیثیت عمومی کمزور تھی (٧٠) اور ایوان کا نیا چانسلر مہاراجہ پٹیالہ اور مہاراجہ

Marfat.com

دھولپور (۷۱) پچھلے دو سال سے وفاق کی تجویز کی مذمت کرتے رہے تھے۔ ہندوستان سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی کانفرنس اپریل ۱۹۳۳ء میں لندن میں شروع ہوئی اور اس کے دو اجلاس ہوئے، ایک اپریل سے اگست تک اور دوسرا اکتوبر سے نومبر تک جاری رہا۔ اس کے بعد کمیٹی کی تشکیل کے لئے پارلیمنٹ سے رجوع کیا گیا (۷۲)۔ لارڈ پیل کے اچانک معذور ہوجانے کی وجہ سے عجلت (۷۳) میں لارڈ لنلتھ گوکو (۷۴) اس کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ کمیٹی کے بتیس ارکان مساوی تعداد میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے لئے گئے (۷۵)۔ ان میں بیشتر ارکان کی حیثیت ہندوستانی امور کے بارے میں مسلم الثبوت تھی اور اس موضوع پر وہ وثوق کے ساتھ اظہار خیال کرنے کے موقف میں تھے (۷۶)۔ ہندوستانی مندوبین کو جو غیر ملکی اشخاص کا گروپ تھا کمیٹی میں ارکان کی حیثیت سے نہیں بلکہ بہ حیثیت مشیروں یا اسیسرز، شرکت کی دعوت دی گئی تھی (۷۷)۔ اور یہ ایک خلاف معمول طریقہ کار تھا۔ برخلاف گول میز کانفرنس کے جس کی کاروائی نے انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مذاکرات، اور سمجھوتہ طے کرنے کے عمل کی شکل اختیار کرلی تھی، اس کمیٹی میں ہندوستانیوں کو شریک کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کے مشورے سے قرطاس ابیض کی تفصیلات پر غور کرنے میں مدد مل سکے (۷۸)۔ غالباً سپرو کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت ہندوستانی مندوبین کو گواہوں سے سوال کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی (۷۹)۔ لیکن کمیٹی کے ارکان کے ذہن میں بعض گواہوں کے بیانات کی سماعت کے دوران ہندوستانیوں کو کمیٹی سے خارج کرنے کی تجویز بھی موجود تھی (۸۰)۔ بیشتر ہندوستانی مندوبین گول میز کانفرنس میں شرکت کرچکے تھے (۸۱)۔ تیسری گول میز کانفرنس کی طرح کمیٹی کے اجلاس میں بھی ریاستوں کی نمائندگی صرف ان کے وزیروں نے کی۔ برطانوی ہند کے نمائندوں میں جن ممتاز اشخاص کا اضافہ کیا گیا تھا وہ تھے ہری سنگھ گور (۸۲)، عبدالرحیم اور نری پندر ناتھ سرکار (۸۳)۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ان آئینی مذاکرات میں ہندوستان کی مقننہ کی نمائندگی کرنے کے لئے گورنر اور عبدالرحیم کو دعوت دی گئی تھی۔ نری پندرا ناتھ نے کمیٹی کے اجلاس میں زیٹ لینڈ کے ساتھ مل کر فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے اور میثاق پونا کے خلاف بنگالی ہندوؤں کے مطالبے کے حق میں آواز اٹھائی (۸۴)۔

Marfat.com

پارلیمانی کمیٹی اپریل اور نومبر کے درمیان دو وقفوں کے ساتھ اپنے پہلے مرحلے میں کوئی پانچ مہینے تک سرگرم عمل رہی۔ شروع میں اس نے کسی کی شرکت کے بغیر اور بعد میں ہندوستانی مندوبین کی شرکت میں کیا (۸۵)۔ اس مدت کے دوران قرطاس ابیض پر پہلے صرف اس کے ارکان نے آپس میں غور کیا اور بعد میں ہندوستانی بھی اس کام میں ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔ پھر اس نے ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء کو ہندوستانی مندوبین کو رخصت کر دیا (۸۶) اور اسی دن اجلاس برخاست ہونے سے قبل اسے چیئرمین کی رپورٹ کا مسودہ موصول ہوا۔ کمیٹی نے اسے قبول کرلیا اور چیئرمین سے کہا کہ وہ اسے دارالامرا میں پیش کریں۔ ساتھ ہی آسٹن چیمبرلین سے کہا گیا کہ وہ رپورٹ کا یہ مسودہ دارالعوام میں پیش کرے (۸۷)۔ کمیٹی کی مشترکہ کاروائی اور ہندوستانی مندوبین کے کام کا اہم حصہ ۱۲۰ ہندوستانی اور برطانوی گواہوں کے بیان لینا تھا جو مختلف مفادات اور متضاد مکاتب فکر کی نمائندگی کرتے تھے (۸۸)۔ ہندوستان کے مختلف طبقات کے مفادات کے نمائندوں (۸۹) اور برطانیہ میں قرطاس ابیض کے مخالفین (۹۰) اور موئیدین (۹۱) نے متعدد یاد داشتوں کی صورت میں اپنی آراء قلم بند کرائیں جو کمیٹی کو پیش کی گئیں اور کمیشن کے اجلاس میں گواہیاں دیں جو سپرد قلم کرلی گئیں۔ گواہوں سے بیان لیتے وقت اصلاحات کے بارے میں کمیٹی کے ارکان خاص کر ہندوستانی مندوبین کے انفرادی موقف بھی اجاگر ہوتے گئے (۹۲)۔ گواہوں کے بیانات قلم بند کرنے کے دوران کمیٹی کی کاروائی کی سب سے نمایاں بات قرطاس ابیض پر سیموئیل ہور کی طویل اور صبر آزما شہادت تھی۔ کمیٹی کا رکن ہونے کی حیثیت سے اس نے خود کو گواہ کی حیثیت سے پیش کرکے غالباً ایک نئی مثال قائم کی اور اپنی دونوں جانب ہیلے اور سر فنڈلیٹر اسٹیورٹ (۹۳) کو لئے انیس دن تک تقریباً چھ ہزار سوالوں کے جواب دیئے (۹۴)۔ ہیلے نے اس کاروائی کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

> "(کمیٹی کے سامنے شہادت دینے کا) سر سیموئیل پر زبردست بار پڑ رہا ہے لیکن ان کی قوت برداشت قابل ستائش ہے۔ ہم نے دراصل پس پردہ ایسے متعدد سوال مع ان کے جوابات کے تیار کر رکھے تھے جو ہماری دانست میں پوچھے جانے والے تھے۔ لیکن وہ (ہور) ان پر انحصار نہیں کرتے۔

Marfat.com

ان کی بائیں جانب فنڈ لیٹر ہوتے ہیں اور دائیں جانب میں لیکن چند فنی امور کو چھوڑ کر وہ کسی معاملے میں ہم سے مدد نہیں لیتے۔ البتہ سارے سوالوں کے جواب دینے کی ذمہ داری خود سنبھال لی ہے۔ وہ بڑی مستعدی سے جواب دیتے ہیں اور واضح جواب دیتے ہیں" (۹۵)۔

سیموئیل ہور اپنے بیان میں ہندوستانیوں کے مطالبات کے خلاف اپنے موقف پر سختی سے قائم رہا۔ اس نے کہا کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے پر دوبارہ مذاکرات کی بنیاد میں ایک مرتبہ پھر تبدیلی نہیں کی جاسکتی (۹۶)۔ یہ کہ آئین کے قانون میں اس امر کا تذکرہ کرنے کی غرض سے کسی تمہید کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا کہ مستعمرہ کی حیثیت ہندوستان کی غایت اولیٰ ہے (۹۷) اور یہ کہ وفاق کے افتتاح کی تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی اوراسی طرح صوبائی خود مختاری کے نفاذ اور وفاق کے قیام کی درمیانی مدت کا بھی پیشگی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا (۹۸)۔ وہ گاندھی (۹۹) کی رہائی کی شرائط نرم کرنے کے لئے مداخلت کرنے کو بھی تیار نہیں تھا جو ایک عرصے سے جیل میں تھے اور اس وقت برت رکھ رہے تھے (۱۰۰)۔ لیکن اس نے خود اپنی پارٹی کے ارکان کے خلاف قرطاس ابیض کا دفاع کرنے میں جن زبردست مہارت اور قوت کا مظاہرہ کیا اس سے سپرو جیسا نکتہ چیں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا (۱۰۱)۔ نیز وہ سپرو کو اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ قرطاس ابیض پر مبنی نئے آئین کی تیاری کا صدق دل سے خواہاں ہے (۱۰۲)۔ اس نے نظم و نسق کی صوبوں کے ذمہ دار وزرا کو منتقلی کی تجویز پر اپنی پارٹی کے رفقا کے اعتراضات کا پرزور اور مدلل جواب تیار کر لیا تھا (۱۰۳)۔ اس نے آئینی ریلوے بورڈ اور ریزرو بینک (۱۰۴) قائم کرنے کے لئے کام کیا تاکہ خاص طور پر مرکز میں آئین کے نفاذ کا جلد آغاز کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے والیان ریاست کی رائے ہموار رکھنے کے لئے بھی اقدامات کئے (۱۰۵)۔ کمیٹی کے اجلاس میں اس نے حکومت کی طرف سے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ وفاق کے قیام کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ دور کر دے گی اور جہاں تک جلد ممکن ہوا اسے وجود میں لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی (۱۰۶)۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس پروگرام پر عملدرآمد میں طویل اور غیر معینہ تاخیر ہوئی تو ایک مرتبہ پھر ہندوستانیوں سے صلاح

Marfat.com

مشورہ کیا جائے گا (۱۰۷)۔ ہیلے نے سیموئیل ہور کے اس انداز فکر کو پارلیمانی کمیٹی کی کاروائی کے آغاز ہی پر بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"اس نے (سیموئیل ہور نے) خود کو قرطاس ابیض کی تجاویز سے مکمل طور پر وابستہ کرلیا ہے۔ اس کا رویہ اب اس محتاط اور قدامت پسندانہ انداز سے بڑی حد تک مختلف ہوگیا ہے جو میں نے ۱۹۳۰ء میں دیکھا تھا۔ اگر میں یہ کہوں تو شاید غلط نہ ہو کہ اس نے اس خشت باری کا رخ اپنی طرف پھیر لیا ہے جس کا نشانہ کبھی ارون بنا کرتا تھا۔ یہ واقعی کچھ عجیب سی بات ہے کہ اب کنزرویٹو سیاست دانوں کا ایک مختصر گروپ اسی جوش و خروش سے (گو بلاشبہ بڑی سوجھ بوجھ اور تدبر کے ساتھ) ہندوستان کے مقصد کی حمایت کررہا ہے جس کا مظاہرہ کسی زمانے میں مسٹر مانٹیگو نے کیا تھا اور ان خطرات کو مول لے کر کیا تھا جس کا انہیں مقابلہ کرنا پڑا" (۱۰۸)۔

خود سیموئیل ہور نے بھی نومبر ۱۹۳۳ء میں پارلیمانی کمیٹی کے کام کا یہ مرحلہ ختم ہونے سے پہلے لکھا تھا :۔

"تعاون یہ مرحلہ اب ختم ہوا چاہتا ہے۔ اس کا نتیجہ خواہ کچھ ہی بر آمد ہو۔ مجھے یقین ہے کہ برطانیہ اور ہندوستان کے عوامی نمائندوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اس سے بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ دونوں فریقوں کے رویئے میں بڑی تبدیلی رونماء ہوئی ہے اور اب ان کے درمیان شک اور برہمی نہیں پائی جاتی جو اس مرحلے کے آغاز پر پائی جاتی تھی۔ شاید یہ اسی خوش آئند تبدیلی کی ایک علامت ہے کہ ہندوستانی مجھے عشائیوں میں مسلسل مدعو کرنے کے خواہش مند ہیں" (۱۰۹)۔

اس طرح برطانوی ارباب سیاست کے ساتھ تعاون کرنے والے ہندوستانی یہ دیکھ کر مطمئن ہوگئے کہ آئین کے بنیادی عناصر طے ہوچکے ہیں اور سیموئیل ہور صدق دل سے قرطاس ابیض کا حامی ہے۔ وہ حکومت سے قرطاس ابیض کی اسکیم کے بعض پہلوؤں میں کشادگی پیدا کرنے کے خواست گار تھے (۱۱۰)۔ لیکن وہ اس کی وجہ بھی جانتے تھے کہ ان کے ہم وطن قرطاس

Marfat.com

ابیض کو جوں کا توں رکھتے ہوئے اس کی بنیاد پر آئین مرتب کرنے کے خواہش مند کیوں ہیں۔ ۱۹۳۳ء کے آخر میں سپرو نے کانگریسیوں کو مشورہ دیتے ہوئے لکھا :۔

"اس ملک میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ برطانیہ کے سوشلسٹ کسی دوسری پارٹی کی نسبت ہمارے حق میں زیادہ آگے بڑھنے پر رضامند ہوجائیں گے۔ میں سوشلسٹوں کے کئی لیڈروں کو جانتا ہوں اور ان سے قریبی رابطہ قائم کرچکا ہوں۔ ان کے ساتھ کام کرنا زیادہ مسرت بخش ہو گا۔ بعض اعتبارات سے وہ لبرل اور کنزرویٹو سیاست دانوں سے زیادہ ترقی پسند ہیں لیکن یہ امر میرے نزدیک انتہا درجہ مشتبہ ہے کہ وہ جو کچھ ہمیں دینا چاہتے ہیں آنے والے برسوں میں وہ سب کچھ دینے کو تیار ہوجائیں گے۔ ان میں انتہا پسند گروہ ہمارا حامی ہے مگر اسے سیاسی اقتدار حاصل نہیں اوراس کے ارادے خواہ کتنے ہی نیک ہوں اسے ایسا اہم عنصر نہیں سمجھتا جس کی امداد پر تکیہ کیا جاسکتا ہو۔ اگر آپ مجھے صاف گوئی کے لئے معاف فرمائیں تو میں کہوں گا کہ آپ برطانیہ یا کسی بھی غیر ملک سے جو ہندوستان کی سیاسی مشینری پر قابض ہو یہ مان کر آزادی کی بنیاد پر مذاکرات نہیں کرسکتے کہ ہم سب آزادی کے مفہوم پر متفق ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہم متفق نہیں ہیں۔ میں مستعمراتی حیثیت کو محض ایک نعرہ نہیں سمجھتا میں صورت سے زیادہ معنی کو اہمیت دیتا ہوں۔ لہٰذا ہمیں اپنے کام میں خود مختار حکومت کی اصلیت سے سروکار رکھنا چاہئے میرا ذاتی مشورہ یہ ہے کہ محب وطن، آزاد خیال اور سیاسی بصیرت رکھنے والے کانگریسیوں کو فائدے کی تمام پوزیشنوں پر قبضہ کرلینا چاہئے تاکہ ساری دنیا پر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ سیاسی مشینری کو موثر طور پر چلا سکتے ہیں ... مجھے تحفظات سے سخت نفرت ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انہیں عملی قوتوں کو مفلوج کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور نہ دی جانی چاہئے۔ میں ملک کے ترقی پسند عناصر کا خیر مقدم کروں گا جو آگے بڑھ کر حکومتی اور پارلیمانی مشینری پر قبضہ کرلیں

Marfat.com

گے (۱۱۱)۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں ,ایک طویل اور دوستانہ گفتگو میں، جایاکر نے سیموئیل ہور سے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اپنی زندگی کے آئندہ دو سال قرطاس ابیض کے پروگرام کے عمومی پہلوؤں کی حمایت کے لئے وقف کردے گا (۱۱۲)۔ اس طرح ایک طرف سیموئیل ہور اور حکومت کے درمیان اور دوسری طرف سیموئیل ہور اور ہندوستان کے لبرل لیڈروں کے درمیان بے اعتقادی ختم ہوگئی۔ موخر الذکر لیڈروں کو ونٹرٹن (۱۱۳) ریڈنگ اور لوتھین جیسے برطانوی سیاست دانوں کی طرف سے ہمدردیوں کا یقین دلایا گیا (۱۱۴)۔ لوتھین کے سلسلے میں وہ حکومت کے ساتھ یہ سودا کرنا چاہتے تھے کہ اگر لوتھین کو آئندہ وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان بھیجا جائے تو وہ قرطاس ابیض پر کسی گڑبڑ کے بغیر کام کریں گے (۱۱۵)۔ ادھر ہندوستان سے ولنگڈن بھی انگلستان کو امن و امان کی خبریں بھیج رہا تھا (۱۱۶)۔ یہ عوامل اصلاحات کے کام کے لئے فال نیک تھے۔ لیکن برطانوی انتہاپسندوں کی طرف سے بدستور مشکلات پیدا کی جارہی تھیں۔ مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی کاروائی کے دوران ہٹ دھرم عناصر کی ہنگامہ آرائی کا خطرہ برابر منڈلاتا رہا۔ سیموئیل ہور نے ولنگڈن کو (۱۱۷) اور سپرو نے اپنے مکتوبین الیہ (۱۱۸) کو کمیٹی کے اجلاس کے دوران جتنے خطوط لکھے تقریباً ان سب کا موضوع اس عنصر کی طرف سے قرطاس ابیض کی مخالفت تھا۔ لندن میں ۲۸ جون ۱۹۳۴ء کو سینٹرل کونسل آف نیشنل یونین کا اجلاس ہوا اور اس میں بالڈون کے زور دینے پر قرطاس ابیض کو بھاری اکثریت سے منظور کرلیا گیا (۱۱۹)۔ ایک دن بعد بالڈون نے لنکا شائر میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم جو کچھ دے رہے ہیں وہ فراخ دلی اور خندہ جبینی سے دیں اور دیتے وقت بے دلی کا مظاہرہ کرکے تحفے پر پانی نہ پھیر دیں (۱۲۰)۔ لیکن ہنگامہ آرا عنصر ٹس سے مس نہ ہوا۔ لوتھین نے آر۔ اے بٹلر (۱۲۱) کو تجویز پیش کی کہ وہ ظفر اللہ اور جایاکر ہندوستانی زعما کو اپنے ان کنزرویٹو ساتھیوں کے ساتھ سکون کے ساتھ گفتگو کے لئے تیار کرے (۱۲۲)۔ لیکن یہ تجویز بٹلر کے لئے قابل قبول نہیں تھی، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے اس کے پرانے کنزرویٹو رفقا مشتعل ہوجائیں گے (۱۲۳)۔ پارلیمانی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے چرچل اپنے اس الزام کا کوئی

Marfat.com

ثبوت نہیں پیش کرسکا کہ والیان ریاست پر حکومت کی طرف سے دباؤ ڈالا جارہا ہے (۱۲۴)۔ وہ کوئی ایسی تجویز بھی پیش نہیں کرسکا جو قرطاس ابیض کے پروگرام کی متبادل ہو بجز حکومت ہند کی نگرانی کے تحت ,محدود، اور ,قابل منسوخی، صوبائی حکومت خود اختیاری کی ایک مبہم تجویز کے (۱۲۵) لیکن ایسا کرنے سے قاصر رہنے کے باوجود وہ قرطاس ابیض کی مذمت کرنے (۱۲۶) اور حکومت پر والیان ریاست کو مجبور کرنے کا الزام لگانے سے باز نہیں رہا نتیجہ یہ ہوا کہ ولنگڈن کو برطانیہ سے پھر وہی ہدایات موصول ہوئیں جو اسے ۱۹۳۲ء کے آغاز سے ملتی رہی تھیں۔ سیموئیل ہور اور لوتھین نے اس سے تقاضا کیا کہ س قسم کے حملوں کا سامنا کرنے کے لئے والیان ریاست کے رویئے کی بے یقینی کو دور کرکے وفاق کی حیثیت کو مستحکم کرے اور برطانیہ میں قرطاس ابیض کے حامیوں کے ہاتھوں مضبوط کرے (۱۲۷)۔ لیکن برطانیہ کا ہٹ دھرم سیاسی عنصر ۱۹۳۳ء میں بٹلر کے بارے میں بھی ہندوستانیوں کے ذہن میں یہ شکوک پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ برطانیہ میں اپنی پالیسی منوانے کے قابل نہیں جس طرح وہ ۱۹۲۹ء میں ارون کے بارے میں شکوک پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا (۱۲۸)۔ یہ شکوک نومبر ۱۹۳۴ء میں پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ منظر عام پر آنے تک برقرار رہے (۱۲۹)۔

پارلیمنٹ کی برخاستگی پر ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء کو پارلیمانی کمیٹی توڑ دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اصلاحات کے کام میں برطانوی اور ہندوستانی سیاست دانوں کا اشتراک عمل ختم ہوگیا (۱۳۰) جو نومبر ۱۹۳۰ء میں پہلی گول میز کانفرنس سے شروع ہوا تھا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو پارلیمنٹ کے نئے اجلاس میں کمیٹی کی ازسرنو تشکیل کی گئی تاکہ ہندوستان کے بارے میں وہ اپنا تحقیقاتی کام مکمل کرنے کے قابل ہوسکے (۱۳۱)۔ نظری اعتبار سے نو تشکیل کمیٹی کو وہی اصل کمیٹی تصور کیا گیا جو ۱۱ اپریل ۱۹۳۳ء کو مقرر کی گئی تھی (۱۳۲)۔ یوں بھی سائمن کے (۱۳۳) اضافے کے سوائے کمیٹی کے ارکان وہی تھے جن پر پچھلی کمیٹی مشتمل تھی اور ان کی تعداد بھی تقریباً جوں کی توں تھی۔ اس کمیٹی کے ارکان نے تقریباً تین مہینے تک یعنی ۲۹ نومبر سے ۲۰ دسمبر تک برمی مندوبین کے ساتھ اپنی کانفرنس میں برما سے متعلق تجاویز کا جائزہ لیا (۱۳۴) پھر ۳۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو ہندوستان کے سلسلے کا کام شروع کیا یکم اگست سے ۸

Marfat.com

اکتوبر تک کمیٹی کی کاروائی میں وقفہ رہا۔ اس کے بعد وہ ۳۰ اکتوبر تک اپنا کام انجام دینے کے بعد برخاست ہوگئی تاکہ پارلیمینٹ کو اپنی رپورٹ پیش کرسکے (۱۳۵)۔ اس مرتبہ کمیٹی نے کسی تشہیر یا بیرونی دباؤ کے بغیر آزادی کے ساتھ اپنا کام انجام دیا۔ برطانیہ میں اصلاحات کی اسکیم کے خلاف (۱۳۶) انتہاپسندوں کی کوششیں مبینہ طور پر غیر موثر رہیں۔ الااس کے کہ اس اسکیم کی مخالفت میں والیان ریاست کی حوصلہ افزائی کے لئے مارننگ پوسٹ کا ایک مشن (۱۳۷) فروری ۱۹۳۴ء میں ہندوستان بھیجا گیا جو مارچ تک اپنے کام میں مصروف رہا اور بعد میں ہٹ دھرم عنصر نے (۱۳۸) والیان ریاست کے ساتھ فریب کارانہ طریقے سے درپردہ رابطے قائم کئے جن کے ازالے کے لئے ہور اور ولنگڈن نے ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کیں (۱۳۹)۔ ۲۸ مارچ ۱۹۳۴ء کو لندن میں نیشنل یونین آف کنزرویٹو اور یونینسٹ ایسوسی ایشن کا اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کے آئین سے متعلق مزید قرار دادوں پر اس وقت تک غور نہیں کیا جائے گا جب تک کہ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ شائع نہیں ہوجاتی (۱۴۰)۔ اس فیصلے سے ہنگامہ پسند عنصر اس اہم پلیٹ فارم سے محروم ہوگیا جس سے وہ اب تک حکومت پر دباؤ ڈالتا رہا تھا۔ البتہ چرچل نے اصلاحات کے کام پر ایک اور ضرب لگانے کی کوشش کی اور سیموئیل ہور پر اس یادداشت اور شہادت کے سلسلے میں ریشہ دوانی کرنے کا الزام عائد کیا جو پچھلے نومبر میں مانچسٹر کے ایوان تجارت کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور اس طرح وہ دارالعوام کے استحقاق کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے (۱۴۱)۔ چرچل کے اس حصے سے نمٹنے میں سیموئیل ہور ہفتوں سرگرم عمل رہا اور اس طرح کمیٹی کی کاروائی کے لئے دارالعوام کی مقرر کردہ کمیٹی نے سیموئیل ہور کو چرچل کے لگائے ہوئے الزام سے بری قرار دے دیا اور کامل اتفاق رائے سے یہ فیصلہ دیا کہ ایوان کے استحقاق کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی ہے (۱۴۲)۔

ادھر ہندوستان میں صورت حال اطمینان بخش تھی۔ گاندھی نے بہار کے زلزلے سے متعلق حکومت کی امدادی کاروائیوں میں حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جسے ولنگڈن نے قابل ستائش قرار دیا (۱۴۳)۔ ۷ اپریل ۱۹۳۴ء کو پٹنہ سے جاری ہونے والے اپنے اخباری بیان میں گاندھی نے اپنے پیروکاروں کو سول مزاحمت سے باز رہنے کی تلقین کی

Marfat.com

(۱۴۴) کانگریس کی مجلس عاملہ کے فیصلے کے نتیجے میں سول نافرمانی کی تحریک ۲۰ مئی ۱۹۳۴ء سے ترک کر دی گئی (۱۴۵)۔ اپریل ۱۹۳۴ء کے دوران سوراج پارٹی کے احیاء کی خبریں شائع ہونے لگیں (۱۴۶)۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں جو ۱۸ سے ۱۹ مئی تک پٹنہ میں منعقد ہوا دس سال پہلے کی پرانی کہانی دہرائی گئی اور آئندہ انتخابات میں حصہ لینے اور قانون ساز اسمبلیوں میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا گیا (۱۴۷)۔ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے پس منظر میں ہندو مسلم تعلقات مستحکم ہوگئے تھے۔ جنوری سے اپریل تک ہندوستان میں جناح کی موجودگی اور ہندوستان (۱۴۸) پر قرطاس ابیض مسلط کئے جانے کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے انکی کوششوں کے باوصف اس مقصد کے لئے ہندو مسلم اتحاد کے امکانات موجود نہیں تھے (۱۴۹)۔ بعض غیر مطمئن لبرل لیڈروں نے جن میں سری نواس شاستری، سیتل واڈ اور چنتامنی شامل تھے اور جنہیں حکومت نے دوسری گول میز کانفرنس کے بعد اصلاحات کے کام میں شامل نہیں کیا تھا فروری ۱۹۳۴ء میں بمبئی میں ایک کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا (۱۵۰)۔ یہ خبر ہندوستان اور برطانیہ دونوں ملکوں میں قرطاس ابیض کے حامیوں کے لئے باعث تشویش تھی۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر مجوزہ کانفرنس میں قرطاس ابیض کے خلاف کوئی قرار داد منظور کی گئی تو برطانیہ کے انتہا پسندوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ وہ آئین کس کام کا جس کی مخالفت خود اعتدال پسند رہنما کر رہے ہوں (۱۵۱) مگر ان لبرل زعماء کا ارادہ بھی ان کے کسی مثبت رویئے کا مظہر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے حامیوں کو بمبئی کانفرنس میں شرکت کے لئے جو نوٹس ارسال کیا اس میں کہا گیا تھا:-

> "واضح رہے کہ اس کانفرنس میں فرقہ وارانہ نمائندگی کا فیصلہ اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل پر غور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ سوال بھی کانفرنس میں زیر غور آنے والے امور کی فہرست سے خارج ہوگا کہ اگر ان کے کم سے کم مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو کیا اقدام کیا جائے گا" (۱۵۲)۔

مزید برایں سپرو اور جایاکر جیسے لیڈروں نے جو ان لبرل زعما میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے مجوزہ کانفرنس پر قطعی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ

Marfat.com

ہندوستانیوں کو قرطاس ابیض کی بنیاد پر آئین تیار کرنا چاہیئے (۱۵۳)۔ جہاں تک والیان ریاست کا تعلق تھا ان کے ایوان کی مجلس قائمہ کا اجلاس ۲۲ جنوری ۱۹۳۴ء کو دلی میں ہوا جس میں ایوان کا اجلاس آئندہ موسم خزاں تک منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا (۱۵۴)۔ اس طرح پارلیمانی کمیٹی کے لئے یہ اندازہ لگانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ وفاق کی اسکیم کے بارے میں والیان ریاست کیا رویہ اختیار کریں گے (۱۵۵)۔ لیکن اب جبکہ کمیٹی کا کام انتہائی اہم مرحلے میں داخل ہو گیا تھا ایوان کی کاروائی کے نتیجے کے بارے میں سیموئیل ہور کی وہ پریشانی کم از کم عارضی طور پر دور ہو گئی جو ۱۹۳۲ء کے بعد سے اسے ہر سال لاحق رہتی تھی۔

یہ تھے ہندوستان اور برطانیہ میں کارفرما وہ عوامل جن کی بدولت پارلیمانی کمیٹی کسی بیرونی دباؤ کے بغیر بلا رکاوٹ جاری رکھنے کے قابل ہو گئی۔ کمیٹی کی سفارشات کے خدوخال ان آرا کی روشنی میں متعین ہوئے جو کمیٹی کے ارکان نے کمیٹی کی کاروائی کے دوران پیش کیں۔ ان میں دائیں بازو اور بائیں بازو کے مابین جن کی قیادت بالترتیب لارڈ سالبری (۱۵۶) اور اٹیلی (۱۵۷) کر رہے تھے سیموئیل ہور پر جن ارکان کا اثر کلیدی اہمیت کا حامل تھا وہ ونٹرٹن، زیٹ لینڈ، ڈربی (۱۵۸) اور آسٹن چیمبرلین تھے، خصوصاً چیمبرلین جو ان کنزرویٹو ارکان کی قیادت کر رہا تھا۔ کمیٹی کے کام کے اس مرحلے میں جو اہم واقعہ رونما ہوا وہ اس گروپ اور سیموئیل ہور کے درمیان وفاق کے ایوان زیریں کے طریقہ انتخاب پر مفاہمت تھی۔ لوتھین کمیٹی کی رپورٹ (۱۵۹) نیز سیموئیل ہور کے قرطاس ابیض میں (۱۶۰) اس ایوان کے لئے بلا واسطہ طریقہ انتخاب کی سفارش کی گئی تھی۔ تعاون کرنے والے ہندوستانی زعما نے بھی اس سوال پر شدید جذبات کا مظاہرہ کیا تھا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۳۳ء کو کمیٹی کے سامنے سیموئیل ہور کی شہادت کے دوران سپرو نے کسی بالواسطہ طریقہ انتخاب کی طرف غور کرنے کی سخت مخالفت کی (۱۶۱)۔ یہی بات ولنگڈن نے بھی سیموئیل ہور کو لکھی (۱۶۲)۔ لیکن کمیٹی کے محولہ بالا باثر گروپ نے اس طریقہ انتخاب کو منظور نہیں کیا سیموئیل ہور کو دسمبر ۱۹۳۳ء میں آسٹن چیمبرلین کا یہ مراسلہ موصول ہوا تھا:۔

"سیلیکٹ کمیٹی پارلیمنٹ کو جو رپورٹ پیش کرے گی اس کی تیاری کے

Marfat.com

سلسلے میں ہمیں جن سوالوں کا جواب دینا ہے ان میں سے بعض سوالوں پر میں نے جن رفقاء سے تبادلہ خیال کیا ہے وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم وفاقی مقننہ کے ایوان زیریں کے لئے بلاواسطہ طریقہ انتخاب کی حمایت نہیں کرسکتے" (۱۶۳)۔

ہندوستان کے بارے میں کام نمٹانے کے لئے جنوری ۱۹۳۴ء میں کمیٹی کے انعقاد سے سیموئیل ہور نے ولنگڈن کو بتایا :۔

"جب تک قرطاس ابیض کی حمایت کرسکتا ہوں کرتا رہوں گا لیکن بہت ممکن ہے کہ مجھے اپنے خلاف کمیٹی کے شدید احساسات سے سابقہ پڑے اور ارکان مجلس سے زیادہ اہم کمیٹی کا وہ نہایت اہم گروپ ہے جس کی قیادت آسٹن کررہا ہے اور جس کی حمایت یا غیر جانبداری کے بغیر دونوں میں سے کسی بھی ایوان میں ہم اپنی تجاویز کی منظوری کی امید نہیں کرسکتے" (۱۶۴)۔

آئندہ مہینے سیموئیل ہور نے ہیلے کو صورت حال سے آگاہ کیا جس کے مشورے سے وہ بے حد استفادہ کرچکا تھا۔ اس نے لکھا کہ :۔

"کمیٹی کو آپ پر جس طرح مکمل اعتماد رہا ہے اس کے پیش نظر میں آپ کی ذاتی اطلاع کے لئے بلا تامل یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ اس وقت صورت حال کیا ہے۔ اب تک ہم صوبائی خود مختاری کے سوال پر آگے نہیں بڑھے ہیں۔ لیکن جب مرکز کا سوال زیر غور آئے گا تو ہمیں کہیں زیادہ کٹھن مسئلے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میرا قیاس یہ ہے کہ ہم ایک شرط پر اور صرف ایک شرط پر اعتدال پسندوں کی حمایت حاصل کرسکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بالواسطہ طریقہ انتخاب کے بارے میں ان کے نقطہ نظر کو قبول کرلیں۔ ان سے میری جو بات چیت ہوئی ہے اس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ وہ اپنا موقف نہیں بدلینگے۔ اگر ہم یہ موقف اختیار کریں کہ ہندوستانیوں کی طرف سے سخت رد عمل ظاہر کیا جائے گا تو پھر ہمیں تسلیم

Marfat.com

کرنا ہو گا کہ کمیٹی میں کلیدی اہمیت رکھنے والے ارکان یعنی چیمبرلین، ڈربی، زیٹ لینڈ اور ان کے رفقا مرکزی ذمہ داری کے انتہائی اہم مسئلے پر ہماری مخالفت کریں گے۔ اگر ہم اس متبادل صورت کو اختیار کرتے ہیں تو میری قطعی رائے یہ ہے کہ کسی بھی مسودہ قانون پر بحث کے لئے پارلیمینٹ کی فضا انتہائی ناسازگار ہوگی۔ ہمیں ان کلیدی افراد کی حمایت کی بجائے ان کی مخالفت کا سامنا ہوگا۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ابتدا ہی سے مسودہ قانون خطرے میں پڑ جائے گا اور یہ بات یقینی ہوجائے گی کہ کمیٹی کی کاروائی کے مرحلے میں جب بالواسطہ یا بلاواسطہ انتخاب کا سوال زیر غور آئے گا تو ہمیں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنی ہوگی! یا تو بات چیت میں ہار مان لی جائے یا پارلیمینٹ میں شکست قبول کرلی جائے (۱۶۵)۔

ہیلے نے مشورہ دیا کہ اس نکتے پر متذکرہ سیاست دانوں کے موقف کو تسلیم کرلیا جائے بجائے اس کے کہ پارلیمینٹ میں ساری اسکیم کے مسترد ہونے کا خطرہ مول لیا جائے۔ اس سے ہور کے ذہن (۱۶۶) کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور وہ ان سیاست دانوں کا نقطہ نظر قبول کرنے پر رضامند ہوگیا (۱۶۷)۔ زیٹ لینڈ نے حسب ذیل الفاظ میں سموئیل ہور کی رضامندی اور اسے حاصل کرنے کے لئے چیمبرلین کی کوششوں کو سراہا:۔

"آپ کو سیموئیل ہور سے اپنا نقطہ نظر منوانے کے لئے اسے ہموار کرنے کی غرض سے زبردست کوشش کرنی پڑی ہوگی۔ وہ ہمارے موقف کے بنیادی نکات کو تسلیم کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ کمیٹی کے اجلاس میں بھی وہ اپنا مفاہمانہ رویہ برقرار رکھے گا .... اگر سیموئیل ہور نے آپ کے ساتھ بات چیت میں اس حد تک مصالحت پر آمادگی ظاہر کی ہو تو میں حکومت کو مجوزہ بل منظور کرانے میں اپنی حمایت کی یقین دہانی کرنے کے لئے تیار ہوں البتہ میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے فصلے کے بعض پہلوؤں پر نکتہ چینی کے لئے آزاد ہوں گا" (۱۶۸)۔

Marfat.com

اس سے قبل سیموئیل ہور نے لکھا تھا:۔

"میں مرکزی ذمہ داری کے سوال پر اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ اب اگر مسئلہ سالسبری کے نقطہ نظر اور حکومت کے نقطہ نظر میں سے کسی ایک کو قبول کرنے کا ہے تو مجھے حکومت کا ساتھ دینا ہو گا خواہ ایسا کرنا مجھے کتنا ہی ناپسند ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے اور آپ کے خیالات یکساں ہیں اور مجھے اب بھی امید ہے کہ ہم اپنے موقف کے لئے بڑی حد تک حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے (۱۶۹)۔

یہ تھا اس گروپ کا قطعی موقف۔ کمیٹی کی بعد کی کاروائی کا خلاصہ خود سیموئیل ہور نے اگست ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل الفاظ میں قلمبند کیا:۔

"کمیٹی نے اپنی کاروائی کو بہ حیثیت مجموعی انہی خطوط پر جاری رکھا جس کی آپ توقع کر سکتے تھے۔ جو ایک بڑی تبدیلی ہے بشرطیکہ یہ واقعی بڑی تبدیلی ہو، وفاقی مقننہ کے ایوان زیریں کے لئے بالواسطہ طریقہ انتخاب ہے۔ یہ امر مجھ پر بالکل واضح تھا کہ اگر میں اس نکتے پر اپنے موقف سے دستبردار نہ ہوں تو قرطاس ابیض کی کئی بنیادی سفارشات کے لئے آسٹن چیمبرلین، ڈربی اور ان کے رفقا کی حمایت حاصل کرنا ممکن نہ ہو گا۔ اس بات کا امکان تھا کہ بالواسطہ طریقہ انتخاب کو قبول نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ بالا کئی افراد مرکزی ذمہ داری کی سفارش کی براہ راست مخالفت پر اتر آتے۔ یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔ چنانچہ میں نے وہی کچھ قبول کرلیا جو ناگزیر تھا۔ اس کے نتیجے میں کمیٹی کی بعد کی کاروائی کی رفتار بڑی حد تک تیز ہوگئی۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سالسبری کے مصالحت ناپذیر ساتھیوں کے مختصر گروپ اور لیبر ارکان کے سوا رپورٹ کو ساری کمیٹی کی حمایت حاصل ہوگی" (۱۷۰)۔

اس طرح ایک اہم نکتے پر اپنے موقف سے دستبردار ہو کر سیموئیل ہور نے پارٹی کے مخالف ارکان کی تائید حاصل کرلی اور نہ صرف پارٹی کے اجلاس میں بلکہ پارلیمینٹ میں

Marfat.com

بھی قرطاس ابیض کی اسکیم کی منظوری کو یقینی بنا دیا۔

پس پردہ متازعہ امور پر مفاہمت کے بعد لارڈ لن لتھ گو اس قابل ہوگیا کہ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں رپورٹ کا مسودہ پیش کر سکے۔ یہ گزشتہ جنوری کے بعد اس کا اکتالیسواں اجلاس تھا (۱۷۱)۔ اس رپورٹ کا مواد گول میز کانفرنس کی کاروائیوں اور اپریل ۱۹۳۳ء کے بعد کی کمیٹی کی اپنی کاروائیوں سے اخذ کیا گیا تھا۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی کمیٹی کی سفارشات قرطاس ابیض پر مبنی تھیں بجز اس کے کہ اس نے وفاقی مقننہ کے ایوان زیریں کے لئے بالواسطہ طریقہ انتخاب کی منظوری دے دی تھی (۱۷۲)۔ مختلف امور کے بارے میں قرطاس ابیض کی تمام تجاویز کو مناسب تغیر و تبدل کے ساتھ رپورٹ کے مسودے میں شامل کرلیا گیا تھا جن میں صوبوں میں دو عملی کی منسوخی اور تحفظات کی پابندی کے ساتھ ذمہ دار ہندوستانی وزرا کو نظم و نسق کی منتقلی (۱۷۳)، وفاق ہند کی اسکیم اور وفاق کے نفاذ کی مستقنفیات (۱۷۴) فرقہ وارانہ تصفیہ (۱۷۵)، حفاظتی ملازمتوں کی نگرانی اور ان میں بھرتی (۱۷۶) انڈیا کونسل کے ارکان کی جگہ مشیروں کا تقرر (۱۷۷)، ریزرو بینک اور ریلوے سے متعلق آئینی ادارے (۱۷۸) کا قیام جیسے سارے اہم معاملات شامل تھے۔ کمیٹی نے اس رپورٹ پر غور کرنے کے لئے چیئرمین کی تحریک ۹ (۱۷۹) کے مقابلے میں ۱۹ ووٹوں سے منظور کرلی۔ اٹیلی نے اپنی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے جو تحریک (۱۸۰) پیش کی اسے کمیٹی نے مسترد کر دیا۔ یہ رپورٹ ہندوستانی قوم پرستوں کے مطالبات سے مطابقت رکھتی تھی (۱۸۱)۔ اس کے بعد جون سے اکتوبر تک کمیٹی کے ۲۹ اجلاس ہوئے جن میں چیئرمین کی رپورٹ ایک ایک پیرا گراف پر غور کیا گیا۔ کمیٹی کے ارکان نے ہندوستان کے مسئلے سے متعلق اپنے اپنے موقفوں کے مطابق رپورٹ کے مختلف حصوں میں ترامیم کے لئے تحریکیں پیش کیں (۱۸۲)۔ لیکن رپورٹ کے مسودے کو بہتر بنانے کے لئے سیموئیل ہور اور آر۔ اے بٹلر کی تحریکوں کے سوا تقریباً تمام تحریکوں کو مسترد کر دیا گیا (۱۸۳)۔ البتہ کمیٹی نے جو واحد اہم ترمیم منظور کی وہ لوتھین اور ریڈنگ کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ اس کا تعلق وفاقی مقننہ کے ایوان زیریں کے طریقہ انتخاب سے تھا۔ اس ترمیم میں کہا گیا تھا کہ کمیٹی نے جس بالواسطہ طریقہ انتخاب کی منظوری دی ہے اسے تجرباتی نوعیت کا طریقہ انتخاب تصور

Marfat.com

کیا جائے گا اور ہندوستانی مقننہ مناسب وقت گزرنے پر پارلیمینٹ کو اس نظام انتخاب میں مناسب تغیر و تبدل کی سفارش کرنے کی مجاز ہوگی (۱۸۴)۔ سیموئیل ہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء کمیٹی سے خود اپنی رپورٹ (۱۸۵) اسی شکل میں منظور کرانے میں کامیاب ہوگیا جس کا وہ خواہشمند تھا۔ یہ رپورٹ ۲۱ نومبر ۱۹۳۴ء (۱۸۶) کو جاری کی گئی اور اس کی فروخت میں اضافہ کرنے کی وجہ سے اس کی قیمت ایک شلنگ رکھی گئی جبکہ اس پر چھ شلنگ لاگت آئی تھی (۱۸۷)۔

پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد سیموئیل ہور کی آزمائش کا دور ختم ہوگیا۔ نئی اصلاحات کے نفاذ کے لئے برطانیہ اور ہندوستان دونوں ملکوں میں سیاسی صورت حال سازگار تھی۔ یہ رپورٹ جن بنیادی اصولوں پر مشتمل تھی وہ کل ہند وفاق، تخصیصات و تحفظات کی پابند مرکزی ذمہ داری اور صوبوں میں دوعملی کی منسوخی تھے۔ لیکن اصولوں کو ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس کے آغاز کے بعد سے سختی کے ساتھ برقرار رکھا گیا تھا۔ برطانوی حکومت اور سیموئیل ہور نے تمام مشکلات کے باوجود انہیں ترک نہیں کیا۔ رپورٹ میں قرطاس ابیض کی بنیاد میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا البتہ بعض اعتبارات سے اسے سخت کر دیا۔ لیکن ہندوستان میں اس کا یہی پہلو عرصہ دراز تک موضوع بحث رہا (۱۸۸)۔ رپورٹ میں قرطاس ابیض کی طرح جو اہم نکتہ شامل نہیں کیا گیا تھا وہ اس بات کا حوالہ تھا کہ سلطنت برطانیہ میں ہندوستان کی حیثیت کیا ہوگی۔ لیکن اس معاملے میں بھی برطانیہ میں عام (۱۸۹) اور نجی (۱۹۰) دونوں سطحوں پر اس بات کی توثیق کی جاچکی تھی کہ کمیٹی کے مذاکرات کے نتیجے میں ہندوستان کو مستعمراتی حیثیت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ ہندوستان کے لبرل اہل الرائے نے اس رپورٹ (۱۹۱) پر نکتہ چینی ضرور کی لیکن انہوں نے نئے آئین کے تحت ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کی، منفی اور تخریبی پالیسی، کو مسترد کر دیا (۱۹۲)۔ انہیں مستقبل قریب میں انگلستان یا ہندوستان میں کسی ایسی نئی آئینی اسکیم وضع ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آیا جو مجموعی حیثیت سے ملک کے لئے قابل قبول ہو (۱۹۳)۔ قانون ساز اسمبلی کے انتخابات اسی مہینے میں ہوئے جس میں رپورٹ منظر عام پر آئی۔ کانگریس نے ان انتخابات میں حصہ لیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی (۱۹۴)۔ جس سے آئینی نظام کی طرف

Marfat.com

اس کی مراجین کی راہ ہموار ہوئی کمیٹی کی رپورٹ پر بلاشبہ مخالفانہ ردعمل کا اظہار کیا گیا جس کی مثالیں آئین ساز اسمبلی کے قیام کے لئے کانگریس کے مطالبے (۱۹۵) کے علاوہ وہ قرار دادیں تھیں جو ۳۰ دسمبر (۱۹۶) ۱۹۴۳ء کو پونا میں نیشنل لبریشن فیڈریشن نے اور ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو (۱۹۷) قانون ساز اسمبلی نے منظور کیں۔ لیکن ہندوستان (۱۹۸) اور برطانیہ (۱۹۹) دونوں ملکوں میں ہوشمند عناصر کو امید تھی کہ کانگریس سمیت ہندوستان کے ارباب سیاست ان اصلاحات پر تعمیری انداز میں عملدر آمد کریں گے۔

کچھ ایسی ہی صورت حال برطانیہ میں بھی تھی۔ ماضی میں سیموئیل ہور نے گول میز کانفرنس کے فیصلے اور قرطاس ابیض کی تجاویز سے پہلے پارلیمینٹ کو آگاہ کیا تھا مگر اس کے برعکس اب کی مرتبہ اس نے کمیٹی کی رپورٹ کو براہ راست پارٹی کے اجلاس میں پیش کرنے کو ترجیح دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ کنزرویٹو پارٹی کے کلیدی اہمیت کے حامل ارکان پہلے ہی اس کی حمایت پر رضامند ہوچکے ہیں۔ چنانچہ اس نے ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء کو آسٹن چیمبرلین کے نام اپنے خط میں اس کی حمایت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اسے پارٹی کے اجلاس میں بھی قائدانہ کردار ادا کرنے کی دعوت دی :۔

I "مجھ پر لازم ہے کہ یہ سطریں لکھ کر آپ سے کہوں جو اور بہت سے لوگ کہہ چکے ہیں کہ کل انڈیا کمیٹی کے اجلاس میں آپ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ سارا ایوان آپ کی تقریر سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھا اور میں سن چکا ہوں کہ جو لوگ شک میں مبتلا تھے اور گومگو کے عالم میں تھے وہ اس تقریر سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ میں آپ کی حمایت کے لئے اتنی مرتبہ تشکر کا اظہار کرچکا ہوں کہ اگر ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کروں تو آپ بیزار ہوجائیں گے۔ تاہم آپ میرے احساسات سے بخوبی آگاہ ہیں لہٰذا میں مزید کچھ نہیں کہوں گا" (۲۰۰)۔

II "اپنا پچھلا خط لکھنے کے بعد میں نے ایس۔ بی۔ نیویل، ڈیوڈ بار گیسن اور اسٹون ہیون سے ملاقات کی اور ان سے آئندہ منگل کو ہونے والے کونسل کے اجلاس پر تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ کو صیغہ

Marfat.com

راز میں ان انتظامات سے آگاہ کروں جو ہم کرنا چاہتے ہیں اور دریافت کروں کہ کیا آپ انہیں پسند کرتے ہیں؟ اس بات پر ہم سب کا اتفاق ہے کہ اگر کونسل کی مجلس عاملہ منظور کرے تو بحث حکومت کی تائید میں ایمری کی مثبت قرار داد پر ہونی چاہئے نہ کہ سالسبری کی منفی قرار داد پر.... یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہماری جانب سے جو مقررین اظہار خیال کریں وہ یہ ہوں۔ لنچ کے فوراً بعد ایوسٹیس اور پرسی اپنی تقریروں سے آغاز کریں اور پھر لن لتھ گو، لیڈی برج مین اور ڈربی اجلاس سے خطاب کریں۔ ہم سب کی متفقہ رائے ہے کہ آپ کی تقریر کلیدی اہمیت کی حامل ہوگی لہٰذا اسے آخر میں رکھنا سب سے زیادہ مناسب ہوگا۔ اس موقع پر تقریباً سب نے زور دے کر اس رائے کا اظہار کیا کہ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ کمیٹی کے ان ارکان پر توجہ مرکوز کی جائے جو حکومت سے متعلق نہیں ہیں۔ میرا اپنا موقف یہ تھا کہ یقیناً تقریر کروں گا لیکن میری دانست میں مناسب یہ ہوگا کہ مندوبین اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ موضوع بحث قرطاس ابیض نہیں بلکہ کمیٹی کی رپورٹ ہے اور اس کے لئے خود کمیٹی کے ارکان ذمہ داری قبول کریں۔ بالڈون شروع میں بلاشبہ موقف کو واضح کرچکا ہوگا اور اس طرح ظاہر ہے کہ حکومت بھی پابند ہوجائے گی (۲۰۱)۔

دو دن بعد وہ ولنگڈن کو یہ اطلاع دینے کے قابل تھا کہ آسٹن، ڈربی، ایوسٹیس پرسی اور ہوپی سب اگلے ہفتے نیشنل یونین کے اجلاس سے خطاب کرنے کے لئے تیار رہیں (۲۰۲)۔ سیموئیل ہور اس مرتبہ اپنی اسکیم کی بات کرنے کی ذمہ داری اپنی پارٹی کے اہم ارکان کو منتقل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نیشنل یونین آف کنزرویٹو اور یونینسٹ ایسوسی ایشن کا اجلاس ۴ دسمبر ۱۹۳۴ء کو لندن کے کوئیز ہال میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی کاروائی اور ووٹنگ کی صورتحال حسب توقع تھی۔ سالسبری اور چرچل کا نقطہ نظر رد کردیا گیا۔ اور ہور کو تقریر کئے بغیر حق بجانب قرار دیا گیا (۲۰۳)۔ کونسل نے تین سو نوے کے مقابلے میں گیارہ سو دو ووٹوں سے کمیٹی کی رپورٹ منظور کرلی (۲۰۴)۔ لوتھین نے اسے

Marfat.com

نزاعی دور کے اختتام سے تعبیر کیا اور صورت حال ان الفاظ میں بیان کی :۔

”میں کوئینز ہال کے اجلاس کے بعد اطمینان کا سانس لیتے ہوئے یہ سطریں لکھ رہا ہوں جس میں ہٹ دھرم گروپ کو تین سو نوے کے مقابلے میں گیارہ سو ووٹوں سے شکست ہوگئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس رائے شماری کے نتیجے میں مسئلہ طے پا گیا۔ یہ تاثر بڑھتا جارہا ہے کہ کنزرویٹو پارٹی مشترکہ سیلیکٹ کمیٹی کی تجاویز کی منظوری کا فیصلہ کرنے کے بعد بل کو جلد از جلد موضوعہ قوانین میں شامل کرنا چاہئے گی اور رکاوٹ ڈالنے کے پارلیمانی ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کسی بھی ایسی کوشش پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے گی جس کا مقصد یا تو تفریق پیدا کرنا ہو یا اس کی اہم دفعات میں ترمیم کرنا ہو۔ اگر بل آسانی سے دارالعوام میں منظور کر لیا جائے اور اس وقت خیال یہ ہے کہ چرچل کا ساتھ دینے والے ارکان کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں ہوگی تو میں نہیں سمجھتا کہ دارالامرا میں کسی سخت دشواری کا سامنا ہوگا“ (۲۰۵)۔

خود سیموئیل ہور کے نزدیک رپورٹ کو دونوں ایوانوں سے منظور کرالینا اب نسبتاً آسان تھا(۲۰۶) چنانچہ اس نے ۱۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو رپورٹ دارالعوام کو پیش کر دی (۲۰۷)۔ اس ایوان میں لیبر ارکان اور چرچل کی متحدہ مخالفت کے باوجود جنھوں نے مل کر (۲۰۸) رپورٹ کے خلاف ووٹ دیا اسے دو دن کے اندر قطعی اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔ اس کے حق میں چار سو اور مخالفت میں ۱۲۷ ووٹ آئے (۲۰۹)۔ چھ روز بعد لارڈ ہیلی فیکس (۲۱۰) کی تحریک پر دارالامرا نے بھی ۶۲ کے مقابلے میں ۲۹۳ ووٹوں سے اس رپورٹ کی منظوری دے دی (۲۱۱)۔ اس کے بعد سیموئیل ہور نے اپنے مشیروں کی مدد سے جن میں (۲۱۲) ہیلے اور سر مارس گوائر (۲۱۳) پیش پیش تھے مسودہ قانون ہند (انڈیا بل) مرتب کرنے میں مصروف ہوگیا اور کوئی چھ ہفتے یا اس سے کچھ زیادہ مدت میں اسے مکمل کر لیا۔ اس مرحلے پر مسودہ قانون کو ہندوستان کے والیان ریاست کی طرف سے خطرہ لاحق ہوگیا جنھوں نے مارچ ۱۹۳۳ء کے بعد اجتماعی حیثیت سے اصلاحات کی تجاویز پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا

Marfat.com

کیونکہ ایوان والیان ریاست کا اجلاس جنوری میں ملتوی ہونے کے بعد اس سال دوبارہ نہیں ہوا۔ تاہم دسمبر ۱۹۳۴ء میں والیان ریاست اور ان کے وزرا کا اجلاس بمبئی میں منعقد کیا گیا جس کا مبینہ مقصد یہ تھا کہ ایوان کی ازسرنو تنظیم کے سوال اور پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا جائے (۲۱۴)۔ یہ وزارتی مذاکرات راز میں رکھے گئے اور اخبارات میں ان کے متعلق جو خبر شائع ہوئی وہ یہ تھی :-

> "آئینی اصلاحات کے بارے میں سیلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے بمبئی میں ہندوستانی ریاستوں کے وزرا کے غیر رسمی اجلاس کے انعقاد کے بعد ایوان والیان ریاست کی وزارتی مجلس قائمہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ایوان والیان ریاست کے مقرر کردہ تحفظات کے خصوصی حوالے سے اس رپورٹ پر غور کیا گیا، اس میں مجوزہ ترامیم پر تبادلہ خیال کیا گیا اور متفقہ فیصلے کئے گئے۔ وزراء کی رپورٹ ایوان والیان ریاست کے چانسلر کو پیش کی جائے گی۔ وزارتی کانفرنس کے نتائج کو نہایت تسلی بخش قرار دیا گیا" (۲۱۵)۔

بالآخر دو ماہ بعد بمبئی میں والیان ریاست کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس میں ان کے مزاج کی کیفیت وہی تھی جس کا مظاہرہ ۱۹۳۱ء کے بعد ہر سال ہوتا رہا تھا (۲۱۶)۔ ۲۵ فروری ۱۹۳۵ء کو انہوں نے حسب ذیل قرار داد منظور کی :-

> "مسودہ قانون اور دستاویز شمولیت میں کئی اعتبارات سے ان سمجھوتوں سے انحراف کیا گیا ہے جو ریاستوں کے نمائندوں اور ملک معظم کی حکومت کے ارکان کے درمیان طے پائے تھے اور یہ دیکھ کر (ایوان) کو افسوس ہوا ہے کہ مسودہ قانون اور دستاویز شمولیت ریاستوں میں ریاستوں کے ان انتہائی اہم مفادات اور بنیادی مقتضیات کا تحفظ نہیں کیا گیا ہے جن پر وہ مسلسل زور دیتی رہی ہیں۔ اس اجلاس کی قطعی رائے یہ ہے کہ بل اور دستاویز شمولیت دونوں کے بنیادی نکات میں جب تک تسلی بخش ترامیم اور ردوبدل نہیں کیا جائے گا وہ ہندوستانی ریاستوں کے لئے قابل قبول نہیں

Marfat.com

ہوں گے (۲۱۷)۔

اس سے حکومت کو سخت دھچکا لگا۔ لیکن چرچل کے لئے یہ نہایت اہم خبر تھی (۲۱۸)۔ اگلے دن اس نے دارالعوام میں تقریر کی اور کہا کہ والیان ریاست نے یہ قرار داد منظور کر کے حکومت کی اسکیم کو قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ اس نے ایوان سے انڈیا بل پر بحث کو ملتوی کرنے کا مطالبہ کیا اور حکومت پر زور دیا کہ وہ سائمن کمیشن کی عمومی تجاویز کی طرف رجوع کرے (۲۱۹)۔ سیموئیل ہور نے جلد ہی دستاویزی شواہد پر مبنی ایک مدلل قرطاس ابیض تیار کر لیا جس میں اس نے پارلیمینٹ کو یقین دلایا کہ والیان ریاست کی بمبئی والی قرار داد کسی معنی میں کل ہند سے متعلق ان کی معینہ پالیسی سے انحراف کے مترادف نہیں ہے اور یہ کہ ان کے اور حکومت کے درمیان اختلاف سیاسی نقطہ نظر کا تضاد نہیں ہے بلکہ وہ طریقہ تسوید سے پیدا ہوا ہے (۲۲۰)۔ اپنے قرطاس ابیض میں اس نے والیان ریاست کے ان خدشات کو دور کرنے کی کوشش کی کہ مسودہ قانون کے اہم نکات اس اسکیم سے مختلف ہیں جو اب تک زیر غور رہی ہے (۲۲۱)۔ انجام کار پارلیمینٹ میں مسودہ قانون کا مسئلہ سیموئیل ہور کی مرضی کے مطابق طے پا گیا۔ باقیماندہ مدت کے دوران سیموئیل ہور، ولنگڈن اور خود بادشاہ کی طرف سے والیان ریاست پر دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے موقف پر جمے رہے (۲۲۲)۔ لیکن ان کے ایوان کے اجلاس میں جو کاروائی کی گئی تھی اس سے سیموئیل ہور اور اس کے حامی بوکھلا گئے تھے (۲۲۳)۔ اس کاروائی کی وجہ سے ان پر جو گزری اس کی کیفیت خود سیموئیل ہور اور ہیلے نے یوں بیان کی ہے:۔

I "آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے کس قدر پریشان کن ہفتہ گزارا .... والیان ریاست کی طرف سے قرار داد کی عاجلانہ منظوری اور اس سے بھی بڑھ کر ان کی احمقانہ تقریروں کے افشا سے بڑی بری صورت حال رونما ہو گئی۔ اس سے ہمارے دشمن خوش اور ہمارے دوست بری طرح پریشان ہو گئے۔ کابینہ میں خود میرے رفقا یہ سوال کر رہے تھے کہ آیا بل پر بحث جاری رکھنے کا بھی کوئی فائدہ ہے یا نہیں۔ ان کے اور میرے لئے اس خلاف توقع واقعے اور ہندوستان سے مجھے حالات کی صحیح اطلاع نہ ملنے کی وجہ

Marfat.com

سے میری لاعلمی سخت تشویش کا باعث تھی۔ کابینہ کے باہر آسٹن چیمبرلین جیسے دوست صورت حال سے بدحواس ہوگئے تھے۔ پارلیمانی حلقوں کے باہر مجھے کلائیو وگرام سے مجھے متعدد پیغامات موصول ہوئے کہ بادشاہ سلامت بھی کابینہ اور ہمارے موئدین کی طرح پریشان ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس سلسلے میں مجھ سے لوگوں کا ردعمل معلوم کرنا چاہیں گے۔ ان کا ردعمل بے حد سخت تھا اور یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ہم شدید پارلیمانی بحران پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئے۔ بعد میں جیسا کہ حالات نے رخ اختیار کیا دارالعوام میں ہمیں بھاری اکثریت کی حمایت حاصل ہوگئی۔ لیکن کامیابی کا امکان بہت کم تھا اور بہت ممکن تھا کہ ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا" (۲۲۴)۔

II "اس میں شک نہیں کہ بل کے مخالفین نے (والیان ریاست) کی قرار داد سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس شام جبکہ اس پر بحث ہوئی (مسودہ قانون کی شق نمبر ۵ کے آخری حصے پر) ایوان میں بھرپور حاضری اس سارے معاملے سے زبردست دلچسپی کی دلیل تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے ہندوستان میں اس بات کو محسوس کرنا آسان نہیں تھا کہ انگلستان میں لوگوں کے ذہن میں وفاق کا معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ان کی توجہ وفاقی مقننہ میں تغیر و تبدل کے ساتھ وفاق کے بلاتاخیر قیام پر مرتکز رہی ہے۔ (والیان ریاست) کی قرار داد کی شرائط کچھ ایسی تھیں کہ مسودہ قانون کے مخالفین یہ دعویٰ کرنے کے قابل ہوگئے کہ ایسے بنیادی اختلافات موجود ہیں جو وفاق میں والیان ریاست کی شمولیت کی راہ میں حائل ہیں۔ اگر اس نکتے پر مخالفین کا مقابلہ بھی کیا جاتا جس کی وزیر ہند نے کوشش کی تو وہ بہر صورت یہ دعویٰ پیش کرسکتے تھے، جو بادی النظر میں معقول معلوم ہوتا ہے کہ بل پر مزید بحث اس وقت تک ملتوی رکھی جائے

Marfat.com

جب تک کہ ایوان کو والیان ریاست کے اعتراضات کی صحیح نوعیت سے آگاہ نہ کر دیا جائے۔ اجلاس کے التوا کے مطالبے میں بڑا وزن تھا اور حکومت محض اکثریت کے بل پر اس مطالبے کو رد کرنے میں کامیاب ہوئی۔ میری دانست میں ایوان سر آسٹن کی تقریر سے بے حد متاثر ہوا جن کا ایوان میں بڑا احترام کیا جاتا ہے اور انہوں نے دوسری خواندگی کے موقع پر جو تقریر کی وہ بڑی کارگر ثابت ہوئی" (۲۲۵)۔

اس بحران پر قابو پانے کے لئے سیموئیل ہور نے کمیٹی کے مرحلے پر بل سے متعلق ساری کاروائی کی قیادت کی۔ اس نے ۴ جون ۱۹۳۵ء کو اسے تیسری خواندگی (۲۲۶) کے لئے پیش کیا اور اگلے دن تقریباً جوں کا توں (۲۲۷) اسے دارالعوام سے منظور کرالیا (۲۲۸)۔

سیموئیل ہور نے یہ بندوبست کر رکھا تھا کہ دارالامراء میں بل سے متعلق جملہ امور کی ذمہ داری لارڈ ہیلی فیکس پوری کرے (۲۲۹)۔ اس نے سالسبری سے بھی یہ طے کرلیا تھا کہ دارالامرا میں بل سے متعلق کاروائی مکمل کرلی جائے (۲۳۰)۔ چنانچہ دارالعوام میں اس کی منظوری کے ایک دن بعد ۶ جون کو لارڈ ہیلی فیکس نے مسودہ قانون کو دارالامرا میں پہلی خواندگی کے لئے پیش کیا (۲۳۱)۔ اگلے روز کابینہ میں ردوبدل کے پیش نظر بل سے متعلق طے شدہ پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑی۔ سیموئیل ہور کو جو اب ولنگڈن کی جگہ وائسرائے کے عہدے پر فائز ہونے کا خواہشمند تھا (۲۳۲) وزارت خارجہ کا قلم دان سونپ دیا گیا اور کابینہ میں وزیر ہند کا عہدہ زیٹ لینڈ نے سنبھال لیا۔ ۱۸ جون کو دارالامرا میں بل کی دوسری خواندگی کے دوران زیٹ لینڈ نے جو خود بھی طبقہ امرا کا رکن تھا بل کو اپنے ذمے لے لیا، جس کے وضع کرنے میں اسے حصہ لینے کا کوئی دعویٰ نہیں تھا اور اگرچہ اس کی تمام اہم دفعات کو شروع ہی سے اس کی حمایت حاصل تھی (۲۳۳) لیکن اس کے بعض فرقہ وارانہ پہلوؤں کو وہ مطلقاً پسند نہیں کرتا تھا (۲۳۴) تاہم اب وہ بل میں کوئی تبدیلی کرنا عملی سیاست کے منافی سمجھتا تھا (۲۳۵)۔ اس نے مجوزہ وفاق کے ایوان بالا کے لئے بلاواسطہ طریقہ انتخاب کے لئے لوتھین اور پیل کی بات مان لی (۲۳۶)۔ اس کے سوا وہ سیموئیل ہور کے بل کی حمایت

Marfat.com

کرتا رہا اور اس میں ترمیم کی تمام کوششوں کی مزاحمت کی (۲۳۷)۔ دارالامرا میں انتہا پسندوں نے سالسبری کی قیادت میں اس مسودہ قانون (۲۳۸) کی مذمت کی جس طرح دارالعوام میں چرچل نے کی تھی۔ لیکن ہیلی فیکس، لوتھین، لن لتھ گو اور پیل جیسے امرا کی بھرپور حمایت کی بدولت دارالعوام کی نسبت دارالامرا میں زیادہ جلد اور زیادہ آسانی سے بل منظور کرلیا گیا۔ دارالامرا نے ۲۴ جولائی کو اسے قطعی منظوری کے لئے دارلعوام کو واپس بھیج دیا۔ دارلعوام نے ۳۰ جولائی کو ایک ہی نشست میں اس کی منظوری دے دی۔ لیکن اس مرحلے پر بھی مخالفین نے ایوان کو بل پر چھ گھنٹے تک بحث پر اور تین مرتبہ رائے شماری پر مجبور کردیا۔ اس کے علاوہ چرچل نے ایک مرتبہ پھر اس پر عام بحث کرانے کی ناکام کوشش کی (۲۳۹)۔ دارالعوام نے یکم اگست کو سرسری کاروائی کرکے آخری رسمی کارروائیاں مکمل کرلیں (۲۴۰)۔ اگلے دن اسے شاہی منظوری مل گئی (۲۴۱) اور قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کی حیثیت حاصل ہوگئی (۲۴۲)۔

اس طرح اصلاحات کا مہتم بالشان کام اختتام پذیر ہوا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برطانوی عوام اور ارباب سیاست کی توجہ شہنشاہی نوعیت کے کسی اور سوال پر اس قدر طویل عرصے تک کبھی مرتکز نہیں رہی۔ یہ کام جن کٹھن مرحلوں سے گزرا وہ ہندوستانی رہنماؤں کے لئے بڑے تاب آزما تھے اور اس کی تکمیل میں جتنی طویل مدت لگی اس سے اصلاحات کی قدر وقیمت بڑی حد تک کم ہوگئی۔ یہ اصلاحات غور و خوص کے جن نتائج پر مشتمل تھیں وہ ہندوستانیوں کی امنگوں سے بہت کم تھے۔ ہندوستانی سالہا سال سے مستعمراتی حیثیت کا مطالبہ کررہے تھے، مگر اس مطالبے کو اصلاحات میں معلق رکھا گیا، مرکز میں ذمہ دار انتظامیہ کے قیام کا سوال بھی مستقبل بعید تک ملتوی کردیا گیا جبکہ وفاق کو اتنی ساری شرائط کا پابند بنا دیا گیا کہ اس کا نفاذ اگر ناممکن نہیں تو بہت دور جا پڑا۔ گورنر جنرل اور گورنروں کو بےحد و بےحساب اختیارات اور فرائض سونپ دیئے گئے اور جہاں کہیں ہندوستانیوں کے لئے ذمہ داری کی گنجائش رکھی گئی اس پر قدغنیں بھی لگادی گئیں۔ بایں ہمہ اگر بےلاگ اور مفروضی نقطہ نظر سے جانچا جائے تو ان عمومی فیصلوں سے ہندوستانیوں کو معتدبہ فائدہ پہنچتا تھا۔ تخصیصات اور تحفظات کے باوجود صوبوں میں ان

Marfat.com

کے لئے معقول اختیارات کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اگر ان سے صوابدید اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کام لیا جاتا، جیسا کہ بعد میں کانگریسی لیڈروں نے لیا تو ان کی بدولت حکومت کی مشینری کا ایک بڑا حصہ ذمہ دار ہاتھوں میں منتقل ہونا لازمی تھا۔ مرکزی ذمہ داری کا اصول بھی متعین ہوگیا تھا۔ یہ امر کہ سیموئیل ہور نے کل ہند وفاق کے تصور کو کلیتاً ترک نہیں کیا اور اپنے موقف کے لئے کم از کم اتنی حمایت حاصل کرلی کہ اس کی اسکیم کو منظور کرلیا گیا انگریزوں کے اس اعتراف کی دلیل تھا کہ مرکزی حکومت ہند میں ہندوستانیوں کی شرکت ناگزیر ہے۔ اگرچہ برطانیہ میں ہندوستان کی آزادی کو خارج از بحث قرار دے دیا گیا تھا اور برطانوی سیاست دانوں کے نزدیک ہندوستان کی مستعمراتی حیثیت ناقابل قبول تھی، لیکن اب اطاعت پر مجبور کرنے کی پالیسی ترک کردی گئی اور ہندوستانیوں کی مرضی کو برطانیہ کے ساتھ اشتراک کی بنیاد پر تسلیم کرلیا گیا۔

ہندوستان میں وائسرائے کی حیثیت سے ولنگڈن کے ہاتھوں اصلاحات کے کام کو اتنا فروغ حاصل نہیں ہوا جتنا کہ ارون کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں وائسرائے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ باوجودیکہ یہ سارا کام ولنگڈن کی عہد کی معیاد کے دوران انجام پایا، وہ فرقہ وارانہ صورت کو بہتر بنانے اور والیان ریاست کو وفاق کے قریب تر لانے میں ناکام رہا۔ اس کی ان دو ناکامیوں کے سبب ترقی کی رفتار رک گئی۔ وہ گاندھی سے گریزاں رہا اور کانگریس کو دوسری گول میز کانفرنس کے بعد اصلاحات کے کام میں شرکت کا موقع نہیں دیا گو بعد کی کاروائی بہ حیثیت مجموعی ۱۹۳۱ء کے گاندھی ارون سمجھوتے سے ہم آہنگ تھی۔ ولگنڈن کے دور حکومت میں ہندوستان کے اندر بادی النظر میں امن و امان کا دور دورہ رہا لیکن اس کا اصل سبب یہ تھا کہ کانگریس کی قوت جواب دے چکی تھی، فرقہ وارانہ نفاق نے شدت اختیار کرلی تھی اور ملک نئے آئین کا منتظر تھا۔

لیکن جہاں ولنگڈن کی حکومت میدان عمل میں پیچھے رہ گئی تھی، وہاں ہندوستانی لبرل لیڈروں خاص کر سپرو نے اصلاحات کے کام میں گراں قدر کردار ادا کیا۔ انگریزوں کے رویئے سے مایوس ہونے اور خود اپنی قوم کے نشانہ ملامت بننے کے باوجود انہوں نے آخر وقت تک حکومت کے ساتھ تعاون کیا۔ مستعمراتی حیثیت کے مطالبے سے ہندوستانیوں کی توجہ

Marfat.com

ہٹانے کے لئے اس کے نعم البدل کے طور پر ایک دقت طلب وفاق کا جو تصور پیش کیا گیا تھا اسے بھی ان آزاد خیال سیاست دانوں نے تسلیم کرلیا۔ نیز اگر یہ سیاست داں آڑے نہ آتے تو صوبائی خود مختاری کا نفاذ ۱۹۳۷ء سے بہت پہلے عمل میں آچکا ہوتا۔ البتہ انہوں نے مزاحمانہ موقف اختیار کر کے مرکزی ذمہ داری کے مسئلے سے توجہ ہٹنے نہیں دی۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان کی ثابت قدمی اور استقلال کے بغیر ہندوستان کو اتنا کچھ حاصل نہ ہوتا اور ان کے تعاون کے بغیر سیموئیل ہور پارلیمینٹ میں اصلاحات کی اسکیم منظور کرانے میں کامیاب نہ ہوتا۔

برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاسی عنصر کے حملوں اوراس کی طرف سے اصلاحات کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے اور اصلاحات کی اسکیم کا قلع قمع کرنے کی کوششوں کے بعض مایوس کن نتائج بر آمد ہوئے۔ انہوں نے آئین وضع کرنے میں ایسے وقت تعویق پیدا کردی جب یورپ کی سیاسی فضا بگڑتی جارہی تھی۔ نیز ان کی سرگرمیوں نے ہندوستانیوں میں بے حسی پیدا کردی اور سامراجی رشتے پر سے ان کا اعتماد اٹھ گیا اور وہ انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے آرزو مند ہوگئے (۲۴۳)۔ تاہم اس ہٹ دھرم عنصر کے مقابلے میں بالڈون، لوتھین، ریڈنگ اور آسٹن چیمبرلین جیسے سیاست دانوں نے اصلاحات کے کام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں چیمبرلین خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک مدبر کی حیثیت سے کنزرویٹو پارٹی کی مرکزی قیادت پر اس کا جو زبردست اثر و رسوخ تھا اس کی بدولت ہٹ دھرم عنصر کو قابو میں رکھنے اور بل کو منظور کرانے میں بڑی مدد ملی۔ ان سب سے بڑھ کر سیموئیل ہور کی ان تھک جدوجہد تھی۔ اسی نے اس کام کو آگے بڑھایا جس کی ابتدا ارون نے کی تھی۔ ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس کے دوران وہ ہٹ دھرم گروپ کا حلیف تھا۔ پھر وفاق کی تجویز سامنے آئی جس سے کئی برطانوی سیاست دانوں نے دلچسپی ظاہر کی۔ سیموئیل ہور کے لئے اس تجویز کی کشش کچھ ایسی تھی کہ وہ فوراً اسکی حمایت پر کمربستہ ہوگیا۔ اس نے تسلیم کرلیا کہ کل ہند وفاق ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہندوستان کے سیاسی بحران کو روکا جاسکتا ہے اور یہی وہ واحد بنیاد ہے جس پر ہندوستان کی آئینی اصلاحات کی اسکیم تیار کی جاسکتی ہے۔ اس کی ثابت قدمی اور استقامت لائق ستائش ہے جس کی بدولت

Marfat.com

اصلاحات کی اسکیم پارٹی، پارلیمینٹ، برطانوی رائے عامہ، حکومت ہند اور والیان ریاست کے کٹھن مرحلے طے کرکے کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوگئی۔ البتہ وفاق قائم نہ ہونے پر سیموئیل ہور کو یقیناً مایوسی ہوئی ہوگی، خواہ دوسرے لوگوں کے احساسات کچھ ہی رہے ہوں۔

حوالہ جات:

(۱) ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء

(۲) ملاحظہ ہو 276 HC Deb 5 s, Col 965

(۳) ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد سوم نمبر ۳ کے صفحہ ۲۰۹۵ پر ایچ جی ہیگ کا بیان جو اس نے ۱۵ مارچ ۱۹۳۳ء کو پیش کیا۔ اس میں بتایا گیا کہ جنوری ۱۹۳۳ء کے دوران پورے ہندوستان میں سول نافرمانی کی تحریک میں ملوث ۱۵۳ اشخاص کو سزا دی گئی۔

(۴) اس سلسلے میں ہیگ نے قانون ساز اسمبلی میں بالترتیب ۶ فروری اور یکم مارچ کو جوابات دیے تھے۔ ان کے لئے ملاحظہ ہو۔ م۔ م۔ ق جلد اول نمبر۳ صفحات ۱۹۸ تا ۱۹۹ اور ۲۳۰ تا ۲۳۶ نیز م۔ م۔ ق جلد دوم نمبر ۶ صفحہ ۱۳۸۱۔ اس کے اسمبلی کے اجلاس منعقدہ یکم فروری ۱۹۳۳ء سے ولنگڈن کے خطاب میں اسی مضمون کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد اول صفحات ۳۔ ۴

(۵) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۶۵

(۶) ملاحظہ ہو ہیلے بنام ارون مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ /۲۵ ارون بنام اسٹانلے بالڈون مورخہ ۶ جنوری ۱۹۳۳ء ک۔ ب /۱۰۶ /۲ لارڈ سینکے بنام سپرو مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۳ء ک۔ س۔ لوتھین بنام جایا کار مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۶۶ لوتھین بنام جے ٹی گوائن مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۳ء اور لوتھین بنام جی ٹی گیراٹ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل /۲۶۴

(۷) ملاحظہ ہو سیتل واڈ کی قیادت میں بمبئی سے تعلق رکھنے والے لبرل لیڈروں کی طرف سے جاری ہونے والے مشترکہ بیان کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء اس بیان میں انہوں نے اپنے اپنے مطالبات پیش کئے لیکن عدم تعاون کی دھمکی نہیں دی

(۸) ملاحظہ ہو سپرو کا خط جایا کار کے نام مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء ک۔ س اور جایا کار کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۷۱

Marfat.com

(۹) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۳ء میں سیتل واڈ کا بیان

(۱۰) ملاحظہ ہو ڈاکٹر مونجے کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۶۶ اور اقبال کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل /۲۶۴

(۱۱) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۵ فروری اور مورخہ ۳، ۱۰، ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۳

(۱۲) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۳ء ایضاً

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایف ایچ براؤن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ/۲۵

(۱۵) ایف ایچ براؤن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۳۳ء ایضاً

(۱۶) سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۳

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) صفحات ۱۳۴ تا ۱۳۸ کتاب ہذا

(۲۰) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۶ اور ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء میں ایوان والیان ریاست کے اجلاس منعقدہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء کی کاروائی اور قرار دادوں کی مفصل رپورٹ۔ اس موقع پر ولنگڈن نے ایوان کے چانسلر جام صاحب کو وفاق کے خلاف تقریر کرنے سے روک دیا تھا۔

(۲۱) ملاحظہ ہو سپرو کا خط جایا کار کے نام مورخہ ۹ر مارچ ۱۹۳۳ء ک۔ س۔ اس خط میں سپرو نے ولنگڈن کے ساتھ اپنی گفتگو کا مفصل حال لکھا ہے۔ یہ گفتگو ایک روز قبل ولنگڈن کی تحریک پر دونوں کے درمیان ایک ملاقات میں ہوئی تھی۔

(۲۲) وائسرائے کا تار وزیر ہند کے نام مورخہ ۹ر مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۱۳

(۲۳) ملاحظہ ہو وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام مورخہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۱۳

(۲۴) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۵ر فروری و ۳ مارچ ۱۹۳۳ء

(۲۵) آسٹن چیمبرلین۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۲۶) ملاحظہ ہو وزیر ہند کا تار وائسرائے کے نام مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ/۱۳ اس میں ہور نے وائسرائے سے رابطہ قائم کر کے تجویز پیش کی کہ ہیلے سے کہا جائے کہ پارلیمانی کمیٹی میں اسے مدد دینے کے لئے وہ انگلستان روانہ ہوجائے۔ نیز ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ/۳ اور ہیلے کے نام ولنگڈن

Marfat.com

کی ملفوفہ دستاویز مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء م ۔ ک ۔ ۵/۲۵ یہ دستاویز اس سلسلے میں ولنگڈن کے نام سیموئیل ہور کے تار کی نقل ہے۔

(۲۷) سیموئیل ہور بنام آسٹن چیمبرلین مورخہ ۲۱ر و ۲۴ر مارچ ۱۹۳۳ء م ۔ ک ۔ آ/۴۰/۱/۱، ۴ ۔ ان خطوط میں ہور نے آسٹن چیمبرلین کو پارلیمانی کمیٹی میں شرکت کی دعوت دی۔ ۲۱ر مارچ کے محولہ خط میں ہور نے یہ بھی لکھا ۔ اگر یہ دستور نہ ہوتا کہ دارالامراء کے کسی رکن کو چیئرمین مقرر کیا جائے تو ہماری خواہش یہ ہوتی کہ صدارت کے لئے آپ کا نام تجویز کیا جائے۔

(۲۸) ملاحظہ ہوں سی ۔ ایم ۔ ڈی ۴۲۶۸ ، پیراگراف ۱۳ ۔ دیباچہ

(۲۹) ملاحظہ ہوں صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۲ کتاب ہذا

(۳۰) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی پیراگراف ۱۲؛ تمہید اور پیرا ۴؛ تجاویز

(۳۱) ایضاً پیرا ۱۳ و ۳۲ ، تمہید

(۳۲) ایضاً پیرا ۱۳، تمہید

(۳۳) ایضاً پیرا ۶۷، تمہید اور پیرا۱۷۶ تجاویز

(۳۴) ایضاً پیراگراف ۶۷، تمہید اور پیرا ۱۷۶ تجاویز

(۳۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۳۵۶۹ پیرا ۳۲۷

(۳۶) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۶۸ پیرے ۷۱ تا ۷۲، تمہید اور پیرے ۱۷۹، ۱۸۳ تا ۱۸۴ اور ۱۸۷، تجاویز

(۳۷) ایضاً پیرا ۷۴، تمہید

(۳۸) ایضاً

(۳۹) ملاحظہ ہو پیرے ۱۴ تا ۴۴؛ تمہید اور پیرے ۶ تا ۶۰، تجاویز

(۴۰) قرطاس ابیض کے اس پہلو پر لارڈ زیٹ لینڈ کی تنقید کے لئے ملاحظہ ہو اس کا خط ٹائمز مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۲۳ء میں نیز ملاحظہ ہو ہیلے کا خط بنام سر آریل اسٹائن کے نام مورخہ ۲۱ر مارچ ۱۹۳۳ء ہیلے بنام جے ٹی گوائن مورخہ ۲۱ر مارچ ۱۹۳۳ء م ۔ ک ۔ ۵/۲۵ اور ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۲۳ر جون ۱۹۳۲ ان سب خطوط میں بھی قرطاس ابیض پر اسی طرح نکتہ چینی کی گئی ہے ۔

(۴۱) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی پیرا ۱۲ تمہید اور پیرا ۲۰۲ تجاویز

(۴۲) ایضاً پیرا ۱۲ تمہید؛ پیرا ۲۰۲، تجاویز

(۴۳) ملاحظہ ہو 276 Hc Deb 5 s Col 706

(۴۴) ایضاً Cols 708 - 11

Marfat.com

(۴۵) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۶۸ پیرے ۴۵ تا ۴۶، تمہید

(۴۶) ایضاً پیرا ۴۷، تمہید اور پیرے ۷۰ تا ۷۳، ۱۰۳ تا ۱۰۵ تجاویز

(۴۷) ملاحظہ ہو خفیہ نوٹ بہ عنوان، سائمن کمیشن کی سفارشات اور قرطاس ابیض کی تجاویز کے درمیان فرق کا تجزیہ، جس پر نہ تو کوئی تاریخ درج ہے اور نہ کسی کے دستخط ہیں۔ م۔ ک۔ ٹ/۱/۷ یہ نوٹ غالباً خود سموئیل ہور نے قرطاس ابیض کی اشاعت کے بعد جلد ہی لکھا ہو گا۔ اس میں دونوں دستاویزات کا مفصل تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی سفارشات میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

(۴۸) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط آسام کے گورنر مائیکل KEANE کے نام مورخہ ۲۵ر مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ/۲۵ جس میں ہیلے نے قرطاس ابیض پر ہندوستانیوں کے رد عمل کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(۴۹) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط ریڈنگ کے نام مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۳۳اس میں ہیلے کے قرطاس پر رد عمل کا ایک اور تبصرہ ملتا ہے۔

(۵۰) ایوان والیان ریاست کی مجلس قائمہ کے سامنے اس سلسلہ میں منو بھائی مہتا اور لیاقت حیات خان کے استدلال کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۳۳ء نیز ٹائمز مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۳۳ء میں ملاحظہ ہو اکبر حیدری کا بیان۔

(۵۱) ملاحظہ ہوں ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۰، ۲۳، ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۳۳ء میں بالترتیب اقبال شوکت علی، ڈاکٹر مونجے اور اے کے فضل الحق کے بیانات اور مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ اور ہندو مہاسبھا کی مجلس عاملہ اور مرکزی مقننہ کے ہندو ارکان کی مشترکہ قرار دادوں کے متن۔ نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر بی ایس مونجے کا خط سپرو کے نام مورخہ ۳ اپریل ۱۹۳۳ء ک۔ س۔ اور جوگندر سنگھ کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۵ اپریل ۱۹۳۳ء د۔ ل/۱۶۶

(۵۲) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء میں جناح کا بیان جو لندن میں جاری کیا گیا۔ نیز کانگریس کے کلکتے کے اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۳۳ء میں منظور کی جانے والی قرار دادوں کے لئے سیتارامیہ کی محولہ کتاب اس کے علاوہ قانون ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء میں منظور کی جانے والی قرار داد کے لئے ملاحظہ ہو م۔ ق جلد چہارم نمبر ایک صفحہ ۲۹۷۷۔ قرار داد قرطاس ابیض پر تین دن کی بحث کے بعد منظور کی گئی۔

(۵۳) پرشوتم داس ٹھاکر داس، جی ڈی برلا اور لالہ شری رام کے مشترکہ بیان کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۳ء

Marfat.com

(۵۴) ملاحظہ ہوں ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۰، ۲۱ اور ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء میں بالترتیب سیتل واڈ کا بیان، سری نواس شاستری اور رام چندر راؤ کا مشترکہ بیان اور قرطاس ابیض پر سری نواس شاستری کے اس مضمون کا خلاصہ جو مدراس جرنل میں شائع ہوا تھا

(۵۵) ملاحظہ ہو پایونیر میل مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء میں سپرو کے اس طویل بیان کا متن جو ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو جاری کیا گیا۔ اس بیان میں قرطاس ابیض کا تجزیہ کیا گیا تھا۔

(۵۶) قرطاس ابیض پر سپرو کے تبصرے کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۳ء

(۵۷) ایضاً

(۵۸) سپرو کا خط ڈاکٹر سبار این کے نام مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء ک۔ س

(۵۹) سپرو کا خط مس اگاتھا ہیری سن کے نام مورخہ ۲، اپریل ۱۹۳۳ء ایضاً

(۶۰) ملاحظہ ہوں سپرو کے خطوط مس اگاتھا ہیری سن کے نام مورخہ ۲۴، ۲۷ مارچ اور مورخہ ۲، اپریل ۱۹۳۳ء اور راماراؤ کے نام مورخہ ۲، اپریل ۱۹۳۳ء ایضاً

(۶۱) سپرو کا خط مس اگاتھا ہیری سن کے نام مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء ایضاً

(۶۲) ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ ۳۴/

(۶۳) ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۶ مئی ۱۹۳۳ء۔ ایضاً

(۶۴) دارلعوام میں ۴۳ کے مقابلے میں ۴۴۹ ووٹوں سے اس کی حمایت کی گئی اور دارالامراء میں ۱۳ کے مقابلے میں ۶۵ ووٹوں سے۔ ملاحظہ ہو بالترتیب ۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء :

276H. C, Deb 5 s, cots 1145-50

اور ۱۱ اپریل ۱۹۳۳ء، 87 H.L. Deb 5 s, cots 895-8:

(۶۵) ملاحظہ ہو جارج لینسبری بنام سیموئیل ہور مورخہ ۳، ۴ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ ۱۷/ اور سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ ۳/

(۶۶) ملاحظہ ہو سر ہربرٹ سیموئیل بنام سیموئیل ہور مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ ۱۷/۔ نیز ہربرٹ سیموئیل بنام لوتھین مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء اور لوتھین بنام ہربرٹ سیموئیل مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۳ء د۔ ل/۱۶۶

(۶۷) ملاحظہ ہوں لارڈ سالسبری کے خطوط سیموئیل ہور کے نام ۵، ۸ مارچ ۱، ۶، ۷، ۱۱ اپریل ۱۹۳۳ء سیموئیل ہور کا خط بنام سائمن مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ ۱۷/ اور سیموئیل ہور کے خطوط بنام ولنگڈن مورخہ ۱۰ مارچ ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ ۳/

Marfat.com

(۶۸) ملاحظہ ہوں چرچل کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱، ۵ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۱۷

(۶۹) ملاحظہ ہو ہیلے بنام جے ٹی گوائن مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء، ہیلے بنام ریڈنگ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء، م۔ ک۔ ہ /۲۵ ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء، م۔ ک۔ ٹ /۶ نیز حواشی ۱ تا ۳ صفحہ ۲۱۶ کتاب ہذا

(۷۰) یہ مجلس بیکانیر، الور، پانا، جھلادر، ڈنگا پور، سانگلی، وانکانیر بھاولپور اور رامپور کے فرماں رواؤں پر مشتمل تھی۔ ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء میں ایک دن قبل ہونے والے اس انتخاب کی رپورٹ۔

(۷۱) مہاراجہ دھولپور دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۷۲) ملاحظہ ہو آر اے بٹلر کی تحریک کے لئے : 283. H.C Deb. 5s Col.89 نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ایک صفحہ ۲۲۸ کتاب ہذا

(۷۳) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء، م۔ ک۔ ٹ / ۳ اور سیموئیل ہور بنام لارڈ پیل مورخہ ۵، ۷، ۱۰ اور ۱۸ اپریل ۱۹۳۳ء مجموعہ کاغذات پیل، انڈیا آفس لائبریری EUR MSS. D. 528:۔ نیز ملاحظہ ہو ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب صفحہ ۸۹ تا ۹۰

(۷۴) وکٹر الیگزانڈر جان ہوپ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۷۵) ملاحظہ ہو : 87 H.L Deb. 5s, Col 472

(۷۶) وہ ارکان یہ تھے۔ تین سابق وائسرائے : اروِن ریڈنگ اور ہارڈنگ۔ دو سابق وزرائے ہند : پیل اور آسٹن چیمبرلین ایک ہندوستان سے متعلق سابق پارلیمانی انڈر سیکریٹری : ونٹرٹن اور دو سابق گورنر : زیٹ لینڈ اور ریجنالڈ کریڈاک سیموئیل ہور اور اس کا نائب آر اے بٹلر ان کے علاوہ تھے۔ نیز دوسرے افراد جو ہندوستان کے بارے میں اہم تحقیقات اور کانفرنسوں میں شریک رہے اور جن کے نام یہ ہیں : سینکے، برنھم، ایٹلی، کیڈوگن، لوتھین، ڈیوڈسن، ایوسٹیس پرسی اور لن لتھ گو۔

(۷۷) ملاحظہ ہو ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب، صفحہ ۹۰

(۷۸) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۶۸، پیرا ۲ تمہید

(۷۹) ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ۴ مئی ۱۹۳۳ء کو کمیٹی کے اجلاس میں چیرمین کی طرف سے پیش کی جانے والی قرار داد کے لئے ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی (اجلاس ۱۹۳۲ تا ۱۹۳۳ء) کی رپورٹ :- H.L. 79 (I) HL 112 (I) (1933) -P. 5 یہ قرار داد

Marfat.com

اس وقت پیش کی گئی تھی جب ہندوستانی مندوبین ابھی کمیٹی میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

(۸۰) ملاحظہ ہو ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ۵/۳۴

(۸۱) کمیٹی میں شریک ہندوستانی مندوبین کی کل تعداد ۲۸ تھی۔ ان میں ۷ کا تعلق ریاستوں سے تھا۔ اور ۲۱ کا برطانوی ہند سے ان مندوبین کے نام یہ ہیں۔ ریاستی مندوبین: وی ٹی کرشنا مچاری، لیاقت حیات خان، اکبر حیدری منو بھائی مہتا، پی ڈی پاٹانی اور وائی تھومبھیر۔ برطانوی ہند کے مندوبین:۔ آغا خان، سی پی راما سوامی آئیر، بی آر امبیڈ کر، ہیوبرٹ کار، اے ایچ غزنوی، کرنل ہنری گڈنی، ہری سنگھ گور، راما سوامی آئینگر جایا کار، این ایم جوشی این سی کیلکار، بیگم شاہ نواز اے پی پیٹرو عبدالرحیم سپرو، فیروز سیٹھنا، شفاعت احمد خان، سردار بوٹا سنگھ، این۔ این سرکار، پرشوتم داس ٹھاکر اور ظفراللہ خان۔ ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی رپورٹ۔ صفحات V تا VI۔

ان مندوبین کیلکار علالت کی وجہ سے کمیٹی کے اجلاس میں شرکت نہ کرسکا۔ سپرو اور دوسرے کئی ہندوستانی مندوبین نے صرف مئی سے اگست ۱۹۳۳ء تک منعقد ہونے والے کمیٹی کے پہلے اجلاس میں شرکت کی۔ فقط معدودے چند ہندوستانیوں نے دوسرے اجلاس میں شرکت کی جو اکتوبر سے نومبر ۱۹۳۳ء تا جاری رہا۔

(۸۲) ہری سنگھ گور دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ۔

(۸۳) نری پندر ناتھ سرکار۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۸۴) ملاحظہ ہو این این سرکار بنام زیٹ لینڈ مورخہ ۲۳ جون ۲ اگست ۱۹۳۳ء زیٹ لینڈ کا نوٹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۳ء بہ عنوان "بنگال اور میثاق پونا" م۔ ک۔ ز/۲۱ (h) زیٹ لینڈ بنام لن لتھ گو مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ز/۲۲ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۲۴۴، حاشیہ نمبر ۷ صفحہ ۲۴۶ کتاب ہذا۔

(۸۵) اس مرحلے میں کمیٹی کے دو اجلاس ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے: اس کا پہلا اجلاس ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء کو ہوا اور پھر ایک ماہ کے دوران اس کی آٹھ نشستیں ہوئیں۔ ہندوستانی مندوبین نے ۱۶ مئی سے کمیٹی کی کاروائی میں شرکت کی اور گواہوں کے بیان لینے کا سلسلہ ۲ جون کو شروع ہوا۔ کمیٹی کے ارکان اور ہندوستانی مندوبین کی مشترکہ نشستیں ۳ اگست تک جاری رہیں اور اسی تاریخ کو کمیٹی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ پھر اس کا اجلاس ۳ اکتوبر کو دوبارہ شروع ہوا اور ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء تک جاری رہا اور اسی تاریخ کو کمیٹی کی کاروائی کا پہلا مرحلہ ختم ہوگیا۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی (اجلاس ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء) کی رپورٹ، HL 79 (1) HC 112 (1) (1933) PP 2-75.

Marfat.com

(۸۶) ایضاً

(۸۷) اس رپورٹ کا مسودہ شائع نہیں کیا گیا۔ لیکن ۱۸ جون ۱۹۳۴ء کو اس رپورٹ کا مسودہ شائع کر دیا گیا جو کمیٹی کی از سر نو تشکیل ہونے کے بعد اس کے چیرمین نے پیش کیا۔ کمیٹی نے موخر الذکر رپورٹ پر غور کیا اور اسی کی بنیاد پر کمیٹی کی اپنی رپورٹ مرتب کی گئی۔

(۸۸) ملاحظہ ہوں ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ VII۔ نیز ملاحظہ ہو اس کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-A جلد II-C جن میں بیانات لینے کی کاروائی کی تفصیلات درج ہیں۔

(۸۹) ہندوستانی گواہوں میں یہ افراد نمایاں حیثیت رکھتے تھے: ڈاکٹر بی ایس مونجے، ایس سنہا اور ذات پات کے پابند ہندوؤں کے نمائندے "مسلم لیگ" مسلم کانفرنس اور ایوان والیان ریاست کے نمائندے۔ ملاحظہ ہو ۲۲ جون ۱۹۳۳ء مذکورہ بالا کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-A صفحات ۲۴۱ تا ۳۰۲ اور ۳۱ اگست ۱۹۳۳ء۔ اسی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-C صفحات ۱۳۵۵ تا ۱۵۵۰۔

(۹۰) مثال کے طور پر چرچل، اور سر مائیکل اوڈائر کی شہادتوں کے لئے ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق شترکہ کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-A صفحات ۷۳ تا ۱۲۴، ۳۸۹ تا ۴۴۲ اور اسی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-C صفحات ۱۷۷۵ تا ۱۸۷۲۔ متذکرہ دونوں گواہوں نے ۱۵، ۱۶ اور ۱۹ جون اور ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو شہادت دی تھی۔

(۹۱) مثلاً ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد دوم A ۱۲۵ تا ۱۳۸، ۳۳۱ تا ۳۴۳ اور ۵۰۵ تا ۵۷۵ میں جو شیا وتج وڈ، سرجان پی تھا مپسن، سر آلفریڈ واٹسن، ایڈورڈ ولیرز اور سر چارلس انیز کی شہادتیں جو انہوں نے ۱۹، ۲۷ جون اور ۵، ۶ جولائی ۱۹۳۳ء کو دیں۔

(۹۲) مثلاً ملاحظہ ہو:-

(I) سپرو کی رائے کے لئے ۲۲ جون ۱۹۳۳ء ایضاً صفحہ ۲۶۳۔ سپرو نے ایس سنہا سے سوال کرتے وقت کہا کہ، ہندوستان میں کوئی شخص صرف اس وقت تک اعتدال پسند رہتا ہے۔ جب تک وہ گورنر اور حکومت کے ساتھ اتفاق کرے اور جوں ہی وہ ان سے اختلاف کرتا ہے انتہا پسند بن جاتا ہے۔

(II) ۳۱ جولائی ۱۹۳۳ء ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-C صفحات ۱۳۵۵ تا ۱۳۵۸ اس روداد کے مطابق مونجے اور بنگال

Marfat.com

کے ذات پات کے پابند ہندوؤں کے نمائندے کمیشن کے سامنے پیش ہوئے تو این۔ این سرکار، ہری سنگھ گور اور جایاکر نے خواہش ظاہر کی کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے پر بحث کی جائے لیکن اقلیتوں کے مندوبین یعنی امبیڈکر، کرنل گڈنی، عبدالرحیم، شفاعت، احمد خان اور ظفر اللہ خان نے کمیٹی کو خبردار کیا کہ اگر فرقہ وارانہ فیصلے کو حرف آخر تسلیم کر کے اصلاحات کا کام اس کی بنیاد پر انجام نہ دیا گیا تو وہ اس کام کے اگلے مراحل کا بائیکاٹ کر دیں گے۔

(III) ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء ایضاً صفحات ۱۷۲۹ تا ۱۷۳۰۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ جب انڈین امپائر کمیٹی سے تعلق رکھنے والے گواہ کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے تو ہندوستانی مندوبین نے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ ان گواہوں سے سوال کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ انہوں نے انتہا پسندانہ خیالات کا اظہار کیا اور وہ ہر قسم کی اصلاحات کے خلاف تھے۔

(IV) چرچل کا بیان لینے والے ہندوستانی مندوبین کے موقف کے لئے ملاحظہ ہو ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء ایضاً صفحات ۱۸۶۱ تا ۱۸۶۷ اکبر حیدری، منو بھائی مہتا، اور وائی تھرمبور نے چرچل کا بیان لینے کے دوران اس بات کی تردید کی کہ والیان ریاست پہلی گول میز کانفرنس میں حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو کر وفاق میں شمولیت پر رضامند ہو گئے تھے۔

(۹۳) سرفنڈلیٹر اسٹیورٹ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

(۹۴) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلقہ مشترکہ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ VII نیز ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-B۔ ان دستاویزات میں سیموئیل ہور کی شہادت کی تفصیلات دستیاب ہیں۔

(۹۵) ہیلی کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٥/ ۳۴

(۹۶) سیموئیل کی یادداشت۔ فرقہ وارانہ نمائندگی کی فیصلہ کے لئے ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-B صفحات ۸۱۳ تا ۸۱۵۔ یہ یادداشت ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء کو تقسیم کرائی گئی۔

(۹۷) ملاحظہ ہوں ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء ایضاً صفحہ ۸۰۲ پر امبیڈکر کے سوالات کے لئے ہور کے جوابات۔

(۹۸) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کے جوابات ۱۸، ۲۱ جولائی ۱۹۳۳ء ایضاً صفحات ۷۹۸ تا ؟۸۰۲ تا ۸۰۹ اور ۸۷۶ تا ۸۸۰ میں سپرو، ظفر اللہ خان امبیڈکر اور راما سوامی آئنگر کے سوالات کے

Marfat.com

لئے سر سیموئیل ہور کے جوابات۔

(۹۹) ملاحظہ ہو ٹائمز مورخہ ۸ مئی ۱۹۳۳ء میں سپرو کا مراسلہ جس میں انہوں نے گاندھی کی رہائی کی اپیل کی۔ نیز سپرو کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۳ء ک۔ س۔ اس کے علاوہ سیموئیل ہور کے مسکت جواب کے لئے ہور کا خط سپرو کے نام مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء۔ ایضاً

(۱۰۰) یہ اکیس دن کا برت تھا جو ۸ مئی ۱۹۳۳ء کو شروع ہوا۔ اس کا مقصد ہریجن تحریک میں کارکنوں کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔ ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحہ ۹۳۷

(۱۰۱) ملاحظہ ہو سپرو کے اخباری انٹرویو کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء۔ یہ انٹرویو انہوں نے ایک دن قبل ہندوستان پہنچنے پر بمبئی میں دیا تھا۔

(۱۰۲) ملاحظہ ہو سپرو کا خط گاندھی کے نام مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء ک۔ س۔

(۱۰۳) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کی فروری اور مارچ کی انتہائی خفیہ یادداشتیں نمبر ۲۰ اور نمبر ۲۱ بہ عنوان دفاعی حفاظتی سراغرسانی "DEFENCE SECURITY INTELLIGENCE." وزیر ہند کا ٹیلی گرام بنگال کے گورنر کے نام مورخہ ۶ جولائی، ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء بنگال کے گورنر کا ٹیلی گرام وزیر ہند کے نام مورخہ ۸ جولائی ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۶۹۔ نیز ہیلے کے تیار کردہ حسب ذیل نوٹ:۔

(I) نظم ونسق کا دوسرے امور کے ساتھ تعامل [II] پولیس کا انتظام ایضاً (III) حکومت ہند کی یہ تجویز کہ نظم ونسق سے تعلق رکھنے والے کل ہند نوعیت کے امور مثلاً اشتمالیت اور دہشت گردی کی نگرانی کے لئے وفاقی حکومت کو اضافی اختیارات دیے جانے چاہئیں۔ م۔ ک۔ ٹ / ۵۴

(۱۰۴) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۶ جنوری، ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۳۔ نیز ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی (اجلاس ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء) کے ریکارڈ۔ H. L. 79 (III) H. C. 112 (III), (1934), P P 39 - 45 and 95 - 134 ان دستاویزات میں محولہ دونوں اداروں کے قیام کے لئے سیموئیل ہور کی کوششوں کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ ان کے نتیجے میں قانون ساز اسمبلی میں ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو ریزرو بینک کا مسودہ قانون پیش کیا گیا اور ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء کو منظور کر لیا گیا۔ ملاحظہ ہو بالترتیب م۔ م۔ ق جلد چہارم نمبر ۴ صفحات ۱۱۷۶ تا ۱۱۸۱ اور م۔ م۔ ق جلد یکم نمبر ۶ صفحہ ۳۷۰

(۱۰۵) وہ اقدامات یہ تھے: اس نے پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے مہاراجہ پٹیالہ کو

Marfat.com

انگلستان آنے سے روک دیا جو وفاق کا مخالف تھا حالانکہ لارڈ سالسبری اسے بلانے پر مصر تھا۔ وہ برار کے سوال پر نظام کو مطمئن کرنے پر بھی رضامند ہو گیا اور ولنگڈن پر زور دیا کہ حیدر آباد میں اکبر حیدری کی پوزیشن کو مستحکم کیا جائے اور انہیں ریاست کے وزیر اعظم کے عہدے پر برقرار رکھنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں اس نے یہ کاروائی اس لئے کی کہ اس کے نزدیک وفاق کو وجود میں لانے کے لئے ریاست حیدر آباد بے حد اہمیت رکھتی تھی اور اس سلسلے میں سر اکبر حیدری مددگار ثابت ہوئے تھے۔ سیموئیل ہور کی کوششوں کے نتیجے میں قانون ساز اسمبلی میں ایک مسودہ قانون بھی پیش کیا گیا جس کا مقصد برطانوی ہند میں والیان ریاست کے خلاف ان کی رعایا میں منافرت پھیلانے کی کوششوں کا سدباب کرنا تھا۔ اس نے ولنگڈن کو یہ ہدایت بھی کی کہ والیان ریاست سے اس امر کا قطعی فیصلہ کرالے۔ وہ وفاقی مجلس قانون ساز میں اپنی نمائندگی کے لئے مناسب گروہ بندی کرلیں گے تاکہ برطانیہ کا ہٹ دھرم سیاسی عنصر "والیان ریاست کے غیر معین موقف" کا پورا پورا فائدہ نہ اٹھانے پائے۔ ملاحظہ ہوں حسب ذیل دستاویزات جن سے مندرجہ بالا معلومات اخذ کی گئیں ہیں:۔ سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲ جون ۱۴ جولائی ۳ اگست ۷ ستمبر ۲۰ اکتوبر ۳ نومبر ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۳ وزیر ہند کے تار وائسرائے کے نام مورخہ ۴، ۲۸ اگست ۱۹۳۳ء۔ م۔ م۔ ق جلد چہارم نمبر ۲ صفحہ ۲۷۷

(۱۰۶) ملاحظہ ہو ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء، ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-B صفحہ ۷۹۸ جس پر ہور کے وہ جوابات درج ہیں جو اس نے سپرو اور ظفر اللہ خان کی طرف سے کئے جانے والے سوالوں پر دیئے۔

(۱۰۷) ایضاً

(۱۰۸) ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ / ۳۴

(۱۰۹) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۳

(۱۱۰) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی (دوسرا اجلاس) ۱۹۳۲ تا ۱۹۳۳ء کے ریکارڈ۔ H. L 79 (III) H. C. 112 (III) (1934) P P 203 - 320 میں آغا خان کی قیادت میں برطانوی ہند کے وفد کی طرف سے کمیٹی کو پیش کی جانے والی مشترکہ یادداشت مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء اور سپرو کی طرف سے پیش کی جانے والی یادداشت۔

(۱۱۱) سپرو بنام کے ایم منشی مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء ک۔ س

(۱۱۲) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ / ۳

(۱۱۳) ایڈورڈ ٹرنور۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ

Marfat.com

(۱۱۴) ملاحظہ ہو سپرو کا خط گاندھی کے نام مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء ک۔ س
(۱۱۵) ایڈورڈ تھامپسن کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۹ جون ۱۹۳۳ء د۔ ل /۲۷۹ یہ خط ایڈورڈ تھامپسن نے سپرو اور جایاکر کے ساتھ پانچ گھنٹے کی طویل بات چیت کے بعد لکھا جس میں سپرو نے یہ تجویز بیساختہ پیش کی۔
(۱۱۶) ملاحظہ ہوں ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۸ مئی ۵، ۱۸ جون ۹ جولائی ۲۸ اگست، ۶ نومبر ۱۹۳۳ء، م۔ ک۔ ٹ /۶
(۱۱۷) ملاحظہ ہوں سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۲ اپریل ۱۲ مئی ۳۰ جون ۷ جولائی ۷، ۱۴ ستمبر ۵، ۲۶ اکتوبر ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ٹ /۳
(۱۱۸) ملاحظہ ہوں سپرو کے حسب ذیل خطوط:۔
برج نارائن کے نام مورخہ ۵، ۱۲، ۲۶ مئی ۲، ۸، ۵، ۲۳ جون ۱۹۳۳ء یوپی کے قائم مقام گورنر نواب چھتاری کے نام مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۳ء اور ڈاکٹر وی سباراین کے نام مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۳ء ک۔ س
(۱۱۹) ملاحظہ ہوں ٹائمز مورخہ ۲۹ جون ۱۹۳۳ء میں اس کی رپورٹیں
(۱۲۰) ملاحظہ ہو ۲۹ جون ۱۹۳۳ء کو مانچسٹر میں بالڈون کی تقریر کی رپورٹ کے لئے ٹائمز مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۳ء
(۱۲۱) رچرڈ آسٹن بٹلر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ
(۱۲۲) لوتھین کا خط آر۔ اے بٹلر کے نام مورخہ کیم مئی ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۷۱
(۱۲۳) اے۔ آر بٹلر کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۳ مئی ۱۹۳۳ء، ایضاً
(۱۲۴) ملاحظہ ہو ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد دوم ی صفحات ۱۸۶۶ تا ۱۸۶۷ جس میں ریاست بیکانیر کے منو بھائی مہتا کے سوالوں پر چرچل کے جواب قلمبند کئے گئے ہیں۔
(۱۲۵) ملاحظہ ہو چرچل کی یادداشت جو کمیٹی کے اجلاس میں ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو پیش کی گئی۔ ایضاً صفحات ۱۷۷۵ تا ۱۷۸۰
(۱۲۶) ملاحظہ ہو چرچل ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء H.C; Deb. 5s Cols. 108-21
(۱۲۷) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء، م۔ ک۔ ٹ /۳ اور لوتھین کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء د۔ ل /۲۷۹
(۱۲۸) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ ہ /۳۴ ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۳ء۔ د۔ ل /۱۶۷، سپروؔ بنام گاندھی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء

Marfat.com

ک۔ س۔ شفاعت احمد خان بنام لوتھین مورخہ ١٧ نومبر، ٢٨ اکتوبر ١٩٣٣ء د۔ ل /١٦٧۔ ولنگڈن بنام سیموئیل ہور مورخہ ٢٣ اکتوبر ١٩٣٣ء۔ م۔ ک ٹ /٦۔ لوتھین بنام ایڈورڈ تھامپسن مورخہ ٢٧ اکتوبر ١٩٣٣ء د۔ ل /٢٧٩ سپرو بنام لوتھین ٢٦ نومبر ١٩٣٣ء د۔ ل / ١٧٣ اور حاشیہ نمبر صفحہ ٢٣٥۔ کتاب ہذا

(١٢٩) ملاحظہ ہو ولنگڈن بنام لوتھین مورخہ ١٢ جنوری ١٩٣٤ء د۔ ل /٣٧٩ جایاکر بنام لوتھین مورخہ ١٥ جنوری ٣ ستمبر ١٩٣٤ء۔ د۔ ل /١٧٤ شفاعت احمد خان بنام لوتھین مورخہ ٧ فروری ١٩٣٤ء ایضاً ولنگڈن بنام ہار کورٹ بٹلر مورخہ ١١ فروری ١٩٣٤ء م۔ ک۔ ب (b) سپرو بنام لوتھین مورخہ ٣ اپریل ٢ ستمبر ١٩٣٤ء د۔ ل /١٧٤ سپرو بنام کے این ہکسر مورخہ ٨ مئی ١٩٣٤ء اور سپرو بنام جی ایس باجپائی مورخہ ٢٤ مئی ١٩٣٤ء ک۔ س

(١٣٠) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبرا، نمبر٢ صفحہ ٢٢٨، کتاب ہذا

(١٣١) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی (کے اجلاس ١٩٣٣ء تا ١٩٣٤ء) کی کاروائی H. L. 6 (IPT. II) H. C. 5 (IPT. II) (1934) صفحات V-X

(١٣٢) ایضاً

(١٣٣) سائمن نے ١٨ جون اور ٦ جولائی ١٩٣٤ء کو اس کمیٹی کے صرف دو اجلاسوں میں شرکت کی اور کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ ایضاً صفحات ٣٣ و ٣٦٩

(١٣٤) ایضاً صفحات ١ تا ١٢

(١٣٥) ایضاً صفحات ١٣ تا ٦٢٦

(١٣٦) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام ١٦ فروری ٢، ٢٨ مارچ ١٩٣٤ء م۔ ک۔ ٹ /٤ اور آر۔ اے بٹلر کا خط ہیلے کے نام مورخہ ٩ مارچ ١٩٣٤ء م۔ ک۔ ہ

(١٣٧) یہ مشن مارننگ پوسٹ کے ڈائرکٹر کورناولڈ اور لارڈلی منگٹن (LYMINGTEN) کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ اس مشن کی تفصیلات اور ہندوستان میں اس کی سرگرمیوں کی روداد کے لئے۔ ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ یکم فروری ١٩٣٤ء م۔ ک۔ ٹ /٤ سیموئیل ہور کا خط بنگال کے گورنر سرجان اینڈرسن کے نام مورخہ ٢٣ فروری ١٩٣٤ء م۔ ک۔ ٹ /٩ اور ڈاکٹر بی ایس مونجے کا خط لوتھین کے نام مورخہ ٦ اپریل ١٩٣٤ د۔ ل /١٧٤

(١٣٨) ملاحظہ ہو ضمیمہ III کتاب ہذا

Marfat.com

(۱۳۹) ملاحظہ ہوں حاشیہ مندرجہ بالا میں مذکورہ سیموئیل ہور کے خطوط نیز سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۴ اور ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۰، ۲۷ فروری ۵ مارچ ۳۰ اپریل ۳۰ ستمبر ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۴ اور مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۸

(۱۴۰) اس کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۴ء

(۱۴۱) ملاحظہ ہو ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب کے باب بہ عنوان "CHURCHILL'S ATTACK" (صفحات ۹۲ تا ۱۰۳) میں اس کی مفصل کیفیت۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ محولہ یادداشت اور شہادت خلاف توقع ہندوستانیوں کی امنگوں سے مطابقت رکھتی تھی۔ ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-C صفحات ۱۸۷۳ تا ۱۸۹۸

(۱۴۲) ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب صفحہ ۹۸

(۱۴۳) ملاحظہ ہو ولنگڈن کی خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۷

(۱۴۴) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(۱۴۵) ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحہ ۹۵۹

(۱۴۶) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۹، ۱۴، ۲۰، ۳۰ اپریل ۱۹۳۴ء

(۱۴۷) ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحہ ۹۵۸

(۱۴۸) انگلستان سے واپس پہنچنے پر ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو بمبئی میں مسلم طلبہ کی یونین سے جناح کے خطاب کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۴ء

(۱۴۹) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۰۳ کتاب ہذا

(۱۵۰) ملاحظہ ہو اس کی رپورٹ کے لئے ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء

(۱۵۱) ملاحظہ ہو جایاکر کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء د۔ ل /۱۷۴ ولنگڈن کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۷ سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۴۔ م۔ ک۔ ٹ /۴ ہیلے کا خط ارون کے نام مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۳۴ء، ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۷ اور سپرو کا خط راما راؤ کے نام مورخہ ۳ فروری ۱۹۳۴ء

(۱۵۲) دی ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء

(۱۵۳) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۴ء نیز ہیلے بنام ولنگڈن مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۷ اور سپرو اور جایاکر کے خطوط جن کا حوالہ فٹ نوٹ نمبر ۵ صفحہ ۲۴۰ کتاب ہذا میں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۱۵۴) ملاحظہ ہو اس فیصلے کی خبر ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۳۴ء میں۔
(۱۵۵) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ/۴
(۱۵۶) جیمز ایڈورڈ ہیوبرٹ گیس کین سیسل۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ
(۱۵۷) کلیمنٹ رچرڈ فرسٹ ارل آف اٹیلی۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ
(۱۵۸) ایڈورڈ اسٹانلے۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ
(۱۵۹) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۰۸۶، پیرے ۴۰۲ تا ۴۰۴
(۱۶۰) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۲۰۸ ؟ پیرا ۱۷ تمہید۔ پیرا ۲۹ تجاویز اور ضمیمہ II
(۱۶۱) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-B صفحات ۹۳۶ تا ۹۳۷
(۱۶۲) ملاحظہ ہو ولنگڈن کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ/۷
(۱۶۳) آسٹن چیمبرلین کا خط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء م۔ ک۔ آ۔ ۴۰/۳/۴
(۱۶۴) سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ/۴
(۱۶۵) سیموئیل ہور کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ/۲۷
(۱۶۶) سیموئیل ہور کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۴ء ایضاً
(۱۶۷) سیموئیل ہور کا خط آسٹن چیمبرلین کے نام مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ آ۔ ۴۰/۱/۳۲
(۱۶۸) زیٹ لینڈ کا خط آسٹن چیمبرلین کے نام مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۴ء ایضاً ۴۰/۱/۳۲
(۱۶۹) سیموئیل ہور کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۴ء ایضاً
(۱۷۰) سیموئیل ہور بنام ہیلے مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ/۲۸
(۱۷۱) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء کی کاروائی۔ H. L. 6 (IPT. II) H. C. 5 (IPT. II) (1934) صفحہ ۳۳
(۱۷۲) ایضاً رپورٹ کا پیرا ۲۰۱
(۱۷۳) ایضاً رپورٹ کے پیرے نمبر ۴۷، ۵۴ اور ۸۵ تا ۹۲
(۱۷۴) ایضاً پیرے نمبر ۱۵۱، ۱۵۴ اور ۳۶۶
(۱۷۵) ایضاً رپورٹ کا پیرا نمبر ۱۲۱
(۱۷۶) ایضاً رپورٹ پیرا نمبر ۲۸۶
(۱۷۷) ایضاً رپورٹ کے پیرے نمبر ۳۶۱ تا ۳۶۲
(۱۷۸) ایضاً رپورٹ کے پیرے نمبر ۳۶۶ اور ۳۶۸ تا ۳۷۰
(۱۷۹) ایضاً صفحہ ۲۸۸۔ تحریک کے خلاف ووٹ دینے والے ارکان یہ تھے:۔ لارڈ اسنیل،

Marfat.com

ایٹلی، کاکس، مارگن جونز، لارڈ سالسبری، لارڈ ڈلٹن، لارڈ رینکائلور (RANKEILLOUR) سر ریجنالڈ کریڈاک اور سر جوزف نال۔

(۱۸۰) ایضاً صفحہ ۲۸۷

(۱۸۱) ایٹلی کی رپورٹ کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۲۵۳ تا ۲۸۷۔ اس رپورٹ میں دوسری سفارشات کے علاوہ یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ آئین کے قانون میں ہندوستان کے لئے مستعمرہ کی حیثیت کا نصب العین واضح طور پر بیان کر دیا جائے۔ انڈیا آفس کو برطانوی دولت مشترکہ کے مشرقی ممالک کے خود مختار حصوں کی وزارت میں تبدیل کر دیا جائے اور فرقہ وارانہ انتخاب کے طریقے کو مکمل خود مختار حکومت کی طرف پیش رفت میں محض ایک عارضی مرحلے کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے۔ ملاحظہ ہو ایٹلی کی رپورٹ کے پیرے نمبر ۵ اور ۲ تا ۲۵۔ ایضاً صفحات ۲۵۵، ۲۶۲ تا ۲۶۳ اور ۲۸۷

(۱۸۲) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل تحریکیں۔

(I) دفاع کو محفوظ رکھنے، بری فوج کو ہندوستانی بنانے کا قطعی پروگرام مرتب کرنے، بنیادی حقوق، ریزروبینک اور ہندوستان کے مستعمراتی حیثیت کے حامل ہونے کے اعلان سے متعلق سفارشات کے خلاف ایٹلی اسنیل کاکس اور مارگن جونز کی تحریکیں۔ ایضاً صفحات ۳۳۵ تا ۳۳۶، ۳۶۴ تا ۳۶۵، ۳۶۹، ۴۲۰ تا ۴۲۱، ۴۷۲ تا ۴۷۸ اور ۵۲۷ بالترتیب

(II) مرکزی ذمہ داری، صوبوں میں نظم ونسق کی منتقلی اور وفاق ہند کے قیام کے خلاف سالسبری، ریجنالڈ کریڈاک، ڈلٹن، رین کائلور اور جوزف نال کی تحریکیں۔

(III) بنگال کے حوالے سے فرقہ وارانہ نمائندگی کے فیصلے کے اطلاق کے خلاف زیٹ لینڈ کی تحریک۔ ایضاً صفحات ۳۳۸ تا ۳۴۶

(۱۸۳) ایضاً صفحات ۳۱۶ تا ۳۱۸، ۳۴۶، ۳۵۶، ۳۶۹، ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۹، ۴۰۶، ۴۱۱ تا ۴۱۲، ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۳۲ تا ۴۳۳، ۴۳۸، ۴۵۹، ۴۹۳ تا ۴۹۴، ۵۱۱، ۵۱۳ تا ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۲۰، ۵۳۶ تا ۵۳۷، ۵۵۴، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۸۳، ۶۰۰ اور ۶۱۷

(۱۸۴) ایضاً صفحہ ۳۷۹

(۱۸۵) ایضاً ۶۲۴ تا ۶۲۶

(۱۸۶) ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء

(۱۸۷) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ / ۴

(۱۸۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲، ۳ صفحہ ۲۳۷ کتاب ہذا

(۱۸۹) اس سلسلے میں سیموئیل ہور کے بیان کے لئے جو اس نے کمیٹی کے سامنے اپنی شہادت کے

Marfat.com

دوران دیا ملاحظہ ہو ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء پارلیمانی کمیٹی کی روداد شہادت جلد II-B صفحات ۷۹۵ تا ۷۹۷۔ اس شہادت کے دوران لارڈ ارون نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے اعلان کا تعلق جس پر بہت کچھ بحث ہوچکی ہے کلیتاً مقصد اولیٰ سے ہے اور میں نے تاحال کوئی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔ ایضاً ۷۹۷

(۱۹۰) ملاحظہ ہو ڈاکٹر بی ایس مونجے کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۲ نومبر ۱۹۳۳ء د۔ ل /۱۶۷ جس میں ڈاکٹر مونجے نے اکتوبر ۱۹۳۳ء میں آسٹن چیمبرلین کے ساتھ اپنی گفتگو کا حال لکھا ہے۔ اس گفتگو میں چیمبرلین نے زور دے کر یہ بات کہی کہ نہ تو برطانوی قوم نہ پارلیمنٹ اور نہ حکومت ہندوستان کو مستعمراتی آئین دینے کی پابند ہے نیز ملاحظہ ہو لوتھین کا خط مونجے کے نام مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء ایضاً جس میں لوتھین نے لکھا ہے کہ یہ امر واضح ہے کہ کسی برطانوی حکومت نے یہ وعدہ نہیں کیا ہے یا ایسا کرنے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ مستقبل قریب میں جو آئین نافذ کیا جانے والا ہے اس کے تحت پارلیمنٹ میں اس آئین کے قانون کی منظوری سے فوری پہلے یا بعد ہندوستان کو وہی حیثیت دے دی جائے گی۔ جو کینیڈا یا آسٹریا کو حاصل ہے۔

(۱۹۱) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۴ء میں سپرو اور جایاکر کا مشترکہ بیان۔

(۱۹۲) ملاحظہ ہو سپرو کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء د۔ ل /۲۸۶

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۹۳۹ ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات منعقدہ ۱۹۳۴ء (۱۹۳۵ء) کے نتائج کی گوشوارہ۔

(۱۹۵) ملاحظہ ہو سیتارامیہ کی محولہ کتاب صفحات ۹۶۴ تا ۹۶۵

(۱۹۶) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء میں اس کی رپورٹ

(۱۹۷) ملاحظہ ہو م۔ م۔ ق جلد اول نمبر ۷ صفحات ۵۷۵ تا ۵۷۶

(۱۹۸) ملاحظہ ہو سپرو بنام لوتھین مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء د۔ ل /۲۸۶ جایاکر بنام لوتھین مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء د۔ ل /۲۸۳۔ سپرو بنام ہیلی مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ ۲۸ اور مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء مباحث ریاستی کونسل (COUNCIL OF STATE D-EBATES) جلد اول صفحہ ۱۸۶۔ اس میں کونسل کے اجلاس میں منظور کی جانے والی وہ تحریک ملاحظہ ہو جس میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ (مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی) رپورٹ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کی توقعات پر پوری نہیں اترتی، لیکن رپورٹ کی اسکیم میں تجویز کردہ آئین کی آزمائش کا اہل ہندوستان کی طرف سے مناسب موقعہ دیا جائے گا۔

Marfat.com

(۱۹۹) ملاحظہ ہو جے ٹی گوائن بنام لوتھین مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۴ء اور لوتھین بنام جے ٹی گوائن مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۴ء د۔ ل /۲۸۲ نیز ملاحظہ ہو دارلعوام کے اجلاس منعقدہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۴ء میں سیموئیل ہور کی تقریر جس میں اس نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔
296. H. C. Deb. 5 s Cols 56 - 58, 302 H. C Deb 5 s Cols 1715 - 16

(۲۰۰) سیموئیل ہور کا خط آسٹن چیمبرلین کے نام مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ آ۔ /۴۰/۱/۵۱

(۲۰۱) سیموئیل ہور کا خط آسٹن چیمبرلین کے نام مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء

(۲۰۲) سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۴

(۲۰۳) کونسل کے اس اجلاس میں اسٹانلے بالڈون ، ایل ایس ایمری، ایوسٹیس پرسی، اور آسٹن چیمبرلین کی تقریروں کے لئے ملاحظہ ہو دی ٹائمز مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء

(۲۰۴) ایضاً

(۲۰۵) لوتھین کا خط جاپاکر کے نام مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۳۴ء د۔ ل /۲۸۳

(۲۰۶) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ٹ /۴

(۲۰۷) ملاحظہ ہو 296 H. C Deb. 5 s Col 45

(۲۰۸) ایضاً Cols 529 - 31

(۲۰۹) ملاحظہ ہو ۱۲ دسمبر ۱۹۳۴ء ایضاً Cols 525 - 31

(۲۱۰) سابق لارڈ ارون

(۲۱۱) ملاحظہ ہو ۱۸ دسمبر ۱۹۳۴ء 95 H. L Deb. 5 s Cols 537 - 538

(۲۱۲) ہیلے انڈین سول سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۳۴ء میں انگلستان واپس چلا گیا تھا۔ اس نے اگست ۱۹۳۴ء میں سیموئیل ہور کی طرف سے درخواست کئے جانے پر اس کام میں اس کی معاونت کی۔ ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ہیلے کے نام مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۸ وزارت ہند سے سبکدوش ہونے کے بعد سیموئیل ہور نے ہیلے کو لکھا "آپ نے گذشتہ چھ سال کے دوران وزارت ہند، حکومت اور خود میری جو گراں قدر معاونت کی ہے اس پر میں ہمیشہ کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ آپ کا مشورہ بل کی تسوید میں درپیش مشکلات اور پیچیدگیوں پر قابو پانے میں مد ومعان ثابت نہ ہوا ہو۔ یہ مسودہ آئینی قانون کی حیثیت اختیار کرلے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ اگست میں اسے یہ حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ تو اس کی متعدد شقوں پر آپ کا نقش ثبت ہوگا۔ سیموئیل ہور بنام ہیلے مورخہ ۱۸ جون ۱۹۳۵ء۔ ایضاً
سیموئیل ہور کی سفارش پر ہیلے کو اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے۔ ایک سال بعد

Marfat.com

طبقہ امراء کا رکن بنا دیا گیا ملاحظہ ہو سیموئیل ہور بنام ہیلے مورخہ ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(۲۱۳) سر مارس گوائر۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ لارڈ۔ سینکے نے سر مارس کے بارے میں سپرو کو یہ لکھا تھا:۔ ''کم از کم مسودہ قانون ہمیں مل گیا ہے اور توقع ہے کہ اس خط کے موصول ہونے سے قبل آپ اس کا بیشتر متن دیکھ چکے ہوں گے اور مسودے کی ایک نقل بھی آپ کو یقیناً وصول ہو جائے گی۔ یہ محنت شاقہ کا ثمر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تسوید کا سہرا مارس گوائر کے سر ہے۔'' لارڈ سینکے بنام سپرو مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء ک۔ س

(۲۱۴) ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۲، ۱۳ دسمبر ۱۹۳۴ء میں اس کی خبریں۔

(۲۱۵) ایضاً مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۴ء

(۲۱۶) ملاحظہ ہو ایوان والیان ریاست کے اجلاس کی روداد جو مہاراجہ پٹیالہ نے ای سی مائی ویل (MIEVILLE) کے نام ۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو ارسال کیں۔ یہ روداد ان دستاویزات میں بھیجی گئی تھیں۔ جو سیموئیل ہور کے نام ولنگڈن کے خط کے ساتھ ملفوفہ تھیں۔

(۲۱۷) اس کی رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۵ء

(۲۱۸) ملاحظہ ہو چرچل ۲۶ فروری ۱۹۳۵ء 298 H. C. Deb 5 s Cols 971-9

(۲۱۹) ایضاً

(۲۲۰) ملاحظہ ہو سی ایم ڈی مسودہ قانون اور دستاویز شمولیت کے عارضی مسودے کے بارے میں ہندوستانی ریاستوں کا موقف (مارچ ۱۹۳۵ء) صفحات ۱ تا ۲

(۲۲۱) ایضاً

(۲۲۲) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۶ مارچ ۹، ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ /۴ ولنگڈن کے خطوط سیموئیل ہور کے نام مورخہ ۱۸، ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ /۸ زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۳۵ء اور ولنگڈن بنام زیٹ لینڈ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز/۶

(۲۲۳) سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ /۴

(۲۲۴) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ یکم مارچ ۱۹۳۵۔ ایضاً

(۲۲۵) ہیلے کا خط ای۔ سی مائی ویل (MIEVILLE) کے نام مورخہ ۴ مارچ ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ہ /۲۸

(۲۲۶) ملاحظہ ہو 302 H. C Deb 5s Col. 1731

(۲۲۷) ملاحظہ ہو۔ ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب صفحہ ۱۰۰

Marfat.com

(۲۲۸) ملاحظہ ہو۔ 302 H. C Deb 5 s Col. 2011 - 16

(۲۲۹) ملاحظہ ہو۔ سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ/۴

(۲۳۰) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء ایضاً

(۲۳۱) ملاحظہ ہو 97 H. L. Deb. 5 s Col. 366

(۲۳۲) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۷ جون ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ/۴ اور ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب صفحات ۱۰۸ تا ۱۰۹

(۲۳۳) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ، ۱۸ جون ۱۹۳۵ء ایضاً Col. 433

(۲۳۴) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۲۷۷ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۲۴۴ اور لارنس، سیکنڈ مارکوئیس آف زیٹ لینڈ ESSAYEZ (مطبوعہ لندن ۱۹۵۶ء) صفحات ۱۹۸ تا ۱۹۹

(۲۳۵) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۴ جون ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز/۶

(۲۳۶) ملاحظہ ہوں زیٹ لینڈ کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ۲۱، ۲۸ جون اور مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۵ء ایضاً نیز اس غرض سے بل میں خود زیٹ لینڈ کی پیش کردہ مفاہمانہ ترمیم کے لئے 10 July 1935, 98 H. L. Deb 5 s Cols 191 - 206

(۲۳۷) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۱۴ جون ۵، ۱۲، ۱۹، ۲۶ جولائی ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز/۶

(۲۳۸) مثلاً سالسبری، لائڈ، رین کائی لور اور بشپ آف ایکسٹر کی تقریروں کے لئے ملاحظہ ہو بالترتیب۔ 97 H. L Deb. 5 s Cols 366 - 79, 394 - 5, 446 - 58, 24 - 533 اور 540 - 6

(۲۳۹) ملاحظہ ہو 304 H. C. Deb 5 s cols 2503 - 2613

(۲۴۰) ملاحظہ ہو 98 H. L. Deb 5 s Cols 1076 - 7

(۲۴۱) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز/۶

(۲۴۲) اس قانون کے متن کے لئے ملاحظہ ہو۔ 26 Geo 5. C. H. 2

(۲۴۳) ملاحظہ ہو ہیلی فیکس کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء م۔ ک۔ ٹ/۷۰

Marfat.com

باب ہفتم

قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء
ایک سیاسی تجزیہ

قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء سے نافذ الوقت قانون مجریہ ۱۹۱۹ء بہ استثنائے تمہید منسوخ ہوگیا (۱)۔ اس قانون کو جو ۳۲۶ مطبوعہ صفحات اور ۳۲۱ دفعات اور جدولوں پر مشتمل ہے، دنیا کا سب سے طویل اور پیچیدہ آئین، قرار دیا گیا ہے (۲)۔ لیکن خود اس قانون کے متن میں نئی اصلاحات کا سارا مواد شامل نہیں تھا۔ اس میں جن اہم اداروں کے قیام کی گنجائش رکھی گئی تھی ان کے وجود میں آنے سے قبل کئی دستاویزات کے ذریعے اس کا تکملہ باقی تھا۔ ان میں پہلی دستاویز گورنرل جنرل اور گورنروں کے لئے ہدایات کی وہ دستاویز تھی جو وزیر ہند کی تحریک پر (۳) پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے پیش کی جانے والی یاد داشت پر ملک معظم کی طرف سے بعد میں جاری کی جانی تھی (۴)۔ اس دستاویز ہدایات کا مقصد یہ تھا کہ روزانہ امور میں ایک طرف گورنر جنرل اور گورنروں اور دوسری طرف گورنر جنرل اور ذمہ دار وزرا کے درمیان تعلق کو غیر رسمی بنیاد پر منضبط کیا جائے۔ اس دستاویز کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس میں تاج کے متذکرہ نمائندوں کے آئینی اختیارات کی ہمدردانہ تعبیر کر کے ہندوستانی رائے کو مطمئن کیا جائے (۵) لیکن خود قانون میں دستاویز ہدایات کے قانونی جواز کی یہ کہہ کر نفی کی گئی تھی کہ گورنر جنرل اور گورنروں کی کسی بھی کاروائی پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جاسکے گا کہ وہ دستاویز ہدایات کے بموجب نہیں کی گئی ہے (۶)۔ دوسرے یہ کہ والیان ریاست کی طرف سے فرداً فرداً کثیر التعداد دستاویزات کی تکمیل کی جانی تھی تاکہ وفاق سے متعلق قانون کا حصہ دوم نافذ العمل ہوسکے (۷)۔

Marfat.com

تیسرے یہ کہ صوبہ جات متوسط کے ایک حصے کے طور پر برار کے انتظام کے لئے ملک معظم اور نظام کے مابین ایک سمجھوتہ طے پانا تھا (۸)۔ چوتھے یہ بعض خصوصی امور کے بارے میں یا قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کی جگہ نئے قانون کے نفاذ کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کو دور کرنے کی غرض سے مقررہ مدتوں کے اندر یا ان کے بعد ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی طرف سے احکام بہ اجلاس کونسل صادر کئے جانے تھے (۹)۔ نیا آئین قانون ۱۹۳۵ء اور مذکورہ الصدر مواد دونوں عناصر کا مرکب تھا۔

جہاں تک خود ۱۹۳۵ء کے قانون کا تعلق تھا، اس میں وہ ساری عام دفعات شامل تھیں جو امور مملکت کی انجام دہی کے لئے ضروری ہوتی ہیں اور جو دنیا کے تمام دساتیر میں پائی جاتی ہیں لیکن جس چیز نے اسے ممتاز، طویل اور پیچیدہ بنادیا تھا وہ یہ تھی کہ اس کے وضع کرنے والوں نے اس میں متعدد اور متباین مفادات کے لئے گنجائش رکھنے کی کوشش کی تھی جن میں ہندوستانی قوم پرست اقلیتیں، والیان ریاست، برطانوی تجارتی مفادات اور سامراجی مفادات شامل تھے۔ قانون کے متن میں تکرار بھی بہت تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ واضعین نے تکرار کی پروا کئے بغیر اس میں وضاحت کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا تھا تاکہ کوئی ابہام نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ قانون کے حصہ سوم میں جس کا تعلق صوبائی انتظامیہ سے تھا چھیالیس سے ترانوے تک تقریباً تمام دفعات مرکزی انتظامیہ سے متعلق حصہ دوم کی دفعات ۷ تا ۴۵ کی یاتو ہو بہو نقل تھیں یا تطبیق۔ ہینکے کے دارالعوام میں بل کے پیش کئے جانے سے دو ہفتے قبل ہیرو کو اس کے متعلق لکھا تھا کہ :۔

> ''ہم اسے (بل کو) بڑی حد تک مختصر کرسکتے تھے لیکن ہم حوالوں کے ذریعے وضع قانون سے گریز کرنا چاہتے تھے مثلاً گورنر جنرل سے متعلق متعدد دفعات کا اطلاق صوبائی گورنروں پر بھی ہوتا ہے۔ جب قانون کا صوبائی حصہ وضع کرنے کی نوبت آئی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ گورنر جنرل کے اختیارات سے متعلق دفعہ × کے اطلاق گورنروں کے اختیارات پر بھی ہوگا لیکن ہم نے زیادہ مناسب یہ سمجھا کہ تثنیے (duplication) کا خطرہ مول لے کر متعلقہ دفعہ یا دفعات کو قانون میں دوبارہ شامل کرلیا جائے تاکہ

Marfat.com

اسے واضح کیا جاسکے اور گورنر جنرل اور گورنروں کے لئے الگ الگ ضابطہ مرتب کیا جاسکے" (۱۰)۔

مزید برایں قانون کی مختلف دفعات میں گورنر جنرل اور گورنروں کی غیر محدود صوابدید کا اثبات کر دیا گیا تھا تاکہ ہر معاملے میں ان کے قطعی اختیار کی وضاحت ہوجائے اور ان دفعات کے اطلاق میں شبہے یا نزاع کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے (۱۱)۔ نیز ہندوستان پر پارلیمینٹ کی بالادستی برقرار رکھنے کی غرض سے قانون میں کئی دفعات کا اضافہ کیا گیا جن کی بدولت خود ہندوستان میں قائم ہونے والے مجوزہ اداروں کا اختیار پارلیمنٹ کے پاس چلا گیا۔ اس کی مثالیں یہ ہیں :۔ گورنر جنرل اور گورنروں کے لئے دستاویز ہدایات (۱۲)۔ بلوں کی منظوری دینے کا طریقہ کار اور قوانین کو نامنظور کرنے کے بارے میں تاج کا اختیار (۱۳)۔ بحریہ کے قانون نظم و ضبط کا اطلاق ہندوستان کی بحری افواج پر (۱۴)۔ ہندوستان کے لئے پارلیمینٹ کا اختیار قانون سازی (۱۵) اور ملک معظم کے احکام مصدرہ بہ اجلاس کونسل (۱۶)۔ آخر میں، چونکہ صوبوں اور مرکز میں آئین کے نفاذ کے آغاز کے درمیان مجوزہ مدت حائل تھی، لہٰذا ابتداء صوبائی خود مختاری کے نفاذ اور برطانوی ہند کے مرکز کے عبوری انتظام سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نمٹنے کے لئے قانون میں گنجائش رکھنی ضروری تھی (۱۷)۔ ان اسباب کی بنا پر قانون کے حجم میں اضافہ ہوگیا اور وہ ایک نہایت ضخیم آئینی دستاویز بن گیا (۱۸)۔ لیکن ضخامت کے باوجود اس کے متن کی تنقیص کرنے والا ایک نقاد بھی اس کی ,ماہرانہ تسوید، اور ,واضح غیر مبہم زبان، کو سراہے بغیر نہ رہ سکا (۱۹)۔

نیا قانون بعض موجودہ اداروں میں تبدیلی کا مقتضی تھا۔ اس کی ایک مثال انڈیا کونسل تھی جس کی جگہ صوبائی خود مختاری کے آغاز پر تین سے چھ ارکان پر مشتمل مشیروں کی ایک مجلس قائم کی جانی تھی (۲۰)۔ قانون میں کئی نئے اداروں کے قیام کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی جن میں ریزرو بینک (۲۱)، ریلوے کا وفاقی مقتدرہ (۲۲)، وفاقی عدالت (۲۳) اور وفاقی پبلک سروس کمیشن (۲۴)۔ ان میں پہلا ادارہ ریزرو بینک سے متعلق قانون ہند کے تحت پہلے ہی وجود میں آچکا تھا۔ یہ قانون ہندوستان کی مقننہ نے ۱۹۳۴ء میں وضع کرلیا تھا

Marfat.com

(۲۵)۔ باقی ماندہ تین اداروں کا جہاں تک تعلق تھا، قانون میں بتایا گیا تھا کہ یہ ادارے وفاق کے قیام کا انتظار کئے بغیر معرض وجود میں آجائیں گے، اور برطانوی ہند سے متعلق وہی فرائض انجام دینگے جو قانون کی رو سے انہیں وفاق قائم ہونے پر ادا کرنے ہیں (۲۶)۔ لیکن جو دو انتہائی اہم ادارے قانون کی اساس تھے وہ صوبائی خود مختاری اور وفاق ہند تھے۔ ان میں وفاق کے لئے زیادہ مفصل اور جامع دفعات کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ کیونکہ قانون وضع ہونے سے قبل جو طویل مذاکرات ہوئے تھے ان میں ہر مرحلے پر صوبائی خود مختاری کو تسلیم کرلیا گیا تھا اور ساری نزاع وفاق کے سوال پر مرتکز رہی تھی۔ لیکن چونکہ وفاق کے قیام کو غیر معینہ مستقبل (۲۷) پر اٹھا رکھا گیا تھا لہٰذا قانون میں صوبائی خود مختاری کو نئے آئین کے نفاذ کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا تھا (۲۸)۔

قانون وضع کرنے والوں کا ارادہ اسے آئین کی شکل دینا تھا۔ لہٰذا اس کی حیثیت بے لچک اور تحریری آئین کی تھی، اور اس میں ترمیم کی گنجائش نہایت محدود تھی (۲۹)۔ اس میں مناصب کو مرکز اور وفاق کے عناصر ترکیبی (۳۰) کے درمیان تقسیم کردیا گیا تھا اور اس طرح ان عناصر کو جداگانہ شخصیتوں کی صورت دے دی گئی تھی۔ اس میں ایک وفاقی عدالت کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی اور اس عدالت کو آزادی حاصل تھی نیز وہ تنازعات کی صورت میں قانون کی تعبیر و تشریح کی مجاز تھی (۳۱)۔ اس حد تک تو نیا قانون وفاقیت کے اصولوں سے ہم آہنگ تھا۔ اس سے ہٹ کر اس کے نمایاں پہلو ان اصولوں کے منافی تھے۔ ایک تو یہ کہ بے لچک اور تحریری آئین جیسا کہ یہ قانون تھا ایک پارلیمانی نظام حکومت کے تناظر میں تیار کیا گیا تھا، جسے چلانے کے لئے ورائے آئین طریقہ کار کی ضرورت تھی۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے دستاویز ہدایات اختراع کی گئی۔ لیکن یہ بھی محض ایک رہبر اصول کا کام دے سکتی تھی اور روایات کا نعم البدل نہیں ہو سکتی تھی جن کی نشو و نما کے لئے ایک عرصہ دراز درکار تھا۔ دوسرے یہ کہ گورنر جنرل اور گورنروں کو (۳۲) انتظامی، مالیاتی اور قانون سازی کے وسیع اختیارات دے دیئے گئے اور اس طرح تفریق اختیارات کے نظریئے سے روگردانی کی گئی۔ تیسرے یہ کہ اس میں آئین کی بالادستی کے اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں مجوزہ اہم اداروں کو پارلیمینٹ کے تابع کردیا گیا (۳۳)۔ چوتھے یہ کہ برطانیہ کے سامراجی مفادات

Marfat.com

کے تحفظ کے لئے مرکز میں دوعملی پیدا کی گئی (۳۴)۔ پانچویں یہ کہ والیان ریاست کی خاطر سربراہ انتظامیہ کے عہدے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک وائسرائے کا عہدہ اور دوسرے گورنر جنرل کا۔ اور اس عہدے پر ایک ہی شخص کو فائز ہونا تھا (۳۵)۔ وفاقی مرکز اور ریاستوں کے مابین قانون سازی کا رشتہ بھی مرکز اور صوبوں کے رشتے سے مختلف تھا۔ صوبوں کی صورت میں وفاقی مقنّنہ وفاقی اور متفقہ دونوں فہرستوں میں شامل امور کے بارے میں قانون سازی کی مجاز تھی۔ وفاقی فہرست کی حد تک وفاقی مقنّنہ کے وضع کردہ قانون کو بہرحال برتری حاصل تھی لیکن متفقہ امور کی فہرست میں بھی صوبوں اور وفاق کے وضع کردہ قوانین کے درمیان تصادم کی صورت میں موخرالذکر قانون کی بالادستی کو اس وقت تک برقرار رکھا گیا جب تک کہ گورنر جنرل مداخلت نہ کرے (۳۶)۔ لیکن ریاستوں کی صورت میں وفاقی مقنّنہ کو خود کسی ایسی ریاست کے لئے بھی قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا جو دستاویز شمولیت سے ہٹ کر بصورت دیگر وفاق میں شامل ہوئی ہو (۳۷)۔ آخر میں یہ کہ قانون میں ریاستوں کے وفاق کے ساتھ الحاق کو لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ مختلف شرائط اور تاریخوں پر وفاق میں شمولیت اختیار کر سکتی ہیں (۳۸)۔ اس قسم کا اختیار برطانوی ہند کے صوبوں کو نہیں دیا گیا سیموئیل ہور نے ۲۱ جولائی ۱۹۳۳ء کو پارلیمانی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہا تھا:۔

> "صوبوں سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ وفاق میں شامل ہو رہے ہیں یا نہیں۔ قانون آئین کے تحت صوبوں کو وفاق میں شامل ہونا پڑے گا ... جہاں تک مجھے یاد ہے ہم نے گول میز کانفرنس کے کسی مرحلے میں (صوبوں کے لئے) اس قسم کے اختیار کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا" (۳۹)۔

بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو واضعین قانون کو سامراجی تقاضوں، ہندوستان کے کثیر النوع سماج کے دباؤ اور سیاسی اعتبار سے برطانوی ہند اور ریاستی ہند کے دو متناقض نظاموں کو متحد کرنے کے اقتضا کے پیش نظر ایک عدیم النظیر وفاق کا ضابطہ مرتب کرنا پڑا۔

واضعین قانون نے وفاقیت کے علاوہ مرکزی حکومت سے متعلق دو اور مقاصد کی

Marfat.com

گنجائش رکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک مقننہ کے سامنے انتظامیہ کی جوابدہی اور دوسرے اس جوابدہی یا ذمہ داری کے خلاف تخصیصات و تحفظات۔ جہاں تک اول الذکر مقصد کا تعلق ہے، قانون میں ذمہ داری کی جو گنجائش رکھی گئی تھی وہ محض جزوی تھی۔ اول یہ کہ مرکز میں دو عملی پیدا کرکے اس میں تخفیف کردی گئی۔ مرکزی انتظامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ان میں ایک زیادہ سے زیادہ دس ارکان (۴۰) پر مشتمل وزارتی مجلس تھی جس کے ارکان مقننہ سے لئے جانے تھے اور دوسرا حصہ کونسلروں پر مشتمل تھا۔ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین رکھی گئی تھی (۴۱) اور ان کا تقرر گورنر جنرل کو کرنا تھا۔ کونسلروں کا مقصد گورنر جنرل کے مخصوص کارہائے منصبی میں اس کی مدد کرنا تھا جو دفاع، مذہبی امور اور امور خارجہ سے متعلق تھے (۴۲)۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ امور مقننہ کے دائرہ عمل سے قطعاً خارج تھے۔ باقی امور گورنر جنرل کو وزراء کی معاونت اور مشورے سے انجام دینے تھے (۴۳)۔ لیکن اس معاملے میں بھی اسے اپنی صوابدید سے پورا پورا کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار تھا کہ آیا کسی خاص امر میں وزراء سے مشورہ لیا جائے یا نہیں (۴۴)۔ وزیروں کا مشورہ بھی لازمی نوعیت کا نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ کئی خصوصی ذمہ داریاں گورنر جنرل کو تفویض کردی گئیں جن میں سامراجی مفادات اور اقلیتوں اور والیان ریاست کے مفادات کا تحفظ شامل تھا (۴۵)۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسے اپنے اختیار تمیزی سے کام لینا تھا (۴۶)۔ مزید براں جن معاملات میں اسے اپنے کارہائے منصبی اپنی صوابدید پر یا اپنے اختیار تمیزی سے کام لیکر انجام دینے تھے ان سب میں اسے وزیر ہند کی عمومی نگرانی کے تابع کردیا گیا (۴۷)۔ اس طرح قانون ذمہ داری کی کوئی پرکشش تصویر نہیں پیش کرتا تھا۔ دستاویز ہدایات قانون کی وہ واحد خصوصیت تھی جس سے ذمہ داری پر لگائی جانے والی قدغن کی تلافی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے لئے بھی عمومی قانونی جواز مفقود تھا (۴۸)۔

قانون میں تخصیصات اور تحفظات کی گنجائش رکھنے کے لئے گورنر جنرل کے اختیارات بڑھا دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اسے قانون سازی کے شعبے میں بھی زبردست ذمہ داری سونپ دی گئی۔ وہ اپنی صوابدید پر مقننہ کے منظور شدہ کسی بھی مسودہ قانون کی منظوری

Marfat.com

دینے یا منظوری دینے سے انکار کرنے یا اس مسودے کو ملک معظم کی خوشنودی معلوم کرنے کے لئے محفوظ رکھنے کا مجاز تھا (۴۹)۔ وفاقی میزانئے کے سلسلے میں اسے مقننہ کے مقابلے میں اختیارات کلی حاصل تھے (۵۰)۔ وہ ہنگامی قوانین (۵۱) بھی جاری کر سکتا تھا اور بعض حالات میں اسے قانون وضع کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا (۵۲)۔ آخر میں یہ کہ وہ بہ اقتضائے حالات اعلانات عامہ بھی جاری کر سکتا تھا اور ایسے حالات کا تعین بھی اس کی صوابدید پر منحصر تھا۔ ان اعلانات کے تحت وہ کوئی بھی ایسا اختیار یا اختیارات خود حاصل کر سکتا تھا جو کسی وفاقی مجلس یا ادارہ مجاز کو حاصل ہوں یا متذکرہ مجلس یا ادارہ استعمال کر سکتا ہو بجز وفاقی عدالت کے اختیارات کے (۵۳)۔ ان تخصیصات پر وہ دفعات مستزاد تھیں جن کا مقصد مقننہ کی مخالفانہ کاروائی سے سول سروس کو محفوظ رکھنا تھا (۵۴)۔ اس سروس کی کم از کم تین شاخوں یعنی باضابطہ ہندوستانی سول سروس، ہندوستانی میڈیکل سروس اور ہندوستانی پولیس سروس میں بھرتی یا ان پر نگرانی سے گورنر جنرل سمیت ہندوستان میں تمام ادارہ ہائے مجاز کو محروم رکھا گیا تھا اور اس کے اختیارات وزیر ہند کو حاصل تھے (۵۵)۔ یہ تھی مختصراً وہ انتظامیہ جو قانون کی رو سے وجود میں آنی تھی۔ اس انتظامیہ کو والیان ریاست (۵۶) کے نامزدہ نمائندوں کی ممکنہ حمایت اور اقلیتوں کے نامزدہ نمائندوں کی حمایت کے بھروسے ایسی مقننہ کا سامنا کرنا تھا جس کے ارکان کی دو تہائی تعداد ایک ایسے وقت وسیع تر حق رائے دہی کی بنیاد (۵۷) پر منتخب ہونے والے نمائندوں پر مشتمل ہونی تھی جبکہ ہندوستانی قوم پرستی نقطہ عروج پر تھی۔

قانون کے دوسرے اہم حصے کا تعلق صوبائی خود مختاری سے تھا۔ وفاق کے برخلاف صوبوں کو ذمہ داری دینے کا تجربہ کچھ نیا نہیں تھا۔ وہ محض ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے تحت قائم ہونے والے نظام کی توسیع سے عبارت تھا۔ ۱۹۳۵ء میں صوبائی آئین کا تفصیل سے احاطہ کیا گیا تھا (۵۸) لیکن خود اس قانون میں صوبائی خود مختاری کی اصلاح کہیں استعمال نہیں کی گئی تھی۔ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ میں جس کی چھ فصلوں میں سے ایک فصل بہ عنوان صوبائی خود مختاری، (۵۹) صوبائی آئین کے لئے وقف تھی اس اصلاح کی تشریح حسب ذیل الفاظ میں کی گئی تھی :-

Marfat.com

"صوبائی خود مختاری کی اسکیم جیسا کہ ہم اسے سمجھتے ہیں یہ ہے کہ اس کے تحت گورنروں کے صوبوں میں سے ہر صوبے کی ایک انتظامیہ اور ایک مقننہ ہوگی جنہیں صوبے کے اندر معینہ دائرہ عمل میں اقتدار حاصل ہوگا اور یہ صوبائی دائرہ عمل بہ حیثیت عمومی مرکزی انتظامیہ اور مقننہ کے کنٹرول سے آزاد ہوگا۔ یہ ہے ہمارے نزدیک ایک صوبائی خود مختاری کا بنیادی تصور" (۶۰)۔

رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ ,موجودہ نظام سے بنیادی انحراف سے عبارت ہے کیونکہ موجودہ نظام کے تحت صوبائی حکومتیں جو اختیار استعمال کرتی ہیں وہ منتقل شدہ اختیار ہے نہ کہ اصلی اختیار (۶۱)۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قانون وضع کرنے والوں کا مقصد صوبوں کو ایسی شخصیتوں سے متصف کرنا تھا جن سے وہ ابھی تک عاری تھیں۔ لیکن سائمن کمیشن نے ,صوبائی خود مختاری, کی اصطلاح میں یہ مفہوم دریافت کیا تھا:۔

"صوبائی خود مختاری — یہ فقرہ جن مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے مسلسل استعمال کیا جاتا وہ چنداں مرکز کے کنٹرول سے گلو خلاصی نہیں بلکہ یہ ہے کہ دو عملی کو ختم کیا جائے اور ایسی وزارت کو معرض وجود میں لایا جائے جو صوبائی امور میں مقننہ کے آگے جوابدہ ہو" (۶۲)۔

یہ مفہوم مانٹ فورڈ رپورٹ کی طویل المدت سفارش سے ہم آہنگ تھا:۔

"صوبے وہ دائرہ عمل ہیں جس میں ذمہ دار حکومت کے نصب العین کے حصول کی طرف تدریجی پیش رفت کے لئے بعجلت ممکنہ قدم اٹھائے جانے چاہئیں۔ انہیں کسی نہ کسی حد تک ذمہ داری فوراً دی جانی چاہئے اور ہمارا مطمع نظر یہ ہے کہ جوں ہی حالات اجازت دیں انہیں مکمل آزادی دے دی جائے" (۶۳)۔

اس طرح بہ حیثیت عمومی واضعین قانون نے صوبائی خود مختاری کے بارے میں دو تجاویز پیش کیں۔ ان میں پہلی تجویز یہ تھی کہ صوبائی انتظامیہ میں دو عملی کو ختم کیا جائے اور تمام امور ایسے ہندوستانی وزیروں کو منتقل کئے جائیں جو مقننہ کے آگے جوابدہ ہوں۔ دوسری

Marfat.com

یہ کہ صوبائی انتظامیہ کو دلی کی مرکزی حکومت کے کنٹرول سے نجات دلائی جائے۔ لیکن قانون کی دفعات یہ دونوں مقاصد پورے نہیں کرتی تھیں۔

قانونو میں اڑیسہ اور سندھ کو صوبائی حیثیت دے دی گئی تھی اور اس طرح گورنروں کے صوبوں کی تعداد بڑھاکر گیارہ کردی گئی تھی (۶۴)۔ ہر صوبے میں گورنر کو انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے برقرار رکھا گیا تھا (۶۵)۔ گورنر کو اپنے کارہائے منصبی, مجلس وزرا, کی مدد اور مشورے سے انجام دے رہے تھے الا ان فرائض کے جو اسے قانون کی رو سے اپنی صوابدید پر بجالانے تھے (۶۶)۔ مرکزی انتظامیہ کے برخلاف صوبائی انتظامیہ میں کونسلروں کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ اس سے صوبوں میں دوعملی ختم ہوگئی اور مانٹ فورڈ رپورٹ کے مرتبین کا مقصد پورا ہوگیا۔ مگر پھر بھی وزارتی مناصب کو ان تحفظات کے ذریعے محدود کردیا گیا تھا جو نظم و نسق کی منتقلی کے نتیجے میں وضع کئے گئے تھے۔ چنانچہ گورنر کو اپنی صوابدید پر اور انفرادی فیصلے سے کسی پولیس فورس (۶۷) کے بارے میں قواعد، ضوابط اور احکام وضع کرنے یا ان میں ترمیم کرنی تھی، ایسے جرائم کا مقابلہ کرنے کے لئے تدابیر اختیار کرنی تھیں جن کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا ہو (۶۸) اور ان جرائم کے بارے میں معلومات کے ذرائع کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے قواعد وضع کرنے تھے (۶۹)۔ وزراتی ذمہ داری بھی نامکمل تھی۔ گورنر اور اس کی مجلس وزرا کے درمیان تعلقات کی نوعیت تقریباً وہی تھی جو گورنر جنزل اور اس کی مجلس کے تعلقات کی تھی۔ قانون میں اس کے لئے بھی وزرا (۷۰) سے متعلق انہی صوابدیدی اختیارات انہی خصوصی ذمہ داریوں (۷۱) اور اسی دستاویز ہدایات (۷۲) کی گنجائش رکھی گئی تھی جو گورنر جنزل کے لئے رکھی گئی تھی۔ مزید براایں گورنر اس نئے قانون کی رو سے ان تمام معاملات میں گورنر جنزل کی نگرانی اور کنٹرول کے تابع تھا جن میں اسے اپنی صوابدید یا اختیار تمیزی (انفرادی فیصلے) سے کام لینا ہو (۷۳)۔ اس سے پارلیمانی اقتدار کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پایا (۷۴)۔ صوبائی قانون ساز اداروں سے متعلق قانون کے باب کا بیشتر حصہ وفاقی مقننہ والے باب کا چربہ تھا (۷۵)۔ وفاقی مقننہ کی نسبت سے گورنر جنزل کو جو اختیارات دیئے گئے تھے وہی صوبائی قانون ساز اداروں کی نسبت سے گورنروں کو بھی دیئے گئے تھے (۷۶)۔ ہنگامی قوانین نافذ کرنے اور قانون وضع کرنے کے جو اختیارات گورنر جنزل

Marfat.com

کو حاصل تھے وہی گورنروں کو بھی حاصل تھے (۷۷)۔ نیز گورنر جنرل اور گورنروں دونوں کو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں آئینی مشینری کی ناکامی کی صورت میں اعلانات عامہ جاری کرنے اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالنے کے یکساں اختیارات حاصل تھے (۷۸)۔ تاہم قانون سازی کے شعبے کی طرح انتظامی شعبے میں بھی گورنروں کو گورنر جنرل کے زیر نگرانی رکھا گیا تھا (۷۹)۔

یہ تھی صوبوں میں ذمہ داری کے نفاذ کی آئینی شکل۔ قانون میں عوام کے نمائندہ وزیروں کے دائرہ کار میں توسیع کی گئی تھی اور انہیں قانون ساز اداروں کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا تھا۔ ان اداروں میں ۱۹۱۹ء کے تحت قائم ہونے والے اداروں کی طرح کسی سرکاری بلاک کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی (۸۰)۔ لیکن گورنر جنرل اور گورنروں کے لئے مخصوص کئے جانے والے اختیارات کی وجہ سے یہ ذمہ داری بڑی حد تک کم ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان اختیارات کی بدولت ,ریاستوں میں رنگدار راجاؤں کی مانند صوبوں میں سفید فام راجے، جنم لینے والے ہیں (۸۱)۔

جہاں تک مرکز سے صوبوں کو اختیارات کی منتقلی کا تعلق تھا، ۱۹۳۵ء کے تحت قائم ہونے والے وفاق کے پس منظر اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں قائم شدہ وفاقی نظام کے پس منظر میں نمایاں فرق تھا۔ دوسرے وفاقوں کے برعکس ہندوستانی وفاق اپنے عناصر ترکیبی کی اس خواہش کا نتیجہ نہیں تھا کہ باہم متحد ہو کر مشترکہ مقاصد کے لئے ایک مرکزی مقتدرہ قائم کیا جائے۔ اس خواہش کے اظہار کے لئے برطانوی ہند کے صوبوں کی وہ حیثیت نہیں تھی جو نئی دنیا کی تیرہ ریاستوں کی تھی جس کی بدولت وہ اپنی مرضی سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قیام کا معاہدہ کرنے کے قابل ہوئی تھیں۔ البتہ یہ حیثیت اور اس قسم کی خواہش ہندوستان کے صرف ایک تہائی حصے میں موجود تھی جو والیان ریاست کے زیر نگیں علاقے پر مشتمل تھا۔ لہٰذا قانون کے تحت صوبوں کو اختیارات منتقل ہونے تھے وہ انہیں ہندوستانی وفاق میں ہم مرتبہ شخصیتوں سے متصف کرنے کے لئے کافی نہیں تھیں۔ اول تو یہ کہ گورنر مکمل طور پر گورنر جنرل کے تابع نگرانی تھے اور خود گورنروں کو بھی صوبوں میں معتد بہ حد تک انتظامی اور قانون ساز اختیارات حاصل تھے۔ دوم یہ کہ ہر صوبے کے انتظامی اختیارات اس طرح

Marfat.com

استعمال کیئے جانے تھے کہ وفاقی مقننہ کے قوانین (۸۲) کا احترام برقرار رہے اور وفاق کے انتظامی اختیارات (۸۳) کے استعمال میں رکاوٹ نہ پیدا ہونے پائے یا ان کے استعمال میں وہ مفرت رساں ثابت نہ ہو۔ اس کے علاوہ وفاقی انتظامیہ کسی صوبے کو اس کی حدود کے اندر کسی بھی ایسے قانون پر عملدر آمد کی ہدایات جاری کرنے کی مجاز تھی جس کی صراحت متفقہ فہرست قانون سازی کے حصہ دوم میں کی گئی ہو (۸۴)۔ وفاق صوبوں کو ایسے ذرائع مواصلات کی تعمیر و نگہداشت کی ہدایات بھی جاری کر سکتا تھا جو صراحتا فوجی اہمیت کے حامل ہوں (۸۵)۔ سوم یہ کہ وفاق اپنے مقاصد کے لئے صوبوں میں کوئی بھی اراضی حاصل کرنے کا مجاز تھا (۸۶)۔ کسی ریاست کے فرماں روا کو وفاقی عدالت سے چارہ جوئی کا حق حاصل تھا تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ آیا کسی معاملے میں وفاق اس کی ریاست میں اپنا انتظامی اختیار استعمال کر سکتا ہے یا نہیں یا اس اختیار کو کس حد تک استعمال کر سکتا ہے (۸۷)۔ لیکن برطانوی ہند کے صوبوں کو اس قسم کی چارہ جوئی کا حق حاصل نہیں تھا۔ قانون کے تحت مالیاتی شعبے میں بھی جہاں تاج اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کو علیحدہ منضبط کیا جانا تھا (۸۸) وہاں صوبوں میں وفاقی مرکز کو مداخلت کی معتدبہ آزادی حاصل تھی۔ سب سے پہلے تو یہ کہ وفاقی مقننہ کو گورنر جنرل کی پیشگی منظوری حاصل کرنے کے بعد کسی بھی وفاقی مقاصد کے لئے سربار عائد کر کے محصولات اور ٹیکسوں میں اضافہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اور اس سربار سے حاصل ہونے والی ساری آمدنی وفاقی محاصل میں شامل کی جاسکتی تھی (۸۹)۔ دوسرے یہ کہ ہر سال (۹۰) دی جانے والی امدادی رقم اور قرضوں کی (۹۱) فراہمی کے ذریعے اور اس اقتضائے قانون کی بدولت کہ بیرون ہند (۹۲) سے قرضے حاصل کرنے کے لئے صوبوں کو وفاقی حکومت کی رضامندی حاصل کرنی چاہئے وفاق صوبائی خود مختاری پر قدغن لگانے کے وسیع اختیارات کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ مرکزی ملازمین خصوصاً انڈین سول سروس اور انڈین پولیس سروس کے ارکان کو صوبوں میں متعین کرنے کی گنجائش رکھ کر صوبائی اختیارات میں مزید تخفیف کر دی گئی تھی۔ ان میں بہت سے ملازمین ایسے تھے جنہیں صوبائی انتظامیہ کے کنٹرول سے آزاد رہ کر صوبوں میں اہم فرائض انجام دینے تھے۔ اس طرح بہ حیثیت مجموعی نئے قانون کی رو سے برطانوی ہند کے صوبوں کا مرتبہ بلند نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی حیثیت بدستور مرکزی حکومت ہند کے ماتحت یونٹوں کی تھی۔

Marfat.com

یہ تھے ۱۹۳۵ء کے آئین کے خدوخال جن سے ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی اصلاح مقصود تھی۔ اس قانون کی مذمت کرتے ہوئے اسے ,غلامی کی ایک نئی قسم, (۹۳) سے تعبیر کرنا تو خیر زیادتی تھی لیکن ہندوستان کے ترجمانوں کے لئے اس پر نکتہ چینی کا جواز موجود تھا۔ ایک تو یہ کہ اس قانون سے جو سیاسی پیش رفت مقصود تھی اس کی نفی ان دفعات نے کردی تھی جن کا تعلق تخصیصات، تحفظات اور گورنر جنرل اور گورنروں کے اختیارات سے تھا۔ یہ بات اس لئے اور بھی افسوسناک تھی کہ گورنر جنرل اور تقریباً تمام گورنر یقیناً غیر ملکی مقرر کئے جانے تھے۔ خود پارلیمانی کمیٹی نے ہندوستانی وزرا کو تاج کے ان نمائندوں کے ,تقرر سے سروکار رکھنے کے حق، سے محروم کردیا تھا (۹۴)۔ قانون میں دستاویز ہدایات کی صورت میں جس چارہ کار کی گنجائش رکھی گئی تھی وہ ہندوستانیوں کے لئے کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اسے کوئی قانونی جواز حاصل نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ پارلیمینٹ کی بالادستی کو برقرار رکھا گیا تھا اور مستعمراتی حیثیت کو یکسر نظرانداز کردیا گیا تھا۔ پارلیمینٹ کے قانون موضوعہ بابت ۱۹۳۱ء کے پیش نظر اس امر کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ نئے قانون کی تمہید میں بھی حیثیت مستعمرہ کا کوئی ذکر نہ آنے پائے (۹۵)۔ تیسرے یہ کہ مرکزی ذمہ داری صرف اس وقت دی جانی تھی جب وفاق کا پروگرام بروئے کار آجاتا (۹۶)۔ لیکن جہاں وفاق کا قیام غیر معینہ مدت کے بعد عمل میں آنا تھا وہاں تخصیصات و تحفظات صوبائی خود مختاری کے نفاذ کے ساتھ ہی من حیث الکل نافذ العمل ہونے تھے۔ آخر میں یہ کہ والیان ریاست کو وفاق کے مقابلے (۹۷) میں اپنی پوزیشن متعین کرنے کے لئے صوابدید کے وسیع اختیارات دے دیئے گئے تھے. حکومت پر ان کے تحفظ کی ذمہ داری عائد کردی گئی تھی اور ریاستوں کے قانون سازوں کی کثیر تعداد کے چناؤ میں عوام کے حق انتخاب کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی (۹۸)۔

اس تمام نکتہ چینی سے قطع نظر یہ پہلا اور واحد آئین تھا جس میں سارے برصغیر کے لئے ایک جامع سیاسی اور انتظامی نظام کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ یہ امر قابل تعریف ہے کہ واضعین قانون ایک ایسی آئینی اسکیم مرتب کرنے میں کامیاب ہوگئے جبکہ دوسرے لوگ کوئی قابل قبول پروگرام پیش کرنے سے قاصر رہے تھے۔ برطانیہ کی لیبر پارٹی کے ایک رکن نے جو

Marfat.com

اہل ہندوستان کی امنگوں میں ان کے ساتھ اپنی ہمدردیوں کے سبب ممتاز تھا اس قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس کی پارٹی برسراقتدار آجائے تو وہ بھی حکومت کی اس اسکیم سے بہتر آئین تیار نہ کر سکتی اور اس نے ہندوستانیوں پر زور دیا کہ وہ حقائق کو قبول کر کے ان کا سامنا کریں (۹۹)۔ نہرو نے نئے قانون کی جو مذمت کی تھی اس کا جواب لوتھین نے یہ دیا تھا:۔

"میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ایسا آئین مرتب کرنا ممکن تھا جو بنیادی طور پر اس سے مختلف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کانگریس کو حکومت کے تمام اختیارات حاصل ہوتے اور یہ اختیارات وہ اپنے حریفوں کی مخالفت کو دبانے اور ان سے اپنا موقف منوانے کے لئے استعمال کرنے کے قابل ہوتی اور یوں اس قسم کا من مانا آئین وضع کر سکتی۔ میرا اپنا ذاتی تاثر یہ ہے کہ کانگریس کسی وقت بھی سارے ہندوستان کی مرضی کے مطابق اس کے لئے ایک حریت پسندانہ آئین مرتب نہ کر سکتی بجز اس کے کہ اگر بنیادی اصولوں میں نہیں تو کم از کم جزئیات ہی میں فرقہ وارانہ تقاضوں اور والیان ریاست کے لئے وہی رعائیتیں رکھتی جو موجودہ آئین میں رکھی گئی ہیں، اور یہ کہ وہ طاقت کے بل پر برسراقتدار آنے کی کوشش کرتی تو اسے خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ یا تو پولیس اور فوج کی آمریت قائم کرنے پر مجبور ہو جاتی یا جبروتشدد کے وہ تمام حربے اختیار کرتی (جن کا نشانہ آپ خود بن چکے ہیں) جو ہر مطلق العنان طرز حکومت کی امتیازی خصوصیت ہوتے ہیں یا پھر ہندوستان کی سالمیت برقرار رکھنے کی کوشش قطعی ترک کر دیتی" (۱۰۰)۔

قانون کی غیر حریت پسندانہ خصوصیت کے باوجود اس میں نشوونما کی گنجائش موجود تھی۔ توقع تھی کہ اگر ہندوستانی وزرا اپنی ملنے والی ذمہ داری تعمیری انداز میں بروئے کار لائیں تو قوم پرستوں کے دباؤ اور دستاویز ہدایات میں شامل کی جانے والی تجاویز کی بدولت تاج کے نمائندوں کا کردار کم ہو جائے گا (۱۰۱)۔ یہ بھی توقع تھی کہ برطانیہ کی سول سروس کی طرح ہندوستان کی سرکاری ملازمتوں کے ارکان وزرا کی خدمت وفاداری انجام

Marfat.com

دیں گے اور وزرا ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کریں گے (۱۰۲)۔ قانون کی جس دفعہ کی رو سے وزیر ہند کے لئے حفاظتی سروسز (سیکیورٹی سروسز) میں بھرتی اور ان پر نگرانی کے اختیارات وزیر ہند کے لئے مخصوص کئے گئے تھے اس پر صوبائی خود مختاری نافذالعمل ہونے کے پانچ سال بعد نظر ثانی کی جانی تھی (۱۰۳)۔ جہاں تک مرکز میں ردعمل کا تعلق تھا، قانون کے تحت گورنر جنرل کے لئے امور محفوظہ کے انصرام میں اپنی مدد کی غرض سے کونسلر مقرر کرنا لازم نہیں تھا (۱۰۴)۔ نیز واضعین قانون کو توقع تھی کہ وفاقی حکومت کے دونوں رخوں کے مابین مشترکہ ذمہ داری کا اصول ارتقا پذیر ہوگا جس کے ارتقاء کی حوصلہ افزائی کے لئے گورنر جنرل کی دستاویز ہدایات موجود تھی (۱۰۵)۔ کانگریسی لیڈروں نے ۱۹۳۷ء میں عہدے قبول کرتے وقت ان ممکنات کو سمجھ لیا ہوگا۔

قانون کے وفاقی حصے کی کامیابی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہندوستان کے اس حصے میں پائی جاتی تھی جو ریاستوں پر مشتمل تھا۔ آئین میں ان ریاستوں کے اندر قانونی یا ارتقائی ذریعے سے کسی سیاسی تبدیلی کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ فقط آئین کے باہر کا دباؤ ہی والیان ریاست کو اپنے نظام کی اصلاح پر مجبور کر سکتا تھا اور ان کی رعایا کو وفاقی مقننہ کے لئے ریاستی نمائندوں کے چناؤ کا مستحق بنا سکتا تھا۔ وفاق کے قیام کے لئے (۱۰۶) پارلیمنٹ کے ہر ایوان کی طرف سے ملک معظم کو عرضداشت پیش کرنے سے متعلق اقتضائے قانونی کی بدولت ایک اور حربہ ہٹ دھرم سیاست دانوں کے ہاتھ آگیا تاکہ فیڈریشن کے پروگرام کا قلع قمع کیا جاسکے (۱۰۷)۔ لیکن جہاں والیان ریاست اور ہٹ دھرم گروپ کی پیدا کردہ مشکلات تھیں جنہیں کسی نہ کسی طرح دور کیا جاسکتا ہے وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش سے سارے قانون کے ڈھانچے کی تباہی کا سنگین خطرہ لاحق تھا۔ اس کشمکش کی وجہ سے کسی بھی مرحلے پر ان مذاکرات کے ناکام ہونے کا خدشہ تھا جو قانون کی منظوری سے قبل ہو رہے تھے۔ جب تک فرقہ وارانہ خیر سگالی کا فقدان تھا ان صوبوں میں مسلمانوں کے لئے اضافی نشستوں کی رعایت، جداگانہ طریقہ انتخاب پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلیوں میں نشستوں کی تخصیص اور سرحد اور سندھ کے مکمل صوبوں کا قیام مسلمانوں کو ایک پائیدار

Marfat.com

وفاق کے قیام پر رضامند کرنے کے لئے کافی نہیں تھا جو بہر کیف ہندو اکثریت کے زیر اثر ہوتا۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں شفاعت احمد خان لوتھین کو لکھ چکے تھے :۔

"ایک اور نکتہ ایسا ہے جسے مسلمان شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کا تعلق صوبائی خود مختاری سے ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ بعض حلقوں میں صوبائی خود مختاری کو محدود کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ بہت سے ارکان کے رویئے کے بارے میں میرا تاثر غلط ہوسکتا ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ کنزرویٹو لیڈروں کی ایک بڑی تعداد کی طرح۔ لیبر ارکان بھی ایک مضبوط وحدانی حکومت کے خواہاں ہیں۔ اگر مرکز میں بازنطینی نوکر شاہی قائم کی جائے اور اسے اعلیٰ کارکردگی اور یکسانیت کی خاطر تمام دائرہ ہائے کار میں ہر بات کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو وفاق کی ساری عمارت مٹی کے گھروندے کی طرح بیٹھ جائے گی۔ یہ نیا عفریت صوبائی حقوق کو ہڑپ کر جائے گا اور صوبوں کو اتنی آزادی بھی حاصل نہیں رہے گی جتنی کہ اب ہے یہ وفاق نہیں بلکہ ہٹلری نظام ہوگا۔ .... جہاں تک مرکزی اختیارات کا تعلق ہے ہم مسلمانوں کے وفد نے گورنر جنرل کے لئے وسیع دائرہ صوابدید کی تجویز پیش کی ہے، البتہ ہم نے گورنر جنرل کے لئے وزرا کی شرکت میں کام کرتے ہوئے واقعی محدود اختیارات کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے عوض ہمیں پوری پوری توقع ہے کہ وزیروں کی شرکت میں گورنر جنرل کے اختیارات میں صوبوں کے بمقابل اضافہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ہمیں اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے کہ گورنر جنرل کے دائرہ صوابدید میں بمقابل صوبائی حکومت توسیع کی جائے" (۱۰۸)۔

Marfat.com

اختتامیہ

قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کی تشکیل جدید ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک نہایت اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصلاحات کا جو کام اس قانون کے وضع ہونے کے ساتھ ختم ہوا, اس کا نقطہ، آغاز مانٹیگو کا وہ بیان تھا جو اس نے مانٹ فورڈ اصلاحات کے وضع ہونے سے دو سال قبل پارلیمینٹ میں دیا تھا۔ یہ بیان جن لوگوں نے مرتب کیا تھا انہیں شاید ہی اس بات کا اندازہ ہو کہ آگے چل کر ہندوستانیوں کی رائے پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان کا مدعا خواہ کچھ ہی رہا ہو ہندوستانی رہنماؤں نے اسے برطانوی حکومت کے اس عہد سے تعبیر کیا کہ ہندوستان کو وہی حیثیت دے دی جائے گی جو سلطنت برطانیہ کی خود مختار مستعمرات کو حاصل ہے۔ لہٰذا ان رہنماؤں خصوصاً اعتدال پسند لیڈروں کے دلوں میں یہ آرزو پیدا ہوگئی کہ ہندوستان کو جلد ڈومینین کا مرتبہ حاصل ہوجائے گا۔ چنانچہ سپرو نے جنوری ۱۹۲۲ء میں قانون ساز اسمبلی میں حسب ذیل بیان دیا حالانکہ اس وقت وہ وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے :۔

”آخر عدم تعاون کے حامی کیا چاہتے ہیں؟ کیا وہ ملک میں خود مختار مستعمراتی حکومت کا قیام چاہتے ہیں یا برطانیہ سے ہر قسم کا رشتہ توڑ لینا چاہتے ہیں اور برطانیہ کی حکمرانی کا جوا اتار پھینکنا چاہتے ہیں؟ یا دوسرے لفظوں میں وہ مکمل آزادی چاہتے ہیں؟ اگر وہ مکمل آزادی چاہتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ جہاں تک اس اسمبلی کا تعلق ہے اسے اس مطالبے سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ لیکن اگر دراصل وہ مستعمراتی خود مختاری کے خواہاں ہیں تو اس ایوان کے اندر یا باہر شاید ہی کوئی فرد ایسا نکلے جو صدق دل سے یہ

Marfat.com

کہنے کو تیار نہ ہو کہ وہ مستعمراتی خود مختاری کے تصور سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح مسٹر گاندھی کا کوئی پیروکار ہو" (۱۰۹)۔

لیکن چند واقعات اور بعض انگریز زعماء کے بیانات کی وجہ سے جو وہ وقتاً فوقتاً دیتے رہے تھے ہندوستانی رفتہ رفتہ یہ باور کرنے لگے کہ مانٹیگو کا عہد کبھی ایفا نہیں ہوگا۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں مانٹیگو وزیر ہند کے عہدے سے مستعفی ہوگیا (۱۱۰)۔ فروری ۱۹۲۴ء میں ہیلے نے اعلان مانٹیگو کی (۱۱۱) کی تردید کردی اور اگست ۱۹۲۲ء (۱۱۲) اور جولائی ۱۹۲۵ء (۱۱۳) میں لائڈ جارج اور برکن ہیڈ نے پارلیمنٹ میں اس اعلان کے خلاف تقریریں کیں۔ اس کے نتیجے میں حکومت پر ہندوستانیوں کا دباؤ بڑھتا گیا جو ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے تقرر پر نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ اس صدی کے تیسرے عشرے کی پوری مدت کے دوران آئینی مذاکرات اور نزاعی بحثوں میں اور اس کے بعد ۱۹۳۵ء کے قانون کی منظوری تک کے مذاکرات میں سب سے زیادہ اہمیت ہندوستان کی حیثیت کے سوال کو دی گئی۔ کیا برطانیہ نے ہندوستان کو مستعمراتی حیثیت دینے کا عہد کیا ہے اور اگر کیا ہے تو یہ حیثیت اسے کب دی جائے گی؟ یہ تھا وہ سوال جو ۱۹۱۷ء سے ۱۹۳۵ء تک برطانوی سیاست دانوں اور ہندوستانی رہنماؤں کے درمیان موضوع بحث رہا۔ سائمن کمیشن کے اعلان کے بعد کی مدت کے دوران ہندوستانی لیڈروں خصوصاً لبرل زعماء کی ثابت قدمی کی بدولت ارون کا ۱۹۲۹ء والا بیان معرض وجود میں آیا۔ اس بیان میں واضح کیا گیا کہ اعلان مانٹیگو میں مستعمراتی خود مختاری کا جو عہد کیا گیا ہے اس پر برطانوی حکومت قائم ہے بلالحاظ اس کے مستعمراتی حیثیت کے تصور میں جو بھی تبدیلیاں ہوں اور برطانیہ میں کوئی بھی جماعت برسراقتدار ہو۔ لیکن اس بیان میں مسئلے کے صرف ایک پہلو کی وضاحت کی گئی تھی اور متذکرہ عہد کے ایفا کی تاریخ بدستور غیر معین رہی۔ برطانوی اہل الرائے کے ایک بااثر طبقے کی طرف سے ارون پر نکتہ چینی سے یہ اشتباہ پیدا ہوگیا کہ ارون کی پالیسی اس کے ہم وطنوں کی نمائندگی کرتی ہے یا نہیں۔ اس پالیسی کے بارے میں غیر یقینی کی کیفیت اصلاحات کا کام مکمل ہونے تک برقرار رہی۔ مستعمرہ کی حیثیت کے مطالبے اور اس کی منظوری کا موقعہ جاتا رہا اور ۱۹۳۵ء کے بعد مسائل میں مزید تغیر رونما ہوا۔ گول میز کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۰ء میں لبرل لیڈروں خصوصاً سپرو

Marfat.com

نے بالواسطہ طریقے سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے قدم اٹھائے۔ انہوں نے وفاق کے تصور کو اپناتے ہوئے مستعمراتی خود مختاری کے مطالبے کو مرکزی ذمہ داری کے مطالبے میں یہ فرض کرتے ہوئے تبدیل کر دیا کہ مرکزی ذمہ داری کی بدولت ہندوستان جلد مستعمراتی حیثیت حاصل کر لے گا۔ ممکن تھا کہ ان کا یہ مفروضہ درست ثابت ہوتا لیکن قانون میں جس مرکزی ذمہ داری کی گنجائش رکھی گئی وہ بعض دقت طلب مقتضیات کی پابند تھی جو پوری نہیں ہو سکیں اور اس ذمہ داری کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششیں ستمبر ۱۹۳۹ء میں معطل کر دینی پڑیں۔

برطانوی سیاست دانوں کی جن کوششوں نے ۱۹۳۵ء کے قانون کو جنم دیا ان میں ہندوستان کو غیر معینہ مدت تک محکوم رکھنے سے زیادہ زور اس امر کو یقینی بنانے پر دیا گیا تھا کہ ہندوستان سلطنت برطانیہ میں شامل رہے۔ اس سلسلے میں ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس کے موقعے پر سیموئیل ہور کے موقف میں تبدیلی بڑی اہم تھی۔ کیونکہ یہی وہ سیاست داں تھا جس کے ہاتھوں ہندوستان کے بارے میں ملک معظم کی حکومت کی پالیسی نے حقیقی شکل اختیار کی۔ سیموئیل ہور کو ہندوستان کے مسئلے کا وہ شعور اور ادراک نہیں تھا جو ارون کو تھا اور نہ ہی اسے ارون کی طرح ہندوستانیوں کا اعتماد حاصل تھا لیکن وہ خود کو اپنی جماعت کے انتہا پسند عنصر سے علیحدہ کرنے اور ثابت قدمی سے اس کے دباؤ کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ صوبوں میں اصلاحات کا نفاذ خواہ وہ کتنی ہی فراخ دلانہ ہوں ہندوستانیوں کو مطمئن نہیں کر سکے گا اور یہ کہ مرکزی حکومت میں تبدیلی ضروری ہے۔ دوسری طرف اسے یہ بھی معلوم تھا کہ برطانیہ کی رائے عامہ اور پارلیمنٹ اس تبدیلی کو قبول نہیں کرے گی۔ وفاق کی تجویز نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ مرکزی حکومت ہند کے ساتھ والیان ریاست کی وابستگی ہندوستانی قوم پرستوں کی کارروائیوں کے خلاف ایک تحفظ کا کام دیتی لہٰذا کل ہند وفاق کی شکل میں مرکزی ذمہ داری کا نفاذ ایک محفوظ اقدام تھا۔ اس کی بدولت نہ صرف مستعمراتی حیثیت کے لئے ہندوستانیوں کے مطالبے کو ٹالا جا سکتا تھا بلکہ سیموئیل ہور خود برطانیہ میں اپنے ہم وطنوں کو مرکز میں تبدیلی پر آمادہ کرنے کے بھی قابل ہو جاتا۔ اس کے بعد سے وہ وزارت ہند پر فائز رہتے ہوئے اور وزارت کے باہر دونوں حیثیتوں سے وفاق کے تصور پر ثابت قدمی

Marfat.com

سے جمارہا اور اسے قانون میں شامل کرانے کی جدوجہد کرتا رہا۔ اس سلسلے میں کامیابی بڑی حد تک اسی کی استقامت کی رہین منت تھی۔ لیکن لوتھین، ریڈنگ، اسٹانلے، بالڈون اور آسٹن چیمبرلین کا تعاون نہایت مفید ثابت ہوا۔ بالڈون نے پہلے ارون کی اور پھر سیموئیل ہور کی جو غیر مشروط حمایت کی اس کی وجہ سے ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۵ء تک پارٹی میں اس کی قیادت پر مسلسل دباؤ پڑتا رہا۔ دوسرے امور سے متعلق برطانوی پالیسیوں میں بالڈون کی پالیسیوں کے بارے میں خواہ کچھ ہی کہا جائے ہندوستان کے سلسلے میں اس نے مسلمہ طور پر اپنا بہترین کردار ادا کیا (۱۱۴)۔ یہ بات خیال میں آنا مشکل ہے کہ ارون اور سیموئیل ہور اپنی پارٹی کے قائد کی حمایت کے بغیر چرچل گروپ کی مخالفت کے سامنے اپنی پالیسیوں پر کس طرح قائم رہ سکتے۔ لیکن اگر بالڈون نے برملا سیموئیل ہور کی مدد کی تو آسٹن چیمبرلین نے نجی سطح پر اس کا ساتھ دیا۔ وفاق کے ایوان زیریں کے لئے بالواسطہ طریقہ انتخابات کو قبول کرکے سیموئیل ہور نے اپنی پارٹی کے کلیدی ارکان کی حمایت حاصل کرلی۔ آسٹن چیمبرلین کی قیادت میں کنزرویٹو پارٹی کے مرکزی طبقے نے پس پردہ سیموئیل ہور کا جس طرح ساتھ دیا اسے سمجھے بغیر پارٹی کے تمام اجلاس اور پارلیمنٹ میں ہٹ دھرم گروپ کے بالمقابل ہور کی پالیسی کی بھاری اکثریت سے منظوری کی توجیہہ ممکن نہیں۔ فیڈریشن کی تجویز روبہ عمل نہ آسکی۔ لیکن اس پروگرام کی ناکامی کی ذمہ داری واضعین قانون پر عائد نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں جنگ چھڑنے کی وجہ سے وفاق کے قیام کی کوششیں روک دینی پڑیں۔ لیکن قانون وضع کرنے میں واضعین کے سامنے جو مقصد تھا اسے ناکام بنانے میں سب سے نمایاں کردار چرچل نے ادا کیا۔ ہیلی فیکس (ارون) نے ۱۹۵۳ء میں ماضی کے واقعات پر غور کرتے ہوئے یہ تاثرات قلم بند کئے ہیں:۔

> "مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہندوستانیوں میں برطانیہ سے نجات حاصل کرنے کی خواہش پیدا کرنے کی ذمہ داری سب سے زیادہ ونسٹن پر عائد ہوتی ہے۔ مستعمراتی حیثیت دینے کے بارے میں میرے اعلان کی مخالفت اور اس کے غل غپاڑے کی وجہ سے ہندوستانیوں میں یہ احساس پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ وائسرائے خواہ کتنا ہی اچھا ہو، کنزرویٹو پارٹی کا ایک بااثر

Marfat.com

طبقہ ان کے خلاف ہے .... جنگ کے دوران میں اس نے جس طرح دوسرے بیشتر امور کے بارے میں فراست کا ثبوت دیا اسی طرح ہندوستان کے مسئلے پر بھی کسی قدر سوجھ بوجھ سے کام لیتا اور زیادہ تیزی سے اقدامات کرتا تو ہندوستانیوں کے احساسات مختلف ہوتے۔ میری دانست میں اس کی مخالفت کا ایک اور نتیجہ بر آمد ہوا۔ .... اس مخالفت کی وجہ سے حکومت ہند سے متعلق مسودہ قانون کی کاروائی میں ہر مرحلے پر ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ وہ وفاق کی راہ میں بلاشبہ ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ میں نے اکثر اپنے آپ سے سوال کیا ہے کہ وفاق کے سلسلے میں ہماری رفتار اتنی سست کیوں رہی؟ اس کا ایک اہم جواب یہ تھا کہ وفاق کے معاملے میں اس وقت تک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ برطانوی ہند کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ نہ کیا جاتا اور ونسٹن کے رویئے سے یہ سارا عمل سست پڑ گیا" (۱۱۵)۔

اصلاحات کا کام جس کے نتیجے میں ۱۹۳۵ء کا قانون وضع ہوا وائسرائے کی حیثیت سے ارون اور ولنگڈن کے ادوار حکومت میں انجام پایا۔ ارون نے خصوصاً ہندوستانیوں کی طرف سے سائمن کمیشن کے مقاطعے کے بعد ہندوستان کے مسئلے کو سمجھنے میں جس بصیرت کا ثبوت دیا اور جس مدبرانہ انداز میں اس سے عہدہ بر آ ہوا وہ اسی کا حصہ تھا۔ یہ امر کہ بالڈون، ڈاسن اور کئی دوسرے کنزرویٹو سیاست دانوں نے اس کی حمایت کی تو اس کی وجہ ارون سے ان کی دوستی ہو سکتی ہے۔ نیز ہندوستانی اعتدال پسند سیاست دانوں نے اس کے پروگرام کو جو قبول کیا اس کا سبب ان کا مسلک آزاد خیالی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا کار نمایاں یہ تھا کہ اس نے گاندھی کی مکمل حمایت حاصل کر لی اور اپنے حسن تدبر سے ان تمام اقدامات کے لئے سائمن اور لیبر حکومت کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اس نے اپنی سوچ اور اپنے ضمیر کے تقاضوں کے مطابق انجام دیئے۔ ہندوستان کے مسئلے کے بارے میں اس کا انداز فکر و عمل حقیقت پسندانہ اور ہمدردانہ تھا۔ سلطنت برطانیہ کے ایک حصے کی حیثیت سے مطمئن ہندوستان اس کا نصب العین تھا۔ اور اس نصب العین کے حصول کے

Marfat.com

لئے اس نے صحیح اقدامات کئے۔ اگرچہ کچھ واقعات کی وجہ سے جو اس کے قابو سے باہر تھے یہ نصب العین حاصل نہیں ہوسکا لیکن ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان مفاہمت کو فروغ دینے میں اس نے منفرد کردار ادا کیا۔

وائسرائے کی حیثیت سے ولنگڈن کا دور حکومت ارون کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ ولنگڈن اپریل ۱۹۳۱ء میں اس وقت ہندوستان پہنچا جبکہ ہندوستان کا مسئلہ نقطہ عروج پر تھا۔ اصلاحات کے کام کا بڑا حصہ اسی کے عہد حکومت میں انجام پایا۔ لیکن وہ چونکہ ارون کے بعد آیا تھا لہٰذا اسے کوئی پالیسی مرتب کرنی نہیں پڑی۔ نیز اس کے دور میں ہندوستان کی صورت حال نسبتاً پرسکون تھی۔ اگرچہ اس نے ہندوستانیوں کی امنگوں کے لئے بڑی ہمدردی کا مظاہرہ کیا لیکن اس کی سستی اور تعصبات کی وجہ سے ارون کے کارناموں پر پانی پھرنے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ ہندو مسلم اختلافات کو دور کرنے کی تدبیریں سوچنے سے قاصر رہا اور قانون کی منظوری کے بعد والیان ریاست کو وفاق کی اسکیم کے قریب تر لانے میں ناکام رہا۔ خاص طور پر کانگریس کے ساتھ اس کے تعلقات خراب رہے۔ وہ اپنے تعصبات پر قابو نہ پاسکا جو سیاسی مصالح پر غالب آگئے اور گاندھی کے بارے میں اس نے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا۔ اس طرح وہ آئینی مذاکرات میں کانگریس کی شرکت میں مانع آیا اور انگریزوں سے کانگریس کی بدظنی میں اضافہ کردیا۔ اس نے یہ غلط تاثر بھی دیا کہ کانگریس ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ختم ہوچکی ہے اور اس طرح ہٹ دھرم سیاست دانوں کو اس استدلال کی بنیاد فراہم کردی کہ ارون کا موقف غلط تھا اور یہ کہ ہندوستان کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ایک مضبوط ہاتھ کی ضرورت ہے (۱۱۶)۔ یہ وہ غلط خیال تھا جسے اسی زمانے میں ہونے والے نومبر ۱۹۳۴ء کے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات غلط ثابت کررہے تھے۔ اسمبلی میں داخل ہونے کے حق میں محض کانگریس کے اعلان نے ان وفادار عناصر میں کھلبلی مچادی تھی جو کانگریس کی عدم تعاون کی تحریک کے (۱۱۷) دوران عہدوں پر فائز تھے۔ انتخابات کے نتائج مسلمہ طور پر حکومت کی پریشان کن شکست، کی تصویر پیش کررہے تھے (۱۱۸) اور کانگریس کی شاندار فتح کے آئینہ دار تھے (۱۱۹)۔ یہ ۳۷۔۱۹۳۶ء میں ہونے والے صوبائی انتخابات میں کانگریس کی اس سے بھی شاندار کامیابیوں کا پیش خیمہ تھے۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں

Marfat.com

قانون ساز اسمبلی میں داخل ہونے کے بعد کانگریس پارٹی کے ارکان نے تمام سماجی تقریبات میں ولنگڈن کا بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب انہوں نے صوبوں میں عہدے قبول کئے تو ان کا مزاج برہم تھا۔ بدقسمتی سے ولنگڈن کو قانون وضع ہونے کے بعد مزید نو مہینے ہندوستان میں قیام کرنا تھا۔ اصلاحات کو اپنے نفاذ کے لئے اس کی معیاد مکمل ہونے اور اس کے ریٹائر ہونے تک کی مہلت ملنی تھی۔

ہندوستان میں کسی سیاسی نظام کے ارتقاء میں بنیادی رکاوٹ فرقہ وارانہ مسئلہ تھا۔ قانون میں اقلیتوں کی تسلی اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے مفصل دفعات رکھی گئی تھیں لیکن اس کے باوجود ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہوگئی۔ قانون میں برطانوی پارلیمنٹ کے نمونے پر جن اصلاحی اداروں کی گنجائش رکھی گئی تھی وہ ہندوستان کے کثیر النوع معاشرے کے لئے موزوں نہیں تھے۔ لیکن ہندوستان کے اتحاد کو ناممکن بنانے والے عوامل نہ تو قانون کی دفعات تھیں اور نہ واضعین کی ریشہ دوانیاں بلکہ ہندوستان کی تقسیم قانون وضع ہونے سے پہلے کے تلخ مذاکرات اور قانون پر عملدر آمد میں ناعاقبت اندیشانہ کاروائیوں کا لازمی نتیجہ تھی۔ مارچ ۱۹۳۶ء تک بھی بانی پاکستان (جناح) کے قوم پرستانہ موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ اس وقت انہوں نے لاہور میں اپنے ایک عام لیکچر میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا :-

> ”میں نے خواہ کچھ ہی کہا ہو، یقین کیجئے نیشنل کانگریس میں شامل ہونے کے وقت سے لے کر اب تک مجھ میں قطعی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات میں نے غلطی کی ہو، مگر میں نے بے جا طرفداری کبھی نہیں کی۔ میرا واحد مقصد ملک کی فلاح و بہبود رہا ہے۔ یقین کیجئے میں ہندوستان کے مفاد کو مقدس سمجھتا ہوں اور ہمیشہ سمجھتا رہوں گا اور کوئی چیز مجھے اپنے اس موقف سے ذرہ بھر بھی منحرف نہیں کر سکتی۔ میں اسے (فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کی کوشش کو) ترک نہیں کروں گا اور نہ کر سکتا ہوں۔ وہ مجھے چھوڑ دے تو چھوڑ دے مگر میں اسے نہیں چھوڑ سکتا.... فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر ہندوستان کی نجات ممکن نہیں“ (۱۲۰)۔

Marfat.com

جناح وہ ممتاز مسلم رہنما تھے جو خاص طور پر ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندوستانی سیاست کے بارے میں اپنے قوم پرستانہ انداز فکر اور ہندو مسلم اتحاد کے قیام اور اس کے لئے پرخلوص مساعی کی وجہ سے ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر حیثیت کے مالک تھے۔ اس کے بعد خاص کر ۱۹۴۰ء کے بعد ان کی سوچ میں ایک انقلاب رونما ہوگیا لیکن یہ تغیر محض انفرادی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ اس کے سوا بھی کچھ اور تھا۔ انہوں نے فرقہ وارانہ اتحاد کو فروغ دینے کی کوششیں ترک کر دیں جبکہ مسلمانوں کے کیمپ میں کوئی ممتاز قائد ان کے مقصد کی حمایت کے لئے موجود نہیں تھا۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ وفاق قائم ہوجاتا۔ لیکن یہ سمجھنا مشکل ہے کہ فرقہ وارانہ خیرسگالی کے بغیر وہ برقرار بھی رہتا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء کے دس سالہ دور کے فرقہ وارانہ تعلقات کی تاریخ میں اس کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ آغا خان نے ۱۹۵۴ء میں اس وقت کی صورت حال پر غور کرتے ہوئے لکھا:۔

"وفاق کی تجویز جیسا کہ آپ کو اور مجھے توقع تھی بہترین ثابت ہوتی بشرطیکہ دوسری عالمی جنگ نہ ہوتی اور برطانیہ عظمیٰ کو اپنی ذمہ داری سے قطعی طور پر دستبردار ہونے اور ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے بیس سال کی مہلت اور مل جاتی۔ تاہم اس وفاق میں دو خامیاں تھیں جن کی وجہ سے برطانیہ کی حکمرانی ختم ہونے کے بعد اس کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اس کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس کی بنیاد متحدہ ہندوستان اور غیر منقسم مسلح افواج پر رکھی گئی تھی۔ یہ نظام اس وقت تک ٹھیک کام کرتا رہتا جب تک اس پر پارلیمنٹ کا اقتدار اور برطانوی عوام کی ذمہ داری برقرار رہتی۔ لیکن جوں ہی وہ ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑنا ناگزیر تھا اور اس کے نتیجے میں شاید اس سے کہیں زیادہ ہولناک خون ریزی اور طویل خانہ جنگی ہوتی جو ملک کی تقسیم کے وقت ہوئی" (۱۲۱)۔

جہاں تک والیان ریاست کا تعلق تھا وفاق کی اسکیم میں ان کے بقا کی ضمانت دی گئی تھی۔ یہ تجویز دراصل ایک پرانا تصور تھی جو ایک ناگزیر عمل کے طور پر پیش کی گئی تھی۔

Marfat.com

والیان ریاست کے نقطہ نظر سے تو وہ بڑے ساز گار وقت میں ابھر کر سامنے آئی تھی۔ مگر ہوا یوں کہ انہوں نے یہ تجویز خود پیش کی اور پھر اس سے پہلو تہی کرنے لگے۔ اپنے مسائل کے حل سے معذوری اور اپنے نظام کی اصلاح سے گریز کی وجہ سے ان کی قلعی کھل گئی تھی۔ وہ متحد نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ صورت حال کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے۔ بعد میں جب کانگریس کا ستارہ اقبال بلند ہوا اور برطانیہ کے اقتدار کا سورج غروب ہونے لگا تو ان کو ہٹا دینا معمولی بات تھی۔ آغا خان نے سیموئیل ہور کے نام اپنے محولہ بالا خط میں وفاق کے جس دوسرے سقم کا ذکر کیا وہ یہ تھا:۔

> "یہ تصور کہ دیسی ریاستوں اور ان کے حکمرانوں یا فرماں رواؤں کے خاندانی سلسلوں کے درمیان ایک مخفی یا باطنی رشتہ استوار تھا جس طرح مثلاً میرے پیروؤں اور میرے درمیان استوار ہے، حقیقی صورتحال کے بارے میں نہایت غلط افسوس ناک تاثر ہے۔ گزشتہ سو سال میں ریاستوں کے فرماں رواؤں اور ان کی رعایا کے درمیان تمام رشتے منقطع ہو چکے ہیں۔ راجپوتانہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ بات میں ہمیشہ سے جانتا تھا مگر اس کے بارے میں کچھ کہنا بے سود تھا، کیونکہ کوئی بھی انگریز میری بات پر یقین نہ کرتا۔ لیکن ایک ہی دن وہ سب نیست و نابود ہو گئے اور کسی نے ان پر آنسو نہیں بہائے۔ حیدر آباد اور ہندوستان کے درمیان نام نہاد جنگ ریاست کے مسلمانوں کی طرف سے اس لئے نہیں لڑی گئی تھی کہ اپنے تاجداروں کے خاندانی سلسلے میں کو قائم رکھا جائے یا اس کی خدمت بجالائی جائے یا اس کے ساتھ جذباتی اطاعت کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ اس مجنونانہ امید پر لڑی گئی تھی کہ ریاست کسی نہ کسی طرح پاکستان میں شامل ہو سکے گی۔ پاکستان میں جو ریاستیں باقی رہ گئی تھیں انہیں مارا نہیں گیا بلکہ وہ اپنی موت آپ مرگئیں۔ ان میں بلوچستان بھی شامل تھا" (۱۲۲)۔

۱۹۳۵ء کے قانون کی تشکیل میں جن زعمانے حصہ لیا تھا ان سب نے اپنی زندگی کی

Marfat.com

ساری توانائی اس پر صرف کر دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ قوانین موضوعہ کی فہرست میں شامل ہوا تو ان میں سے بیشتر رہنما زندگی کا سفر پورا کر چکے تھے۔ مثلاً ریڈنگ، رمزے میکڈانلڈ، آسٹن چیمبرلین، موتی لال، وٹھل بھائی، شفیع اور فضل حسین انتقال کر گئے تھے، کچھ قانون وضع ہونے سے قبل اور کچھ اس کا کوئی جز نافذ ہونے سے قبل۔ ہندوستان میں سپرو اور جایاکر جیسے لیڈر تھک کر سیاست سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے (۱۲۳)۔ ہندوستان کے لبرل سیاست داں ایک طبقے کی حیثیت سے معدوم ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ نوجوانوں نے لے لی تھی جن کے لئے اس قانون میں کوئی کشش نہیں تھی۔ جناح نومبر ۱۹۳۴ء (۱۲۴) کے انتخابات میں کامیاب ہو کر قانون ساز اسمبلی میں واپس آنے والے غالباً وہ واحد قانون ساز تھے جنہوں نے اسمبلی میں اس صدی کے تیسرے عشرے میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ سرکاری ملازمین میں سول سروس کی پرانی نسل کے قابل ارکان نے جنہوں نے واضعین قانون کو معلومات فراہم کی تھیں اور ہندوستان کے انتظامی تجربے کی بناء پر ان کی مدد کی تھی ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ اس بات کا امکان نہیں تھا کہ باصلاحیت انگریز نمایاں سیاسی تبدیلیوں کے پیش نظر ہندوستان میں خدمات انجام دینے پر رضامند ہوں گے۔ زیٹ لینڈ کو پہلے اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ صوبائی خود مختاری کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے گورنروں کے عہدوں کے لئے موزوں افراد کی خدمات حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا ہو گا (۱۲۵)۔ ہیلے جیسے لوگ اب قصہ پارینہ ہو چکے تھے۔

جب قانون منظور ہوا تو دنیا کی سیاسی فضا ان حالات کے مقابلے میں بہت کچھ بدل گئی تھی جن میں ان کی تیاری کا کام شروع ہوا تھا۔ جنگ سے پہلے کے برسوں میں ایک مدت مدید تک ہندوستان کے مسئلے کا شمار سلطنت برطانیہ (۱۲۶) کے اہم ترین مسائل میں ہوتا رہا اور اس پر برطانوی سیاست دانوں کی توجہ مرتکز رہی۔ لیکن ۱۹۳۵ء کے بعد صورت حال بدل گئی۔

مارچ ۱۹۳۵ء میں سیموئیل ہور کو متعدد کنزرویٹو سیاست داں ایسے ملے جنہیں شبہ تھا کہ جرمنی کی پیدا کردہ صورت حال کے پیش نظر ایک ایسے پروگرام پر کام جاری رکھنا دانش

Marfat.com

مندی ہوگی جس پر پارٹی میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے (۱۲۷)۔ یہی وہ صورت حال تھی جس کے باعث جون ۱۹۳۵ء میں سیموئیل ہور کو یکایک وزارت ہند سے ہٹا دیا گیا اور پانچ سال بعد چرچل وزیر اعظم ہوگیا۔ سر اسٹانلے ریڈ نے (۱۲۸) سترہ سال بعد اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے سیموئیل ہور (ٹیمپل وڈ) کو لکھا:۔

"بالڈون نے ۱۹۳۵ء میں آپ کو وزارت ہند سے ہٹا کر ہندوستان اور برطانیہ دونوں کے حق میں کچھ اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ صرف ایک سال اس عہدے پر فائز رہتے تو قانون سارے مراحل طے کر چکا ہوتا اور اختیارات کی منتقلی منظم طور پر عمل میں آجاتی۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے ایوان میں مجھ سے اپنے کمرے میں ملاقات کے دوران کہا تھا کہ آپ وفاق قائم کر کے رہتے" (۱۲۹)۔

خود سیموئیل ہور نے ۱۹۵۳ء میں لکھا کہ "اگرچہ جنگ نہ ہوتی تو ہم اس کا (وفاق کا) آغاز کر دیتے (۱۳۰)"۔ قانون وضع ہونے کے بعد ایک سال کے دوران مسولینی اور ہٹلر کی سرگرمیوں پر برطانوی حکومت کی تشویش ولنگڈن کے نام زیٹ لینڈ کے تقریباً ہر خط کا موضوع تھی (۱۳۱)۔ اس کے بعد سے براعظم یورپ کا بحران شدت اختیار کرتا گیا تا آنکہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہوگئی۔ روز بروز بگڑتی ہوئی بین الاقوامی صورت حال کی وجہ سے لوتھین، ہیلی فیکس اور سیموئیل ہور جیسے سیاست دانوں کی توجہ ہندوستان سے ہٹ کر یورپ پر منعطف ہوگئی۔ ہنگامی حالات اور جنگیں لبرل اور جمہوری اداروں کی نشوونما کے لئے سازگار نہیں ہوتیں۔ قانون کی منظوری کے بعد جلد ہی برطانیہ نے ولنگڈن کو تاکید کی کہ وہ ضرورت پڑنے پر ہندوستانی فوجیں بیرون ملک بھیجنے کے لئے تیار رہے (۱۳۲)۔ زیٹ لینڈ کا موقف یہ تھا کہ صورت حال کے تقاضے کے پیش نظر فوجیں جانے کی صورت میں قانون کی رو سے وائسرائے کو وفاقی مقننہ سے نہیں بلکہ وفاقی وزارت سے مشورہ کرنا ہوگا (۱۳۳)۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ بین الاقوامی افق پر خطرے کے بادل چھائے ہوئے تھے لہٰذا ہندوستان میں قانون پر عملدر آمد کے لئے سامراجی مصالح کی خاطر سیاسی امن و آشتی کے تقاضوں کو پامال کر دیا جائے گا۔ یہ تھا وہ نامبارک پس منظر جس میں زیٹ لینڈ اور لن لتھ گو کے

Marfat.com

کندھوں پر صوبوں اور مرکز میں نئے آئین پر عملدر آمد کے آغاز کی ذمہ داری آپڑی تھی۔ انہیں صوبائی کونسلوں کے انتخابات کرانے تھے، دیگر مفادات (۱۳۴) کو متاثر کئے بغیر کانگریس کو راضی کرنا تھا اور والیان ریاست کو دستاویز شمولیت پر دستخط کرنے کی فرداً فرداً ترغیب دینی تھی اور یہ سارے کام تقریباً تین سال کے اندر انجام دیئے جانے تھے۔

لیکن اصلاحات کے اسقام کی نشاندھی کرنے اور اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد، جو قانون وضع کرنے والوں کے قابو سے باہر تھی، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تحقیقات کا وہ کام جو ۱۹۳۵ء کا قانون وضع ہونے پر ختم ہوا اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور فقید المثال کوشش تھا۔ اس میں ہندوستان کے مسئلے کا اقتصادی، سماجی، انتظامی اور سیاسی ہر زاویہ نگاہ سے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا۔ یہ کام بعد میں پاکستان اور ہندوستان کی آزاد مملکتوں کے لئے گراں قدر سرمایہ ثابت ہوا۔ پاکستان اور ہندوستان اس قانون کے واضعین کے کس قدر مرہون منت ہیں اس کا اندازہ دونوں آزاد ملکوں کے دساتیر کی ان مختلف دفعات سے لگایا جاسکتا ہے جن کا تعلق سربراہان مملکت، گورنروں اور وزارتوں کے اختیارات اور کارہائے منصبی اور مرکز، صوبوں اور سرکاری ملازمتوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت سے ہے۔ واضعین قانون لائق صد ستائش ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) ملاحظہ ہو قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ 26 Geo. 5. C. H. 2 اس کے بعد حاشیوں میں اس کے حوالے کے لئے لفظ ایکٹ استعمال کیا جائے گا دفعہ ۳۲۱۔ نیز ملاحظہ ہو ایکٹ کی دسویں جدول جس میں اس امر کی تفصیل درج ہے کہ ایکٹ سے سابقہ قوانین کس حد تک منسوخ ہوئے۔

(۲) ملاحظہ ہو جی این جوشی کی تصنیف THE NEW CONSTITUTION OF INDIA (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء) صفحہ XVI

(۳) وزیر ہند پارلیمنٹ کو دستاویز ہدایات کا پہلا مسودہ فروری ۱۹۳۵ء میں پیش کیا تھا: ملاحظہ ہو۔

CMD INSTRUMENT OF INSTRUCTIONS TO THE GOVERNOR -

Marfat.com

GENERAL AND GOVERNORS (فروری ۱۹۳۵ء) دوسرا مسودہ ۳ نومبر ۱۹۳۶ء کو پیش کیا گیا۔ اسے ملک عظیم نے ۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو جاری کیا اور وہ یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو صوبائی خود مختاری کے آغاز پر نافذالعمل ہوگیا۔ ملاحظہ ہو جے پی ایڈی اور ایف ایچ لاٹن INDIA'S NEW CONSTITUTION : (مطبوعہ لندن ۱۹۳۸ء) صفحہ ۲۲۴۔

(۴) ملاحظہ ہو، ایکٹ، دفعہ ۱۳، ۵۳

(۵) دستاویز ہدایات کا یہ مقصد تیسری گول میز کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء سے سیموئیل ہور کے خطاب، قرطاس ابیض اور پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ میں بیان کر دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہوں بالترتیب سی۔ ایم ڈی ۴۲۳۸ صفحہ ۱۴۵، سی ایم ڈی ۴۲۶۸ پیرے نمبر ۲۳ تا ۲۴ تمہید اور پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پیرے نمبر ۷۰ تا ۷۴

(۶) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۱۳ (۲) اور ۵۳ (۲)

(۷) ایضاً دفعہ ۶۔ دستاویز شمولیت کا عارضی مسودہ سیموئیل ہور نے مارچ ۱۹۳۵ء میں پارلیمنٹ کو اس بحران میں پیش کیا تھا۔ جو فروری ۱۹۳۵ء میں ایوان والیان ریاست کے بمبئی کے اجلاس میں منظور کی جانے والی قرار داد سے پیدا ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو سی ایم ڈی ۴۸۴۳ صفحات ۴۳ تا ۴۴۔ وفاق کی اسکیم کے نفاذ سے قبل اس دستاویز کی تکمیل نہ ہو پائی اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے اس کی تکمیل کا پروگرام ترک کر دیا گیا۔

(۸) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۴۷

(۹) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعات ۳۰۸ تا ۳۱۰۔ دسمبر ۱۹۳۶ء تک اس گنجائش کے مطابق ایسے چودہ احکام بہ اجلاس کونسل صادر ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو جوشی کی محولہ کتاب صفحہ XVI

(۱۰) ملاحظہ ہو لارڈ سینکے کا خط سپرو کے نام مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء ک۔ س بعینہ یہی توجیہ سیموئیل ہور نے ۶ فروری ۱۹۳۵ء کو دارالعلوم میں بل پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں پیش کی تھی۔ ملاحظہ ہو 297 H. C. Deb. 5s Cols 1125-3

(۱۱) مثلاً ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۹ (۳) ۱۳ (۲) ۱۷ (۲) ۵۰ (۳) ۵۳ (۲) اور ۵۹ (۲)

(۱۲) ایضاً دفعات ۱۳ اور ۵۳

(۱۳) ایکٹ کی دفعات ۳۲، ۴۴ (۴) ۴۵ (۳) اور ۷۷

(۱۴) ایضاً دفعہ ۱۰۵

(۱۵) ایضاً دفعات ۱۰۸، ۱۱۰

(۱۶) ایضاً ۳۰۸ تا ۳۱۰

(۱۷) ایضاً حصہ سوم بہ عنوان "عبوری شرائط" اور نویں جدول بہ عنوان قانون حکومت ہند کی

Marfat.com

دفعات ترامیم کے ساتھ اس وقت تک نافذ العمل رہیں گی جب تک وفاق کا قیام عمل میں نہیں آجاتا

(۱۸) پرسیول اسپیر : THE OXFORD HISTORY OF MODERN INDIA مطبوعہ لندن ۱۹۵۶ صفحہ ۳۶۸

(۱۹) کے۔ کے بھٹا چاریہ THE INDIAN CONSTITUTION (مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء، صفحہ XXIV

(۲۰) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۲۷۸

(۲۱) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۱۵۲ تا ۱۵۳

(۲۲) ملاحظہ ہو ایکٹ کا حصہ ہشتم اور آٹھویں جدول

(۲۳) ملاحظہ ہو ایکٹ کا حصہ نہم، پہلا باب۔ وفاقی عدالت سے متعلق حکومت ہند کے حکم بابت ۱۹۳۶ء کے نتیجے میں اس عدالت سے متعلق قانون کی بیشتر دفعات اکتوبر ۱۹۳۷ء میں نافذ ہوگئیں۔ ملاحظہ ہو ایڈی اینڈ لاٹن کی محولہ کتاب صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۱ اور ۱۶۱

(۲۴) ملاحظہ۔ ہو ایکٹ کی دفعہ ۲۶۴

(۲۵) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶ کتاب ہذا، صفحہ ۲۳۱

(۲۶) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ ۳۱۸

(۲۷) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۵، ۶

(۲۸) ایضاً دفعہ ۳۲۰ (۱)، (۲)

(۲۹) احکام مصدرہ بہ اجلاس کے علاوہ جو صوبائی خود مختاری اور وفاق کے قیام کے بعد صرف چھ ماہ کی حکومت تک کے لئے جاری کئے جاسکتے تھے (ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۳۰۹ تا ۳۱۰) ایکٹ کی جن دفعات میں ترمیم کی جاسکتی تھی ان کا تعلق وفاقی اور صوبائی قانون ساز اداروں کی وسعت ہیت ترکیبی اور حق رائے دہی سے تھا، ایکٹ کی دفعہ ۳۰۸ کے تحت نہ صرف وفاقی بلکہ صوبائی قانون ساز ادارے بھی اس سلسلے میں ایکٹ میں ترمیم کے لئے قرار دادیں منظور کرنے کی مجاز تھیں۔ اس کے بعد گورنر جنرل کو جو بھی صورت ہو اپنی صوابدید پر اس قسم کی قرار داد ملک معظم کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کرنا تھا کہ وہ اسے ازراہ نوازش پارلیمنٹ کو ارسال فرمادیں۔ لیکن ایکٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ پارلیمنٹ اس قرار داد پر کیا کاروائی کرے یا اس کا حشر کیا ہو۔ خود اس قسم کی قرار داد بھی صرف صوبائی خود مختاری اور وفاق کے نفاذ کے آغاز کے بعد دس سال گزرنے پر پیش کی جاتی تھی الااس کے کہ ملک معظم بہ اجلاس کونسل اسے اس مدت کے انقضا سے قبل وصول کرنے پر

Marfat.com

رضامند ہوتے۔

(۳۰) ملاحظہ ہو ایکٹ کی ساتویں جلد بہ عنوان "قانون سازی کی فہرستیں"

(۳۱) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۲۰۴ تا ۲۰۷ اور ۲۱۳

(۳۲) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۳۲ تا ۳۸، ۴۰، ۴۲ تا ۴۵، ۷۵ تا ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۸۸ تا ۹۰، ۹۳، ۱۵۱ تا ۱۵۳ اور حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۶۴ کتاب ہذا۔

(۳۳) ملاحظہ ہوں صفحات ۲۶۵ کتاب ہذا

(۳۴) ملاحظہ ہوں حاشیئے نمبر۱ تا ۴ صفحہ ۲۶۹ کتاب ہذا

(۳۵) ملاحظہ ہو ایکٹ دفعات ۲، ۳

(۳۶) ایضاً دفعات ۱۰۰ (۲) اور ۱۰۷ (۱) اور (۲)

(۳۷) ایضاً دفعہ ۱۰۱

(۳۸) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۶

(۳۹) پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس رو داد شہادت، جلد II B صفحہ ۸۸۵

(۴۰) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۹

(۴۱) ایضاً دفعہ ۱۱

(۴۲) ایضاً

(۴۳) ایضاً دفعہ ۹

(۴۴) ایضاً دفعہ ۹ (۳)

(۴۵) ایضاً دفعہ ۱۲ (۱)

(۴۶) ایضاً دفعہ ۱۲ (۲)

(۴۷) ایضاً دفعہ ۱۴ (۱)

(۴۸) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۶۳، کتاب ہذا

(۴۹) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۳۲

(۵۰) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۳۳ تا ۳۷

(۵۱) ایضاً دفعات ۴۲ تا ۴۳

(۵۲) ایضاً دفعہ ۴۴

(۵۳) ایضاً دفعہ ۴۵

(۵۴) ملاحظہ ہو ایکٹ کا حصہ دہم بہ عنوان، "ہندوستان میں تاج کی ملازمتیں۔"

(۵۵) ملاحظہ ہوں قانون کی دفعات ۲۴۴ تا ۲۵۰

Marfat.com

(۵۶) والیان ریاست کے نامزدگان کی حمایت کے امکانات پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ میں شامل اس بیان نے کم کر دیئے تھے: ہمیں یہ تجویز پیش کی گئی کہ قانون آئین میں اس امر کی گنجائش رکھی جائے کہ اگر کسی ریاست کا فرماں روا اپنے نامزد کردہ مرکزی مقننہ کے رکن سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی نشست خالی کردے تو اس رکن کو نشست خالی کر دینی چاہئے۔ ہم اس تجویز کو قبول نہیں کرسکتے تھے۔ ہمارا تصور یہ ہے کہ ریاستی نمائندہ اگرچہ منتخب نہیں ہوگا بلکہ نامزد ہوگا لیکن اس کی معیاد رکنیت بالکل وہی ہوگی جو برطانوی ہند کے منتخب نمائندے کی ہوگی اور دونوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پیرا ۱۰۱۔ اس سے نامزدگی کے بعد ریاستی نمائندوں کی حیثیت والیان ریاست کی مرضی سے آزاد ہوگئی۔ نیز اس کی بدولت مقننہ میں ان کے منتخب رفقائے کار ان پر اثر ڈال سکتے تھے۔

(۵۷) پارلیمانی کمیٹی نے تخمینہ لگایا تھا کہ قرطاس ابیض کی تجاویز کے تحت برطانوی ہند میں حق رائے دہی کا تناسب ۳ فی صد سے بڑھ کر چودہ فی صد ہوجائے گا۔ ایضاً، پیرا ۱۲۶۔

(۵۸) ملاحظہ ہو قانون کا حصہ سوم بہ عنوان "گورنروں کے صوبے"۔

(۵۹) ملاحظہ ہو پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ فصل دوم صفحہ ۲۸

(۶۰) ایضاً پیرا۔ ۴۸

(۶۱) ایضاً

(۶۲) سی۔ ایم۔ ڈی ۳۵۶۹، پیرا ۳۹

(۶۳) سی۔ ڈی۔ ۹۱۰۹ پیرا ۱۸۹

(۶۴) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۱۴۶۔ گیارہ گورنری صوبوں کے علاوہ قانون میں چیف کمشنروں کے صوبوں کے قیام کی دفعات بھی شامل کی گئی تھیں۔ ان دفعات کی رو سے مجوزہ صوبوں کے انتظامی امور چیف کمشنروں کی وساطت سے گورنر جنرل کو اپنی صوابدید سے انجام دینے تھے۔
وہ صوبے یہ تھے: برطانوی بلوچستان دہلی، اجمیر ومارواڑ، کورگ، جزائر انڈیمان ونکوبار اور وہ علاقے جو پنتھ پپلوڈا کے نام سے موسوم تھے۔ ملاحظہ ہوں قانون کی دفعات ۹۴ تا ۹۸۔

(۶۵) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۴۸ تا ۴۹

(۶۶) ایضاً دفعہ ۵۰ (۱)

(۶۷) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۵۶

(۶۸) ایضاً دفعہ ۵۷

(۶۹) ایضاً دفعہ ۵۸

(۷۰) گورنر جنرل کے لئے ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعات ۹، ۱۰ اور ۱۷ اور گورنر کے لئے ملاحظہ ہوں

Marfat.com

دفعات ۵۰ تا ۵۱ اور ۵۹

(۷۱) گورنر جنرل کے لئے ملاحظہ ہو دفعہ ۱۲ اور گورنر کے لئے دفعہ ۵۲

(۷۲) ملاحظہ ہو گورنر جنرل کے لئے دفعہ ۱۳ اور گورنر کے لئے دفعہ ۵۳

(۷۳) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۵۴۔

(۷۴) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸، صفحہ ۲۶۹ کتاب ہذا

(۷۵) ملاحظہ ہو ایکٹ کا حصہ دوم تیسرا باب بہ عنوان وفاقی مقننہ اور حصہ سوم تیسرا باب بہ عنوان "صوبائی قانون ساز ادارے۔"

(۷۶) ملاحظہ ہوں ایکٹ کی دفعات ۳۱ تا ۳۸ اور ۴۰ گورنر جنرل کے سلسلے میں اور دفعات ۷۴ تا ۸۲، ۸۴ اور ۸۶ گورنروں کے سلسلے میں۔

(۷۷) گورنر جنرل کے سلسلہ میں ملاحظہ ہوں دفعات ۴۲ تا ۴۴ اور گورنر کے لئے دفعات ۸۸ تا ۹۰

(۷۸) ایضاً دفعہ ۴۵ گورنر جنرل کے سلسلے میں اور دفعہ ۹۳ گورنر کے سلسلے میں۔

(۷۹) ملاحظہ ہوں دفعات ۵۴، ۸۸ (۱) ۸۹ (۵) ۹۰ (۵) اور ۹۳ (۵)

(۸۰) ملاحظہ ہوں قانون کے صفحات ۲۴۵ تا ۲۵۶ جن پر مندرجہ پانچویں جدول بہ عنوان، صوبائی قانون ساز اداروں کی ہیئت ترکیبی، میں صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور صوبائی قانون ساز کونسلروں کی نشستوں کی فہرست دی گئی ہے۔

(۸۱) پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پر علامہ اقبال کے تبصرے کے لئے ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء۔ اسی رپورٹ کی بنیاد پر قانون کی ۱۹۳۵ء دفعات وضع کی گئیں تھیں۔

(۸۲) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ ۱۲۲

(۸۳) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ ۱۲۶ (۱)

(۸۴) ایضاً دفعہ ۱۲۶ (۲)

(۸۵) ایضاً دفعہ ۱۲۶ (۳)

(۸۶) ایضاً دفعہ ۱۲۷

(۸۷) ایضاً دفعہ ۱۲۸

(۸۸) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعات ۱۴۵ تا ۱۴۹

(۸۹) ایضاً دفعات ۱۳۷، ۱۳۸ (۱) (ب) اور دفعہ ۱۴۱

(۹۰) ایضاً دفعہ ۱۴۲

(۹۱) ایضاً دفعہ ۱۴۳ (۲)

(۹۲) ایضاً دفعہ ۱۴۳ (۳)

Marfat.com

(۹۳) ملاحظہ ہو لکھنؤ کانگریس منعقدہ اپریل ۱۹۳۶ء میں نہرو کا خطبہ صدارت جواہر لال نہرو INDIA'S FREEDOM (مطبوعہ لندن ۱۹۶۲ء) صفحہ ۳۷

(۹۴) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پیرے نمبر ۱۶۷ اور ۱۶۵۔

(۹۵) ملاحظہ ہو سیموئیل ہور کے خطوط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۰، ۱۷، ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ/۴

(۹۶) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ

(۹۷) ایضاً دفعات ۱۲ (۱) (جی) ۵۲ (۱) (ایف) اور ۲۶۸

(۹۸) ملاحظہ ہوں قانون کے صفحات ۲۲۱ تا ۲۳۱ پانچویں جدول حصہ دوم بہ عنوان ہندوستانی ریاستوں کے نمائندگان۔

(۹۹) ملاحظہ ہو ایچ۔ ایس۔ ایل پولک ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ: ایک تشریحی نوٹ TWENTIETH CENTURY (مطبوعہ الہ آباد) جنوری ۱۹۳۵

(۱۰۰) لوتھین کا خط جواہر لال نہرو کے نام مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء د۔ ل۔ ۳۱۲/

(۱۰۱) ملاحظہ ہو سپرو کا مقالہ THE CONSTITUTIONAL SCHEME: ITS RETROS-PECT AND PROSPECT ٹونٹیتھ سینچری (الہ آباد) جنوری ۱۹۳۵ء نیز ملاحظہ ہو اسی جریدے بابت ستمبر ۱۹۳۵ء میں لوتھین کا مقالہ INDIA UNDER NEW CONST-ITUTION

(۱۰۲) ایضاً

(۱۰۳) ملاحظہ ہو ایکٹ کی دفعہ ۲۴۴

(۱۰۴) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ ۱۱ جس میں گورنر جنرل کی طرف سے کونسلروں کے تقرر کے سلسلے میں "کرسکتا ہے۔" (MAY) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۱۰۵) ملاحظہ ہو ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ پیرا نمبر ۱۸۷۔

(۱۰۶) ملاحظہ ہو قانون کی دفعہ ۵ (۱)

(۱۰۷) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ کی محولہ کتاب صفحہ ۲۴۳

(۱۰۸) شفاعت احمد خاں کا خط لوتھین کے نام مورخہ ۷ فروری ۱۹۳۴ء

(۱۰۹) ۱۸ جنوری ۱۹۲۲ء م۔ م۔ ق جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۱۷۰۱

(۱۱۰) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۴، کتاب ہذا

(۱۱۱) ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۶، صفحہ ۷، کتاب ہذا

(۱۱۲) ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۴، صفحہ ۴، کتاب ہذا

Marfat.com

(۱۱۳) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ا صفحہ ۱۱، کتاب ہذا
(۱۱۴) ٹیمپل وڈ بنام ہیلی فیکس مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۳ء م۔ ک۔ ٹ /۷۵
(۱۱۵) ہیلی فیکس کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء م۔ ک۔ ٹ /۷۶
(۱۱۶) ملاحظہ ہو چرچل ۱۲ دسمبر ۱۹۳۴ء۔ 296 H. C. Deb. 5 s Col. 460
(۱۱۷) ہیلے کا خط ولنگڈن کے نام مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۷
(۱۱۸) ہیلے کا خط ایچ جی ہیگ کے نام مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء م۔ ک۔ ہ /۲۸
(۱۱۹) ولنگڈن بنام ہیلے مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء۔ ایضاً
(۱۲۰) سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء۔
(۱۲۱) آغا خان کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۳ء م۔ ک۔ ٹ /۸۵
(۱۲۲) ملاحظہ ہو آغا خان کا خط ٹیمپل وڈ کے نام مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۳ء م۔ ک۔ ٹ /۸۵
(۱۲۳) ملاحظہ ہو سپرو کے خط جایاکر کے نام مورخہ ۵ جولائی ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء اور جایاکر کا خط سپرو کے نام مورخہ ۸ جولائی ۱۹۳۶ء
(۱۲۴) ملاحظہ ہو انتخابات کے گوشوارے کے لئے سی ایم ڈی ۴۹۳۹
(۱۲۵) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ز /۶
(۱۲۶) ٹیمپل وڈ بنام ہیلی فیکس مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۳ء
(۱۲۷) سیموئیل ہور بنام ولنگڈن مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء م۔ ک۔ ٹ /۴
(۱۲۸) سر اسٹانلے ریڈ۔ دیکھئے پیش نظر کتاب کا سوانحی اشاریہ
(۱۲۹) سر اسٹانلے ریڈ بنام ٹیمپل وڈ مورخہ ۸ اگست ۱۹۵۲ م۔ ک۔ ٹ /۸۵
(۱۳۰) ٹیمپل وڈ بنام ہیلے مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۳
(۱۳۱) زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۲۳ اگست ۱۳، ۲۰، ۲۷ ستمبر ۲۹ نومبر ۱۳، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء ۱۷ فروری ۲، ۷، ۱۴، ۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء م۔ ک۔ ز /۶
(۱۳۲) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۴ اکتوبر ۱۵ نومبر ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء ایضاً
(۱۳۳) ملاحظہ ہو زیٹ لینڈ بنام ولنگڈن مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء ایضاً
(۱۳۴) ملاحظہ ہوں لن لتھ گو کے خطوط زیٹ لینڈ کے نام مورخہ ۹، ۱۶، ۲۲ اپریل ۱۹۳۷ء م۔ ک۔ ز /۱۴۔ ان خطوط میں لن لتھ گو نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ وائسرائے کی حیثیت سے اس کے دور حکومت کے ابتدائی مرحلے میں گاندھی کے ساتھ اس کی ملاقات کے اقلیتوں سرکاری ملازمین اور والیان ریاست پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔ جن کا تعاون اصلاحات کے پروگرام پر عملدر آمد کے لئے ضروری ہے۔ نیز اس کا اثر صوبائی کونسلوں کے

Marfat.com

انتخابات پر پڑے گا اور اس سے کانگریس کو فائدہ پہنچے گا۔ لن لتھ گو اور گاندھی کے درمیان ملاقات صوبوں میں کانگریس کی طرف سے عہدے قبول کئے جانے کے ایک ماہ بعد اگست ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔

Marfat.com

ضمیمہ جات

I

ارون کا نوٹ خود اپنے بیان مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے بارے میں (۱)۔

اس دستاویز کا نقطہ آغاز میرا سابقہ نوٹ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۲۹ء ہے۔

انگلستان پہنچ کر میں نے وزیر اعظم اور وزیر ہند سے گفتگو کی۔ اور ان سے کہا کہ میری دانست میں ہندوستان کے نقطہ نظر میں اصلاح کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: ایک تو اس کا واضح اعلان کہ ہندوستان کے بارے میں برطانیہ کی پالیسی کا منتہائے مقصود اسے مستعمراتی حیثیت دینا ہے اور دوسرے مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے مرحلے سے قبل ایک کانفرنس کے انعقاد کا وعدہ۔ میں نے ہندوستانی نقطہ نظر سے اس نکتے کی اہمیت پر زور دیا کہ ملک معظم کی حکومت کو کمیشن اور دوسری پارٹیوں کے لیڈروں کی تائید حاصل ہونی چاہئے۔ وزیر اعظم نے گرمجوشی کے ساتھ میری رائے سے اتفاق کیا اور کابینہ کے ارکان بھی مجھ سے متفق تھے جن سے میں نے چند روز بعد گفتگو کے دوران اس نکتے کا اعادہ کیا۔ وزیر اعظم نے وزیر ہند

(۱) ہیلے کے نام ارون کے خط کے ساتھ ملفوفہ دستاویز مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء م۔ ک۔ ہ /۱۶۔ اس نوٹ میں جن ضمیموں کا حوالہ دیا گیا ہے انہیں اس مقالے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ ضمیمے ہیلے کے مجموعہ کاغذات میں دستیاب ہیں۔ ہیلے کے نام متذکرہ خط میں ارون نے لکھا تھا: میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لئے میرا وہ نوٹ دلچسپی کا باعث ہوگا جس میں میں نے اپنے اس بیان کا پس منظر قلمبند کیا ہے۔ جو میں نے یکم اکتوبر کو دیا تھا آپ نے یہ نوٹ تحریر کرنے میں میری وقتاً فوقتاً جو زبردست معاونت کی اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ آپ اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ رکھنا پسند کریں گے۔"

Marfat.com

اور مجھ سے کہا کہ ہم دونوں سرجان سائمن کی شرکت میں اس مضمون کے مراسلات (پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت) کا مسودہ تیار کرنا شروع کر دیں جن کا تبادلہ وزیر اعظم اور سرجان کے درمیان ہونا تھا۔

میں مجوزہ مراسلات کا ایک مسودہ اپنے ساتھ انگلستان لیتا گیا تھا جو اس نوٹ سے متعلق ضمیمہ ا کے طور پر شائع ہوا ہے۔ اس مسودے میں منتہائے مقصود کے طور پر مستعمراتی حیثیت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا کیونکہ میں نے اس نکتے کو شامل کرنے پر سرمالکم ہیلے سے بات چیت کے بعد زور دینے کا فیصلہ کیا اس بات چیت میں سرمالکم نے محولہ نکتے پر وزیر اعظم کے ضمیمہ ا والے مراسلے میں شامل کرنے کے لئے اپنا ایک ممکنہ مسودہ فراہم کیا جو ضمیمہ ب میں پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ سرجان سائمن وزیر ہند اور میں نے مل بیٹھ کر مجوزہ مراسلات کا وہ مسودہ تیار کیا جو ضمیمہ ج میں شامل ہے۔ میں نے اس ضمیمے میں شامل قطعی مسودے پر غور کرنے کے دوران ساری تجویز کے تمام اہم پہلوؤں پر لارڈ ریڈنگ سے بات چیت کی۔ اس موقع پر سرجان سائمن بھی موجود تھے۔ کوئی وجہ نہیں جس کی بنا پر میں یہ سمجھوں کہ لارڈ ریڈنگ نے سرجان کے اس نظریئے سے اختلاف کیا مکمل ذمہ دار حکومت اور مستعمراتی حیثیت کے درمیان فرق یا تو غیر حقیقی ہے یا زیادہ سے زیادہ ارتقائی مدارج کا ہے اور نوعیت کا نہیں۔

اس سارے مسودے (ضمیمہ ج) میں سرجان سائمن نے جن نکات کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھے :۔

(I) خود اپنے مراسلے کا وہ فقرہ جس میں "حکومت کی طرف سے پیش کی جانے والی آئینی تجاویز کے مسودے" پر غور کرنے کے لئے کانفرنس کے اجلاس کا حوالہ دیا گیا ہے .... انہوں نے اس کی اہمیت پر مسلسل زور دیا (ملاحظہ ہو کمیشن کے ارکان کے نام چیئرمین کا مراسلہ، ضمیمہ د، پیرا نمبر ۱۲)۔

(II) وزیر اعظم کے جواب کا متعلقہ فقرہ۔ اس کے بعد یہ مسودے وزیر اعظم کو ارسال کئے گئے جنہوں نے مندرجہ ذیل یاد داشت کے ساتھ یہ مسودات وزیر ہند کو واپس بھیج دیئے :۔

Marfat.com

"وزیر اعظم اس مراسلے پر دستخط کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ انہیں یہ صلاح دی جائے کہ اس سے صورت حال واقعی بہتر ہوگی۔ میں نے لارڈ اِرون کی گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس سے فرق پڑے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو صورت حال اور بگڑ جائے گی۔ میرے دستخط کے لئے ایک حتمی مسودہ تیار کیا جائے بشرطیکہ وزیر ہند اب بھی یہ سمجھتے ہوں کہ وہ موثر ہوگا"۔

ج۔ آر۔ ایم

مورخہ ۱۲۔ ۸۔ ۲۹

انہوں نے مسودے میں چند زبانی تبدیلیاں بھی تجویز کیں جن کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

اسی اثنا میں ہندوستان سے لارڈ گاسچن (Goschen) کی رائے موصول ہوئی جو انہوں نے سر مالکم ہیلے، سر جیفری ڈی مانٹ مورینسی اور سر جیمز کریرار (crerr-ar) سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد قائم کی تھی۔ انہوں نے اپنی رائے میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مستعمراتی حیثیت کے بارے میں اعلان زیادہ "پرجوش" ہونا چاہئے اور یہ واضح کر دینا چاہئے کہ برطانوی ہند کے جن نمائندوں کو مدعو کیا جائے گا ان کا تعلق تمام پارٹیوں سے ہوگا جو اس قابل ہوں گے کہ ہندوستان کے مسئلے پر ریاستوں کی وجہ سے واقع ہونے والی کسی رکاوٹ کے بغیر بات چیت کر سکیں۔ اس رائے کے موصول ہونے پر میں نے مسودے میں کچھ تبدیلیاں کیں جن میں صرف وہ ترمیم اہمیت کی حامل تھی جس کا تعلق اعلان مستعمرہ سے تھا۔ میری ترمیم کے بموجب اس کی شکل وہ ہوتی جو ضمیمہ ج کے مسودے کی تھی۔ اس مرحلے پر میں نے حکومت کی طرف سے پیشگی تجاویز مرتب کرنے کے بارے میں محولہ بالا نکتے پر وزیر ہند سے بات چیت اور مراسلت کی۔ اس بارے میں ان کے احساسات شدید تھے۔ انہوں نے جو کچھ مجھ سے کہا اس سے میں سمجھ گیا کہ وزیر اعظم کا میلان بھی کچھ یہ ہے کہ ہندوستانی رائے کو ہموار کرنے میں پالیسی کی کامیابی کا امکان اس صورت میں زیادہ ہے کہ کانفرنس اس معنیٰ میں آزاد ہو کہ حکومت کی طرف سے مسودے کی صورت میں بھی پیشگی تجاویز مرتب نہ کی جائیں کیونکہ یہ طریقۂ کار اختیار کرنے میں اس امر کا

Marfat.com

احتمال ہے کہ حکومت پر ہندوستانیوں کی رائے کو نظر انداز کرنے کا الزام آئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ اس سے پہلے میں خود سرجان سائمن کے اس پرزور موقف سے متفق ہو گیا تھا اور خود اس کا پابند سمجھتا ہوں اور ہمارے درمیان اتفاق رائے کی نوعیت مفاہمت کی تھی جس سے انحراف کرنے پر خود کو آمادہ نہیں پاتا۔ وہ اور ملک معظم کی حکومت بلاشبہ اس کی پابند نہیں تھی۔ اگر وہ مجھ سے سیدھا سا سوال کرتے تو میں لامحالہ یہ کہتا کہ وہ ہندوستانیوں پر برطانوی پالیسی کے پیشگی اثرات کا اندازہ لگانے میں حق بجانب تھے۔

بعد میں وزیر ہند نے سرجان سائمن سے ملاقات کی اور ان پر اس سلسلے میں سخت دباؤ ڈالا۔ سرجان نے کہا کہ وہ خود تو خاموش رہیں گے لیکن ان کے کمیشن کے ارکان کی طرف سے دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد یہ طے پایا کہ وزیر اعظم وزیر ہند سرجان سائمن اور میں اکٹھے ہو کر مسئلے پر غور کریں چنانچہ ہمارا اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ سرجان سائمن مراسلات کا مسودہ (جہاں تک وزیر اعظم کے جوابی مراسلے میں اعلان مستعمرہ کا تعلق ہے) ضمیمہ ہ کی شکل میں مرتب کریں اور جہاں تک ملک معظم کی ابتدائی تیاری کا تعلق ہے آزاد کانفرنس سے متعلق مسودہ کمیشن کے سامنے پیش کریں۔

چنانچہ سرجان نے اس کی تکمیل کی اور انہیں آزاد کانفرنس کی بنیاد پر مراسلات سے متعلق منصوبے کو قبول کرنے پر آمادہ پایا۔ لیکن وہ مستعمراتی حیثیت سے متعلق کسی اعلان کو اس مراسلت میں شامل کرنے پر رضامند نہیں تھے جو ان سے منسوب کی جانے والی تھی۔ اسی دوران میں لارڈ ریڈنگ نے اس تجویز پر سخت اعتراض کیا اور معلوم ہوا کہ لائڈ جارج بھی ان سے متفق ہیں جبکہ مسٹر بالڈون نے اسے قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

گویا اس وقت صورت حال یہ تھی کہ کمیشن سمیت تمام پارٹیاں کانفرنس کے پروگرام کو قبول کرنے پر متعین تھیں اور کنزرویٹو اپنے قائد کے توسط سے مستعمراتی حیثیت کے اعلان کی پالیسی قبول کرنے کے لئے تیار تھی۔ گو لبرل پارٹی تیار نہیں تھی۔ مزید مذاکرات کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ وزیر اعظم اور سرجان سائمن کے درمیان مجوزہ مراسلات کا تبادلہ آزادانہ بنیاد پر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز تک محدود رکھا جائے۔ مستعمراتی حیثیت کا

Marfat.com

اعلان ہندوستان واپس پہنچنے پر میں خود عام نوعیت کا بیان دیتے ہوئے کر دوں چنانچہ میں نے اپنا بیان مرتب کر لیا اور کابینہ نے مراسلات کے مسودوں کے ساتھ اس کی منظوری دے دی۔ اس بیان اور مراسلات کے مسودوں کی نقول ضمیمہ و میں پیش کر دی گئی ہیں۔ بعد میں میرے بیان میں معمولی تبدیلیاں کی گئیں۔ ان میں صرف ایک اہم تبدیلی یہ تھی کہ اعلان مقصد سے متعلق پیراگراف سے ان الفاظ کو نکال دیا گیا:۔

"جیسا کہ اس میں (اعلان ۱۹۱۷ء میں) مقصود تھا ہندوستان کی آئینی پیش رفت کا قدرتی مسئلہ مستعمرہ کی حیثیت کا حصول ہے"۔ ان کی جگہ یہ الفاظ درج کئے گئے! "مستعمرہ کی حیثیت کے حصول کو ہندوستان کی آئینی پیش رفت کا قدرتی مسئلہ سمجھنا چاہئے"۔ یہ دراصل اعلان ۱۹۱۷ء اور اس کے طریقہ کار کے ساتھ مجوزہ اعلان میں زیادہ قریبی مطابقت پیدا کر کے لارڈ ریڈنگ کو مطمئن کرنے کی ایک کوشش تھی۔ کابینہ کی اس دستاویز کی نقل جس میں وزیر ہند نے زیر بحث تجاویز پر پسندیدگی کا اظہار کیا ضمیمہ ز میں پیش کی گئی ہے۔

میں نے لارڈ ریڈنگ اور لائڈ جارج سے ۸ اکتوبر کو ملاقات کی اور ان کے ساتھ مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد لارڈ ریڈنگ کے نام حسب ذیل خط لکھا:۔

۸ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیئر ریڈنگ،

ہم نے آج صبح اپنی گفتگو میں جن امور پر بات چیت کی تھی ان پر میں نے پوری توجہ اور سنجیدگی سے غور کیا۔ کاش یہ ممکن ہوتا کہ میں صدق دل سے آپ کا ہم خیال ہوتا اور حکومت پر زور دینے میں آپ کا ساتھ دے سکتا کہ اعلان کے سلسلے میں کاروائی آئندہ سال تک ملتوی کر دی جائے۔ لیکن میں خود کو یہ باور نہیں کرا سکتا کہ یہ بات دانشمندانہ یا درست ہوتی۔

میں نے حتی الامکان اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی کہ آیا الفاظ کے ردوبدل سے کسی حد تک آپ کے تردد کو دور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

چنانچہ میں ویج وڈبین کی رضامندی سے ان نکات میں سے دو سے متعلق اپنے بیان کے حصے میں ترمیم کر رہا ہوں جن کے بارے میں آپ اور مسٹر لائڈ جارج بالخصوص شبہے

کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ نکات یہ تھے:۔

(۱) اعلان کا اساسی جملہ اب یوں ہوگا:۔

"لیکن برطانیہ اور ہندوستان دونوں ملکوں میں ۱۹۱۹ء کا قانون وضع کرنے کے بارے میں حکومت کے منشا کی تعبیر سے متعلق جن شکوک کا اظہار کیا گیا ہے ان کے پیش نظر مجھے ملک معظم کی حکومت کی طرف سے یہ وضاحت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ حکومت کی رائے میں اعلان ۱۹۱۷ء میں یہ امر متضمن ہے کہ ہندوستان کی آئینی پیش رفت کا قدرتی مسئلہ جیسا کہ اس قانون میں مقصود ہے مستعمراتی حیثیت کا حصول ہے"۔

(۲) آخری سے پہلا جملہ یعنی "ملک معظم کی حکومت نے اور بھی بہتر راستے کا دروازہ کھول دیا ہے" حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد کا جملہ یوں لکھا گیا ہے "مجھے پختہ یقین ہے کہ اب جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے وہ اسی کا ایک نتیجہ ہے اور آپ دیکھیں گے کہ پہلی ترمیم کا نتیجہ یہ ہے کہ اب جو کچھ کہا گیا ہے وہ سابقہ الفاظ سے زیادہ اعلان ۱۹۱۷ء کے طریقہ کار اور فضا سے مطابقت رکھتا ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں اب بھی سخت شبہات موجود ہیں۔ کاش انہیں دور کرنا میرے بس میں ہوتا۔ لیکن چونکہ نصب العین کے بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں لہٰذا مجھے امید ہے کہ مسٹر لائڈ جارج نے سوچا ہوگا کہ اگر یہ مسئلہ پارلیمینٹ میں اٹھانا ضروری سمجھا گیا تو آپ کا استدلال یہ ہوگا کہ جہاں نصب العین کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں وہاں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پیش رفت کی راہ میں ابھی تک مشکلات حائل ہیں اور ان پر قابو پانا ضروری ہے اور جب تک ان پر قابو نہیں پایا جائے گا ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔

مخلص

(شرح دستخط) ارون

جب ارون نے یہ خط روانہ کیا تو لارڈ ریڈنگ نے حسب ذیل خط ارون کو ارسال کیا:۔

Marfat.com

۳۲ر کرزن اسٹریٹ، میفیر ڈبلیو

۸ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیئر ارون،

آپ نے مجھے ہندوستان کے بارے میں مجوزہ اعلان پر بات چیت کے جو مواقع فراہم کئے ہیں ان کے لئے میں آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن مجھے سخت افسوس ہے کہ اس معاملے میں میں آپ سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ میں اپنا موقف اس قدر تفصیل کے ساتھ آپ کو پیش کر چکا ہوں کہ اب اس کا اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ لیکن میں آپ کی توجہ اس یاد داشت کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو آپ نے ۴ اکتوبر کو ارسال کی تھی بالخصوص اس کے پیراگراف نمبر ۳ کی طرف جس میں آپ نے ان اعتراضات کا ذکر کیا تھا جو میں نے اٹھائے تھے۔ نیز یہ امر توجہ طلب ہے کہ اس وقت جبکہ سائمن کمیشن اپنی رپورٹ پر غور کرنے میں مصروف ہے، یہ اعلان کرنا مناسب نہیں اور ایک بیان کے ذریعے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ قانون ہند مجریہ ۱۹۱۹ء کی تمہید میں ذمہ دار حکومت پر جو شرائط اطلاق پذیر ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ جب تک اس مضمون کا بیان نہیں دے دیا جائے گا مجھے یقین ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہن غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے اور جیسا کہ آج صبح میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ نہ صرف پارلیمنٹ بلکہ ہندوستان میں بھی پالیسی کا سوال مقصد علیحدہ کر کے اٹھایا جائے گا جس کے لئے آپ کا جواب جیسا کہ میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ مجوزہ اعلان پالیسی میں کسی تبدیلی سے عبارت نہیں ہے۔ میں یہ بات زور دے کر کہتا ہوں کہ اس اہم ترین معاملے میں موقف کو پہلے سے واضح کر دینا اور اس طرح مخالفانہ رائے زنی کا سدباب کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کی روانگی سے قبل آپ سے ملاقات کا موقعہ نہ مل سکے۔ ہندوستان کے بعافیت سفر اور آپ کے عہدہ جلیل سے وابستہ مشکلات اور پریشانیوں میں آپ کی صحت اور راحت و مسرت کے لئے میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مخلص

ریڈنگ

Marfat.com

میں نے اس خط کا جواب یہ دیا۔

۹ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیئر ریڈنگ،

دستی خط کا دلی شکریہ جو مجھے آج صبح موصول ہوا۔ میں نے اس کی وصول یابی سے کچھ ہی دیر پہلے آپ کے نام اپنے اس خط پر دستخط کیے تھے جو میں نے کل لکھوایا تھا۔ اب آپ کے خط کے جواب میں ان سطروں کا اضافہ کر رہا ہوں۔

میں نے مسودے میں جو پہلی تبدیلی کی ہے وہ اگرچہ ایک لحاظ سے معنوی تبدیلی نہیں ہے مگر ایک اور اعتبار سے اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ مسودے میں اس نکتے کا براہ راست حوالہ دیا گیا ہے جس کے متعلق غالباً آپ کے ذہن میں سب سے زیادہ شک ہے۔ دوسری تبدیلی جو میں نے اپنے نقطہ نظر سے کی ہے چنداں اہم نہیں ہے اور میں مسٹر لائڈ جارج کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری توجہ اس غلط فہمی پر مبذول کرائی جو اس سے پیدا ہو سکتی تھی۔

یہ میرے لئے بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس معاملے میں آپ کے ساتھ میرا اختلاف ہے۔ میں جب سے ہندوستان میں ہوں، آپ نے میرے ساتھ اس قدر تعاون کیا ہے کہ اس اختلاف کو تسلیم کرنا میرے لئے آسان نہیں۔

مخلص

اروِن

اب اس نوٹ کو ختم کرتے ہوئے اتنا اضافہ اور کر رہا ہوں :۔

(۱) گزشتہ چند سال کے دوران ہندوستان سے متعلق برطانیہ کے مقصد کے عام حوالوں کا مجموعہ ضمیمہ ح (پر مشتمل ہے)

(۲) میرا وہ نوٹ جو میں نے پالیسی اور مقصد کے درمیان فرق کے بارے میں ریڈنگ کے شکوک کو دور کرنے کے لئے ۴ر اکتوبر کو قلم بند کیا تھا۔

میرا بیان بالآخر جریدہ حکومت ہند مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء اور اسی روز سرجان سائمن اور وزیر اعظم کے درمیان مراسلت کا متن انگلستان میں شائع ہو گیا۔

(مختصر دستخط) نومبر ۱۹۲۹ء

Marfat.com

II

نہایت خفیہ یادداشت مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء بہ عنوان، کنزرویٹو پالیسی گول میز کانفرنس میں، جو سر سیموئیل ہور نے کنزرویٹو پارٹی کی مجلس عمل میں پیش کی (۲)۔

یہ دستاویز محض یادداشت ہی نہیں بلکہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کیونکہ اس میں کچھ سوالات شامل ہیں جن کے جواب ہمیں دینے ہوں گے۔ کانفرنس کی مسلسل سرگرمیوں کی وجہ سے ہم میں سے کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ ایک الجھے ہوئے مسئلے کے بارے میں ضروری احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ایسا بیان تیار کیا جائے جو ہر طرح مکمل ہو۔ اس لئے اس کی عبارت کھردری اور مغلق ہوگی۔ اس وضاحت کے بعد مجلس عمل میں میرے رفقائے کار کو یہ فرض کرلینا چاہئے کہ میں اس یادداشت میں ان کے فیصلوں کے لئے محض ایک خاکے سے زیادہ کچھ نہیں پیش کر رہا ہوں اور انہیں یہ ہرگز نہیں سوچنا چاہئے کہ وفد کے ارکان میں کسی کا بھی یہ ارادہ ہو کہ ہم ہندوستان میں کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اقتدار سے دستبردار ہو جائیں۔

اس آخری بات کی وضاحت میرے لئے غیر ضروری تھی لیکن شہر میں مسٹر چرچل کی حالیہ تقریر کے پیش نظر مجھے ایسا کرنا پڑا۔

ہم نے اب کانفرنس کے کام کا پہلا باب مکمل کرلیا ہے ارکان کی بھاری اکثریت نے برما کی علیحدگی کی تائید کی ہے۔ ایک کمیٹی صوبائی خود مختاری کے بارے میں رپورٹ کا مسودہ تیار کررہی ہے اور لارڈ زیٹ لینڈ نے اس کی تفصیلات ایک علیحدہ دستاویز میں قلم بند کی ہیں۔ تیسری یعنی وفاقی تعلقات سے متعلق کمیٹی اس یادداشت کی موضوع ہے اور میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔ تعارف کے طور پر میں سب سے پہلے یہ کہوں گا کہ بہ حیثیت مجموعی

(۲) م۔ ک۔ ٹ /۵۲۔ نیز اس یادداشت کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو ٹیمپل وڈ کی محولہ کتاب صفحات ۴۷ تا ۴۸۔

Marfat.com

ہندوستانیوں نے نہ صرف تمام کمیٹیوں کے اجلاسوں میں بلکہ نجی ملاقاتوں میں بھی مسئلے کے حقائق سے حقیقت پسندانہ انداز میں نمٹنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ سب کے سب ذمہ دار حکومت کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ نجی ملاقاتوں میں تفصیلات پر غور کرتے ہوئے وہ ان عمومی امور سے گریز کر رہے ہیں جن کی وجہ سے کانفرنس کی عام نشستوں کے مذاکرات میں ابہام پیدا ہوگیا تھا۔

اب تک ہم جس مرحلے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے۔ ہم سائمن رپورٹ اور مراسلہ حکومت ہند کے بنیادی اصول کے مطابق اس امر پر متفق ہوگئے ہیں کہ مسئلہ محض برطانوی ہند کا نہیں بلکہ کل ہند نوعیت کا ہے اور یہ کہ مستقبل کی حکومت کی بنیاد وفاق پر ہونی چاہیے۔ اس نکتے پر کانفرنس اور دونوں رپورٹوں کے درمیان کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ والیان ریاست کی غیر متوقع حمایت کی بدولت وفاق کا قیام مستقبل بعید سے بالکل پیش منظر میں آگیا ہے۔ ہم نے کمیٹی کی اس بات پر مزید اتفاق کیا ہے کہ ہندوستان کے لئے صرف ایک ہی عاملہ اور آئین ساز اداروں کا صرف ایک ہی نظام ہونا چاہیے۔ یہ ایک نمایاں پیش قدمی ہے۔ اگر تین مہینے قبل کوئی یہ کہتا کہ برطانوی ہند کی قانون ساز اسمبلی کو ختم کرنے کا عملی امکان پیدا ہوگیا ہے تو اس کی بات کوئی نہ مانتا۔ تاہم یہ اقدام ہم نے عام اتفاق رائے سے کیا ہے اور ایسا کرکے ہم نے ہندوستان کو اس دلدل سے بچالیا ہے جس میں وہ مانٹیگو کی اصول پرستانہ حریت پسندی کی وجہ سے پھنس گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم نے دونوں ایوانوں میں ریاستی نمائندے بھیجنے پر والیان ریاست کی رضامندی حاصل کرلی ہے۔ میرے رفقائے کار میری وضاحت کے بغیر یہ محسوس کریں گے کہ خاصی تعداد میں ہندوستانی ریاستوں کے نامزد نمائندوں کی شرکت سے دونوں مرکزی ایوانوں کی ہیئت ترکیبی اور پالیسی میں کس قدر اہم تبدیلی ہوگی۔

میں امید کرتا ہوں کہ میں نے اس امر کی کافی وضاحت کردی ہے کہ مرکز کا نقشہ اب اس تصویر سے نمایاں حد تک مختلف ہوگیا ہے جو سائمن کمیشن کی رپورٹ اور مراسلہ حکومت ہند کی رپورٹ میں پیش کی گئی ہے اور اس تبدیلی میں کنزرویٹو پارٹی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا یہ نقشہ اس حد تک مختلف ہے

Marfat.com

کہ ہمارے لئے ہندوستان کی عاملہ کو کسی قسم کی ذمہ داری دینے کا جواز پیدا ہو گیا ہے؟

سائمن کمیشن اور حکومت ہند دونوں نے مرکزی ذمہ داری نہ دینے کی حمایت کی ہے۔ وفاقی نظام کے فی الفور ظہور سے ان حالات میں کتنی تبدیلی رونما ہوئی ہے جن سے کمیشن اور حکومت نے اپنے نتائج اخذ کئے تھے؟ دونوں کا محرک واحد تصور تھا اور وہ تھا مرکز کے استحکام کی ضرورت کا تصور ایسے وقت جبکہ صوبوں میں خود مختاری کا زبردست تجربہ کیا جارہا ہو۔ میں استحکام کی ضرورت پر ان کے اصرار سے متفق ہوں۔ مرکز کا استحکام ہندوستان میں انتشار کی پیش بندی کا ضامن ہو گا۔ دنیا میں تقریباً ہر ملک کو عاملہ کی کمزوری سے مشکلات کا سامنا ہے اور اگر ہم کسی اسے تغیر و تبدل پر متفق ہو جائیں جس سے مرکزی حکومت کے اقتدار کو نقصان پہنچتا ہو تو یہ ہمارا مجرمانہ فیصلہ ہو گا مشکل یہ ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اس دستاویز میں بیان کرنا ضروری نہیں حکومت ہند اپنے موجودہ دروبست کے سبب میرے نزدیک نہ صرف کمزور بلکہ نااہل بھی ہے مزید براں اگر سائمن کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا جائے تو اور بھی کمزور ہو جائے گی اور حکومت ہند کی نیم پختہ تجاویز بدترین صورت حال کو جنم دیں گی۔ میں مرکزی حکومت کو موجودہ مرکزی حکومت سے اور اس مرکزی حکومت سے مضبوط تر دیکھنا چاہتا ہوں جس کی سفارش کمیشن یا مراسلہ حکومت ہند میں کی گئی ہے۔

کیا وفاقی نظام اس قابل ہے کہ ہمیں ایسی مضبوط تر حکومت دے سکے؟ میری دانست میں وہ اس قابل ہے وفاقی طرز حکومت اپنی نوعیت کے لحاظ سے وحدانی نظام کی نسبت زیادہ قدامت پسند اور مائل بہ استحکام ہوتا ہے۔ بہ اقتضائے نوعیت وہ ایک تحریری آئین اور سپریم کورٹ کے تحت کام کرتا ہے اس کی نمائندگی کی بنیاد نسبتاً کم تر عوامی اساس پر ہوتی ہے جبکہ وفاق میں شامل یونٹوں کی حکومتوں میں سے ہر حکومت خود کو پارلیمانی حلقوں سے زیادہ خود مختار تصور کرتی اور مقننہ وعاملہ پر باقاعدہ اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔

میری رائے میں ہندوستان کے لئے بہترین نظام حکومت واحد وفاقی مقننہ اور ایسی عاملہ ہو گا جسے ہٹایا نہ جاسکتا ہو اور جو مقننہ سے علیحدہ ہو جیسا کہ امریکی نظام ہے۔ بدقسمتی سے مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات اور گذشتہ تیرہ سال کی پالیسیوں اور وعدوں کے سبب ہندوستان

Marfat.com

غلط راستے پر اتنی دور نکل گیا ہے کہ مجھے اپنے رفقائے کار سے یہ سوال کرنا پڑ رہا ہے کہ کیا اب ہندوستان کی مرکزی مقننہ کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک مختصر وفاقی مجلس اور اس کے ساتھ ساتھ جوابدہی سے آزاد اور موقوف نہ ہوسکنے والی عاملہ قائم کرنا ممکن ہے؟ اگر میرے رفقا یہ سمجھتے ہوں کہ ایسا کرنا ممکن ہے تو میرے استدلال کا رخ اس سمت مڑ سکتا ہے جدھر میں اسے موڑنا چاہتا ہوں۔ ہمیں بہر کیف اس حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا کہ سیاسی طور پر باشعور ایک بھی ہندوستانی ہمارے ساتھ اتفاق نہیں کرے گا اور یہ کہ ۱۹۳۱ میں ہمارے لئے اس قسم کا آئین عملاً نافذ کرنا بے انتہا مشکل ہوگا۔ میں نے اس موضوع پر ہندوستانی مندوبین سے گفتگو کی ہے ان سب نے بلا تامل یہ بات زور دے کر کہی کہ امریکہ اور ہندوستان کے درمیان نمایاں فرق ہے چنانچہ امریکی صدر کو امریکی عوام منتخب کرتے ہیں جبکہ ہندوستان کا وائسرائے ایک انگریز ہے جو برطانیہ عظمیٰ سے مقرر ہو کر آتا ہے۔

بااین ہمہ میں اپنے رفقاء سے سوال کرتا ہوں کیا ہم کانفرنس میں واحد وفاقی ایوان اور موقوف نہ ہوسکنے والی عاملہ کی پالیسی پر قائم رہ سکتے ہیں؟

اگر ہم اس پالیسی پر قائم نہ رہ سکتے ہوں تو اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم مرکز میں ذمہ داری قبول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

یہاں شاید ذمہ داری کی اس ٹھوس شکل کے خدوخال پیش کرنا بے جا ہوگا جس کا مطالبہ خود اعتدال پسند ہندوستانیوں کی طرف سے بھی کیا جا رہا ہے۔ میں اس کا نقشہ سر اکبر حیدری کی تجویز کردہ شکل میں پیش کرتا ہوں جو ساری کانفرنس میں سب سے بڑے قدامت پسند مندوب ہیں۔

(۱) وائسرائے جسے (ا) امن وامان برقرار رکھنے، اقلیتوں کے تحفظ اور مالیاتی استحکام برقرار رکھنے کے بارے میں اختیارات تنسیخ حاصل ہوں (ب) دفاع امور خارجہ اور والیان ریاست کے ساتھ تعلقات بلا شرکت غیرے اس کے دائرہ اختیار و عمل میں ہوں اور اس میں وہ صرف پارلیمینٹ کے تابع نگرانی ہو۔

(۲) ہندوستان کی وفاقی وزارت جو وفاقی مقننہ کے سامنے جوابدہ ہو اور جس کے پاس یہ محکمے ہوں (ا) خزانہ (ب) امور داخلہ (ج) تجارت (د) ترقیات (ہ)

Marfat.com

مواصلات (و) محنت اور (ز) انصاف

بادی النظر میں اس قسم کا نظام حکومت برطانیہ کے کنٹرول سے تقریباً مکمل دستبرداری کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ میں اس نظام کی بدولت رونما ہونے والی زبردست تبدیلی کی اہمیت کو گھٹانا نہیں چاہتا۔ تاہم میں اپنے رفقاء سے پوچھوں گا کہ کیا ایک ایسا نظام قائم کرنا ممکن ہوگا جو ذمہ دار حکومت سے مشابہت تو رکھتا ہو لیکن جس میں برطانوی کنٹرول کے حقائق بدستور ہماری گرفت میں رہیں؟

یہی بات مختصراً یوں کہی جا سکتی ہے کہ وزارتوں کے مذکورہ قلم دان یا محکمے ہندوستانیوں کے حوالے کر دیے جائیں اور اس کے ساتھ ہی نظام حکومت کی اصل باگ ڈور خود ہمارے ہاتھوں میں رہے۔

میرے ذہن میں اس انتظام کا جو تصور ہے اس کا ایک خاکہ پیش کرتا ہوں تاکہ اس کے خدوخال واضح ہو سکیں۔ اول یہ کہ ہم اس بات پر اصرار کر سکتے ہیں کہ وائسرائے کے اختیارات تنسیخ کی وسیع تعبیر ہو سکے گی۔ بری فوج یقیناً کنٹرول برقرار رکھنے کا آخری حربہ ہے جو مکمل طور پر ہماری گرفت میں ہوگی۔ جہاں تک خزانے کا تعلق ہے ہم اسے مختلف ذریعوں سے پابند کر لیں گے۔ وہ ذریعے یہ ہیں۔ (۱) زرمبادلہ پر کنٹرول کے لئے ایک ایجنسی کرنسی بورڈ ہوگا (۲) زر محفوظ کے انتظام اور اسی نوع کے متعدد امور کی انجام دہی کے لئے ایک ایجنسی ریزروبینک موجود ہوگا (۳) مرکزی محاصل پر قرضوں کے سود کی وصولی، تنخواہیں، پنشنوں اور بری فوج کے مصارف کے لئے ایک مستقل بار عائد کیا جائے گا جو پیشگی واجب الوصول ہوگا۔ ان پابندیوں کی بدولت ہندوستانیوں کی ذمہ داریوں کا دائرہ ممکنہ حد تک محدود ہو جائے گا۔ میرے پاس حسابات کی تفصیل موجود ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ فوجی مصارف کے لئے بلا رائے شماری رقموں کی منظوری اور قرضوں کا سود، پنشنوں اور دوسری سامراجی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے پیشگی واجب الوصول اخراجات کی ضمانت سے متعلق جب طویل مدت کا سمجھوتہ ہوگا تو وفاقی محاصل کا اسی فی صد ہندوستانی وزیر خزانہ کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور بلا شرکت غیرے ہمارے قبضہ و تصرف میں رہے گا۔

تجارت کے مسئلے کے حل کی قابل عمل صورت یہ ہے کہ ایک تجارتی سمجھوتے کے

ذریعے جو نئے آئین سے منسلک ہو گا برطانوی تاجروں کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔ ایسا ہی اہم اقدام مواصلات کے سلسلے میں کیا جائے گا آئینی ریلوے کمیشن کے ذریعے ہم اس کا حقیقی کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔

اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں تفصیل کے ساتھ اس امر کی وضاحت کرنے کے قابل ہوتا کہ اگر ہم ان خطوط پر آگے بڑھنا چاہیں تو ہر سروس کو اس قدر موثر تحفظات کا پابند کر دیا جائے گا کہ ہندوستانیوں کی ذمہ داری ممکنہ حد تک کم ہو جائے اور معینہ حدود کے اندر رہے۔

یہی راہ عمل عاملہ کی موقوفی کے سلسلے میں بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ فنی اعتبار سے عاملہ مستوجب موقوفی بھی ہوگی اور ذمہ دار بھی۔ لیکن وہ چونکہ برطانوی ہند اور ریاستوں کے متضاد اور گوناگوں عناصر پر مشتمل ہوگی جن میں ایک عنصر کا انحصار انتخاب پر اور دوسرے کا نامزدگی پر ہو گا لہٰذا عملاً وہ عاملہ کے برطانوی مفہوم میں نہ تو ذمہ دار ہوگی اور نہ اسے ہٹایا جا سکے گا اس کے علاوہ پوزیشن کو مستحکم کرنے کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ عاملہ کے خلاف قرار داد مذمت کے جواز کے لئے مقننہ کے ہر ایوان میں اس کی بھاری منظوری پر زور دیا جائے اور اس طرح عاملہ کو برسوں کی مدمت تک عملاً ناقابل موقوفی بنا دیا جائے گا۔

اس قسم کے نکات کی بنا پر میں مفصل پروگرام تیار کر سکتا ہوں بشرطیکہ میرے رفقا اس کے خواہش مند ہوں۔ لیکن انہیں میرے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے بیان سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ میں یہ یا کوئی اور لائحہ عمل اختیار کرنے پر مصر ہوں۔ میں ان سے محض سوال کر رہا ہوں۔

کیا یہ دانش مندانہ اقدام ہو گا یا نہیں کہ ذمہ دار حکومت سے ملتی جلتی حکومت دے کر ہندستان میں خیر سگالی کا جذبہ پیدا کیا جائے؟ میں سمجھتا ہوں اگر ہم یہ موقف اختیار کریں تو کانفرنس میں شریک ہندوستانی مندوبین سے موثر تحفظات حاصل کر سکتے ہیں اور یقیناً برطانوی محاذ کا اتحاد برقرار رکھ سکتے ہیں۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم برطانوی وفد کے ارکان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا عمومی طرز عمل کیا ہو گا۔ ہم یہ تجویز نہیں کرتے کہ کسی مفصل اسکیم کو قطعی طور پر قبول یا رد کر دیا

Marfat.com

جائے لیکن ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آیا ہمیں ان حدود کے اندر جو میں نے بیان کی ہیں ذمہ دار حکومت کی طرف پیش رفت کے مجوزہ اقدام پر ہمدردی سے غور کرنا ہے یا نہیں۔ ہم یہ تو جانتے ہی ہیں کہ حکومت اور لبرل پارٹی کے ارکان دونوں معتدبہ حد تک پیش رفت کے لئے تیار ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا کہ اگر ہم نے اپنے موقف میں لچک پیدا نہ کی تو اس کی وجہ سے ہم کٹ کر رہ جائیں گے یہاں بھی میں یہ نہیں کہتا کہ اس طرح کٹ کر رہ جانے کے خوف سے ہم اپنے لائحہ عمل سے دستبردار ہوجائیں بشرطیکہ ہمیں اس کے انصاف پر مبنی ہونے کا یقین ہو۔ بہر حال ہمیں علیحدہ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کرتے وقت برطانوی محاذ کے اتحاد کی اہمیت کا اندازہ لگالینا چاہئے۔

آخر میں اگر میں اپنے رفقا کو یہ بتادوں کہ وزیر اعظم کس عمومی طریقہ کار کے حق میں ہیں تو شاید انہیں نتیجہ اخذ کرنے میں مدد ملے وزیر اعظم نے کہا ہے کہ انہیں امید ہے کہ مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں کو یکجا کرکے مرتب کرنے کے بعد کانفرنس کسی نہ کسی طرح ان کی منظوری دے کر جنوری کے وسط تک ختم ہو جائے گی۔ میری دانست میں یہ رپورٹیں عمومی نوعیت کی ہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ ہم حسب ضرورت ان میں انتہائی اہم نکات سے متعلق تخصیصات شامل کرنے کے قابل ہوں گے۔ تاہم مذاکرات کے دوران جب ہمیں مسلسل ہاتھ اٹھانے ہوں گے تو ہمیں اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔

اگر ہمارا فیصلہ یہ ہو کہ ہم ذمہ داری کی جانب کوئی قدم نہیں اٹھاسکتے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اگلے دس روز میں اپنا موقف واضح کردینا چاہئے برخلاف اس کے اگر میرے تجویز کردہ خطوط پر ہمیں ذمہ داری کے مسئلے کا جائزہ لینے کا اختیار دیا گیا تو ہم یقیناً اس سلسلے میں اٹھائے جانے والے خصوصی سوالوں پر مجلس عمل میں اپنے رفقائے کار سے مشورہ کریں گے۔ نیز ہم یہ بات مسلسل واضح کرتے رہیں گے کہ ہماری طرف سے جس چیز کی بھی منظوری دی جائے گی وہ ہندوستان میں موثر وفاقی نظام کے فی الحقیقت وجود میں آنے پر منحصر ہوگی۔ میرے خیال میں ہمیں اس تحفظ کی شرط ضرور عائد کرنی چاہئے۔ ورنہ ہم یہ دیکھیں گے کہ ہم نے رعائتیں تو دے دی ہیں مگر نتیجے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کی ہے اس پالیسی کو اختیار

Marfat.com

کرنے کی صورت میں ہمارا موقف یہ ہوگا: "ہم ان تجاویز پر متفق ہیں لیکن جب تک وفاقی آئین واقعی مرتب نہ ہولے ہم مرکز میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ اس صورت میں ہمیں یقین ہو جائے گا کہ ریاستیں اس میں شامل ہوگئی ہیں آئین کی تمام چولیں اس طرح بیٹھ گئی ہیں کہ وہ پوری طرح مربوط ہوگیا ہے اور اس میں کوئی جھول باقی نہیں رہا ہے سارے تحفظات موثر ہیں اور یہ کہ ہم نے ہندوستان سے جو سمجھوتہ طے کیا ہے۔ اس کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ وفاقی ڈھانچہ وجود میں آنے سے پہلے بہت سا وقت گزر جائے گا وزیر اعظم اور جن دوسرے سیاست دانوں سے میں نے گفتگو کی ہے ان سب کا خیال ہے کہ یہ مدت سالوں پر پھیلے گی۔ اسی اثنا میں مرکزی حکومت جوں کی توں رہے گی۔ اور اگر کانفرنس کے ارکان اس سمجھوتے پر عملدر آمد نہ کرسکیں تو ہم کسی رعایت کے بغیر علیحدہ ہو جائیں گے۔

آخر میں میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ میرے پیش کردہ سوالوں کے جواب خواہ وہ کچھ ہی دیں صرف وفاق ہی وہ موثر نظام ہے جس کی بدولت ہندوستان کو مضبوط اور مستحکم حکومت میسر آسکتی ہے۔ اس وقت وفاق کے تصور کے فروغ کے لئے نہایت ساز گار ہے۔ ہمیں شاید وفاقی نظام کی بنیاد رکھنے کے لئے پھر ایسا موقعہ میسر نہ آئے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء

(مختصر دستخط) ایس۔ ایچ

Marfat.com

III

مشترکہ خط کا متن جو برطانیہ کے ہٹ دھرم سیاست دانوں کے گروپ سے تعلق رکھنے والے بیالیس افراد نے ایوان والیان ریاست کے چانسلر مہاراجہ پٹیالہ کو لکھا (۳)

لندن جولائی ۱۹۳۴

یور ہائی نس

ہم آپ کی خدمت میں یہ خط ایک ایسے خطرے کے پیش نظر لکھنے کی جسارت کر رہے ہیں جو آپ کے اور ہمارے دونوں کے ملکوں کو لاحق ہو گیا ہے ہم سمجھتے ہیں آپ اور آپ کے ساتھ بیشتر والیان ریاست ہندوستان کی حکومت کے بارے میں اس اسکیم کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو قرطاس ابیض میں پیش کی گئی ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس ملک کے بہت سے لوگ جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے آپ کی تشویش میں برابر کے شریک ہیں اور انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ پارلیمنٹ میں اس اسکیم کی منظوری کو روکنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایوان والیان ریاست کے چانسلر کی حیثیت سے یور ہائی نس کو اپنی مجلس قائمہ کی مدد سے یہ خطرہ عظیم دور کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ حکومت برطانیہ نے بار بار یہ کہا کہ جب تک اس اسکیم کو والیان ریاست کی تائید حاصل نہیں ہو گی وہ مجوزہ لائحہ عمل اختیار نہیں کرے گی۔ لہٰذا ہماری رائے میں والیان ریاست کی طرف سے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ وہ اس اسکیم کے خلاف ہیں تاکہ اس کے حامی اپنے عہد کے مطابق جس کے وہ پابند ہیں اسے واپس لے لیں۔

(۳) سیموئیل ہور کے نام ولنگڈن کے خط مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء کے ساتھ ملفوف دستاویز۔ م۔ ک۔ ٹ /۸۔ خود مہاراجہ پٹیالہ نے بھی اس خط کا متن دسمبر ۱۹۳۴ء میں اخبارات کو جاری کیا۔ ملاحظہ ہو دی ٹائمز۔ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء۔

Marfat.com

ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آپ پر اور آپ کے رفقا پر کس قسم کا دباؤ ڈالا جارہا ہے لیکن ہم آپ کو یقین دلانے کی جسارت کرتے ہیں کہ اگر آپ نے دباؤ سے مجبور ہو کر اس اسکیم کو قبول کرلیا تو آپ کی تباہی یقینی ہے لیکن اگر آپ ثابت قدم رہے تو آپ کو کسی بات کا اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔

ہم بلا کسی پس وپیش کے آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس ملک میں قرطاس ابیض کی سخت مخالفت کی جارہی ہے اور یہ مخالفت شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔ اس وقت برسر اقتدار جماعت کنزرویٹو پارٹی ہے اور اس کا بہترین عنصر پہلے ہی بر ملا یا در پردہ اس اسکیم پر نکتہ چینی کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے تذبذب کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اسے باور کرادیا گیا ہے کہ یورہائی نس اور آپ کے رفقا نے اس کی حمایت کا اعلان کیا ہے اگر پارٹی کا متذکرہ عنصر یہ محسوس کرے گا کہ والیان ریاست اس کے خلاف ہیں تو پارلیمینٹ میں اس کی طرف سے اسکیم کی مخالفت ضرور کامیاب ہوگی۔

ان حالات میں ہم یورہائی نس کو آپ کی وساطت سے آپ کے رفقائے ایوان کو ان سطروں کے ذریعے یقین دلاتے ہیں کہ اگر آپ اپنے ایقان پر ثابت قدم رہیں تو ہم اپنی طرف سے آپ کو اپنی حمایت کی ضمانت دیتے ہیں اور آپ کو اور آپ کے ساتھی فرماں رواؤں کو ہراس کوشش کے خلاف تحفظ دینے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھیں گے جو تاج کے ساتھ معاہدات کی رو سے آپ کو حاصل ہونے والے حقوق ومراعات کو غصب کرنے کے لئے کی جارہی ہے۔

دستخط کنندگان۔

ڈیوک آف آرگل (ARGYLL)۔ ڈیوک آف بک لیوچ (BUCCLEUCH)، لارڈ ہارٹنگٹن، ایم۔ پی۔ لارڈ فٹز ایلن۔ لارڈ برٹی آف تھیم۔ لارڈ لائی منگٹن۔ لارڈ سلائی گو (SLIGO)۔ لارڈ چیپلن۔ لارڈ کین میر۔ مسٹرونسٹن چرچل، ایم۔ پی۔ ڈچیز آف ایٹول، ایم۔ پی۔ لیڈی ہیوسٹن۔ لارڈ کارسن۔ لارڈ بین بری آف ساؤدم۔ لارڈ ایمپٹھل۔ لارڈ چارن وڈ۔ لارڈ لارنس۔ لارڈ ریڈیسڈیل۔ سرہنری پیج کرافٹ، ایم۔ پی۔ میجر جنرل سر آلفریڈ ناکس، ایم۔ پی۔ میجر جے ایس کورنا وللڈ، ایم۔

Marfat.com

پی۔ سرباسل پیٹو، ایم۔ پی۔ میجر ایس ولیم وے لینڈ، ایم۔ پی۔ لیفٹننٹ کمانڈر پیڑا یگینو، ایم۔ پی۔ لیفٹننٹ کرنل آر۔ وی، کے ایپلن، ایم پی۔ سر آرچی بالڈ بائڈ کار پینز، ایم پی۔ لارڈ کلی فرڈ آف چڈلیگ (CHUDLEIGH)۔ لارڈ ماؤنٹ ٹیمپل۔ سرمائیکل اوڈائر۔ مسٹر پیٹرک ڈونر، ایم پی۔ مسٹر ہربرٹ جی ولیمز، ایم پی۔ مسٹر اے اے سومرویل۔ مسٹر ایلن چورلٹن، ایم۔ پی۔ دی ڈیوک آف ویسٹ منسٹر۔ لارڈ ییپرس (YEPRES)۔ لارڈ ولمر۔ لارڈ لیکن فیلڈ۔ لارڈ ازلنگٹن (ISLINGTON)۔ لارڈ کوئین بارو (QUEENBORO-UGH)۔ ایڈمرل آف دی فلیٹ سر راجر کیز۔ جنرل سر جارج ڈی ایس بارو اور میجر جنرل سر ڈبلیو جی ایل بینن۔

Marfat.com

سوانحی اشاریہ

آغا خان سوئم، ہزہائی نس سر سلطان محمد شاہ - پیدائش ۱۸۷۵ء، اسماعیلی مسلمانوں کے سربراہ - وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کرنے والے ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت، ۱۹۰۶ء - اس ملاقات کا مقصد مسلمانوں کے لئے جداگانہ حق رائے دہی کا مطالبہ کرنا تھا۔ مسلم لیگ کے مستقل صدر ۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۳ء - مسلم کانفرنس کی صدارت ۱۹۲۸ء تا ۱۹۲۹ء - ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس میں برطانوی ہند کے وفد کے سربراہ اور ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں ہندوستانی وفد کی قیادت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۳ء۔ مجلس اقوام کی اسمبلی میں ہندوستانی وفد کی قیادت ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء - مجلس اقوام کے پہلے منتخب ہندوستانی صدر، ۱۹۳۷ء - وفات ۱۹۵۸ء

آئیر، سر سیوا سوامی- پیدائش ۱۸۶۴ء - مدراس ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ جنرل ۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۲ء - مدراس کے گورنر کی عاملہ کے رکن ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۷ - نیشنل لبرل فیڈریشن آف انڈیا کے صدر ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۶ء - وفات ۱۹۴۶ء۔

آئیر، سر سی پی راما سوامی- پیدائش ۱۸۷۹ء - مدراس ہائی کورٹ کے وکیل - وائسرائے کی عاملہ کے رکن ۱۹۳۱ء اور ۱۹۴۲ء - ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیشن میں شرکت ۱۹۳۳ء - دیوان ٹراونکور ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء - وفات ۱۹۶۶ء۔

Marfat.com

آئینگر، سری نواس ۔ پیدائش ۱۸۷۴ء۔ مدراس کے ایڈوکیٹ جنرل ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۰ (اس عہدے سے مستعفی ہوگئے)۔ مرکزی قانونی ساز اسمبلی میں سوراج پارٹی کے ڈپٹی لیڈر ۱۹۲۶ء۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر، ۱۹۲۶ء۔ انتقال ۱۹۴۱ء؟

اسپیر، پرسیول۔ پیدائش ۱۹۰۱ء۔ تعلیم سینٹ کیتھرین کالج کیمرج۔ سینٹ سٹیفن کالج دہلی، لیکچرار دہلی یونیورسٹی ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۷ء۔ آل انڈیا ریڈیو اور ہندوستان کے محکمہ اطلاعات میں ملازمت ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۴ء۔ انڈین لیجسلیٹو اسمبلی دہلی میں سرکاری نمائندگی ۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۵ء۔ سیلون کالج کیمبرج میں فیلو بر سر اور لیکچرار ۱۹۴۵ء تا ۱۹۷۱ء۔ وفات ۱۷ دسمبر ۱۹۸۲ء۔ ہندوستان سے متعلق بہت سے تحقیقی مقالات و کتب کے مصنف بشمولہ دی نابابز (۱۹۳۲ء) انڈیا، پاکستان اینڈ دی ویسٹ (۱۹۴۹ء) دی ٹوی لائٹ آف دی مغلز (۱۹۵۱ء) انڈیا۔ اے ماڈرن ہسٹری (۱۹۶۱) آکسفورڈ ہسٹری آف ماڈرن انڈیا ۱۷۴۰ء تا ۱۹۴۷ء (۱۹۶۵ء) اور بائیو گرافی آف لارڈ کلائیو (۱۹۷۵ء)۔ کیمبرج کے بہت سے طلبا کے ڈاکٹریٹ کے مقالات کے نگران رہے جن میں یہ مقالہ بھی شامل ہے۔

اسٹانلے، ایڈورڈ۔ سیونتھ ارل آف ڈربی۔ پیدائش ۱۸۶۵ء۔ لنکا شائر کا بے تاج کنزرویٹو بادشاہ، ملاحظہ ہوٹیلر کی محولہ کتاب صفحہ ۵۳۔ وزیر جنگ ۱۹۱۶ء ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء۔ فرانس میں سفیر برطانیہ ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۰ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وفات ۱۹۴۸ء۔

اسٹیورٹ، سرفنڈلیٹر۔ پیدائش ۱۸۷۹ء۔ وزارت ہند میں تقرر ۱۹۰۳ء۔ وزارت ہند میں فوجی محکمے کے جوائنٹ سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۲۰ء۔ ہندوستان کی ملازمت ہائے اعلیٰ سے متعلق شاہی کمیشن (لی کمیشن) کے سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء۔ ہندوستان سے متعلق مددگار سیکریٹری اور مجلس ہند کے کلارک کے

Marfat.com

عہدے پر ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۰ء۔ ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن (سائمن کمیشن) کے سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء۔ ہندوستان سے متعلق مستقل انڈر سیکریٹری ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۲ء۔ وفات ۱۹۶۰ء

اسمتھ، **فریڈرک ایڈون**۔ فرسٹ ارل آف برکن ہیڈ پیدائش ۱۸۷۴ء۔ سارلسٹر جنرل ۱۹۱۰ء۔ اٹارنی جنرل ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۹ء۔ لارڈ چانسلر ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء۔ وزیر ہند ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۸ء۔ بیرن برکن ہیڈ کا خطاب ۱۹۱۹ء۔ وائیکاونٹ کا خطاب ۱۹۲۱ء۔ اور ارل کا خطاب ۱۹۲۲ء۔ انتقال۔ ۱۹۳۰ء۔ بیور بروک نے اسے "سلطنت کی سب سے طباع شخصیت" قرار دیا تھا۔ ملاحظہ ہو ٹیلر کی محولہ کتاب ص ۵۷۔

اقبال، سر محمد۔ پیدائش ۱۸۷۷ء۔ شاعر اور مفکر۔ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن، ۱۹۲۶ء۔ مسلم لیگ کی صدارت ۱۹۳۰ء اور مسلم کانفرنس کی صدارت ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان سے متعلق دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء۔ وفات ۱۹۳۸ء۔

انصاری، ڈاکٹر ایم اے۔ پیدائش ۱۸۸۰ء۔ دہلی میں ڈاکٹر کی حیثیت سے پریکٹس کی۔ مسلم لیگ کی صدارت ۱۹۲۰ء۔ کانگریس کی صدارت ۱۹۲۷ء۔ کل جماعتی کانفرنس کی صدارت ۱۹۲۸ء۔ وفات ۱۹۳۶ء۔

ایٹلی، **کلیمنٹ رچرڈ فرسٹ ارل آف**۔ پیدائش ۱۸۸۳ء۔ لندن اسکول آف ایکونامکس میں بحثیت لیکچرار ۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۳ء۔ مئر آف اسٹینپے ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء۔ رکن پارلیمنٹ ۱۹۲۲ء۔ جنگ سے متعلق انڈر سیکریٹری ۱۹۲۴ء۔ ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن (سائمن کمیشن) کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ پوسٹ ماسٹر جنرل ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے

Marfat.com

۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ قائد پارلیمانی لیبر پارٹی ۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۵ء۔ لارڈ پریوی سیل ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۲ء۔ رکن جنگی کابینہ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء۔ نائب وزیر اعظم ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۵ء۔ وزیر اعظم ۱۹۴۵ء تا ۱۹۵۱ء ارل کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۵۵ء۔ وفات ۱۹۶۷ء۔

بالڈون، اسٹانلے۔ پیدائش ۱۸۶۷ء۔ پارلیمنٹ کی رکنیت۔ ۱۹۰۸ء۔ فنانشل سیکریٹری ٹو دی ٹریژری ۱۹۱۷ء۔ پریذیڈنٹ آف دی بورڈ آف ٹریڈ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء۔ چانسلر آف دی ایکسچیکر ۱۹۲۳ء ۔ وزیر اعظم ۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء لارڈ پریذیڈنٹ آف کونسل ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء۔ لارڈ پری وی سیل ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۴ء۔ ارل کے خطاب سے نوازا گیا، ۱۹۳۷ء۔ انتقال ۱۹۴۷ء۔

بٹلر، رچرڈ آسٹن۔ پیدائش ۱۹۰۲ء۔ سیموئیل ہور کے پارلیمانی پرائیویٹ سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان سے متعلق رائے دہی کمیٹی (لوتھین کمیٹی) کی رکنیت ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان سے متعلق پارلیمانی انڈر سیکریٹری ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۷ء ۔ تیسری گول میز کانفرنس میں کنزر ویٹو پارٹی کے مندوب کی حیثیت سے شرکت (۱۹۳۲ء) اور ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ امور خارجہ کے پارلیمانی انڈر سیکریٹری ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۱ء ۔ وزیر تعلیم ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء۔ چیئرمین نیشنل یونین آف کنزرویٹو ایسوسی ایشن ۱۹۴۵ء تا ۱۹۵۶ء۔ چیئرمین کنزرویٹو پارٹی آرگنائزیشن ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۴ء ۔ چانسلر آف ایکسچیکر ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء۔ لارڈ پریوی سیل ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۹ء۔ قائد دارالعوام ۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۱ء ۔ وزیر داخلہ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء۔ بیرن کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۶۵ء ۔ ۱۹۶۵ء سے ماسٹر آف ٹرینٹی کالج کیمبرج۔ وفات ۱۹۸۲ء۔

بٹلر، سر ہار کورٹ۔ پیدائش ۱۸۶۹ء۔ انڈین سول سروس میں شمولیت ۱۸۹۰ء۔ حکومت ہند کے خارجہ سیکریٹری ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۰ء۔ وائسرائے کی عاملہ کے رکن ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۵ء۔ یوپی کے گورنر ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء۔ برما کے گورنر ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۷ء۔ ہندوستانی

Marfat.com

ریاستوں سے متعلق جائزہ کمیٹی کے چیئرمین ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء۔ انتقال ۱۹۳۸ء۔

بوس، سبھاش چندر۔ پیدائش ۱۸۹۷ء۔ انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۱ء میں فرار ہو کر جرمنی پہنچ گئے۔ آزاد ہند فوج کی تیاری ۱۹۴۳ء۔ ۱۹۴۵ء میں ایک فضائی حادثے میں فوت ہوگئے۔

بین، ڈبلیو وتج وڈ۔ اول وائیکاونٹ اسٹانسگیٹ۔ پیدائش ۱۸۷۷ء۔ لیبر پارٹی میں شمولیت، ۱۹۲۷ء۔ وزیر ہند ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے پہلے دو اجلاسوں میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ وزیر فضائی امور ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۶ء۔ انتقال ۱۹۶۰ء۔

پٹیالہ، مہاراجہ بھوپندرا سنگھ آف۔ پیدائش ۱۸۹۱ء والد کی جانشینی ۱۹۰۰ء۔ ایوان والیان ریاست کے چانسلر کی حیثیت سے ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۶ء۔ ہندوستان سے متعلق پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ انتقال ۱۹۳۸ء۔

پٹیل، وٹھل بھائی جے۔ پیدائش ۱۸۷۰ء۔ بمبئی ہائی کورٹ سے وابستہ بیرسٹر۔ بمبئی کی قانون ساز اسمبلی کے رکن ۱۹۱۴ء۔ سوراجی کی حیثیت سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے منتخب رکن ۱۹۲۳ء۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے صدر ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۰ء (صدارت سے استعفیٰ ۱۹۳۰ء)۔ یورپ روانگی، ۱۹۳۱ء اور جنیوا میں انتقال ۱۹۳۳ء۔

پرشوتم، داس ٹھاکر داس سر۔ پیدائش ۱۸۹۷ء۔ ایک ممتاز ہندوستانی ماہر مالیات؛ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوب (۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء)۔ ہندوستانی کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے مندوب

Marfat.com

۱۹۳۳ء - ۱۹۵۶ء تک ایسٹ انڈیا کاٹن ایسوسی ایشن کی صدارت۔ انتقال ۱۹۶۱ء۔

پیل، ولیم رابرٹ ویلزلے۔ اول ارل اور دوم وائی کاؤنٹ پیل - پیدائش ۱۸۶۷ء۔ رکن پارلیمان ۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۲ء۔ امور جنگ سے متعلق انڈر سیکرٹری ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر، ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء - وزیر ہند ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۸ء تا ۱۹۲۹ء۔ ارل کا خطاب ۱۹۲۹ء لارڈ پریوی سیل ۱۹۳۱ء - ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے تینوں اجلاس میں شرکت کرنے والے کنزرویٹو پارٹی کے وفد کے رکن - کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی مالیاتی ذیلی کمیٹی کے چیئرمین ۱۹۳۱ء۔ برما سے متعلق گول میز کانفرنس کے چیئرمین ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان کے آئینی اصلاحات کی مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن، ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ فلسطین سے متعلق شاہی کمیشن کے چیئرمین ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۷ء۔ انتقال ۱۹۳۷ء۔

جارج، ڈیوڈ لائڈ۔ پیدائش ۱۸۶۳ء۔ پارلیمنٹ میں لبرل پارٹی کی نمائندگی ۱۸۹۰ء تا ۱۹۴۵ء۔ چانسلر آف دی ایکسچیکر۔ ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۵ء۔ وزیر سامان جنگ ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء۔ وزیر جنگ ۱۹۱۶ء - وزیر اعظم ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۲ء۔ لبرل پارٹی کی قیادت ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء۔ ارل کا خطاب ۱۹۴۵ء۔ وفات ۱۹۴۵ء۔

جناح، محمد علی۔ پیدائش ۱۸۷۶ء۔ وکالت کا آغاز ۱۸۹۶ء - بمبئی ہائی کورٹ کے ممتاز بیرسٹر۔ مسلم لیگ کی صدارت ۱۹۱۶ء۔ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۴ء سے وفات تک۔ گول میز کانفرنس کے پہلے دو اجلاسوں منعقدہ ۱۹۳۰ء و ۱۹۳۱ء میں مندوب کی حیثیت سے شرکت۔ تحریک پاکستان کے قائد اعظم ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۷ء - پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے پر اگست ۱۹۴۷ء سے وفات تک۔ وفات ۱۹۴۸ء۔

جایاکر، ایم آر۔ پیدائش ۱۸۷۳ء۔ بمبئی ہائی کورٹ کے بیرسٹر۔ بمبئی کی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۰ء۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں

Marfat.com

شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۳ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیشن میں شرکت ۱۹۳۳ء۔ وفاقی عدالت ہند کے جج کے عہدے پر ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء۔ پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی کی رکنیت ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۱ء۔ پونا یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۶ء۔ وفات ۱۹۵۹ء۔

چرچل، ونسٹن اسپنسر۔ پیدائش ۱۸۷۴ء۔ فرسٹ لارڈ آف ایڈمرالٹی ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۵ء۔ وزیر سامان جنگ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۸ء۔ وزیر جنگ و فضائیہ ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۱ء۔ وزیر نو آبادیات ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء۔ چانسلر آف دی ایکسچیکر ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء۔ کنزرویٹو پارٹی کی ظلی کابینہ سے علیحدگی اور ہندوستان کے لئے مراعات کی مخالفت ۱۹۳۱ء۔ تخت سے دستبرداری کے موقع پر ایڈورڈ ہشتم کی حمایت ۱۹۳۶ء۔ فرسٹ لارڈ آف ایڈمرالٹی اور زمانہ جنگ کی کابینہ کا رکن ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء۔ قومی حکومت کا وزیر اعظم اور وزیر دفاع ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء۔ کنزرویٹو پارٹی کا لیڈر ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء۔ کنزرویٹو پارٹی کا وزیر اعظم ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء۔ کے جی ۱۹۵۳ء, نجات دہندہ ملک، کے لقب سے نوازا گیا۔ انتقال ۱۹۶۵ء۔

چنتامنی، سی وائی۔ پیدائش ۱۸۸۰ء۔ دی لیڈر (الہ آباد) کی ادارت۔ یوپی کی مجلس قانون ساز کے رکن ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۶ء۔ ہندوستان سے متعلق دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ نیشنل لبرل فیڈریشن آف انڈیا کی صدارت ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۱ء۔ وفات ۱۹۴۱ء۔

چیمبرلین، آسٹن۔ پیدائش ۱۸۶۳ء۔ پارلیمنٹ کی رکنیت ۱۸۹۲ء تا ۱۹۳۷ء۔ چانسلر آف ایکسچیکر ۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء۔ وزیر ہند ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۷ء۔ رکن جنگی کابینہ ۱۹۱۸ء لارڈ پرائیوی سیل ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء۔ وزیر خارجہ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء۔ فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلٹی ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وفات ۱۹۳۷ء۔

Marfat.com

حمید اللہ خاں، نواب۔ پیدائش ۱۸۹۴ء۔ والدہ کی جانشینی ۱۹۲۶ء۔ گول میز کانفرنسوں کے پہلے دو اجلاسوں میں شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۹ء میں آزاد بھارت کی حکومت نے ان کی ریاست کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ وفات ۱۹۶۰ء۔

خان، شفاعت احمد۔ پیدائش ۱۸۹۳ء۔ مدراس یونیورسٹی میں معاشیات ہند کے اسسٹنٹ پروفیسر ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۰ء ۔ یوپی کی قانون ساز اسمبلی کے رکن ۱۹۲۴ء۔ بنگال مسلم کانفرنس کے صدر ۱۹۳۰ء۔ الہ آباد یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں شرکت (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) اور ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن ۱۹۳۳ء۔ مسلم کانفرنس کے صدر ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ سر کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۳۵ء ۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستان کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۴ء۔ ہندوستان کی قومی حکومت میں صحت، تعلیم اور فنون سے متعلق وزیر ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۶ء۔ وفات ۱۹۴۷ء۔

خان، ظفر اللہ۔ پیدائش ۱۸۹۳ء۔ وکالت کا آغاز ۱۹۱۴ء۔ لاہور ہائی کورٹ میں بطور بیرسٹر ۱۹۱۶ء تا ۱۹۳۵ء۔ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں شرکت (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) اور ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن ۱۹۳۳ء۔ مسلم لیگ کے صدر ۱۹۳۱ء۔ وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۱ء۔ سر کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۳۷ء۔ ہندوستان کے وفاقی کورٹ کے جج ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء حکومت پاکستان میں امور خارجہ اور تعلقات دولت مشترکہ کے وزیر ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۴ء۔ بین الاقوامی عدالت انصاف کے رکن۔ ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۰ء۔ اسی عدالت کے صدر اپریل ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر ۱۹۶۲ء۔ وفات اگست ۱۹۸۵ء۔

Marfat.com

ڈھولپور، مہاراجہ۔ پیدائش ۱۸۹۳ء۔ گدی نشینی ۱۹۱۳ء۔ پہلی دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ وفات ۱۹۵۴ء۔

ڈاسن، جیفری۔ پیدائش ۱۸۷۴ء۔ فیلو آف آل سولز ۱۸۸۹ء۔ جنوبی افریقہ میں لارڈ ملنر کے پرائیوٹ سیکریٹری ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء۔ "جوہانسبرگ اسٹار" کا ایڈیٹر ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء اور ٹائمز کا ایڈیٹر ۱۹۲۳ء تا ۱۹۴۱ء۔ رھوڈز ٹرسٹ کا سیکریٹری ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء۔ ٹرسٹ کے ایک متولی کی حیثیت سے ۱۹۲۵ء۔ انتقال ۱۹۴۴ء۔

ڈنڈس، لارنس جان لملے۔ دوم مارکوئیس آف زیٹ لینڈ (۱۹۲۹ء تک) ارل آف رونلڈ شے، پیدائش ۱۸۷۶ء۔ گورنر آف بنگال ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۲ء۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں کنزرویٹو پارٹی کی نمائندگی (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وزیر ہند ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء۔ وزیر متعلقہ برما ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۰ء۔ وفات ۱۹۶۱ء۔

رحمت علی، چودھری۔ پیدائش ۱۸۹۷ء۔ امانویل کالج کیمبرج میں داخلہ پنجاب یونیورسٹی سے وابستہ طالب علم کی حیثیت سے ۵ جنوری ۱۹۳۱ء، چھ میقاتوں تک امانویل میں اقامت پذیر رہے جن میں تین میقاتوں کی اجازت دے دی گئی۔ بی اے کی سند حاصل کی، ۱۹۳۲ء اور ایم اے کی سند ۱۹۴۰ء میں۔ وفات ۳ فروری ۱۹۵۱ء۔

ریڈ، سراسٹانلے۔ پیدائش ۱۸۷۲ء۔ ٹائمز آف انڈیا کے اسٹاف میں شرکت ۱۸۹۷ء۔ ٹائمز آف انڈیا کی ادارت ۱۹۰۷ء تا ۱۹۲۳ء۔ حکومت ہند کے پبلسٹی کے شعبہ کے ڈائریکٹر کے عہدے پر ۱۹۱۴ء۔ انڈین ایریک کا بانی۔ پارلیمینٹ کی رکنیت ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء۔ وفات ۱۹۶۹ء۔

ریڈنگ، روفس ڈینیل آئی زکس، اول مارکوئیس آف۔ پیدائش

Marfat.com

۱۸۶۰ء۔ سولسٹر جنرل ۱۹۱۰ء۔ اٹارنی جنرل، ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۳ء۔ لارڈ چیف جسٹس ۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۱ء۔ واشنگٹن میں متعین برطانوی سفیر ۱۹۱۸ء۔ ہندوستان کے وائسرائے کے عہدے پر ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۶ء۔ ہندوستان سے تین گول میز کانفرنسوں میں لبرل پارٹی کے وفد کی قیادت . ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وزیر خارجہ ۱۹۳۱ء۔ انتقال ۱۹۳۵ء۔

سالسبری، جیمز ایڈورڈ ہیوبرٹ گیس کین سیسل، فورتھ مارکوئیس آف۔ پیدائش ۱۸۶۱ء۔ کنزرویٹو پارٹی سے متعلق رکن پارلیمنٹ ۱۸۸۵ء تا ۱۹۰۳ء۔ امور خارجہ سے متعلق پارلیمانی انڈر سیکریٹری ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۳ء۔ رئیسی کے موروثی مرتبے پر فائز ہوا ۱۹۰۳ء۔ لارڈ پریوی سیل ۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء اور ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء۔ بورڈ آف ٹریڈ کی صدارت ۱۹۰۵ء۔ لارڈ پریزیڈنٹ آف دی کونسل ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء۔ قائد دارالامراء ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۹ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کا رکن ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وفات ۱۹۴۷ء۔

سائمن، سرجان۔ پیدائش ۱۸۷۳ء۔ اٹارنی جنرل ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۵ء۔ وزیر داخلہ ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء اور ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء۔ ہندوستان سے متعلق آئینی کمیشن کے سربراہ ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء۔ ہندوستان سے متعلق تیسری گول میز کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۲ء میں شرکت کرنے والے مندوب۔ وزیر خارجہ ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء۔ وزیر خزانہ ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۰ء۔ وائی کاؤنٹ کا اعزاز. ۱۹۴۰ء۔ لارڈ چانسلر ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء۔ انتقال ۱۹۵۴ء۔

سپرو، سرتیج بہادر۔ پیدائش ۱۸۷۵ء۔ ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ۔ وائسرائے کی عاملہ کے رکن برائے قانون ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۳ء۔ نیشنل لبرل فیڈریشن آف انڈیا کے

Marfat.com

صدر ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۷ء (گول میز کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۰ء میں فیڈریشن کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے)۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے تین اجلاسوں میں بہ حیثیت مندوب شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں مندوب کی حیثیت سے شرکت ۱۹۳۳ء۔ صدر انجمن ترقی اردو ہند۔ انتقال ۱۹۴۹ء۔

سرکار، نری پندر ناتھ۔ ماتحت عدالتی سروس کے کارکن کی حیثیت سے ۱۹۰۲ء تا ۱۹۰۵ء۔ بنگال کے ایڈوکیٹ جنرل کے عہدے پر ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۴ء۔ ۱۹۳۱ء میں سر کے خطاب سے نوازا گیا۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت ۱۹۳۳ء۔ وائسرائے کی مجلس عاملہ کارکن متعلقہ قانون ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء۔ وفات ۱۹۴۵ء۔

سیتل واڈ، سرچمن لال۔ پیدائش، ۱۸۶۶ء۔ بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈوکیٹ۔ بمبئی کے صوبائی وزیر ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء۔ ہندوستان کی نیشنل لبرل فیڈریشن کے صدر ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۷ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے دو اجلاسوں میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ وفات ۱۹۴۷ء۔

سینکی اول، جان وائی کاؤنٹ۔ پیدائش ۱۸۶۶ء۔ کے۔ سی۔ کے اعزاز سے نوازا گیا ۱۹۰۹ء۔ کنگز بینچ ڈویژن کا جج ۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۸ء۔ لارڈ چانسلر ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۵ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کا نائب صدر نشیں ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء۔ کانفرنس کے وفاقی ڈھانچے سے متعلق کمیٹی کی صدارت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ انتقال ۱۹۴۸ء۔

شاستری، وی ایس سری نواس۔ پیدائش ۱۸۶۹ء۔ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے صدر ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۷ء۔ نیشنل لبرل فیڈریشن آف انڈیا کے صدر ۱۹۲۲ء۔ جنوبی افریقہ میں متعین حکومت ہند کے ایجنٹ ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء۔ ہندوستان سے متعلق پہلی

Marfat.com

گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ انامالائی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء۔ وفات ۱۹۴۶ء۔

شوستر، سر جارج۔ پیدائش ۱۸۸۱ء ۔ متعدد کمپنیوں کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۴ء۔حکومت سوڈان کا معتمد خزانہ ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۷ء۔ وائسرائے کی عاملہ کا خزانے سے متعلق رکن ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۴ء۔ برطانوی پارلیمینٹ کا رکن ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۵ء۔ وفات ۱۹۸۲ء۔

شوکت علی، مولانا۔ پیدائش ۱۸۷۳ء۔ مرکزی خلافت کے سیکریٹری۔ اپنے بھائی کی شرکت میں تحریک خلافت کی قیادت۔ پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت ۱۹۳۱ء۔ وفات ۱۹۳۷ء۔

عباس، بیرسٹر علی محمد۔ پیدائش بمقام پبنہ (مشرقی پاکستان) ۱۹۲۲ء۔ تعلیم ایم اے (انگریزی) کلکتہ اور گریزان۔ وکالت کا آغاز ۱۹۴۹ء۔ کل ہند مسلم لیگ کی لندن شاخ کے صدر ۱۹۴۵ء ۔ آور ھوم کے مدیر ۱۹۵۰ء۔ پاکستان کونسل اور سیز کے چیئرمین اپریل ۱۹۷۱ء ۔ وفات ۲۵ جون ۱۹۷۹ء۔ وصیت کے مطابق لاش پاکستان کے قومی پرچم میں لپیٹ کر ۳۰ جون ۱۹۷۹ء کو گلشن اقبال میں دفن ہوئی۔

عبدالرحیم، سر۔ پیدائش ۱۸۷۶ء۔ وکالت کا آغاز، ۱۸۹۰ء۔ کلکتہ ہائی کورٹ میں ۱۹۰۸ء تک بیرسٹر کی حیثیت سے پریکٹس کی۔ مدراس ہائی کورٹ کے جونیر جج ۱۹۰۸ء ۔ سر کا خطاب ۱۹۱۹ء ۔ بنگال کی مجلس حاکمہ کے رکن ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۰ء ۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۳ء۔ مرکزی مجلس قانون ساز کی صدارت، ۱۹۳۵ء۔ وفات ۱۹۵۲ء۔

علی امام، سر۔ پیدائش ۱۸۶۹ء ۔ وکالت کا آغاز ۱۸۹۰ء ۔ وائسرائے کی عامہ کے

Marfat.com

رکن ۱۹۱۰ء تا ۱۹۲۲ء ۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج ۱۹۱۷ء۔ نظام کی عاملہ کے صدر ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء ۔ ہندوستان سے متعلق دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت ۱۹۳۱ء۔ وفات ۱۹۳۲ء۔

فضل حسین، سر۔ پیدائش ۱۸۷۷ء۔ لاہور ہائی کورٹ کے بیرسٹر۔ پنجاب کی وزارت ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۰ء (مختصر وقفوں کے لئے وزارت کا تسلسل منقطع ہوتا رہا)۔ سر کا خطاب ۱۹۲۵ء۔ تعلیم سے متعلق وائسرائے کی عاملہ کے رکن ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۵ء۔ وفات ۱۹۳۶ء۔

گاندھی، موہن داس کرم چند۔ پیدائش ریاست کاٹھیا واڑ ۱۸۶۹ء ۔ ۱۸۹۳ء میں جنوبی افریقہ چلے گئے۔ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان واپس آئے ۔ گول میز کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۱ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی نمائندگی کی۔ ۱۹۴۸ء میں قتل ہونے تک کانگریس کے سرکردہ قائد رہے۔

گنگا سنگھ، مہاراجہ۔ پیدائش ۱۸۸۰ء۔ تخت نشینی، ۱۸۸۷ء۔ ۱۸۹۸ء میں اقتدار سنبھالا۔ والیان ریاست کی کانفرنس کے جنرل سیکریٹری، ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۱ء۔ پہلی دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ انتقال ۱۹۴۳ء ۔

گوائر، سر مارس۔ پیدائش ۱۸۷۸ء۔ قانونی مشیر متعلقہ وزارت جہاز رانی ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء ۔ سالسٹر اور قانونی مشیر متعلقہ محکمہ صحت ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۶ء۔ ملک معظم کے پروکیوریٹر اور خزانے سے متعلق سالسٹر کی حیثیت سے ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۳ء۔ کیو۔ سی ۱۹۳۰ء ۔ بین الاقوامی قانون کی تدوین کے بارے میں ہیگ کانفرنس میں شرکت کرنے والا برطانوی مندوب ۱۹۳۰ء۔ ہندوستانی ریاستوں سے متعلق مالیاتی تحقیقاتی کمیٹی کی رکنیت ۱۹۳۲ء۔ خزانے سے متعلق اول پارلیمانی قونصل ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۷ء ۔ ہندوستان کا چیف جسٹس اور وفاقی عدالت کا صدر ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۳ء۔ وائس چانسلر آف دہلی یونیورسٹی

Marfat.com

۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء۔ وفات ۱۹۵۲ء ۔

گور، ہری سنگھ۔ پیدائش ۱۸۶۶ء۔ قانون ساز اسمبلی کی رکنیت ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۴ء۔ ۱۹۲۵ء میں سر کے خطاب سے نوازا گیا۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت ۱۹۳۳ء ۔ وائس چانسلر ناگپور یونیورسٹی ۱۹۳۶ء۔ ساوگور یونیورسٹی کا بانی اور وائس چانسلر ۔ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا رکن منتخب ہوا۔ وفات ۱۹۴۹ء ۔

لنڈلے وڈ، ایڈورڈ فریڈرک۔ پیدائش ۱۸۸۱ء۔ بورڈ آف ایجوکیشن کے صدر ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۵ء ۔ وزیر زراعت ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۵ء ۔ بیرن ارون کا خطاب ۱۹۲۵ء۔ ہندوستان کے وائسرائے کے عہدے پر ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان سے متعلق تیسری گول میز کانفرنس میں کنزرویٹو پارٹی کے مندوب کی حیثیت سے شرکت ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وائیکاؤنٹ ہیلی فیکس کی حیثیت سے والد کی جگہ سنبھالی ۱۹۳۴ء ۔ وزیر جنگ ۱۹۳۵ء ۔ لارڈ پرائیوی سیل ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء ۔ لارڈ پریذیڈنٹ آف کونسل ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۸ء۔ وزیر خارجہ ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء ۔ جنگی کابینہ کے رکن ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۱ء۔ امریکہ میں برطانیہ کے سفیر ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۶ء۔ ارل کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۴۴ء۔ انتقال ۱۹۵۹ء۔

لنلتھگو ، وکٹرالیکزانڈر جان ہوپ، سیکنڈ مارکوئیس آف۔ پیدائش ۱۸۸۷ء ۔ ہندوستان میں زراعت سے متعلق شاہی کمیشن کا چیئرمین ۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۸ء۔ انگلستان کے طبقہ امراء کے آزاد گروہ کا سربراہ ۱۹۳۳ء ۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کا چیئرمین ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء ۔ وائسرائے ہند ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۳ء۔ وفات ۱۹۵۲ء۔

Marfat.com

لوتھین، فلپ ہنری کیریاز دہم مارکوئیس آف۔ پیدائش ۱۸۸۲ء۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے مدیر ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۵ء۔ وزیر اعظم لائڈ جارج کے سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۱ء۔ موروثی خطاب سے نوازا گیا، ۱۹۳۰ء۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں برطانیہ کی لبرل پارٹی کی نمائندگی ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء۔ ہندوستان کے آئینی اصلاحات کی مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت، ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان سے متعلق پارلیمانی انڈر سیکریٹری ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء (ستمبر ۱۹۳۳ء میں اپنے دوسرے لبرل رفقاء کے ساتھ کابینہ سے مستعفی ہوگیا لیکن ہندوستان کے سوال پر قومی حکومت کی بدستور حمایت کرتا رہا)۔ ہندوستان سے متعلق حق رائے دہی کی کمیٹی کا صدر نشیں ۱۹۳۲ء۔ واشنگٹن میں ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۰ء تک برطانوی سفیر رہا۔ انتقال دسمبر ۱۹۴۰ء۔

مالویہ، پنڈت مدن موہن۔ پیدائش ۱۸۶۱ء۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۸ء۔ وائس چانسلر، بنارس ہندو یونیورسٹی ۱۹۱۹ء تا ۱۹۴۰ء۔ ہندوستان سے متعلق دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت ۱۹۳۱ء۔ انتقال ۱۹۴۰ء۔

مانٹیگو، ایڈون سیموئیل۔ پیدائش ۱۸۷۹ء۔ برطانوی پارلیمنٹ کے رکن ۱۹۰۶ء تا ۱۹۲۲ء۔ پارلیمانی انڈر سیکریٹری برائے ہند ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء۔ ٹریژی کے فنانشل سیکریٹری ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۶ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر ۱۹۱۶ء۔ وزیر سامان جنگ ۱۹۱۶ء۔ وزیر ہند ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۲ء (مارچ ۱۹۲۲ء میں اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا) مانٹیگو نے یہودی ہونے کے باوجود اعلان بالفور کی مخالفت کی۔ وفات ۱۹۲۴ء۔

محمد شفیع، سر۔ پیدائش ۱۸۶۹ء۔ لاہور ہائی کورٹ کے بیرسٹر۔ صدر مسلم لیگ ۱۹۱۳ء، اور اس کے منقسم اجلاس کی صدارت ۱۹۲۷ء۔ وائسرائے کے مجلس عاملہ کے رکن ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے دو اجلاسوں منعقدہ

Marfat.com

۱۹۳۰ء و ۱۹۳۱ء میں شرکت کرنے والے مندوب۔ انتقال ۱۹۳۲ء۔

محمد علی، مولانا۔ پیدائش ۱۸۷۸ء۔ چیف ایجوکیشن آفیسر ریاست بڑودہ ۱۹۰۴ء تا ۱۹۱۰ء کامریڈ کے مدیر ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء۔ تحریک خلافت کے ممتاز رہنما۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر ۱۹۲۳ء۔ ہندوستان سے متعلق پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوب ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ لندن میں وفات جنوری ۱۹۳۱ء۔

میکڈانلڈ، جیمز رمزے۔ پیدائش ۱۸۶۲ء۔ لیبر پارٹی کے قائد ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء اور ۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۱ء۔ وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے ۱۹۲۴ء۔ لیبر حکومت کے وزیر اعظم ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۱ء۔ قومی حکومت کے وزیر اعظم، ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء ۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس کے صدر نشین، ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء۔ کانفرنس کی اقلیتوں سے متعلق کمیٹی کی صدارت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ لارڈ پریذیڈنٹ آف دی کونسل ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء۔ انتقال ۱۹۳۷ء۔

نظام۔ پیدائش ۱۸۸۶ء۔ تخت نشینی ۱۹۱۱ء۔ ان کی ریاست پر آزاد بھارت کی حکومت نے ۱۹۴۸ء میں فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا اور اسے بھارت میں ضم کر لیا۔ حیدر آباد کے راج پرمکھ (گورنر) کے عہدے پر ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۶ء۔ ۱۹۵۶ء میں اس عہدے سے پنشن پر سبکدوش کر دیئے گئے۔ وفات ۱۹۶۷ء۔

نون، فیروز خان۔ پیدائش ۱۸۹۳ء۔ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن ۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۶ء۔ پنجاب کے صوبائی وزیر کی حیثیت سے ۱۹۳۱ء - ۱۹۳۶ء۔ سر کا خطاب ۱۹۳۳ء ۔ برطانیہ میں ہندوستان کے ہائی کمشنر کے عہدے پر ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۱ء۔ وائسرائے کی عاملہ کے رکن ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء۔ برطانیہ کی جنگی کابینہ میں ہندوستان کی نمائندگی ۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۵ء۔ پنجاب کی مقننہ اور کل پاکستان دستور ساز اسمبلی اور مقننہ کے رکن، ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۰ء۔ مشرقی پاکستان کے گورنر کے عہدے پر ۱۹۵۰ء تا

Marfat.com

۱۹۵۳ء۔ پنجاب (پاکستان) کے وزیر اعلیٰ ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء۔ پاکستان کے وزیر خارجہ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء۔ وزیر اعظم پاکستان ۱۹۵۷ء تا ۱۹۵۸ء۔ وفات ۹ دسمبر ۱۹۷۰ء۔

نہرو، پنڈت جواہرلال۔ پیدائش ۱۹۸۹ء۔ موتی لال نہرو کے فرزند۔ کانگریس کی صدارت ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۷ء، ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء۔ بھارت کے وزیر اعظم ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۴ء میں انتقال تک۔

ولنگڈن، فری مین فری مین تھامس، اول مارکوئیس آف۔ پیدائش ۱۸۶۶ء۔ بمبئی کا گورنر ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۹ء۔ مدراس کا گورنر ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء۔ کینیڈا کا گورنر جنرل ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء۔ وائسرائے ہند ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۶ء۔ انتقال ۱۹۴۱ء

ونٹرٹن، ایڈورڈ ٹرنور؛ سکستھ ارل آف۔ پیدائش ۱۸۸۳ء۔ موروثی رئیسی کے مرتبے پر ۱۹۰۷ء میں فائز ہوا۔ پارلیمینٹ کی رکنیت ۱۹۰۴ء تا ۱۹۵۱ء۔ ہندوستان سے متعلق پارلیمانی انڈر سیکریٹری ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء۔ تیسری گول میز کانفرنس میں کنزرویٹو پارٹی کی نمائندگی (۱۹۳۲ء)۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت۔ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ چانسلر آف دی ڈچی آف لنکاسٹر ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء۔ وفات ۱۹۶۲ء۔

وہائٹ، سر الکزنڈر فریڈرک۔ پیدائش ۳۰ ستمبر ۱۸۸۳ء۔ ایڈن برا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ یونیورسٹی یونین کے صدر رہے اور السنئہ جریدہ میں فرسٹ کلاس آنرز کی سند حاصل کی۔ جریدہ ,فری یورپ، کے ایک بانی رکن اور شریک مدیر۔ پرتھ سے لبرل پارٹی سے تعلق رکھنے والے پارلیمینٹ کے رکن ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۸ء۔ ہندوستان کی مرکزی مجلس قانون ساز کے صدر ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۵ء۔ سر کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۲۲ء۔ کے سی ایس آئی کا اعزاز ۱۹۲۹ء۔ انگلش اسپیکنگ یونین کے ڈائریکٹر جنرل ۱۹۳۸ء۔ برطانیہ کی وزارت اطلاعات کے امریکی ڈویژن کے سربراہ ۱۹۳۹ء۔

Marfat.com

انتقال ۳۰ جولائی ۱۹۷۰ء۔

ہور، سیموئیل جان گرنی۔ پیدائش ۱۸۸۰ء۔ وزیر فضائی امور ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۰ء۔ ہندوستان سے متعلق تینوں گول میز کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے کنزرویٹو پارٹی کے مندوب (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے رکن ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء۔ وزیر ہند ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء وزیر خارجہ ۱۹۳۵ء۔ فرسٹ لارڈ آف ایڈمرالٹی ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۷ء۔ وزیر داخلہ ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء ۔ لارڈ پریوی سیل اور جنگی کابینہ کے رکن ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء۔ اسپین میں متعین برطانوی سفیر ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۴ء۔ وائی کاؤنٹ ٹیمپل وڈ کے خطاب سے نوازا گیا۔ انتقال ۱۹۵۹ء۔

ہیلی، مالکم۔ پیدائش ۱۸۷۲ء۔ انڈین سول سروس میں شرکت ۱۸۹۵ء۔ دہلی کے چیف کمشنر ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۸ء وائسرائے کی مجلس عاملہ میں خزانے اور امور داخلہ سے متعلق رکن ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء۔ پنجاب کا گورنر ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۸ء۔ یوپی کا گورنر ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۴ء۔ ہندوستان سے متعلق گول میز کانفرنس میں شرکت ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء۔ ہندوستان کی آئینی اصلاحات سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت ۱۹۳۳ء۔ افریقہ کے تحقیقی سروے کا ڈائریکٹر ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۸ء ۔ لارڈ کے خطاب سے نوازا گیا ۱۹۳۶ء۔ انتقال جون ۱۹۶۹ء۔

Marfat.com

منتخب کتابیات

(ا) نجی کاغذات

Austen Chamberlain Papers, Birmingham University Library.
Baldwin Papers, Cambridge University Libarary.
Hailey Collection, India Office Library, MSS.Eur.E.220.
Halifax Collection, India Office Library, MSS.Eur.C.152.
Hallett Collection, India Office Library, MSS.Eur.E.251.
Harcourt Butler Collection, India Office Library, MSS. Eur. E.116.
Keyes Collection, India Office Library, MSS.Eur.E.131.
Lothian Muniments, H.M.'s Scottish Record Office, GD40/17.
Peel Collection, India Office Library, Eur. MSS.D.528.
Philip Hartog's Correspondence with Gandhi, India Office Library, Eur.MSS.D.551.
Reading Collection, India Office Library, MSS.Eur.E.238.
Sapru Papers, National, Library Calcutta, made available through the courtesy of Professor D.A.Low, Professor of History, University of Sussex.
Templewood Collection, India Office Library, MSS.Eur.E.240.
Zetland Collection, India Office Library, MSS.Eur.D.609.

(ب) اخبارات و جرائد (۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۶ء)

Civil & Military Gazette, Lahore.
Daily Mail, London.
Indian National Herald, Bombay.
Leader, Allahabad.

Marfat.com

Manchester Guardian, Manchester.
Morning Post, London.
Pioneer, Allahabad.
Statesman, Calcutta.
Sunday Times, London.
The Times, London.
Times of India, Bombay.
Forward, Glasgow.
Journals of the East India Association, London.
Twentieth Century, Allahabad.
Journals of the Research Society of Pakistan, Lahore, (1970-75).

(ج) سرکاری مطبوعات

Cd. 7624, 1914. Papers relating to the Support offered by the Princes and Peoples of India to His Majesty in connection with the War.

Cd. 9109, 1918 Report of the Indian Constitutional Reforms. (Montagu-Chelmsford Report).

Cmd. 2128, 1924. Report of the Royal Commission on the Superior Civil Service in India. (Lee Commission Report).

Cmd.2360, 1925 Report of Reforms Enquiry Committee, 1924. (Muddiman Committee Report).

Cmd.2361, 1925. Views of Local Governments on the Working of the Reforms, dated 1923.

Cmd. 2362, 1925. Views of Local Governments on the Working of the Reforms, dated 1924.

Cmd. 2439, 1925. Correspondence regarding the claim of the Nizam of Hyderabad to the restoration of the Province of Berar, 1924-5.

Cmd. 2621, 1926 Further Correspondence regarding the Claim of the Nizam of Hyderabad to the restoration of the Province of Berar.

Cmd. 2768, 1926. Imperial Conference, 1926, summary of Proceedings.

Marfat.com

1927. Report of the Indian Sandhurst Committee. (Skeen Committee Report).

Cmd. 3029, 1928. Letter from the Chairman to the Governor-General-in-Council.

Cmd. 3132, 1928. Report of the Royal Commission of Agriculture in India. (Linlithgow Commission Report).

Cmd. 3302, 1929. Report of the Indian States Committee. (Butler Committee Report).

Cmd. 3451, 1929. Report of the Indian Central Committee, 1928-9.

Cmd. 3525, 1930. Supplementary Note by Dr. A. Suhrawardy to the Report of the Indian Central Committee.

Cmd. 3568, 1930. Report of the Indian Statutory Commission, Vol. I - Survey. (Simon Commission Report, Vol.I).

Cmd. 3569, 1930. Report of the Indian Statutory Commission, Vol. II - Recommendations. (Simon Commission Report, Vol. II).

Cmd. 3572, 1930. Report of the Committee Appointed by the Provincial Legislative Councils to co-operate with the Statutory Commission.

Cmd. 3700, 1930. Government of India's Despatch on Proposals for Constitutional Reform, dated September 20, 1930.

Cmd. 3712, 1930. Despatches from Provincial Governments in India containing Proposals for Constitutional Reform.

Cmd. 3728, 1930. Events Preliminary to the Conference: Statement issued by Sir Tej Bahadur Sapru and Mr. M.R. Jayakar of the Course of their conversations with the Congress Leaders, July-September 1930.

Cmd. 3772, 1931. Sub-Committee Reports, Conference Resolution and Prime Minister's Statement.

Cmd. 3778, 1931. Indian Round Table Conference, 12th November 1930 - 19th January 1931, Proceedings.

Cmd. 3891, 1931. (Cawnpore Riots) Report of the Commission of Enquiry and Resolution of the Government of the

Marfat.com

	United Provinces.
Cmd. 3972, 1931.	Statement made by the Prime Minister to the Conference at the conclusion of its Second Session on 1st December 1931.
Cmd. 3997, 1932.	Indian Round Table Conference (Second Session), 7th September, 1931 - 1st December, 1931), Proceedings.
Cmd. 4014, 1932.	Measures taken to counteract the Civil Disobedience Movement and to deal with the Terrorist Movement in Bengal. Ordinances Nos. II of V of 1932 with Official Statments and Correspondence relative thereto and Ordinances Nos. IX and XI of 1931.
Cmd. 4069, 1932.	Report of the Federal Finance Committee. (Percy Committee Report).
Cmd. 4086, 1932.	Report of the Indian Franchise Committee. (Lothian Committee Report).
Cmd. 4103, 1932.	Report of the Indian States Enquiry Committee, (Financial). (Davidson Committee Report).
Cmd. 4147, 1932.	(Constitutional Reforms) Communal Decision. (Communal Award).
Cmd. 4238, 1933.	Indian Round Table Conference, (Third Session), (17th November, 1932-24th December, 1932).
Cmd. 4268, 1933.	Proposals for Indian Constitutinal Reform.
Cmd. 4805, 1935.	Instrument of Instructions to the Governor-General.
Cmd. 4843, 1935.	Views of Indian States on the bill and Provisional Draft Instrument of Accession.
Cmd. 4903, 1935	Memorandum Explaining the Proposed Government Amendments on the Report Stage.
Cmd. 4939, 1935.	Return showing the Results of the General Election to the Legislative Assembly in India, 1934.
1931.	Indian Round Table Conference, (12 th November, 1930 - 19th January, 1931), Proceedings of

Marfat.com

Sub-Committees, (Part I),[Sub-Committee No.I (federal Structure)].

1931. Indian Round Table Conference, (12th November, 1930 — 19th January, 1931), Proccdings of Sub-Committees, (Part II), [Sub-Committees II-IX].

1932. Indian Round Table Conference, (Second Session), (7th September, 1931 — 1st December, 1931),Proceedings of Federal Structure and Minorities Committee.

1934. Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Report, H.L.79 (I) H.C.112 (I)

1934. Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIA, Minutes of Evidence, H.L.79 (IIA) H.C.112 (IIA).

1934. Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIB, Minutes of Evidence, H.L.79 (IIB) H.C.112 (IIB).

1934. Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Volume IIC, Minutes of Evidence, H.L.79 (IIC) H.C.112 (IIC).

1934. Joint Committee on Indian Constitutional Reform, [Session 1932-33], Records, H.L.79 (III) H.C.112 (III).

[CH.101] Government of India Act,1919 [9 & 10 Geo.5].

The Indian States (Protection Against Dis-affection Act), 1922.

[26 Geo.5] Government of India Act, 1935 [CH.2].

Legislative Assembly Debates, 1921-35.

Parliamentary Debates, 1917-35.

Marfat.com

(د) غیر سرکاری مطبوعات

Ali, Sadiq	Congress and the Problem of Minorities: Resolution adopted by the Congress, the Working Committee and the A.I.C. C. since 1885 and counnected matters (Allahabad, 1947).
All Parties Conference,	Report of Committee, (Allahabad, August 1928). (Nehru Report).
All Parties Conference,	Supplementary Report of the Committee, (Allahabad, 1928).
Cownpore Riots Enquiry Committee,	Being the Report of the Committee appointed by the Indian National Congress (Karachi Session 1931) to enquire into the Cawnpore Riots of March 1931, (Allahabad, 1933).
Congress Select Committee on the financial Obligation between Great Britain and India,	Report, (Bombay, 1931).
Directorate of the Chamber's Special Organisation,	The British Crown and the Indian States, (T London,1929).
Khan, Liaquat Ali	Resolutions of the All-India Muslim League, 1924-36,(Delhi, n.d.)

یادداشتیں اور سوانح

Adams, C.F.	Life of Lord Lloyd, (London, 1948).
Aga Khan, The	Memoirs, (London, 1954).
Attlee, C.R.	As It Happened, (London, 1954).
Azad, Abul Kalam	India Wins Freedom: An Autobiographical Narrative, (Calcutta, 1959).
Benerjea, Surendranath	A'nation in Making, (Calcutta, 1925).

Marfat.com

Behn, Mira (Madleneine Slade),	The Spirit's Pilgrimage, (London, 1960).
Birkenhead, The Second Earl of	Life of F.E. Smith, First Earl of Birkenhead, (London, 1955).
Birkenhead, The Earl of	The Life of Lord Halifax, (London, 1965).
Birla, G.D.	In the Shadow of the Mahatma: A Personal Memoir, (Calcutta, 1953).
Bose, Subhas Chandra	The Indian Struggle, 1882-1940 (New York,1964).
Bowle, John	Viscount Samuel: A Biography, (London,1957).
Brecher Michael,	Nehru: A Political Biography, (London,1959).
Butler, J.R.M.	Lord Lothian, Philip Kerr, 1882-1940, (London,1960).
Cmapbell-johnson, Alan	Viscount Halifax, (London, 1941).
Churchill, Randolf S.	Lord Derby, King of Lancashire: The Official Life of Edward Seventeenth earl of Derby, 1865-1948, (London,1959).
Cowles, Virginia	Winston Churchill: The Era and the Man, (London, 1959).
Gandhi, M.K.	An Autobiography: The Story of My Experiments with Truth, (London, 1966).
Gopal, S.	The Viceroyalty of Lord Irwin, 1926-31, (Oxford, 1957).
Halifax, The Earl of	Fulness of Days, (London, 1957).
Hodson, J.S.	Lord Halifax: An Appreciation, (London, 1941).
Husain, Azim	Fazl-i-Husain: A Political Biography, (Bombay, 1946).
Iqbal, Afzal (ed.)	My Life a Fragment: An Autobiographical Sketch of Maulana Mohamed Ali, (Lahore, 1946).
Ismail, Sir Mirza	My Public Life,(London, 1954).

Marfat.com

Jayakar, M.R.	The Story of My Life, 2 vols., (Bombay, 1958-9).
Katherine, Duchess of Athnoll.	Working Partnership: Being the Life of John George, 8th Duke of Athnoll and of his Wife Katherine Marjory Ramsay, (London, 1958).
Khaliquzzaman, Choudhry	Pathway to Pakistan, (Lahore,1961).
Khaliquzzaman, Choudhry	Shahrah-i-Pakistan, (Urdu) (Karachi., 1967).
Khan, Zafrulla.	Tahdis-i-Naimat, (Urdu),(Lahore,1971).
Lawrence, Sir, Walter R.	The India We served, (London, 1928).
Nanda, B.R.	The Nehrus: Motilal and Jawaharlal, (London, 1962).
Nanda, B.R.	Mohatma Gandhi: A Biography, (London, 1965).
Nehru, Jawaharlal	An Autobiography, (London, 1958).
Nicolson, Harold	King George the Fifth: His Life and Reign, (London, 1952).
Noon, Firoz Khan	From Memory, (Lahore, 1960).
O' Dwyer, Michael	India as I knew it, (London, 1925).
Owen, Frank	Tempestuous Journey: Lloyd George, His Life and Times, (London, 1954).
Panikkar, K.M.	His Highness the Maharaja of Bikaner: A Biography, (London, 1937).
Percy, Lord Eustace	Some Memoirs, (London, 1955).
Postgate, Raymond	The Life of George Lansbury, (London 1951).
Prasad, Rajendra	An Autobiography, (Bombay, 1957).
Roa, P.K.	V.S. Srinivasa Sastri: A Political Biography, (London, 1963).
Readings, Second Marquess of	First Marquess of Reading, 2 vols., (London1942, 1945).
Saiyid, M.H.	Mohammad Ali Jinnah: A Political Study, (Lahore, 1962).
Sengupta Padmani	Sarojini Naidu: A Biography, (London 1966).
Setalvad,	Recollections & Reflections: An Autobiography,

Marfat.com

Chimanlal H.	(London 1952).
Simon, J.A.	Retrospect: The Memoirs of Viscount Simon, (London, 1954).
Templewood, Viscount	Nine Troubled Years, (London, 1954).
Winterton, Earl	Orders of the Day, (London, 1953).
Winterton, Earl	Fifty Tumultuous Years, (London, 1955).
Wrench, J.E.	Geoffrey Dawson and Our Times, (London, 1955).
Young, G.M.	Stanley Baldwin, (London, 1952).
Zetland, Lawrence Second Marquess of	Essayez, (London, 1956).

عمومی تصانیف و کتب

Afzal, M.R (ed.)	Selected Speeches and Statements of the Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah, (Lahore, 1966).
Afzal, M.R. (ed.)	Guftar-e-Iqbal, Urdu, (Lahore, 1969).
Ahmad, Waheed (ed.)	Jinnah-Irwin Correspondence, 1927-30, (Lahore, 1969).
Ahmad, Waheed (ed.)	Letters of Fazl-i-Husain, (Lahore 1977).
Ahmad, Waheed (ed.)	Diaries and Notes of Fazl-i-Husain, (Lahore, 1977).
Ahmad, Waheed (ed.)	Jinnah-Linlithgow Correspondence, (Lahore,1978).
Ahmad, Syed Noor	Martial law se Martial law tak, 1919-58, (Urdu), (Lahore 1965).
Aiyangar, N.R.	The Government of India Act, 1935, (Madras, 1937).
Aiyer, P.S. Sivaswamy	Indian Constitutional Problems, (Bombay, 1928).

Marfat.com

Ali, Choudhary Rahmat — The Continent of India or the Country of Doom, (1946).

Ali, Choudhary Rahmat — Pakistan: The Fatherland of the Pak Nation, (Combridge, 1947).

Ambedkar, B.R. — Pakistan or the Partition of India, (Bombay, 1946).

Andrews, C.F. — The True India: A Plea For Understanding, (London 1930).

Aziz, K.K. — Britain and Muslim India, (London, 1963).

Bahadur, Lal — The Muslim League: Its History, Activities and Achievements, (Agra, 1954).

Banerjee, D.N. — The Reform Scheme: A Critical Study, (Calcutta, 1935).

Behn, Mira (Madleneine slad). (ed.) — Gandhi's Letters to a Disciple, (London, 1951).

Bernays, Robert — Naked Faqir, (London, 1931).

Bhattacharya, K.K. — The Indian Constitution, (Calcutta, 1931).

Bose, S.M. — The Working Constitution of India: A Commentary on the Government of India Act, 1935, (London, 1940).

Brailsford, H.N. — Rebel India, (London, 1931).

Brailsford, H.N. — The Indian Crisis, (London, 1930).

Barilsford, H.N. — Democracy for India, (London, 1939).

Brailsford, H.N. — Subject India, (London, 1943).

Brockway, A.F. — Inside the Left: Thirty Years of Platform, Press, Prison and Parliament, (London, 1942).

Butler, Harcourt — India Insistent, (London, 1931).

Cadogan, Edward — The India We saw, (London, 1933).

Chintamani, C.Y. (ed.) — The Communal 'Award': What it means to the Future of the Whole Country, (Allahabad, 1934).

Coatman, J. — India in 1925-6, 1926-7, 1927-8 and 1928-9, 4 vols, (Calcutta, 1926-30). (Each subtitled A Statement Prepared for Presentation to

Marfat.com

Parliament in accordance with the requirements of the 26th Section of the Government of India Act, 5 & 6. Geo.V, Chap. 61).

Coatman, J. Years of Destiny, 1926-32, (London, 1932).

Coatman, J. The indian Riddle, (London, 1932).

Coatman, J. India: The Road to Self-Government, (London, 1941).

Coupland, R. The Indian Problem, 1833-1935, (Oxford, 1942).

Coupland, R. Indian Politics, 1936-42, (London, 1943).

Coupland,R. The Goal of British Rule in India, (London, 1948).

Coupland, R. India: A Re-Statement, (London, 1954).

Craddock, R. The Dilemma in India, (London, 1929).

Croft, Henry Page India: The Conservative Case Against Abdication, (London, 1934).

Cumming, J. (ed.) Political India, 1832-1932, (Oxford, 1932).

Cumming, J. (ed.) Modern India, (Oxford, 1932).

Curtis, L. Letters to the People of India on Responsible Government, (London, 1918).

Curtis, L. Dyarchy, (Oxford, 1920).

Dar, B.A.(ed.) Lettters and Writings of Iqbal, (Karachi, 1967).

Dawson, R.M.(ed.) The Development of Dominion Status, 1900-36, (London, 1937).

Eddy, J.P. and Lawton, F.H. India's New Constitution, (London, 1938).

Edib, Halide Inside India, (London, 1937).

Ellam, J.E. Swaraj: The Problem of India, (London, 1930).

Faruqi, Zia-ul Hasan The Deoband School and the Demand for Pakistan, (Bombay, 1963).

Fitze, Kenneth Twilight of the Maharajas, (London, 1956).

Marfat.com

Freedom Movement	History of the Freedom Movement, 4 vols. (karachi, 1957-61).
Gandhi, M.K.	The Indian States' Problems, (Ahmedabad,1941).
Gopal, R.	Indian Muslims: A Political History, (London, 1959).
Government of India, Brueau of Public information	India in 1929-30, 1930-1, 1930-1, 1931-2, 1932-3, 1933-4 and 1934-5, 6 vols., (Calcutta, Delhi and Simla, 1931-7), (Each subtitled 'A statement Prepared for Presentation to Parliament in accordance with the Requirements of the 26th Section of the Government of India Act, 5 & 6 Geo.V, Chap.61').
Government of India Press	Speeches by Lord Irwin, 2 vols., (Simla, 1930-1).
Government of India Press	Speeches by the Earl of Willingdon, 2 vols., (Simla, 1935, 1937).
Gwyer, Maurice and Appadorai A.(eds).	Speeches and Documents on the Indian Constitution, 1921-1947, 2 vols., (Bombay, 1957).
Haksar, K.N. and Panikkar, K.M.	Federal India, (London, 1930).
Hoare, Samuel	Speeches, 1931-5, (London, 1935).
Iqbal, M.	Iqbal's Letters to Jinnah, (Lahore, 1943).
Ikram, S.M.	Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-1951, (Lahore, 1965).
Irwin, Lord	Indian Problems, (London, 1932).
Iyengar, S.S.	Swaraj Constitution, (Madras, 1927).
Iyer, C.S.Ranga	Father India: A Reply to Mother India, (London, 1927).
Iyer, C.S.Ranga	India in the Crucible; (London, 1928).
Iyer, C.S.Ranga	How to Lose India?, (Lahore, 1935).
Jagadisan, T.N. (ed.)	Letters of the Rt. Hon.V.S. Srinivasa Sastri, (London, 1963).

Marfat.com

Joshi, G.N. The New Constitution of India, (London, 1940).
Khan, Shafaat Ahmad The Indian Federation: An Exposition and Critical Review, (London, 1937).
Khan, Shafaat Ahmad New Constitution and After, (Madras, 1941).
Keith, A.B. A Constitutional History of India, (Oxford, 1937).
Low, D.A.(ed.) Soundings in Modern South Asian History, (London, 1968).
MacDonald, J.R, The Awakening of India, (London, 1910).
MacDonald, J.R. The Government of India, (London, 1919).
Mansergh, Nicholas The Commonwealth Experience, (London, 1969).
Myo, Katherine Mother India, (London, 1927).
Mehrotra, S.R. India and the Commonwealth, 1885-1929, (London, 1965).
Mitra, N.N. The Indian Annual Register, (Calcutta, 1919-35).
Montagu, E.S. An Indian Diary, (London, 1930).
National Union of Conservative and Unionist Association A Re-Statement of Conservative Policy, (London, 1931).
Nehru, Jawaharlal A Bunch of Old Letters (London, 1960).
Nehru, Jawaharlal India's Freedom, (London,1962).
Panikkar, K.M. Inter-State Law: The Law affecting the Relations of the Indian States with the British Crown, (Madras, n.d.).
Panikkar, K.M. The Working of Dyarchy in India, (London, 1928).
Panikkar, K.M. The Indian States and the Government of India, (London, 1932).
Panikkar, K.M. The New Empire, (London, 1934).
Panikkar, K.M. The Indian Princes in Council, (London, 1936).
Panikkar, K.M. and Pershad, A. (eds.) The Voice of Freedom: Selected Speeches of Pandit Motilal Nehru, (London, 1961).

Marfat.com

Philips, C.H. Singh, H.L. and Pandey, B.N. (eds.)	The Evolution of India and Pakistan, 1857-1947: Selected Documents, (London, 1962).
Prizada, syed Sharifuddin (ed).	Quaid-i-Azam Jinnah's Correspondence, (Karachi, 1966).
Prasad, Rejendra	India Divided, (Bombay, 1947).
Prasad, Rejendra	At the Feet of Mahatma Gandhi, (London, 1961).
Qureshi, I.H.	The Struggle for Pakistan, (Karachi, 1965).
Rai, Lajpat	Unhappay India, (Calcutta, 1928).
Rajagopalachari, C. and Kumarappa, J.C.(eds.)	The Nation's Voice: Being a Collection of Gandhiji's Speeches in England and Sjt. Mahadev Desai's Account of Sojourn, September to December 1931, (Ahmedabad, 1932).
Ramaswamy, M.	The Law of the Indian Constitution, (London, 1938).
Reed, Stanley and Cadell,P.R.	India: The New Phase (London, 1928).
Reed, Stanley	The India I knew, 1897-1947, (London, 1952).
Rushbrrok-Willilams,L.F.	India in 1924-5, (Calcutta, 1925). (Subtitled: 'A Statement Prepared for Presentation to Parliment in accordance with the Requirements of the 26th Section of the Government of India Act, 5 & 6 Geo. V, Chap.61).
Rutherford, V.H.	Modern India, Its Problems and Their Solution, (London, 1927).
Sayeed, K.B.	Pakistan: The Formative Phase, 1857-1948, (London, 1968).
Schuster, George and Wint, Guy	India and Democracy, (London, 1941).
Sen, Sardar D.K.	The Indian States, Their Status, Rights and Obligations, (London, 1930).
Shah, K.T.	Provincial Autonomy, (Bombay, 1937).

Marfat.com

Sitaramayya, B.P. The History of the Indian National Congress, 1885-1935, (Madras, 1935).

Smith, W.C. Modern Islam in India, (London, 1946).

Smith, W.R. Nationalism and Reform in India, (London, 1938).

Spear, Percival India: A Modern History, (New York, 1961).

Spear, Percival India, Pakistan and the West, (London, 1965).

Spear, Percival The Oxford History of Modern India, 1740-1947, (London, 1965).

Taylor, A.J.P. English History, 1914-45, (Oxford, 1966).

Varadarajan, M.K. The Indian States and the Federation, (London, 1939).

Wheare, K.C. The Statute of Westminster and Dominion Status, (Oxford, 1953).

Whyte, Sir Alexander Frederick India: A Federation, (Calcutta, 1925).

Zetland, The Marquess of Steps Towards Indian Home Rule, (London,1935).

Zetland, The Marquess of India: Retrospect and Prospect, (Nottingham, 1935). (Cust Foundation Lecture delivered at University College, Nottingham on 8 November 1935).

Marfat.com

اشاریہ

آرگل، ڈیوک۔ آف۔ ۳۷۶
آزاد، ابوالکلام، مولانا۔ ۲۶۴
آسام۔ ۲۰۸، ۲۶۵، ۳۰۷
آسٹریا۔ ۳۲۰
آغا خان۔ ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۲۳، ۲۲۴، ۲۴۳، ۲۵۰، ۲۵۳ ۲۵۴،
۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۶۸، ۳۱۰،
۳۱۴، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۷۸
آکسفورڈ ہسٹری آف موڈرن انڈیا ۳۵۲
آلیور، لارڈ۔ اسٹانلے۔ ۵۳، ۱۱۳،
۱۸۳، ۳۴۲، ۳۷۹
آیئر، سر۔ سیوا۔ سوامی۔ ۴۱، ۴۲، ۵۱،
۵۴، ۵۸، ۶۳، ۱۰۸، ۱۷۳، ۲۵۲،
۳۷۸
آیئر، سی۔ ایس۔ رنگا۔ ۵۹
آیئر سر۔ سی۔ پی۔ راما سوامی۔ ۴۱،
۵۱، ۶۳، ۷۵، ۱۰۰، ۱۴۶، ۱۵۰، ۲۵۷،
۳۱۰، ۳۷۸
آئرلینڈ۔ ۱۵، ۱۵۹، ۱۷۱
آئنگر، راما سوامی۔ ۳۱۰، ۳۱۲
آئنگر، سری، نواس۔ ۶۲، ۸۷، ۱۰۹،
۱۵۱، ۲۴۷، ۳۷۹
آئینی کمیشن۔ ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۳۹،
۴۲، ۴۳، ۴۷، ۵۷، ۶۸، ۷۰، ۷۲،
۹۹، ۲۰۴، ۲۰۹
اینے۔ ایم۔ ۲۴۷
اتحاد کانفرنس۔ شملہ۔ ۳۶، ۵۷
اٹلی۔ ۱۲
اجمیر۔ ۳۵۴
احمد، سر سلطان۔ ۱۵۰، ۲۵۸
احمد، سید نور۔ ۶۶، ۱۰۰
احمد، وحید۔ ڈاکٹر۔ ۱۰، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۲۲
ارون، لارڈ۔ ایڈورڈ۔ فریڈرک۔ لنڈلے
وڈ (وسکونٹ ھیلی فیکس)۔ ۱۴، ۱۷، ۲۱،
۲۳، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸،
۴۰، ۵۰، ۵۶، ۵۸، ۶۳، ۶۷، ۶۸، ۶۹،
۷۱، ۷۳، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰،
۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۹، ۹۰،
۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۵، ۹۶، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰،
۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷،

Marfat.com

۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶،
۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۱،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱،
۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۸۶، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۱۲،
۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۴۸،
۲۴۹، ۲۵۴، ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۸۲، ۲۹۸،
۳۰۲، ۳۰۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۳،
۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴،
۳۴۹، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۴،
۳۶۶۔

اڑیسہ۔ ۲۶۵، ۳۳۲

ازلنگٹن، لارڈ۔ ۳۷۷۔

اسپیر، ڈاکٹر۔ پرسیول۔ ۷، ۱۲، ۱۸، ۲۲،
۳۵۲، ۳۷۹۔

اسٹائین، آریل۔ ۳۰۶۔

اسٹون ہیون، (؟)۔ ۲۹۴۔

اسٹیٹس پیپلز کانفرنس۔ ۱۱۸۔

دی اسٹیٹس مین۔ ۶۳، ۶۶، ۱۵۲۔

اسٹیم فورڈھم، لارڈ۔ ۱۱۰۔

اسٹیورٹ، سر۔ فنڈ لیٹر۔ ۱۵۰، ۱۸۹،
۲۸۰، ۳۱۲، ۳۷۹۔

اسمتھ، ایچ۔ بی۔ لیتس۔ ۱۸۰، ۳۸۰

اسمتھ، مان کریف۔ ۵۴۔

اسمتھ، فریڈرک۔ ایڈون۔ ۳۸۰۔

اسمعیل، مرزا۔ ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۵۰۔

اسنوڈن، (؟)۔ ۱۰۴۔

اسنیل، لارڈ۔ ۳۱۸۔

ایشورسرن، منشی۔ ۵۸، ۲۵۵۔

اعجاز، ذاکر۔ ۷۔

افریقہ۔ ۸۔

افغانستان۔ ۲۴۲، ۲۴۳۔

اقبال، سر۔ محمد۔ ۴۵، ۶۴، ۲۰۶، ۲۰۸،
۲۱۴، ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۲، ۲۴۳،
۲۴۶، ۲۵۰، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۷، ۳۰۷،
۳۵۵، ۳۸۰۔

اقلیتی رپورٹ کمیٹی۔ ۵۴، ۲۲۳،
۲۳۳۔

اکبر حیدری۔ ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۹۹، ۳۰۷،
۳۱۰، ۳۱۴، ۳۷۰۔

اکثریتی رپورٹ۔ ۵۴، ۲۲۳۔

اکرام۔ ایس۔ ایم۔ ۲۴۵۔

الجزائر۔ ۹۸۔

الور۔ ۱۲۶، ۳۰۹۔

الہ آباد۔ ۱۰۷، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۴۴،
۲۴۸، ۲۶۳، ۲۶۴، ۳۵۶۔

امبیدکر، ڈاکٹر۔ بی آر۔ ۱۵۱، ۱۸۸،
۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۴، ۳۱۰، ۳۱۲۔

امپیریل کانفرنس۔ ۱۲۹، ۱۴۸۔

امپیریل کمیشن۔ ۳۷۔

امرتسر۔ ۱۸، ۱۹، ۲۷، ۱۹۵۔

امریکہ۔ ۸، ۹۸، ۳۷۰۔

امیر علی، سید۔ ۱۸، ۶۷، ۲۵۶۔

اندور۔ ۱۵۲

انڈیا آفس لائبریری۔ ۲۱، ۳۰۹

Marfat.com

انڈیا اے فیڈریشن۔ ۱۴۰
انڈیا دی روڈ ٹو سلف گورنمنٹ۔ ۵۰
انڈیمان ونکوبار جزائیر۔ ۳۵۴
دی انڈین اسٹرگل۔ ۶۴
انڈین اسٹیٹس اینڈ گورنمنٹ آف انڈیا۔ ۱۴۱، ۱۴۲
دی انڈین پرنس ان کونسل۔ ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷
انڈین کانسٹی ٹیوشن۔ ۳۵۲
انڈین کانسٹی ٹیوشنل پرابلمز۔ ۱۰۰
انڈین نیشنل ہیرالڈ۔ ۲۴۷
انڈیا زنیو کانسٹی ٹیوشن۔ ۳۵۱
انصاری۔ ایم۔ اے۔ ۳۵، ۵۶، ۸۵، ۲۰۹، ۲۴۵، ۲۴۷
انگلش ہسٹری۔ ۵۳
انیز، سر چارلس۔ ۳۱۱
اودھ، نارائن بساریہ۔ ۱۹۹
اوڈائیر، سر مائیکل۔ ۲۵۶، ۳۱۱، ۳۷۷
اوڈمین آوٹ۔ ۵۹
ایٹلی، سی۔ آر۔ ۱۰۳، ۲۵۳، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۸۰
ایٹول، ڈچیز آف۔ ۳۷۶
ایڈی۔ جے۔ پی۔ ۳۵۱
ایران۔ ۲۴۲
ایسٹ انڈیا ایسوی ایشن۔ ۱۸۴، ۲۵۹، ۲۶۷
ایسیز Essays۔ ۳۲۳
ایکسٹر، بشپ آف۔ ۳۲۳
ایپلن، آر۔ وی۔ کے۔ ۳۷۷
ایلگیٹ، ایس۔ ایم۔ ۲۱
ایمپٹھل، لارڈ۔ ۳۷۶
ایمری، ایل ایس۔ ۲۹۵، ۳۲۱
اینڈرسن، سر جان۔ ۲۶۱، ۲۶۲، ۳۱۶
اینی، ایم۔ ایس۔ ۵۵
باجپائی، جی۔ ایس۔ ۲۵۳، ۳۱۶
بارگیسن، ڈیوڈ۔ ۲۹۴
بارو، سر جارج۔ ڈی۔ ایس۔ ۳۷۷
باز نطینی۔ ۳۳۸
بالڈون، اسٹینلے۔ ۱۴، ۲۳، ۵۸، ۶۷، ۸۰، ۸۱، ۹۴، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۵۳، ۲۵۷، ۲۷۸، ۲۸۴، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۵، ۳۲۱، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۶۲، ۳۸۱
بائیڈ کارپنٹر، سر۔ آر چی۔ ۳۷۷
بٹلر، آر اے۔ ۲۸۴، ۲۹۲، ۳۰۹، ۳۱۵، ۳۸۱
بٹلر رپورٹ۔ ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۴۳
بٹلر کمیٹی۔ ۷۸، ۹۷، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۴۰
بٹلر، مانٹیگو۔ ۱۸۶
بٹلر، ہارکوٹ۔ ۲۳، ۵۸، ۷۷، ۱۲۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۸۶، ۲۵۱، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۱۶، ۳۸۱

Marfat.com

برار۔ ۱۳۸، ۳۱۴، ۳۲۴
براؤن، ایف۔ ایچ۔ ۲۴۷، ۳۰۵
برٹش پالیسی ان انڈیا۔ دی ہسٹوریکل سیٹنگ۔ ۲۵۴
برٹی، لارڈ آف تھیم۔ ۳۷۶
برج نارائن۔ ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۳۱۵
برکن ہیڈ، فریڈرک۔ ایڈون۔ اسمتھ۔ ۱۴، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۵۵، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۸، ۷۲، ۷۳، ۷۶، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۴۴، ۱۷۲، ۳۴۰
برطانیہ / انگلستان۔ ۸، ۱۱، ۱۵، ۳۱، ۳۳، ۳۷، ۳۹، ۴۲، ۴۸، ۴۹، ۵۳، ۶۶، ۶۸، ۷۱، ۷۶، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۶، ۸۹، ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۸۱، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۶۶، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۷، ۲۹۳، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۷، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۴، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۵
برلا، جی۔ ڈی۔ ۵۹، ۳۰۷
برما۔ ۷۶، ۱۰۴، ۱۹۰، ۲۲۳، ۲۸۵
برن ہم، (؟) ۱۰۳، ۱۰۵، ۳۰۹
بڑودہ۔ ۱۳۱، ۱۴۶
بک لیوچ، ڈیوک آف۔ ۳۷۶
بلوچستان۔ ۶۶، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۱۷، ۲۳۵، ۲۴۳، ۳۴۷، ۳۵۴
بمبئی، ۴۲، ۶۵، ۱۰۰، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۸۷، ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۷، ۳۵۱
بنچ آف اولڈ لیٹرز۔ ۶۳، ۹۹، ۲۴۷
بنگال۔ ۵۴، ۶۶، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۳۷
بوس۔ ایس۔ ایم۔ ۱۹۵
بوس، سبھاش۔ چندر۔ ۱۶، ۶۴، ۸۷، ۱۰۸، ۲۰۹، ۲۴۷، ۳۸۲
بھاولپور۔ ۱۵۲، ۳۰۹
بھوپال۔ ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۸۸، ۱۹۹، ۲۲۱، ۲۵۳، ۲۵۵
بیکانیر۔ ۳۰۹، ۳۱۵
بیگم شاہنواز۔ ۲۶۶، ۳۱۵
بہار۔ ۲۶۵، ۲۸۶

Marfat.com

بھٹاچاریہ، کے۔ کے۔ ۳۵۲
بین بری، آف ساؤدم۔ ۳۷۶
بین، وتیج وڈ۔ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۰،
۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۷، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۲،
۱۸۲، ۱۸۳، ۲۲۷، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۵،
۲۵۶، ۲۵۷، ۳۶۳، ۳۸۲
بنین، سر ڈبلیو۔ جی۔ ایل۔ ۳۷۷
پاتھ وے ٹو پاکستان۔ ۶۳
پاٹانی، پی۔ ڈے۔ ۳۱۰
پارج پئی، آر۔ پی۔ ۵۴
پاکستان۔ ۸، ۱۱، ۱۲، ۲۰۳، ۲۴۳،
۳۴۷، ۳۵۰
پالن پور۔ ۱۵۲
پانا۔ ۳۰۹
پانیکار، کے۔ ایم۔ ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳،
۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸
پایونیر۔ ۲۶۲
پٹانی، سرپربھا شنکر۔ ۱۵۳
پٹنہ۔ ۲۸۶، ۲۸۷
پٹیالہ، مہاراجہ۔ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۸،
۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۹۳،
۱۹۹، ۲۷۸، ۳۱۳، ۳۲۲، ۳۷۵،
۳۸۲
پٹیل، وی۔ جے۔ ۴۰، ۱۴، ۴۴، ۵۹،
۶۰، ۶۱، ۸۶، ۱۴۹، ۲۱۶، ۳۴۸، ۳۸۲
پرسی، لارڈ۔ ایوسٹیس۔ ۱۹۰، ۲۹۵،
۳۰۹، ۳۲۱
پرشاد، ایم۔ پانیکر۔ وائے۔ ۵۲
پرشوتم داس، ٹھاکر داس۔ ۱۷۹، ۱۹۹،
۲۰۰، ۳۱۰، ۳۸۲
پرنس کانفرنس۔ ۱۲۰
پنتھ، پیلوڈا۔ ۳۵۴
پنڈت، نانک چند۔ ۲۶۳
پنجاب۔ ۴۶، ۴۷، ۶۶، ۶۷، ۲۰۲،
۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸،
۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۶،
۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸،
۲۶۳، ۲۶۵، ۳۳۷
پول، گراہم۔ ۱۱۲، ۱۷۷، ۲۵۲
پولاک، ایچ۔ ایس۔ ۱۰۸، ۱۵۲، ۱۹۱،
۲۵۷، ۳۵۶
پونا۔ ۴۱
پیڑا گینو، لفٹنٹ کمانڈر۔ ۳۷۷
پیٹرو، سر۔ اے۔ پی۔ ۲۵۲
پیٹو، سر۔ اے۔ باسل۔ ۳۷۷
پیرل ان انڈیا۔ ۱۰۶
پیل، لارڈ۔ ۵۱، ۱۰۱، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۰،
۱۵۷، ۱۶۲، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۷۹، ۳۰۰،
۳۰۹، ۳۸۳
تاریخ انڈین نیشنل کانگریس۔ ۱۱۱
تجاویز دہلی۔ ۳۶، ۴۴، ۴۵، ۲۰۵، ۲۰۶،
۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳،
۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۹
تحریک خلافت۔ ۴۴، ۲۰۳، ۲۱۳،

Marfat.com

۲۱۴، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۸۹، ۳۱۸
ترکی۔ ۲۰۳
تھامپسن، ایڈورڈ۔ ۲۶۴، ۲۶۷، ۳۱۵، ۳۱۶
تھامپسن، سرجان۔ پی۔ ۳۱۱
تھومبھیر، وائی۔ ۳۱۰، ۳۱۲
ٹامپے، ایس۔ بی۔ ۱۵۱
ٹائمز (روزنامہ)۔ ۵۲، ۵۹، ۶۲، ۷۳، ۸۰، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۵۲، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۱۵، ۲۵۹، ۲۶۷، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۷۵
ٹائمز آف انڈیا۔ ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۴، ۶۵، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۲، ۱۸۶، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۶۱ ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۲
ٹراونکور۔ ۳۷۸
ٹرنور، ایڈورڈ۔ ۳۱۴
ٹہری گڑھوان (ریاست)۔ ۱۴۵
ٹیلر، جے۔ بی۔ ۵۳، ۱۰۳، ۱۸۸، ۱۹۸
ٹیمپل، لارڈ ماؤنٹ۔ ۳۷۷
ٹیمپل وڈ دیکھئے ھور، سرسیموئیل
ٹیمپے، ایس۔ بی۔ ۲۵۵
جارج، ڈیوڈ۔ لائیڈ۔ ۲۸، ۵۱، ۸۱، ۸۲،
۱۰۴، ۱۱۱، ۳۴۰، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۸۳
جایاکر، ایم۔ آر۔ ۴۱، ۵۵، ۵۸، ۶۳، ۶۴، ۱۵۰، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۹۵، ۲۱۸، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۵۷، ۳۸۳
جداگانہ انتخابات۔ ۳۷
جرمن۔ ۲۱۵
جرنل آف ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن۔ ۲۶۷
جگدیسن، ٹی۔ این۔ ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۹۲، ۲۵۹، ۲۶۱
جلیانوالہ باغ۔ قتل۔ ۱۹
جناح۔ ایم۔ اے۔ ۹، ۲۹، ۴۶، ۴۸، ۵۳، ۵۴، ۵۸، ۶۰، ۶۲، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۷۰، ۷۱، ۸۴، ۸۶، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۹، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۶۷، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۱، ۲۸۷، ۳۰۷، ۳۱۷، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۸۳
جوشی، شیوا راؤ۔ ۱۵۱، ۲۴۷، ۲۸۲، ۳۱۰، ۳۵۰، ۳۵۱

Marfat.com

جونز، مارگن۔ ۳۱۹
جھلاور۔ ۳۰۹
جنیوا۔ ۴۰، ۱۹۸
جنیوا کانفرنس۔ ۱۸۳
چارن وڈ، لارڈ۔ ۳۷۶
چڈلیگ، لارڈ کلی فرڈ آف۔ ۳۷۷
چرچل، سر۔ ونسٹن۔ ۹۵، ۹۷، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۸۵، ۱۹۶، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۷۶، ۳۸۴
چنتامنی، سی۔ وائی۔ ۴۱، ۶۳، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۷۴، ۱۹۲، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۶۳، ۳۸۴
چھاگلا، ایم۔ سی۔ ۲۵۰
چھتاری، نواب۔ راحت۔ سعید۔ ۵۸، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۲، ۳۱۵
چودہ نکات۔ ۲۱۷، ۲۲۱
چارلٹن، ایلن۔ ۳۷۷
چیپلن، لارڈ۔ ۳۷۶
چیت واڈ، فلپ۔ ڈبلیو۔ ۱۵۲
چیمبرلین، آسٹن۔ ۲۳، ۱۰۰، ۲۷۳، ۲۸۰، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۴۲، ۳۸۴
چیمبرلین، نیول۔ ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۸۳
چیمسفورڈ، لارڈ۔ ۲۸، ۴۹، ۵۰، ۱۴۶، ۱۵۶، ۱۹۶
حسن امام۔ ۲۴۵
حسین، حافظ ہدایت۔ ۲۶۶
حیدر آباد (دکن)۔ ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۷۹، ۲۲۱، ۲۷۱، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۴۷
خان، چودھری ظفراللہ۔ ۲۰، ۵۹، ۶۶، ۲۲۰، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۸۴، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۸۵
خان، حکیم اجمل۔ ۲۴۵
خان، ذوالفقار علی۔ ۲۵۲، ۲۶۲
خان، راجہ غضنفر علی۔ ۶۶، ۲۴۶
خان، سر سکندر حیات۔ ۶۶
خان، شفاعت احمد۔ ۵۹، ۲۲۰، ۲۴۶، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۶، ۲۶۷، ۳۱۰ ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۳۸، ۳۵۶، ۳۸۵
خان، عنایت اللہ۔ ۲۶۷
خان، ظفراللہ۔ ۹
خان، لیاقت حیات۔ ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۹۹، ۳۰۷، ۳۱۰
خان، لیاقت علی۔ ۶۴، ۲۴۵، ۲۵۴
خان، محمد اسلم۔ ۲۶۷
خان، مولانا ظفر علی۔ ۶۶
خان، نواب حمید اللہ۔ ۱۲۱، ۱۴۵، ۳۸۵
خان، محمد اسمٰعیل۔ ۲۵۲

Marfat.com

خلیق الزماں، چودھری۔ ۶۳، ۱۰۸، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹
خود نوشت سوانح حیات (نہرو)۔ ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲
دستاویزات لوتھین۔ ۲۱، ۲۴
دلی۔ ۳۶، ۴۴، ۴۵، ۸۵، ۸۸، ۱۰۸، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۶۹، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۵۲، ۲۸۸، ۳۳۲، ۳۵۴
دھولپور۔ ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۷۹، ۳۰۹، ۳۸۶
ڈار، بشیر احمد۔ ۲۶۰
ڈاسن، جیفری۔ ۷۳، ۷۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۸۶، ۱۹۲، ۲۵۷، ۳۴۳، ۳۸۶
ڈربی، لارڈ۔ ایڈورڈ۔ اسٹینلے۔ ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵
ڈزرائیلی۔ ۱۸
ڈچ فیلڈ، جی۔ ایم۔ ۱۲
ڈنگاپور۔ ۳۰۹
ڈونر، سرپیٹرک۔ ۳۷۷
ڈی مانٹ مورینسی، سرجیفری۔ ۱۹۰، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۴، ۳۶۱
ڈیلی میل۔ ۹۴، ۱۰۶، ۱۸۴، ۱۹۶
ڈیلی ہیرالڈ۔ ۱۱۰
ڈیموکریٹک پارٹی۔ ۸۷
ڈیوڈسن، سی۔ سی۔ ۱۱۳، ۱۹۰، ۱۹۳، ۳۰۹
راجہ محمود آباد۔ ۲۴۵
راما راؤ۔ ۳۱۷
رامپور، نواب۔ ۱۴۵، ۳۰۹
رام، لالہ شری۔ ۳۰۷
راؤ، رام چندر۔ ۳۰۸
رائے۔ لالہ لاجپت۔ ۵۸، ۵۹، ۲۴۶
رائل کولونیل انسٹیٹیوٹ۔ ۵۱
رحمت اللہ، ابراہیم۔ ۵۸، ۲۵۲
رضا، سید۔ ۲۴۵
رضی حیدر، خواجہ۔ ۹
روڈ ٹو انڈین فریڈم۔ ۷
رولٹ ایکٹ۔ ۲۷
ریڈ، اسٹانلے۔ ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۸۶
ریڈنگ، لارڈ۔ ۱۴، ۵۳، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۷۶، ۱۸۴، ۲۰۱، ۲۵۶، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۸۴، ۲۹۲، ۳۰۳، ۳۰۹، ۳۴۲، ۳۴۸، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۸۶
ریڈیسڈیل، لارڈ۔ ۳۷۵
ریزولوشنز آف آل انڈیا مسلم لیگ۔ ۶۴، ۲۵۴
ری کلکشنز اینڈ ریفلیکشنز۔ این آٹو گرافی۔ ۱۸۹

Marfat.com

رینکالکور، لارڈ۔ ۳۱۹
زیٹ لینڈ، لارڈ۔ ۱۴، ۲۱، ۱۰۶، ۱۳۲، ۱۸۳، ۱۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۸۶
سالسبری، لارڈ۔ ۹۹، ۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۵، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۸۷
سانگلی۔ ۱۴۹، ۳۰۹
سائیمن کمیشن / رپورٹ۔ ۱۹، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۶۹، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۹، ۹۰، ۹۴، ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۹، ۱۷۳، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۷۴، ۲۷۵، ۳۰۷، ۳۳۱، ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۸۰
سائیمن، سرجارج۔ ۴۷، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۹۰، ۹۸، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۱۶، ۲۴۲، ۲۵۰، ۲۸۵، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۸۷
سیارائن، ڈاکٹر۔ ۳۰۸، ۳۱۵
سپرو، سرتیج بہادر۔ ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۳۵، ۴۱، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۷، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۴۷، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۷، ۲۹۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۸۷
سرجارج برڈز وڈ میموریل لیکچر۔ ۵۰
سرحد، (شمالی مغربی سرحدی صوبہ)۔ ۲۶، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۴۲، ۲۴۳، ۳۳۷
سرکار، این۔ این۔ ۳۱۰، ۳۱۲
سرکار، نری پندر ناتھ۔ ۲۷۹، ۳۸۸
سروس ان انڈیا۔ ۵۲
سقوط مشرقی پاکستان۔ ۷، ۱۱
سکھ۔ ۳۴، ۱۷۸، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۳۸، ۲۴۸، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۵
سلائی گو، لارڈ۔ ۳۷۶۔
سنٹرل سکھ لیگ۔ ۲۴۶، ۲۶۳۔
سندھ۔ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۱،

Marfat.com

۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۳۵، ۲۴۳، ۲۶۴،
۲۶۵، ۲۶۶، ۳۳۲، ۳۳۷۔
سنگھ، سردار۔ اجل۔ ۱۵۰، ۱۸۴،
۲۵۷۔
سنگھ، جوگندر۔ ۲۶۳۔
سنگھ، سردار بوٹا۔ ۳۱۰۔
سنگھ، سردار مہتاب۔ ۲۵۲۔
سنگھ، سردار تارا۔ ۵۶، ۱۹۸، ۲۵۲۔
سنگھ، سردار سمپورن۔ ۲۵۷۔
سنگھ، سردار کھڑک۔ ۲۵۲۔
سنگھ، گیانی شیر۔ ۲۵۲۔
سنگھ، منگل۔ ۲۴۶، ۲۴۷۔
سنگھ، مہاراجہ بھوپندر۔ ۱۵۱۔
سنڈے ٹائمز۔ ۵۹۔
سنہا، سچند انند۔ ۵۹۔
سنہا، لارڈ۔ ۵۹، ۳۱۱۔
سودیشی صنعت۔ ۹۷۔
سوراج پارٹی۔ ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۴۰، ۴۱،
۵۲، ۵۴، ۲۰۳، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۸۶،
۳۷۹۔
سورت۔ ۲۱۶، ۲۵۱۔
سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ ۵۶، ۵۷، ۶۱،
۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۱۰۸، ۱۴۴، ۱۸۶،
۲۴۶، ۲۵۰، ۲۶۲، ۲۶۸، ۳۵۵،
۳۵۷۔
سول نافرمانی۔ ۳۵، ۸۸، ۹۳، ۹۴، ۹۸،
۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۱، ۲۱۸،
۲۳۳، ۲۶۹، ۲۸۶۔
سولوکومب، جارج۔ ۱۱۰۔
سہروردی، عبداللہ ڈاکٹر۔ ۲۴۵، ۲۴۶۔
سیتارمیہ، بی پاٹا بھائی۔ ۵۲، ۱۰۸، ۱۰۹،
۱۱۱، ۱۱۲، ۲۶۵، ۳۰۷، ۳۱۷، ۳۲۰۔
سیتل واڈ، سرچمن لال۔ ۴۱، ۵۹، ۶۲،
۷۱، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۱۰۱، ۱۵۲،
۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۷، ۲۵۳، ۲۵۵،
۲۶۱، ۲۸۷، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۸،
۳۸۸۔
سیٹن، سرمالکم۔ ۱۰۰۔
سیٹھنا، فیروز۔ ۳۱۰۔
سی پی (صوبہ جات متوسط)۔ ۵۴،
۲۶۵۔
سیسل، وائیکاؤنٹ۔ ۱۱۲، ۳۱۸۔
سینکی، جان فرسٹ، وائیکاونٹ۔ ۱۳۳،
۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۸۹،
۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۵۷، ۳۰۴،
۳۰۹، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۵۱، ۳۸۸۔
شاستری، راما سوامی۔ ۱۵۰۔
شاستری، وی ایس سری نواس۔ ۴۱، ۵۸،
۶۳، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۹۱،
۱۹۲، ۱۹۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۸۷،
۳۰۸، ۳۸۸۔
شاستری، وینکٹ رام۔ ۲۵۸۔
شاہی کمیشن۔ ۳۱، ۳۳، ۶۷، ۱۴۴۔
شدھی۔ ۲۰۳۔

Marfat.com

شجاع الدین، ڈاکٹر خلیفہ۔ ۲۶۷۔
شفیع، داؤدی۔ ۵۷، ۲۵۷۔
شفیع، سر محمد۔ ۳۱، ۴۵، ۵۴، ۶۴، ۶۷، ۱۵۰، ۱۸۴، ۱۸۸، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۳۴۸، ۳۹۲۔
شملہ۔ ۱۱۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۴۴، ۱۸۶، ۲۳۹۔
شوستر، سر جارج۔ ۲۰، ۱۴۹، ۱۵۳، ۳۸۹۔
شوکت علی، مولانا۔ ۱۱۸، ۱۴۲، ۲۱۸، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۴، ۳۰۷، ۳۸۹۔
شہاب الدین، چودھری۔ ۵۲۔
شہر گوہاٹی۔ ۲۰۸۔
صادق، شیخ محمد۔ ۲۶۷۔
صادق علی۔ ۲۴۷۔
صوبائی خود مختاری۔ ۱۷۳، ۱۸۰۔
عباس، علی محمد۔ ۱۱، ۳۸۹۔
عبدالرحیم، سر۔ ۳۷، ۴۵، ۵۷، ۶۲، ۶۴، ۲۷۹، ۳۱۰، ۳۸۹۔
عبدالحمید، پروفیسر ڈاکٹر۔ ۷۔
عبدالقادر۔ ۲۵۲۔
عبدالقیوم۔ ۵۸، ۲۵۵، ۲۵۲۔
عظیم حسین۔ ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۴، ۲۶۵۔
علی امام، سر۔ ۱۴۳، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۹، ۳۸۹۔
علی برادران۔ ۲۱۸۔
علی، چودھری رحمت۔ ۱۲، ۲۴۳، ۲۶۷، ۳۸۶۔
علی گڑھ۔ ۲۴۵، ۲۶۷۔
علی، عبداللہ یوسف۔ ۲۶۷۔
غزنوی، اے، کے۔ ۶۵، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۵۲، ۲۶۶، ۳۱۰۔
فارورڈ Forword ۔ ۵۹۔
فاکس، جارج آرلین۔ ۱۰۳، ۱۸۲، ۲۵۲، ۲۵۳۔
فٹز ایلن، لارڈ۔ ۳۷۶۔
فروم، اے۔ ایچ۔ ۵۴۔
فشر، ایچ، اے، ایل۔ ۱۰۰۔
فضل الحق، اے۔ کے۔ ۳۰۷۔
فضل حسین، سر۔ ۳۷، ۴۵، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۸، ۳۴۸، ۳۹۰۔
فل نیس آف ڈیز Fulness of Days ۔ ۶۴۔
فیڈرل انڈیا۔ ۱۲۹، ۱۴۸۔
قانون ساز اسمبلی۔ ۳۵، ۴۰، ۴۴، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۶۱، ۶۳، ۷۸، ۸۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۴۱، ۱۶۰، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۷۷، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۱۴، ۳۴۴، ۳۴۸۔

Marfat.com

قانون ہند ۱۹۳۵ء۔ ۸، ۱۴، ۱۵، ۲۷، ۸۵، ۹۸، ۲۳۹، ۳۲۴، ۳۳۹، ۳۵۰۔
قائد اعظم اکادمی۔ ۷، ۹، ۱۰۔
قائد اعظم پیپرز۔ ۹۔
قرار داد لاہور۔ ۲۰۲۔
قرطاس ابیض۔ ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۵۱، ۳۷۶۔
قریشی، ڈاکٹر وحید۔ ۷۔
قریشی، شعیب۔ ۲۴۷، ۲۴۸۔
قصوری، مولانا عبدالقادر۔ ۶۶۔
کار، ہیوبرٹ۔ ۳۱۰۔
کارسن، لارڈ۔ ۳۷۶۔
کاکس، (؟)۔ ۳۱۹۔
کانپور۔ ۱۵۹، ۲۵۷۔
کانگریس، آل انڈیا۔ ۱۶، ۱۷، ۳۷، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۵۲، ۵۵، ۶۸، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۱، ۹۲، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۸۱، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۷۷، ۲۷۸، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۷۸۔
کانگریس اینڈ دی پرابلم آف مائناریٹیز۔ ۲۴۷۔
کپور، دیوان گوکل چند۔ ۱۰۲۔
کراچی۔ ۱۵۹، ۱۶۲، ۳۶۸۔
کرافٹ، سرہنری پیج۔ ۳۷۶۔
کرافورڈ، کرنل۔ ۱۲۶۔
کرشناچاری، وی۔ ٹی۔ ۳۱۰۔
کرمپ، ایل۔ ایم۔ ۱۴۴۔
کریڈاک، سرریجینالڈ۔ ۳۱۹۔
کریرار، جیمز۔ ۱۰۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۳۶۱۔
کشمیر۔ ۲۴۳، ۲۷۱۔
کل جماعتی کانفرنس۔ ۴۵، ۷۵، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۳۶، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۵۰۔
کلکتہ۔ ۴۵، ۴۶، ۶۶، ۷۵، ۸۵، ۱۱۹، ۱۴۰، ۱۹۲، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۳۰۷۔
دی کیمونل ایوارڈ: وہاٹ اٹ مینس ٹو دی فیچر آف دی ہول کنٹری۔ ۲۶۳۔
کنٹربری، آرچ بشپ آف۔ ۱۰۰، ۱۰۲۔
کنزرویٹو پارٹی۔ ۱۵، ۱۶، ۳۳، ۵۳، ۶۹، ۷۶، ۷۸، ۹۷، ۱۰۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۷۴، ۱۸۸، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۷۱، ۲۸۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۳۸، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۶۔
کنگ جارج دی ففتھ، ہزلائیف اینڈرین۔ ۱۰۵۔
کننگھم، جی۔ ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۳،

Marfat.com

۱۴۸۔
کینیڈا۔ ۱۸۶، ۳۲۰۔
کوٹ مین، جی۔ ۵۰، ۱۸۳، ۲۵۵،
۲۵۶۔
کورٹاولڈ، جے۔ ایس، میجر۔ ۳۱۶،
۳۷۶۔
کورگ۔ ۳۵۴۔
کونا، اسٹراتھ۔ ۱۰۳۔
کوئین بارو، لارڈ۔ ۳۷۷۔
کین میر، لارڈ۳۷۶۔
کینز، سرراجر۔ ۳۷۷۔
گاسچن، لارڈ۔ ۳۶۱۔
گاندھی، ایم۔ کے۔ ۹، ۱۱، ۱۶، ۳۵،
۴۳، ۴۴، ۴۸، ۵۶، ۶۱، ۶۳، ۶۹، ۸۵،
۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۱، ۹۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۷،
۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۳۶، ۱۵۲،
۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۴، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۶،
۲۰۵، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹،
۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۶۰،
۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۸۱، ۲۸۶،
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۵، ۳۴۰، ۳۴۳،
۳۴۴، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۹۰۔
گائیکوارڈ۔ ۱۴۶۔
گپتا، سین۔ ۵۸۔
گڈنی، کرنل ھنری۔ ۳۱۰، ۳۱۲۔
گلانسی، سررینالڈ۔ ۱۵۳۔
گنڈاپا۔ ۱۴۹، ۲۵۸۔
گنگا سنگھ، مہاراجہ بیکانیر۔ ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۹،
۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۴،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۸۴، ۱۹۳،
۳۹۰۔
گوالیار۔ ۱۳۱، ۱۴۵۔
گوائر، سرمارس۔ ۲۹۶، ۳۲۳، ۳۹۰۔
گوائن، جی۔ ٹی۔ ۱۹۸، ۳۰۴، ۳۰۶،
۳۰۹، ۳۲۱۔
گوپال، ایس۔ ۲۵۸۔
گور، ایچ۔ ایس۔ ۵۱، ۲۷۹، ۳۱۰،
۳۱۲، ۳۹۱۔
گول میز کانفرنس۔ ۳۰، ۳۲، ۴۴، ۶۴،
۷۴، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۹۱،
۹۷، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۹، ۱۳۱،
۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۵،
۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۵،
۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲، ۲۰۳، ۲۲۰،
۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۳،
۲۳۴، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۵،
۲۵۷، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۴،
۲۷۹، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۳،
۳۲۸، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۶۷، ۳۷۸۔
گیراٹ، جی۔ ٹی۔ ۳۰۴۔
گیون۔ ایف جونز۔ ۱۵۰۔
لاٹن، ایف۔ ایچ۔ ۳۵۱، ۳۵۲۔
لارنس، سروالٹر۔ ۱۵۲، ۳۷۶۔
لارنس، لارڈ۔ ۳۷۶۔

Marfat.com

لاہور۔ ۴۶، ۶۶، ۸۵، ۸۷، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۸، ۳۴۵۔
لائڈ، لارڈ۔ ۱۰۰، ۳۲۳۔
دی لائف آف ایف ای اسمتھ ارل آف برکن ہیڈ۔ ۵۵۔
لکھنو۔ ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۶۴، ۳۵۶۔
لندن۔ ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۴، ۲۶۶، ۲۷۸، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۴۔
لندن کانفرنس۔ ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۸، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۸۸، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۵۱، ۲۵۹۔
لنڈلے، وڈ۔ ایڈورڈ فریڈرک۔ ۳۹۱۔
لنکا شائر۔ ۸۹۔
لن لتھ گو، لارڈ۔ ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۴۲، ۱۸۷، ۲۷۹، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۹۱۔
لو، پروفیسر ڈی۔ اے۔ ۲۱۔
لوتھین، لارڈ فلپ ھنری کیر۔ ۲۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۷۶، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۹۲۔
لور، رین کائی۔ ۳۲۳۔
لوسائی موتھ۔ ۱۹۸۔
لیاقت علی۔ ۱۰۲۔
لیتھ ویٹ، سرگلبرٹ۔ ۲۸، ۲۵۸، ۲۵۹۔
لیٹرز اینڈ رائٹنگز آف اقبال۔ ۲۶۰۔
لیڈر روزنامہ۔ ۱۳۶، ۲۰۰، ۲۶۴۔
لی منگٹن، لارڈ۔ ۳۱۶، ۳۷۶۔
لیکن فیلڈ، لارڈ۔ ۳۷۷۔
لین فاکس، جارج، ۱۰۰۔
لینس بری، جارج۔ ۱۸۸، ۱۹۱، ۳۰۸۔
ماجد، راجہ ایف۔ ایم۔ ۱۳۔
ماجمدار، جی۔ این۔ ۵۲۔
ماجیٹھا، سندر سنگھ۔ ۱۹۶، ۲۶۳۔
ماڈرن مسلم انڈیا اینڈ برتھ آف پاکستان۔ ۲۴۵۔
مارننگ پوسٹ۔ ۱۸۵، ۲۸۶، ۳۱۶۔
مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ ۶۶۔
مارلے منٹو اصلاحات۔ ۱۸۔
مالویہ، پنڈت مدن موھن۔ ۹، ۶۲، ۱۰۲، ۱۴۱، ۱۶۷، ۱۹۱، ۲۱۸، ۲۲۸، ۲۵۲، ۲۶۱، ۲۶۴، ۳۹۲۔
مانٹ فورڈ رپورٹ۔ ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۱،

Marfat.com

۱۲۷، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۹۔
مانٹیگو، اڈون سیموئیل۔ ۲۷، ۲۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۷۴، ۷۷، ۸۳، ۹۵، ۹۹، ۱۸۶، ۲۷۵، ۲۸۲، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۶۸، ۳۹۲۔
مائلڈمے، لارڈ۔ ۱۱۳۔
مائی ویل، سی۔ ۱۹۵، ۳۲۲۔
متر، سربی ایل۔ ۲۵۸۔
محمد علی، مولانا۔ ۱۱۸، ۱۴۲، ۲۱۹، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۳، ۳۹۳۔
محمود، ڈاکٹر سید۔ ۲۶۴۔
مدالیر، راما سوامی۔ ۱۵۰، ۱۹۴، ۱۹۵۔
مدر انڈیا۔ ۳۹، ۶۱، ۶۲۔
مدراس۔ ۴۲، ۵۲، ۵۴، ۷۵، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۶۵، ۳۷۸، ۳۷۹۔
مڈلٹن، لارڈ۔ ۳۱۹۔
مڈی مین، سرالکزانڈر۔ ۳۰، ۳۲، ۴۲، ۵۴، ۶۲۔
مڈی مین کمیٹی رپورٹ۔ ۳۰، ۳۲، ۴۲۔
مسعود، سرراس۔ ۲۶۷۔
مسلم (مسلمان)۔ ۹۶، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۵، ۳۱۲، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷۔
مسلم کانفرنس۔ ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۵۹، ۲۶۳، ۳۱۱، ۳۷۸۔
مسلم لیگ، آل انڈیا۔ ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۶۸، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۶۳، ۳۱۱، ۳۷۸۔
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ۲۴۵، ۲۶۷۔
مسولینی۔ ۱۳۴، ۳۴۹۔
مشترکہ کمیٹی رپورٹ۔ ۳۱۱، ۳۱۶، ۳۲۰۔
مشترکہ کمیٹی رپورٹ۔ ۲۵۔
مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد۔ ۷۔
مشرم۔ ایس۔ ۱۹۸۔
منتہائے مقصود۔ ۱۰۶۔
منٹو، لارڈ۔ ۳۷۸۔
منشور دہلی۔ ۱۰۸۔
منشی۔ کے۔ ایم۔ ۲۶۷، ۳۱۴۔
مونجے، بی۔ ایس ڈاکٹر۔ ۹، ۵۵، ۱۹۶، ۲۱۸، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۶، ۳۲۰۔
موھانی، مولانا حسرت۔ ۲۵۲۔
مہاراجہ آف بردوان۔ ۵۹، ۶۰۔

Marfat.com

مہتا، چنی لال۔ ۵۸۔
مہتا، منو بھائی۔ ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۹۹، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵۔
مہتاب، بی۔ سی بردوانی۔ ۵۴۔
میثاق پونا۔ ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۹، ۳۱۰۔
میثاق لکھنو۔ ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۳۹۔
میرز، گرم وڈ۔ ۱۴۷۔
میسور۔ ۱۱۹، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۴۵، ۱۴۹، ۲۲۱، ۲۷۱۔
میکڈانلڈ، سر رمزے۔ ۳۸، ۳۹، ۵۳، ۵۸، ۵۹، ۸۰، ۸۱، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۵۷، ۳۴۸، ۳۹۳۔
می موائرز Memoirs ۔ ۲۵۵۔
میو، کیتھرین۔ ۶۱۔
ناکس، سر آلفریڈ۔ ۳۷۶۔
ناگپور۔ ۸۶۔
نال، جوزف۔ ۳۱۹۔
نانک چند، پنڈت۔ ۱۹۸۔
ناوانگر، مہاراجہ۔ ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۹۳، ۳۰۵۔
نائیجریا۔ ۸۔
نائیڈو، سروجنی۔ ۲۴۷۔
نتاراجن، کے۔ ۶۴۔
نظام حیدر آباد۔ ۳۹۳۔
نندا، پی۔ آر۔ ۱۰۷۔
نا اور نیور آروی ٹولیو آر ٹو پیرش فورایور۔ ۲۶۷۔
نون، فیروز خان۔ ۳۷، ۴۶، ۵۷، ۶۵، ۲۰۸، ۲۴۹، ۳۹۳۔
نہرو رپورٹ۔ ۴۵، ۷۰، ۷۵، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۵۵، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۳۵، ۲۴۶۔
نہرو، جواہر لال۔ ۴۳، ۶۳، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۹۹، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۶۳، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۴۲، ۳۵۶، ۳۹۴۔
نہرو، موتی لال۔ ۴۳، ۴۴، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۶۷، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۴۷، ۳۴۸۔
دی نہروز، موتی لال اینڈ جواھر لال۔ ۱۰۷۔
نیشنل لبریشن فیڈریشن۔ ۱۳۶، ۱۵۲، ۱۹۵، ۲۹۴، ۳۷۸۔
نیشنل هیرالڈ۔ ۶۴۔
نیشنل یونین آف کنزرویٹو اینڈ ریونینسٹ۔ ۱۸۵۔
نیوبل، ایس پی۔ ۲۹۴۔
نیو کونسٹی ٹیوشن آف انڈیا۔ ۳۵۰۔
واٹسن، سر آلفریڈ۔ ۳۱۱۔

Marfat.com

وارث امیر علی۔ ۲۵۶۔
واستوا، سری۔ ۱۹۶۔
والیان ریاست۔ ۱۶، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۹، ۲۱۲، ۲۷۶، ۲۸۸، ۳۰۴، ۳۱۴، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۷۵۔
وانکائیر۔ ۳۰۹۔
دی وائس آف فریڈم۔ ۵۲۔
وائسرائے۔ ۲۹، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۴۰، ۴۵، ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۶۴، ۶۸، ۶۹، ۸۰، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۹۲، ۹۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۹، ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۴۶، ۲۷۵، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۷۰، ۳۷۱۔
دی وائسرالیٹی آف لارڈ اردن۔ ۲۵۸۔
وڈ، ایڈورڈ۔ فریڈرک لنڈلے۔ ۵۵۔
وگرام، سرکلایو۔ ۱۱۲۔
ولر، لارڈ۔ ۳۷۷۔
ولیمز، رش بروک۔ ۲۰، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۷۔
ولیمز، ہربرٹ جی۔ ۳۷۷۔
ولنگڈن، لارڈ۔ ۱۴، ۱۷، ۱۳۸، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۲۷، ۲۳۵، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۷۵، ۳۹۴۔
ولیئرز، ایڈورڈ۔ ۳۱۱۔
ونٹرٹن، لارڈ ایڈورڈ ٹورنر۔ ۲۷۸، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۹۴۔
ونسنٹ، سرولیم۔ ۵۱، ۱۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳۔
وہائٹ، سرفریڈرک۔ ۶۲، ۱۲۰، ۱۴۰، ۱۴۴، ۳۹۴۔
ویج وڈ، جوشیا۔ ۱۴، ۸۰، ۳۱۱۔
ویسٹ منسٹر، ڈیوک آف۔ ۳۷۷۔
وے لینڈ، میجرالیس ولیم۔ ۳۷۷۔
ہارون، عبداللہ۔ ۲۵۷۔
ہارٹنگن، لارڈ۔ ۳۷۶۔
ہارٹ شورن، ورنون۔ ۱۰۳۔
ہارڈنگ، لارڈ۔ ۳۰۹۔
ہٹلر، اڈولوف۔ ۳۳۸، ۳۴۹۔
ہرٹزل، سر آرتھر۔ ۹۹۔
ہزہائی نس دی مہاراجہ آف بیکانیر۔ اے بائیو گرافی۔ ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷،

۱۴۸۔
ہکسار، کے۔ این۔ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۵۷، ۲۵۸، ۳۱۶۔
ہندو۔ ۹۶، ۱۷۸، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۵۲، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۷، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۷۸۔
ہندو مہا سبھا۔ ۱۷۸، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۴، ۳۰۷۔
ہندوستان۔ ۷۹، ۸۳، ۸۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۸۱، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۸۰۔
ھوپ، وکٹر الکزنڈر۔ ۲۹۵، ۳۰۹۔
ہور، سر سیموئیل (ٹیمپل وڈ، لارڈ۔) ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۳۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۲۶، ۲۳۵، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۴۱، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۵، ۳۹۵۔
ہیری سن، مس آگاتھا۔ ۳۰۸۔
ہیگ، ایچ۔ جی۔ ۱۴۹، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۵۵، ۲۵۹، ۳۰۴، ۳۵۷۔

Marfat.com

ھیلی فاکس۔ دیکھئے اروِن، لارڈ
ھیلے، سرمالکم۔ ۲۳، ۳۰، ۳۴، ۳۸، ۴۲، ۴۶، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۶۴، ۶۵، ۶۷، ۱۱۱، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۸، ۲۲۱، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۴، ۲۷۳، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۵، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۴۰، ۳۴۸، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۹۵۔
ھیوسٹن، لیڈی۔ ۳۷۶۔
ینگ انڈیا۔ ۴۲، ۵۶۔
ییرس، لارڈ۔ ۳۷۷۔
یعقوب، محمد۔ ۱۰۲، ۲۱۹، ۲۵۷۔
یوپی۔ ۵۴، ۱۶۳، ۲۴۵، ۲۵۷، ۲۶۳، ۲۶۵، ۳۱۵۔
یوسف، نواب محمد۔ ۲۴۹۔

Marfat.com

1-NIMA SERIES M6010 SHEET 3181

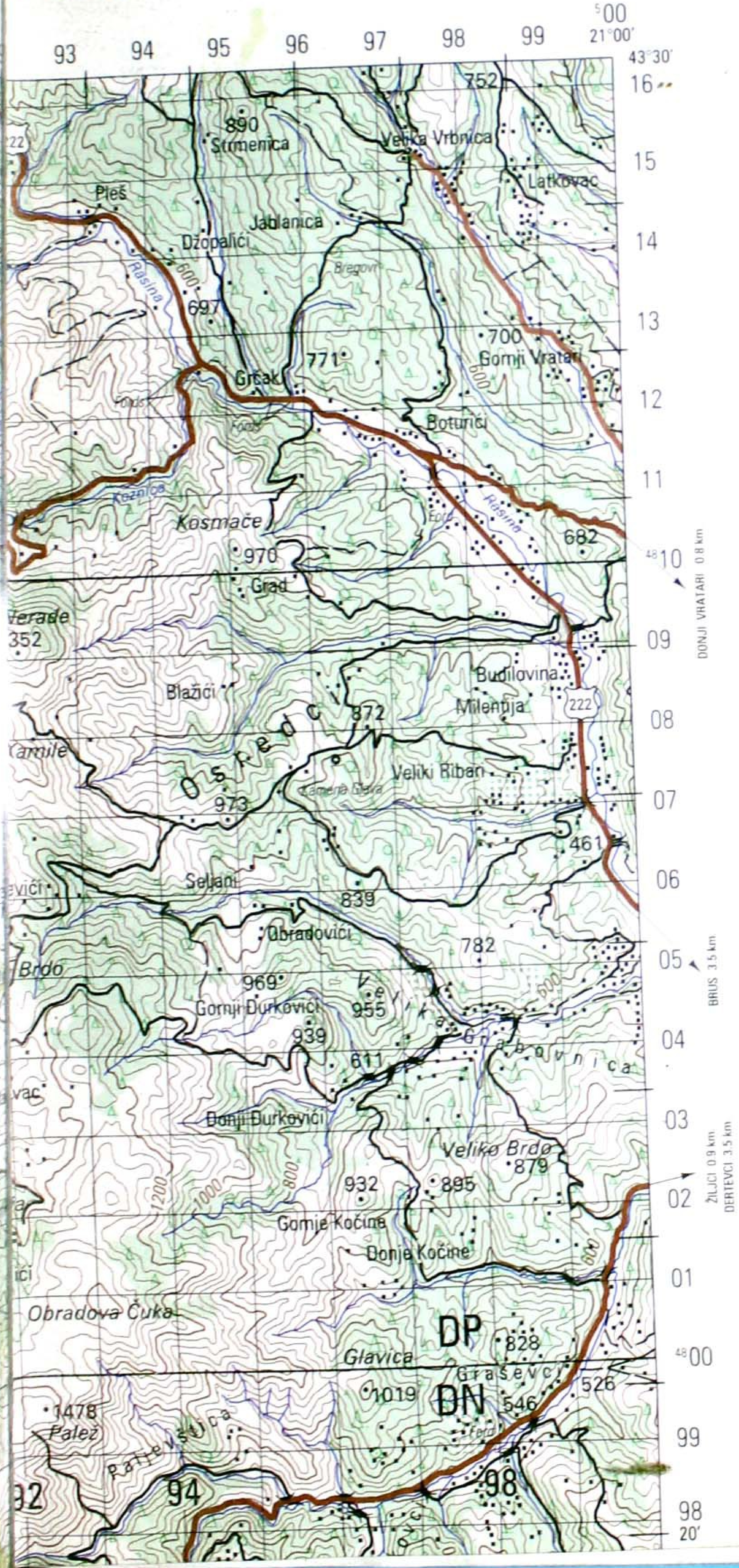

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com